WWW.PAKIBOOKS.SITE
ماهنامه
جاسوسی ڈائجسٹ
ستمبر 2018
نگران اعلیٰ
PakiBooks.Site
عید الاضحیٰ مبارک

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

مدیر : لبنیٰ خیال
نائب مدیر : ڈاکٹر نعیم اختر

منیجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن منیجر
سید منیر حسین
0333-3285269

07 **چینی نکتہ چینی** — مدیر اعلیٰ
قارئین کی کرم فرمائیاں اور کج ادائیاں
نامہ و پیام، محبتیں، عنایتیں اور شکایتیں

14 **سیلون کا سوچ** — امجد رئیس
قانون اور مجرم کے درمیان کھیلی جانے والی آنکھ مچولی
انوکھا واقعہ... انوکھے موڑ کی سنسنی خیز داستان

37 **خواہش کا اسیر** — تنویر ریاض
سچ اور جھوٹ کے ...
میں جھولتے ملزم کی ...

76 **اندھیر نگری** — احمد سلیم سلیمی
معاشرے کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ
دینے والے مسیحا کی کوششیں تمام

85 **ناکام منصوبہ** — جمال دستی
جرم و سچ کا امتزاج ایک ان
دیکھے مجرم کی کھوج کا معاملہ

96 **انگارے** — طاہر جاوید مغل
سطر سطر رنگ بدلتی...
ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان

131 **شکست** — امتزاز سلیم وصلی
تلخ حقائق کی آئینہ دار.....
تھرل سے بھرپور شاہکار

149 **حساب برابر** — منظر امام
کھیل ہی کھیل میں پل پل بدلتے
کرداروں کے رنگ ڈھنگ......

154 **آوارہ گرد** — ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
تحیر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا
ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...

185 **جھوٹ کا پول** — سلیم انور
معمول سے ہٹ کر دکھائی
جانے والی حاضر دماغی کا خمیازہ......

188 **دھوکے باز** — عکس فاطمہ
ایک شکاری کا زہریلا جال جس
میں ہر روز نئی مچھلیاں پھنستی تھیں......

199 **شکاری** — زویا اعجاز
قتل...... انتقام اور ناانصافی کا کڑا بوجھ
اٹھائے ایک بے آسرا کا سفرِ تمام

229 **بلائے جان** — محمد فاروق انجم
خوف و وحشت کا فریبی جال جو
لمحہ بہ لمحہ الجھتا جا رہا تھا

* **تراش خراش** — ادارہ و قارئین
اقتباسات، گدگدیاں، مسکراہٹیں اور قہقہے
سب کچھ آپ کی تفریحِ طبع اور تو ضیع کے لیے

PakiBooks.Site

جلد48 • شمارہ09 • ستمبر 2018 • زرِ سالانہ 900 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 70 روپے •
خط و کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر229 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com
پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقامِ اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

مدیر اعلیٰ

چینی نکتہ چینی

عزیزانِ من...... السلام علیکم!

الحمدللہ کہ انتخابات امن وامان کی فضا میں منعقد ہوگئے اور حکومت سازی کے مراحل بھی اس تحریر کی اشاعت تک مکمل ہو چکے ہوں گے۔ اس بار عنانِ اقتدار سنبھالنے والوں سے عوامی توقعات بہت زیادہ ہیں۔ نیا پاکستان کے انتخابی نعرے نے عوام اور خصوصاً نوجوانوں میں ایک نئی جوت جگا دی ہے۔ وزارتِ عظمیٰ کے جاہ وجلال اور مردم آزار پروٹوکول کے خاتمے کی خبریں تو خیر عام ہیں لیکن اراکین قومی وصوبائی اسمبلی کی خودساختہ تنخواہوں اور مراعات پر بھی بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔ مانا کہ اسمبلیوں کے اراکین کو قانون سازی اور مشاہروں کے تعین کا پورا اختیار ہے لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ وہ خود اپنے مالی مفادات میں معتدبہ اضافے تجویز کریں اور خود ہی ووٹ دے کر اسے منظور بھی کرلیں۔ گمبھیر قومی مسائل پر بھی یکجا اور متحد نہ ہونے والے اراکین اسمبلی اپنی مراعات میں اضافے کی تجاویز پر یوں ہم نوا ہو جاتے ہیں جیسے وہ سب ایک دوسرے کے جڑواں ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ مختلف ذرائع سے آنے والی خبروں کے مطابق ہمارے یہ رہنما آج سے پہلے تک ہمارے اور آپ کے ٹیکسوں کے بل پر اپنے اپنے کیفے ٹیریا میں ناقابلِ یقین سستے داموں پر مرغن کھانے نوش فرماتے رہے ہیں۔ معاشی نمو اور استحکام، درآمدی وبرآمدی پالیسی، معاملات خارجہ اور بجٹ کی تقسیم جیسے معاملات سے ملک اور قوم کے مفادات ضرور وابستہ ہوتے ہیں لیکن ان نازک موضوعات کے بارے میں حکمراں ہی بہتر جانتے ہیں...... رموزِ مملکت خویش، خسرواں دانند۔ عوام کی نظریں اپنے روزمرہ مسائل پر ہوتی ہیں۔ روزافزوں مہنگائی، بجلی، پانی اور ٹرانسپورٹ کی بلاتعطل فراہمی، کچرے اور غلاظت کے پہاڑوں سے نجات، اسپتالوں میں بلا امتیاز بہترین علاج معالجہ، سستی اور یکساں تعلیم، تھانوں کچہریوں میں شہریوں سے باعزت سلوک، رشوت خوری کے آسیب سے نجات...... یہ خواب پورے ہوں تو سمجھ لیں کہ پاکستان میں ایک نیا نظام آگیا۔ ان تمام تبدیلیوں کی ابتدا اوپر سے ہوتی ہے۔ وزیراعظم کے ساتھ وزرائے کرام اور اراکینِ اسمبلی کے مشاہرے، مراعات اور پروٹوکول وغیرہ پر بھی نظرثانی کی اشد ضرورت ہے۔ اوپر سے مثالیں قائم ہوں گی تو عوام خود بخود ان کی تقلید کریں گے۔ تحیر بازی اور حیلہ سازی کے کلچر کو رواج دیا گیا تو گاڑی آمد وخررفت والا قصہ ہوگا۔ سب کچھ جوں کا توں چلتا رہے گا۔ ہماری امید اور دعا ہے کہ ایسا نہ ہو...... چلیے اب چلتے ہیں اپنی تاخیر یں محفل میں......

قارئین سے التماس

اخبارات اور رسائل کے لیے اس سال کے آغاز سے ہی مالی مشکلات شروع ہو چکی تھیں۔ لاگت میں عمومی اضافے کے ساتھ نیوز پرنٹ کی گرانی نے مستحکم اشاعتی اداروں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور یہ بحران تاحال جاری ہے۔ ان حالات میں ہمارے ادارے کے لیے تین راستے رہ جاتے ہیں، قیمت میں ناگزیر اضافہ، صفحات میں کمی یا آسیبی بحران میں اشاعت معطل کرکے بہتر وقت کا انتظار۔

ادارے اور معزز قارئین کا تعلق بہت گہرا اور بنیادی ہے۔ قارئین کی سرپرستی نے ہی ہمارے رسائل کو موجودہ مقام عطا کیا ہے۔ ہم آپ کی مشاورت سے ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان تین میں سے کس راہ کا انتخاب ہمارے اور پڑھنے والوں کے لیے سودمند رہے گا۔ ہمیں آپ کی مخلصانہ آرا کا انتظار رہے گا۔

(ادارہ)

اسلام آباد سے ایمانے زارا شاہ کی خواہش "جاسوسی کا ٹائٹل کافی ماہ بعد اٹریکٹو لگا ہے۔ اس بار شمارہ اتنی جلدی مل گیا ہے کہ یقین نہیں آرہا تھا، الٹ پلٹ کرکے دیکھنے پر پتا چلا کہ اگست کا ہی ہے۔ اداریے میں جیسے حکمران چننے کی آپ نے نصیحت کی ہے ویسے تو اب دستیاب نہیں ہوتے البتہ اپنی طرف سے بہتر آپشنز او کے کررہے ہیں اب دیکھتے ہیں کیا گل کھلاتے ہیں۔ نکتہ چینی میں فیصل مشتاق نے آتے ہی سب کو کلین بولڈ کردیا ہے، مبارک باد۔ بہت بے ساختہ تبصرہ تھا! سیف اتنا دھواں؟ کہیں انکا بوٹی تو نہیں بن گئی آپ کی ناک کی۔ کوئی دوا لے لیجیے اس عمر میں اتنی کھانسی آپ کی صحت کے لیے اچھی نہیں ہے اور آپ جیسے گنجے صنفِ وجاہت سے خود کو تو مبرا ہی سمجھیں۔ پتا نہیں کہاں سے نیند میں آجاتے ہیں لوگ۔ پرویز لانگو آپ سے تو میں ناراض ہوں لیکن فکر نہ کریں آپ کے سپوت پر زبان ہلکی ہی رکھوں گی آتے ساتھ ہی تو نہیں بھگا دینا اس کو...... اللہ اللہ کوئی طلعت کی خوش فہمیاں تو چیک کرے...... اور تحریک لانچ کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن کچھ صنفِ کرخت والے پھر اپنا بوریا بستر سمیٹتے نظر آئیں گے۔ ہماری آواز سے فوراً ہی اس بار خواتین کی تعداد میں ویسے ہی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ آمنہ رانا یہ پرانے زمانے کے لوگوں کو چھوڑ کر اب نئے بیچاروں پر بھی گفتگو کرلیجیے۔ تیز چھری کاٹنے تو نہیں البتہ آپ تو مکھن لگانے والی چھری سے ہی کام چلا رہی ہیں ابھی...... ! آخر میں عطیہ داؤد کی دھمکیاں پڑھ کر سوچ رہی ہوں شاہد ذوالفقار کی

کیا حالت ہوگی۔ کہانیوں میں انگارے وا موسٹ فیورٹ میں کیا ہو رہا ہے یہ...... اتنا ظلم......؟ ایک کے بعد ایک پر...... مغل صاحب آپ نے تاوان کے صدور کے بعد سجاول کو بھی دنیا کی رنگینی سے محروم کردیا۔ سجاول نے بہت بڑی قربانی دی ہے سب کو بچانے کے لیے یقین نہیں آتا۔ اندھا تو تاجور کو کرنا تھا...... اس بار بھی باز نہیں آئی دھمکی دینے سے...... قسط تو ایکشن و سنسنی خیزی سے مزین تھی۔ خاص کر پرندوں والے سین لیکن دکھی دل کرنے والی بھی رہی۔ مغل صاحب حیران کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کبیر عباسی کا رنگ زمین خور بہت ہی اعلیٰ کاوش تھی۔ کافی عرصے بعد ایک منفرد تحریر پڑھنے کو ملی۔ نقاش و عزیر جیسے لوگوں کو سیلوٹ لیکن یہ شعور نہ ہونے کے برابر ہے اکثر شمالی علاقہ جات کے جنگلات میں آگ لگا کر درختوں پر ہاتھ صاف کیا جاتا ہے۔ امجد جاوید کا رنگ پیادہ ایک دم بیکار تھا۔ سیاست و سیاستدانوں پر لکھنا ہی تھا تو کچھ ڈھنگ سے لکھتے آج کل کے سوشل میڈیا کے دور میں اس بے تکی کہانی سے زیادہ معلومات تو عام قارئین کو ہوتی ہیں۔ ہرجائی پڑھ کر سوچ رہی ہوں، ہرجائی کون تھا؟ بلال یا دانیہ؟ میرے خیال سے دونوں۔ بس فرق یہ تھا دانیہ ایکسپرٹ تھی اور بلال کی پہلی کوشش تھی تو بیچارے کا دماغ الٹ گیا۔ اچھی کوشش تھی مظہر سلیم ہاشمی کی۔ سیانا کوا میں' کمی نے مکھن سے بال کی طرح نکال لیا۔ شکل سے تو بالکل کاکودی بنی رہی تھی لیکن ذہانت سے سانپ بھی مار دیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔ کیا بات ہے۔ ایک کمانڈو نامی کہانی تو گزارے لائق تھی۔ کچھ خاص مزہ نہیں آیا۔ ہم تو پڑھتے پڑھتے سو ہی گئے اور جاگے تو داراب صاحب پورا شہر پاک کرچکے تھے۔ واہ کمانڈو ہو تو ایسا۔ ایک ایک کمانڈو پاکستان کے سب شہروں میں بھیج دیں اور بگڑے مجرموں سے پاک کروادیں...... کیسا؟؟“

بورے والا سے عبدالجبار رومی انصاری کی عنایت ”میری پہچان پاکستان اور ہمیشہ رہے۔ جوش و جذبے سے آزادی کی خوشیاں منانے والی پاکستانی قوم کو اس خوشی میں نئی قیادت بھی میسر آگئی ہے۔ اب امید ہے قوم کو صبر و استقامت کا پھل ضرور ملے گا۔ ٹائٹل کے حوالے سے سیف خان کی بات ٹھیک ہے کہ ایک ہی لڑکی کے مختلف پوز ہیں۔ بہرحال دوشیزہ کی خوب صورتی باکمال ہے بائی ٹائٹل آمنہ آمنہ چیخ ہو ہی جائے گا۔ شکریہ فیصل مشتاق بھائی آپ بھی آئے اور چھا گئے۔ محمد رمشہ کا دو شماروں پر مختصر تبصرہ اچھا تھا اور عائشہ مرزا صاحبہ ہر ماہ ایک ہی تصویر آئے گی تو یونہی لگے گا کہ خواب میں دیکھ لی ہے۔ آپ نے کہا کرل بیٹھنے کی روایت دم توڑ گئی ہے تو کوشش کرکے اسے جوڑا ابھی جا سکتا ہے کبھی ہم بھی عمید یادگار بن سکتی ہے۔ ریحانہ عائشہ نادر کے خیالات بھی بہت نادر لگے، عمدہ تبصرہ۔ ایمانے زارا شاہ کی تکلیف تو بنتی ہے کچھ آگئی پر انگارے کی تاجور تو مسلسل انگاروں پر چل رہی ہے، اسے اپنی تکلیف کی سمجھ کیوں نہیں آرہی اور پھر چھلاوہ جادوگرنی ماناوانی نے بھی اپنی پُراسراریت سے ماحول گرما دیا۔ بھرپور تبصرے کے ساتھ طلعت مسعود کی خوشی بھی دوچند تھی۔ آمنہ رانا کی پہلی کوشش اچھی لگی۔ امید ہے اگلی کوشش صدارت پر لے آئے گی۔ خالد شاہ طاہری اب آپ آگئے ہیں تو اپنی رونقیں بھی ساتھ لے آئیں نا۔ عاصم شہزاد کا بھرپور تبصرہ بھی اچھا رہا۔ ساتھ میں شاہد ذوالفقار اور عطیہ داؤد کے تبصرے بھی اچھے رہے۔ ہمایوں بلگرامی کی کمانڈو زبردست رہی، بے رحم جسٹن کو کیتھی پر رحم نہ آیا اور اسے جھیل میں ڈبو دیا اور پھر روزی کے خون سے اپنا اصلی روپ بھی سامنے دکھا دیا۔ کہتے ہیں جو رحم نہ کرے اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا اور پھر جسٹن کے ساتھ بھی وہی ہوا جو بے چاری کیتھی کے ساتھ ہوا تھا۔ آوارہ گرد کا جہاز بھی آخر فضا سے زمین پر آہی گیا۔ یہ الگ بات کہ وہ ریت کے میدان میں دھنس کر سلامت نہ رہ سکا۔ ہرجائی میں بے وقوف بلال نے دانیہ کے لیے اپنی بیوی کو قتل کردیا اور پھر بیوی کی ہم شکل دیکھ کر ذہنی توازن ہی کھو بیٹھا اور دانیہ کو ڈاکٹر کی شکل میں نیا بندہ مل گیا۔ کوئی دل بہلانا ہو کوئی دولت سے دو چار کر رہا ہے دنیا عجب ہی ہے۔ عزم و حوصلے سے گندھی خوب صورت تحریر میرا بازو بے حد اچھی لگی۔ بے شک کچھ بچا ہو یا نہ بچا ہو اک حوصلہ بس رہ گیا ہے اور اسی حوصلے نے پرانی چپلوں کا گفٹ دے کر اپنے باپ میں نیا حوصلہ بھر دیا۔ بہت عمدہ۔“

فیصل آباد سے عائشہ مرزا ”اگست کی ٹائٹل گرل حسین محسوس ہوئی جبکہ ٹھوڑی شاید نقلی ہاتھ پر لگا رکھی تھی۔ یہ موجودہ نازی شخص کو پستول چلانا نہیں آرہا تھا۔ اس سے اچھا پستول تو میرے برادران چلا لیتے ہیں چھپکلیاں مارتے وقت۔ اداریہ ٹھیک تھا۔ محفل میں فرنٹ سیٹ پر فیصل صاحب آپ کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ آپ نے اس دفعہ میٹھا کھانے کے ریکارڈ قائم کیے ہوئے ہیں تبھی تو میٹھے کی محفل میں فرنٹ سیٹ پر جگہ مل گئی، وہ بھی دوسری انٹری میں ہی۔ محمد رمشہ شکر ہے تم دونوں واپس آگئیں مجھے تو لگا فیصل آبادیے مجھے محفل میں تنہا چھوڑ کر خود روپوش ہوگئے ہیں۔ تھوڑا سا آگے بڑھے تو سیف خان نے ہر طرف دھواں پھیلا رکھا تھا لیکن میں بھی بچ بچا کر سائڈ سے گزر ہی گئی جہاں لانگاہ صاحب بیٹے کی فکر میں دبلے ہو رہے تھے۔ ایمانے کا چٹ پٹا تبصرہ محفل کی جان رہا۔ طلعت، ساگر اور عاصم شہزاد کے ہنستے اور ہنساتے تبصرے خوب مزے کے لگے۔ ریحانہ عائشہ، آمنہ اور عطیہ آپ تینوں کو ہماری تھوڑی میٹھی اور تھوڑی چٹ پٹی محفل میں خوش آمدید۔ انگارے کی یہ قسط بہت سنسنی خیز رہی۔ سانس روک روک کر پڑھی۔ سجاول کی حالت پڑھ کر دل پر زوردار گھونسا لگا۔ جانے آگے کیا ہونے والا ہے۔ مغل انکل رحم کریں ہمارے دلوں پر۔ پہلا رنگ پیادہ میں سیاست کی کھٹر پٹر سنائی دی۔ چھوٹی سی بات شروع ہونے والی لڑائی نے بڑھتے بڑھتے کتنے گھر برباد کردیے۔ صرف دھوکے باز سیاست دانوں کی وجہ سے صلح نہ ہوئی۔ اختتام سرپرائزڈ رہا جہاں فرحان نے پوری بساط ہی الٹ ڈالی۔ دوسرے رنگ زمین خور میں قاتل جتھے کے بارے میں بھرپور سسپنس پیدا کیا گیا جس کی وجہ سے دلچسپی بڑھی۔ نقاش اور عزیز نے دوسرے لوگوں کو بچا کر خود موت کو گلے سے لگایا...... ویری نائس۔ کبیر عباسی کو اس کہانی کا اگلا حصہ لکھنا چاہیے جس میں انور اور جابر جیسے قاتلوں کا انجام بھی بتایا جائے۔ ہمایوں بلگرامی کے کمانڈو نے متاثر کیا خاص طور پر کمانڈو کا دشمنوں کو للکارنے کا انداز اور پھر ان کا سامنا کرنے کی ہمت۔ اردشیر کو تیزاب کے حوض میں ڈال کر کہانی کا مزہ دوبالا ہوگیا۔ کہانی میں چند دردناک پہلو...... غمگین کر گئے۔ شاکر لطیف کی بے رحم دلچسپ موڑ لیے ہوئے تھی۔ جسٹن کے ساتھ بڑا اچھا ہوا، مزہ آگیا۔ منظر امام صاحب...... رلاؤ گے کیا؟ کتنی پیاری تحریر تھی میرا بازو، ویلڈن۔ شاطر، اعتزاز وسلی کے قلم سے اک شاندار تحریر۔ او مائی گاڈ، ڈاکٹرز کا اتنا بھیانک روپ بھی ہوتا ہے۔ تکالیف کا علاج کرنے والے ہی وجہِ تکلیف بن گئے۔“

کہوٹہ سے منصور عرف مانی کے من کی باتیں ”طویل عرصے سے جاسوسی کا قاری ہوں مگر پچھلے کچھ عرصے سے اپنے محبوب ڈائجسٹ کو زوال پذیر ہوتے دیکھ کر دکھ سے دوچار ہو رہا ہوں۔ آپ نے صفحات کم کیے، ٹھیک ہے، ہوگی آپ کی کوئی مجبوری مگر یہ پیلے اور سفید دو طرح کے کاغذ دیکھ کر سخت الجھن ہوتی ہے۔ چاہے پیلا کاغذ استعمال کریں مگر ایک ہی طرح کا ہونا چاہیے۔ سرورق کا معیار بھی خاصا گر گیا ہے لیکن اس بار کا سرورق قدرے بہتر تھا۔ ذاکر حسین کی بیماری کی خبر آپ نے شائع کی تھی۔ اب کیا حال ہے ان کا؟ (تاحال وہ علیل ہیں ان کے لیے دعا کریں) کہانیوں میں انگارے تو بہتر جا رہی ہے خاص طور پر اس بار کی قسط سنسنی سے بھرپور تھی۔ مزاح کا تڑکا بھی خوب لگا لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آوارہ گرد پر صفحات کیوں ضائع کیے جا رہے ہیں۔ ابتدائی صفحات کو امجد رئیس کے تراجم نے سنبھالا دیا ہوا ہے ورنہ کم ہی اب ابتدائی صفحات پر کوئی اچھی تحریر شائع ہوتی ہے۔ اس بار کی تحریر تو بالکل ہی بچکانہ تھی۔ رنگوں کا معیار قدرے بہتر ہے لیکن وہ والی بات بہرحال نہیں رہی جو کاشف زبیر صاحب میں تھی۔ اس بار امجد جاوید نے پہلے رنگ میں سیاسی شعبدہ گروں کی شعبدہ گری کا خوب نقشہ دکھایا لیکن کافی بہتری کی گنجائش تھی۔ خاص طور پر اینڈ کو مزید واضح کیا جاتا تو کافی اچھا تاثر پڑتا۔ کبیر عباسی کا دوسرا رنگ سنسنی سے بھرپور تھا۔ لفاظی بھی اچھی تھی اور اینڈ بھی حقیقت کے قریب ترین لیکن انور کا کچھ بیک گراؤنڈ دکھانا چاہیے تھا۔ مختصر تحریروں میں اعتزاز سلیم کی شاطر دلچسپ رہی۔ مظہر سلیم کی ہرجائی بھی اچھی رہی، ایسا لگا جیسے انگریزی کہانی کو اپنے انداز میں لکھ کر دیسی ٹچ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ تنویر ریاض کی اصلی مجرم دلچسپ رہی۔ ہیرو نے بڑی ذہانت سے اصلی مجرم تلاش کیا۔ عمران قریشی نے بھی بہت اچھی تحریر پیش کی، لیکن یہ کہانی کافی پرانی لگی۔ منظر امام کی مختصری تحریر انتہائی دل گداز رہی۔ منظر امام بڑی اچھی مختصر کہانیاں لکھتے ہیں لیکن جانے جاسوسی میں ان کی تحریر کس کھاتے میں فٹ کی جاتی ہے؟ (قارئین کی پسندیدگی کے خانے میں) شاکر لطیف ہمیشہ پلاٹ بڑا اچھا چنتے ہیں لیکن کہانی کو لمبا کرنے کے چکر میں ایک بات کو اتنا دہراتے ہیں کہ سارا مزہ خراب ہو کے رہ جاتا ہے۔ آخر میں آپ سے ایک پُرزور درخواست کرنا چاہوں گا۔ آپ سوشل میڈیا پر ڈائجسٹ کی اتنی زیادہ مشہوری کریں کہ ڈائجسٹ پڑھنا ٹرینڈ بن جائے۔“ (آپ نے خط لکھا، بے حد شکریہ! آپ کی تمام تجاویز زیرِغور ہیں)

فیصل آباد سے محمد رمشہ کی توصیف ”یوم آزادی کا شمارہ جلدی مل گیا۔ ریحانہ عائشہ نادر، آمنہ رانا اور عطیہ داؤد کو پہلی انٹری دینے پر ویلکم۔ عطیہ داؤد آپ کی بات پر میں بھی متفق ہوں کہ شمارے میں انگلش کہانیاں زیادہ ہونی چاہئیں۔ ان میں تھرل، سسپنس، ایکشن کے علاوہ معلومات بھی ہوتی ہیں۔ ایمانے زارا شاہ کا تبصرہ ہمیشہ کی طرح کھلکھلاہٹیں لیے ہوئے تھا۔ ہمایوں بلگرامی کی کمانڈو انصاف اور بدلے کی آگ کی اچھی کہانی تھی لیکن شیرا کا کردار جلدی ختم کردیا گیا۔ اس کی موت بھی اس کے باپ اردشیر کی ہی طرح تیزاب کے حوض میں ہونی چاہیے تھی۔ شاکر لطیف کی بے رحم میں جسٹن جیسے مکار، دغاباز انسان کی موت ایسی ہی عبرتناک ہونی چاہیے تھی۔ تنویر ریاض کی اصلی مجرم میں بگ نے میونگل کو بچا کر اچھا کیا لیکن اس پورے گینگ کو ختم ہونا چاہیے تھا۔ امجد جاوید کی پیادہ سیاست کے پیچ و خم لیے ہوئی تھی۔ صائمہ جیسی اخلاقیات و کردار سے نابلد لڑکی پر تو مجھے پہلے ہی شک تھا کہ وہ میاں طارق کا پیادہ ہوگی۔ اس کی موت تو عبرتناک ہوئی لیکن چوہدری فرحان جیسے بدکردار اور سفاک انسان کو بھی تو سزا ملنی چاہیے تھی۔ اسی کی وجہ سے اسلم، اکرم اور راشد قتل ہوئے۔ چوہدری فرحان کا بچ جانا مجھے کچھ ہضم نہیں ہوا۔ کہانی کا اینڈ اچھا نہیں تھا۔ کبیر عباسی کی زمین خور میں انور جیسے شقی القلب آدمی کا آخر میں سسک سسک کر مرنے کا انجام دکھانا چاہیے تھا۔ عزیر اور خاص کر نقاش کی موت کا بہت دکھ ہوا۔ اب آتی ہوں اس شمارے کی بیسٹ کہانی کی طرف جو تھی اعتزاز سلیم وسلی کی شاطر۔ زاہد احمد اور حماد جیسے شقی القلب آدمیوں کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ فرید جیسے معصوم انسان پر بہت ترس آیا اور اس کی موت پر دکھ بھی ہوا۔ فرید نے ان کو دنیا سے مٹا کر برائی کو ختم کیا تھا۔ ایسی تادیر یاد رہ جانے والی کہانیاں جاسوسی ڈائجسٹ میں ہونی چاہئیں۔“

سکھر سے باسط شہزاد کی امیدیں ”دس برس پہلے جب میں آٹھویں جماعت میں تھا تب ایک کزن کے توسط سے جاسوسی کا مطالعہ کیا تب سے لت لگی ہوئی ہے حالانکہ اس کی وجہ سے والد صاحب سے بہت لاتیں کھائیں پھر بھی ثابت قدم رہا۔ اتنے عرصے کے بعد شائع ہونے کی امید کے ساتھ تبصرہ لکھ رہا ہوں۔ (مبارک ہو آپ کی امید بر آئی) اگست کا شمارہ مجھے کچھ دنوں کی تاخیر سے ملا۔ سرورق کی حسینہ کی آنکھوں سے گھائل ہوتے اور ان کے ساتھ ہی عجیب ساخت کا پستول پکڑے ہوئے بھائی صاحب سے خوف محسوس کرتے ہوئے میں سیدھا چٹنی نکتہ چینی میں جا پہنچا، کرسی اول پر براجمان تھے فیصل مشتاق مبارک باد۔ جو پچھلے دو ماہ کے شماروں کے سرورق پر موجود لڑکیوں کو ہم شکل یا جڑواں ثابت کرنے میں مصروف تھے، تبصرہ شاندار تھا۔ محمد رمشہ صاحب امتحان سے فراغت کے بعد بھی دو ماہ کے شماروں کا تبصرہ اتنا مختصر؟ سیف خان صاحب جولائی کی سخت گرمی میں بلاوجہ ناک اور کانوں سے دھواں نکالتے ہوئے پائے گئے، کافی لمبا تبصرہ پر شاندار تھا۔ عائشہ صاحبہ اپنی ہم جنس کی جھوٹی تعریف کرتی ہوئی پائی گئیں۔ پرویز لانگاہ صاحب کی تبصرہ نگاروں کے بارے میں دلچسپ باتیں پڑھ کر دل گارڈن گارڈن ہوگیا۔ عائشہ نادر، اسما قادری کو لٹریچر کا سبق پڑھاتے ہوئے نظر آئیں۔ انسپکٹر ساگر ٹکو کر صاحب کی چھاپا مار کارروائی سے بچتے ہوئے گزرا، دلچسپ باتیں کرتے ہیں ٹکو کر صاحب! ایمانے زارا شاہ، طلعت مسعود، شاہد ذوالفقار اور عاصم شہزاد کے تبصرے بہترین تھے۔ عطیہ داؤد صاحبہ اپنے مختصر تبصرے میں دھمکیاں دینے میں مصروف نظر آئیں، محترمہ آپ کی فرمائش تقریباً ناممکن ہے۔ پرانے تبصرہ نگار شاید پرلوک سدھار گئے ہیں لیکن انہیں مس کیا جارہا ہے۔ تفسیر عباس بابر، ماہا ایمان اور ہمایوں سعید راج سے درخواست ہے کہ محفل میں واپسی کا جوگاڑ کریں۔ کہانیوں میں سب سے پہلے انگارے پڑھی، ایسٹرن کنگ زن مریدی چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہے، ماناوانی آہستہ آہستہ چڑیل ثابت ہونے کے مرحلے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس مرتبہ شاہ زیب ایکشن میں نظر آیا، سجاول کی آنکھوں اور قوت سماعت کی قربانی پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اب انگارے اپنی اصل ڈگر پر آئے گی، اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ اس کے بعد ہمایوں بلگرامی کی کمانڈو پڑھی، اچھی لگی۔ کہانی کا اختتام ہمارے خیال کے پاس پاس ہی تھا۔ آوارہ گرد میں خدا خدا کرکے جہاز ریگستان میں اترا، کوہارا کو بھڑکے ہوئے مسافروں کے حوالے کرکے شہزی آگے بڑھ گیا ہے لیکن میرے خیال میں وہ ابھی مرے گا نہیں۔ کہانی اب پُراسراریت میں داخل ہونے جا رہی ہے۔ منظر امام کی میرا بازو سبق آموز اسٹوری

تھی۔ سیانا کو ابھی نہیں لگی۔ مظہر سلیم ہاشمی کی ہرجائی کو دس میں سے آٹھ نمبر۔ سرورق کی دوسری کہانی بہترین تھی، کبیر عباسی صاحب ویلڈن۔ کسی کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو معذرت چاہتا ہوں۔ کیا میں تبصرہ بذریعہ ای میل بھیج سکتا ہوں؟'' (ضرور)

کوئٹہ سے سیف خان کی نیک تمنائیں ''اگست کے سرورق پر پرویز لانگاہ ٹنڈ بنائے دھڑا دھڑ گولیاں برسا رہے تھے۔ کونے میں شاہد ذوالفقار آڑے ترچھے پڑے شاید آخری سسکیوں پہ تھے۔ (توبہ کریں......) چہ چہ...... شاہد بھائی کو کتنی بار سمجھایا تھا کہ مترجم ناولز پر بلاوجہ کی تنقید ناں کریں ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اوپر حسینہ سرورق اس ساری مارا ماری سے بے نیاز اپنی نیل پالش کے لشکارے دکھا رہی تھی۔ مجموعی طور پر سرورق نے اس بار خوشگوار تاثر چھوڑا۔ ویلڈن ظفر صاحب۔ چینی ڈاٹ چینی کے وکٹری اسٹینڈ پہ فیصل مشتاق بیٹھے رعب داب جھاڑ رہے تھے۔ انہیں مبارکباد والی چٹکی کاٹی۔ محمد رمشہ، اسحاق کے بچنے پر یوں شکر منا رہی تھیں جیسے وہ کہانی کے کردار کے بجائے ان کی پھپھو کا بیٹا ہو۔ کم آن۔ زیادہ سیریس نہیں ہونے کا۔ عائشہ مرزا تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ اور پلیز گھوم ضرور جانا بس گم نہیں جانا۔ ساگر ٹنڈو لکڑی آپ پلیز اس ہری بھری چیز کا نام میرے سامنے ناں لیا کریں بقول شاعر۔ چکرا آنے لگتے ہیں مجھے۔ ایمانے ثمار شاہ صحرائے گوبی کی لڑکیوں کی طرح خوب گھونسے مارتی نظر آئیں۔ کنٹول والوں کی ناک کاٹ کر رکھ دی لڑکی۔ مائی طلعو، بھی آو ناں منڈو الا یار، خشبو لگا کے۔ آمنہ رانا محفل نہ ہوئی قلفی ہوئی کہ لوگ آتے گئے اور جماتے گئے۔ خالد شیخو پا ہیں، اتنی بیزاری اور بد دلی بھی صحت کے لیے چنگی نہیں اوئی۔ کدی مسکرا وی لیا کرو۔ شاہد ذوالفقار کا تبصرہ چھنا تنگ بھر سی لیکن بھاری بھرکم تاثر چھوڑ گیا۔ انگارے...... اس بار خوب دہک رہے تھے۔ مغل صاحب چن چن کر قارئین کے پسندیدہ کرداروں پر ہاتھ صاف کرنے لگے ہیں۔ اتیق کا غم کیا کم تھا کہ سجاول بھی بانادانی کے سرد اور بے رحم انتقامی ہواؤں کی زد میں آ گیا۔ لوبی کے حملے اور پرندوں کے سین نے تحیر و سسپنس کا سماں باندھ دیا۔ یہ قسط بہترین، تیز رفتار مگر دل شکستہ رہی۔ کہانی جب تاجور کی گرد سے نکلتی ہے تو اپنے ٹریک پر آنے لگتی ہے۔ آوارہ گرد کی تازہ قسط الفاظ کا گنج مجموعہ رہی۔ بے مقصد گھماؤ پھراؤ کے علاوہ کچھ خاص نہ ہو سکا۔ سرورق کے دونوں رنگ اس مرتبہ روایتی و غیر روایتی سیاست کے گرد گھوم رہے تھے۔ امجد صاحب نے سیاستدانوں کی سرپرستی میں ہونے والی خونریزی اور معصوم لاشوں پہ ان کی سیاست بے نقاب کی تو کبیر عباسی نے انہی ایم این ایز کی زیر نگرانی ٹمبر مافیا کے ہاتھوں تباہ ہوتے جنگلات اور اس کے نتیجے میں موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹتی بستیوں کا احوال دیا۔ دونوں احباب کی کاوشیں بہترین رہیں۔ کبیر عباسی نت نئے موضوعات پہ طبع آزمائی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس بار ان کی کہانی قاری کو یہ سوچنے پہ ضرور مجبور کرتی ہے کہ درخت اگاؤ...... نعرے کے ساتھ ساتھ درخت بچاؤ مہم بھی ہونی چاہیے۔ مظہر سلیم ہاشمی کی دانیہ ہرجائی ضرور تھی لیکن بلال جیسے جذباتی اور جلد باز کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا۔ مختصر مگر چونکا دینے والے انجام نے کہانی کو یادگار بنا دیا۔ اعتزاز سلیم وصلی کا شاطر آخری چال میں مات کھا گیا۔ کہانی کا تھیم بہت ہی سنجیدہ اور تکلیف دہ موضوع پر چنا گیا تھا۔ بیانیہ اگرچہ تیز رفتار رہا۔ پیلینگ کی بے تحاشا گرانی اور اسی مد میں ادارے کی طرف سے تین راستوں کے آپشن نے سراسیمہ سا کر دیا۔ بے نری بی کے شماروں کو کھونے کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ جتنی قیمت چاہیں بڑھا لیں لیکن معیار پر بالکل سمجھوتا نہیں ہونا چاہیے۔ سرورق کسی بھی شمارے کا اولین تاثر ہوتا ہے۔ نئے قارئین کو توجہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سرورق پر خصوصی توجہ دی جائے۔ احمد اقبال، ناصر ملک اور دیگر مشہور رائٹرز سے لکھوائیں۔ غیر قانونی آن لائن شماروں کے حوالے سے سخت اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ کیونکہ ابھی بھی ڈائجسٹ انٹرنیٹ پر دستیاب ہوتا ہے ایسے میں بھلا کون بازار جا کر خریدنا چاہے گا؟ قیمت میں بڑھوتی کے بعد ان امور پر بھی توجہ دی گئی تو ان شاء اللہ بہتری آئے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو کامیاب و کامران رکھے۔'' (شکریہ)

جامشورو سے خالد شیخ طاہری کی دعا ''یوم آزادی کے ساتھ نئے پاکستان کے ہمراہ جاسوسی ہمارے ہاتھ میں آیا تو بے اختیار منہ سے واہ واہ نکل گیا۔ سرورق پر موجود محترمہ دیکھی دیکھی سی لگیں۔ اداکارہ شنا کا نام ذہن میں آیا۔ مگر ایک بات نے چونکا دیا جب ہماری نظر پستول پکڑے شخص پر پڑی۔ جو عجیب انداز بلکہ غلط انداز سے پستول پکڑے کھڑا تھا۔ اور گھڑی بھی سیدھے ہاتھ میں باندھی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود شاندار سرورق جو بلاشبہ دو ہزار اٹھارہ کا ابھی تک کا سب سے بہترین سرورق ہے۔ کہانیوں کی فہرست پر نظر ڈالی تو تقریباً سبھی اپنے پسندیدہ لکھاریوں کو پایا۔ اپنی محفل میں پہنچے تو فیصل مشتاق صاحب کو تحریر کرتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ خوشی کیوں نہ ہوتی تبصرہ ہی اتنا شاندار تھا۔ بہت مبارک۔ لالہ سیف خان اپنے دلکش انداز سے لکھے تبصرے کے ساتھ موجود تھے۔ لالہ کے بارے میں اتنا کہوں گا لالہ ان لوگوں میں شامل ہیں جن سے میں کچھ نہ کچھ سیکھ رہا ہوں، بہت اعلیٰ تبصرہ۔ عائشہ مرزا کا تبصرہ بہترین لگا۔ پرویز لانگاہ بھائی شاید نیند کی ہی کمی تھی جو تبصرہ صدارت تک نہ پہنچ سکا ورنہ تبصرہ تو ایک دم تندرست و توانا تھا۔ تبصرے تو تمام ہی بہترین تھے مگر ایمانے زارا شاہ کے تبصرے نے ہماری شکایت دور کر دی کہ شوخیاں کم ہو گئیں ہیں۔ تبصرہ بھی شاندار لکھا۔ طلعت مسعود، عاصم شہزاد، شاہد ذوالفقار اور آمنہ رانا جن کی پہلی کوشش تھی، پڑھ کر اچھا لگا۔ اور تبصروں میں اپنا نام دیکھ کر تو بہت ہی خوشی ہوئی۔ جاسوسی میری پہلی انٹری تھی۔ کہانیوں میں سب سے پہلے اعتزاز کو پڑھا۔ شاید ہماری بات اعتزاز تک پہنچ گئی کہ ہم ان کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔ کہانی میں اپنی موجودگی ثابت کی اور ایک بہترین کہانی جاسوسی کی زینت بنا دی۔ پھر حسب عادت چھوٹی کہانیوں پر ہاتھ صاف کیا۔ سب سے پہلے منظر امام کی میرا بازو پڑھی۔ منظر صاحب نے اس دفعہ مزاح سے ہٹ ایسے حوصلہ مندوں کی کہانی لکھی جو آزمائش اور زندگی کے اتار چڑھاؤ پر ثابت قدم رہے۔ شاکر لطیف کی بے رحم واقعی محبت کرنے والوں کے لیے بے رحم رہی۔ تنویر ریاض صاحب کی اصلی مجرم دلچسپ رہی۔ عمران قریشی کی سیانا کو لاجواب کہانی رہی۔ مظہر سلیم ہاشمی نے کمال ہی کر دیا۔ دیار غیر میں پاکستانیوں کی زندگی میں آنے والی کشمکش جو نہایت چونکا دینے والے انجام پر اختتام پذیر ہوئی۔ بہت اعلیٰ مظہر سلیم ہاشمی۔ انگارے کی قسط کا ذکر کیا کریں۔ مغل صاحب کا کمال ہے جو قاری کو تحریر کے ساتھ باندھ کر رکھتے ہیں۔ اتیق کی موت، ٹیکساری گینگ کا اپنی موت آپ مرنا اب سجاول کا اپنے ساتھ سلوک اور شاہ زیب کا جوش انتقام کہانی کے اختتام کی طرف جانے کا اشارہ ہے۔ جاسوسی کے رنگوں میں پہلے کبیر عباسی کا رنگ زمین خور پڑھا۔ بہترین تحریر، زمین کی ملکیت پر کیسے سگا خون سفید ہوتا ہے ایسی ہی سسپنس سے بھرپور المناک داستان کبیر عباسی نے جاسوسی کی زینت

بنائی۔ کبیر عباسی کے لیے نیک خواہشات و تمنائیں۔ امجد جاوید نے تو دل جیت لیا۔ کیا لاجواب تحریر لکھی۔ پیادہ کو ایک ہی نشست میں پڑھا۔ اس دفعہ رنگوں نے جاسوسی میں موجودگی کا حق ادا کیا۔ ہمایوں بلگرامی کی کمانڈو ایک نڈر سپاہی کی داستان جو سنسنی خیزی سے شروع ہوئی پھر پیچ میں بور ہو کر زبردست ایکشن پر ختم ہوئی۔ آخر میں سب مل کر دعا کریں ملک پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔'' (آمین)

محمد قدرت اللہ نیازی حکیم ٹاؤن خانیوال سے لکھتے ہیں ''بہتے خون، قتل اور برستی گولیوں سے بے پروا اس جاسوسی اپنے میک اپ زدہ چہرے کے ساتھ مسکرا رہی ہے جیسے یہ سب کچھ اسی کے فتنہ ساز حسن کا کارنامہ ہے اور وہ اس پر انبساط محسوس کر رہی ہے۔ اس بار حسینہ طلعت، سیف اور پرویز لانگاہ کے شکووں کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی۔ ادارے میں ایک بار پھر کاغذ کی قیمتوں میں اضافہ کا رونا رویا گیا۔ اللہ خیر فرمائے ابھی تو قیمتوں میں اضافہ ہوئے چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔ سیاستدانوں کے حوالے سے درست کہا کہ لاکھوں خرچ کر کے اربوں کمانے کی گھات میں لگے ہیں یہاں عام پاکستانی سیاست میں آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں نے سیاست میں قدم رکھنے کا اصولی فیصلہ کر لیا ہے بس آپ وہ نعرہ لگا دیں آوے ای آوے، بقول شریف سے فیصل مشتاق کرسیٔ صدارت کو سنبھالے خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ ان کا تبصرہ، پہلا تبصرہ بھیجنے کے بعد کی بے قراری کا احوال تھا۔ پہلے تبصرہ پر سب کا تقریباً ایک جیسا ہی حال ہوتا ہے۔ آپ مغربی کہانیوں سے بیزار نظر آتے ہیں اور اسی شمارے میں عطیہ داؤد کاڑہ سے رقمطراز ہیں کہ سسپنس اور جاسوسی کے قیمتی صفحات مقامی کہانیوں میں ہرگز ضائع نہ کریں۔ ان متنوع دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شمارے میں مترجم اور طبع زاد دونوں اقسام کی کہانیاں شامل اشاعت کی جاتی ہیں اس لیے پاس کر یا برداشت کر۔ سیف خان شماروں کے آن لائن اجرا کی دہائیاں دیتے نظر آئے۔ اس سے پہلے طلعت بھی کئی بار اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن ادارے کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ پائی حالانکہ یہ ایک مفید عمل ثابت ہو سکتا ہے۔ طلعت مسعود اپنے عمدہ تبصرے کے ساتھ موجود تھے دیگر قارئین کی طرح شاہ زیب کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر آگ بگولا تھے۔ مغل صاحب نے واقعی چنگی نئیں کیتی شاہ زیب دے نال۔ طلعت مسعود آوارہ گرد کو فکشن کے طور پر ہی پڑھیں کیونکہ یہ آج سے پچاس سال بعد کی کہانی ہے۔ راجن پور سے آمنہ رانا اپنے پہلے تبصرے کے ساتھ شامل محفل ہیں، خوش آمدید۔ ابھی تو انگارے میں بہت کچھ ہونا ہے اس لیے مغل صاحب کو بس کوئی نہ کہے حالیہ قسط پڑھ کر آپ کہیں گے اس سے پہلے والی تو کافی بہتر تھی۔ ساہیوال سے ریحانہ عائشہ کے نادر خیالات پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ محترمہ آپ کی خواتین کے ڈائجسٹس کے بارے میں رائے سے اختلاف کروں گا۔ آپ نے یقیناً معیاری خواتین ڈائجسٹس کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ آپ اتنی بڑی قسم نہ کھاتیں چند ایک خامیوں کو چھوڑ کر بہت سے اخلاقی اسباق کی حامل تحریریں ان میں شامل ہوتی ہیں۔ اسماء قادری کی تحریر کے بارے میں بھی آپ کی رائے درست نہیں کیونکہ وہ جن لڑکیوں کی کہانی ہے وہ برگر فیملیز کی ہیں اور گفتگو میں انگریزی الفاظ استعمال کرنا ان کا معمول ہے۔ انگارے کی حالیہ قسط نے نیلی چھتری کے شہنشاہ فرہاد علی تیمور کو بھی رلا دیا۔ انسانوں کے بعد بانا والی جانوروں کے دماغ پر بھی قابض نظر آئی۔ آوارہ گرد میں شہزی اپنے سب سے طویل العمر دشمن کو ہرانے سے نبرد آزما رہا۔ دشمنوں کو سیکنڈوں میں خاک چٹا دینے والے شہزی کے لیے کوہار الوبے کا چنا ثابت ہوا ہے ابھی تک شہزی کی امریکا یاترا ایک خواب ہی ہے دیکھیں اب پروفیسر کوئی راہ نکال پاتے ہیں کہ نہیں۔ امجد جاوید کی پیادہ میں سیاست کو موضوع بنایا گیا۔ چوہدری فرحان بھی انہی چیزوں کو وسیلہ بنا کر سیاست میں داخل ہوا لیکن میاں طارق گھاگ نکلا۔ صائمہ کی صورت میں اس نے چوہدری فرحان کو بے بس کرنے کا جاندار بندوبست کیا البتہ آخر میں چوہدری پھر بھاری پڑ گیا لیکن ایسا کیوں ہوا اس کا سبب سمجھ نہیں آسکا۔ کبیر عباسی کی زمین خور ٹمبر مافیا کی سرگرمیوں کو بے نقاب کر رہی تھی۔ انور جیسے بے ضمیر انسان اپنے مفاد کے لیے اپنے ہی خاندان کو کھا جاتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں باہر کے دشمنوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہانی میں اتفاقات کی کثرت نے کہانی کے تاثر میں کمی کی۔ سلیم فاروقی مرحوم کے طرز تحریر کی جھلک بھی نظر آئی۔ ابتدائی صفحات پر ہمایوں بلگرامی کی کمانڈو نے خوب بور کیا رائٹر نے اگرچہ نام تبدیل کیا لیکن ان کے انداز تحریر سے صاف پتا چل رہا تھا کہ کس کا شہ پارہ ہے؟ اعتزاز سلیم وصلی کی شاطر میں فرید کو ایک بڑے منصوبہ ساز کے طور پر سامنے لایا گیا جب کہ وہ ایک عام نوجوان تھا اور اپنے مخصوص انداز کی وجہ سے فوراً پہچانا جا سکتا تھا تاہم اپنے ساتھ ہونے والے ظلم نے اسے سفاک بنا دیا۔ تیسری جنس بنانے کے لیے اتنا تردد سمجھ سے باہر تھا۔ مظہر ہاشمی کی ہرجائی، مغربی تہذیب کے مفاد پرستوں اور ان کے ہرجائی پن کو واضح کر رہی تھی۔ اگر پاکستان میں مرد حضرات کے شادی شدہ ہونے کا اندازہ ہاتھ کی انگلی میں پڑی انگوٹھی سے لگانے کی کوشش کی جائے تو سارے مرد حضرات کنوارے ہی ٹھہریں گے۔''

عبدالودود عامر کے کلر سیداں راولپنڈی سے مشورے ''جاسوسی کا شمارہ یکم اگست کو ملتے ہی بائیک کو بے تابی سے دوڑایا تاکہ پہنچ کر اطمینان سے پڑھ سکوں۔ شمارہ ہاتھ میں آیا تو سرورق کا جائزہ لیا، بہت اعلیٰ لگتا ہے۔ ادارے نے سرورق پہ سنجیدگی سے غور کیا ہے البتہ خاتون کی آنکھوں کی رنگت شاید کوئی خاتون رائٹر ہی وضاحت سے بتا سکتی ہے یا پھر سرورق بنانے والے نے بالوں کے رنگ کے ساتھ میچنگ کی ہو۔ اس کے علاوہ ایک کونے میں اپنے لانگاہ بھائی پستول اٹھائے غالباً امان سعید کو شوٹ کر چکے تھے۔ اس کے بعد چینی نکتہ چینی کا رخ کیا جہاں پر اداریے میں یوم آزادی کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ ملکی حالات پہ تبصرہ کیا گیا تھا ایک گزارش ہے کہ اس اگست میں جھنڈیاں اور پرچم بیشک آویزاں کیے جائیں مگر پاکستان کو صحیح معنوں میں سرسبز پاکستان بنانے کے لیے ہر فرد کم از کم ایک پودا ضرور لگائے۔ (یقیناً ہم آپ کی تائید کرتے ہیں) فیصل مشتاق صاحب اس بار اولین تبصرے پر تشریف فرما تھے۔ بہت بہت مبارک ہو، اچھا تبصرہ تھا۔ سیف بھائی کوئٹہ سے ملکہ جذبات بنے ہوئے تھے اور سیف بھائی یار ہو سکتا ہے کہ یہ دھواں سگریٹ کا ہو جس کی وجہ سے کھانسی بھی ہو رہی ہے ڈبل والے سے پرہیز کیا کریں ناں اور اس بات پر متفق ہوں کہ ادارے کو اپنی آفیشل ویب سائٹ لازمی بنانی چاہیے۔ وقت کے ساتھ ہم آہنگی بھی ضروری ہے لانگاہ بھائی اب آپ کی عمر ٹائٹل پر غور کرنے والی نہیں رہی بس کہانیوں پر گزارا کیا کریں اور پیوستہ رہ شجر سے امید صدارت رکھ۔ ساگر لکور صاحب اعتزاز نیا رائٹر ہے اور اس کی کہانیوں کے موضوعات ہمیشہ منفرد ہوتے ہیں۔ ہر بار سراسر تنقید بھی اچھی نہیں ہوتی البتہ کسی پوائنٹ پر اعتراض ہو تو ڈسکس کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ادارہ کہانی کو پرکھ کر ہی شائع کرتا ہے۔ آپا ایمانے زارا شاہ اس بار کھلکھلا رہی ہیں پتا نہیں کیوں۔ بہت اچھا تبصرہ کیا متوازن...... ویسے بھی آپ کے تبصرے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ طلعت بھائی زبردست تبصرہ۔ باقی لوگوں میں بھی شاہد

PakiBooks.Site

ذوالفقار، خالد شیخ طاہری کے تبصرے پسند آئے۔ کہانیوں میں بات کریں ابتدائی صفحات پہ موجود کمانڈو کی تو کچھ پسند نہیں آئی کہانی اور حیرت بھی ہوئی کہ پیٹھ پہ لگی گولی کا آپریشن بندہ خود ہی کر لیتا ہے۔ اب بڑھتے ہیں انگارے کی جانب شکر ہے شاہ زیب اس خدمت والے ماحول سے باہر تو نکلا اور اس بار کی قسط لاجواب تھی۔ خاص طور پر آنکھیں دیکھنے کے لیے ہی تو ہوتی ہیں والی لائن بلاشبہ اس پوری کہانی کی جان ہے۔ آوارہ گرد میں شہزی کافی الحال اپنے مقصد سے دور فضول کاموں میں الجھا بور کر رہا ہے اب اسے براہ راست لولوش سے ٹکرا جانا چاہیے۔ سرورق کے رنگوں میں امجد جاوید پیادہ کے ساتھ ہماری روایتی سیاست کا احوال بیان کر رہے تھے۔ دوسرا رنگ زمین خور کبیر عباسی بھائی کا تھا۔ کبیر بھائی کے قلم کا فسوں اور ان کے علاقے کے ایک بڑے مسئلے پر لکھی ہوئی کہانی یقیناً دل سے لکھی ہوئی ہے تو کمال کیسے نہ ہوگی اور بلاشبہ یہ پورے پاکستان کا مسئلہ ہے نہایت اہم موضوع پہ کہانی لکھی کبیر بھائی نے۔ البتہ نقاش کی موت کا دکھ بھی ہوا۔ مختصر کہانیوں میں ہرجائی از مظہر سلیم ہاشمی صاحب کی کہانی مختصر مگر کمال تھی۔ شاطر از اعتزاز سلیم وصلی۔ بخدا اس نوجوان لکھاری نے حیران کر دیا۔ ایسا منفرد موضوع اور اس پر گرفت بہت اعلیٰ اعتزاز۔ ہر دن کے ساتھ آپ کی تحریروں میں پختگی آتی جا رہی ہے۔ باقی مختصر کہانیوں میں میر اباز و منظر امام صاحب، سیانا کو عمران قریشی اور بے رحم بھی پسند آئیں۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

کہوٹہ سے عاصم شہزاد کی مبارک باد ''ماہِ آزادی کا جاسوسی انتیس جولائی کو ہاتھ آیا۔ سرورق کی بات کروں تو بڑھتی انگلیوں پر اپنی ٹھوڑی رکھے بے باک نگاہوں سے ہمیں تاڑتی حسینہ کی شرانگیزیاں اور اس کے پیچھے خون میں لت پت ایک ڈاکٹر نما لاش اور دوسری طرف پستول بردار فارغ البال شخص کو دیکھ کر گردش لہو تیز ہوگئی۔ سرورق کے بعد ہمایوں بگرامی کی کہانی کمانڈو کا رخ کیا۔ دوسروں کی خوشیوں کو ماتم میں بدلنے والی انسانی خواہشات اور اس کے مدِمقابل اپنی بقا کی جنگ لڑنے والوں کی کہانی کا پلاٹ با مقصد تھا۔ مگر واقعات کی ترتیب درست نہ تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے مصنف کو باتیں بھول بھول کر یاد آ رہی ہوں۔ منظر امام کی ایک بار پھر معاشرتی پہلو پہ کہانی باکمال رہی۔ زندگی ناکامیوں اور کامیابیوں کا آمیزہ ہے۔ اگر انسان ثابت قدم رہے تو راستے کے پتھر پل بنتے ہیں نہ کہ دیوار۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے ہم انگارے پہ پہنچے۔ آما تیز ترین رہی۔ ایسٹرن کنگ محبت کی خاطر ایک بار پھر محبوب سے دور ہوگیا۔ ہاناوانی کی شرانگیزیوں نے قہر برپا کیے تو ہاتھ بے اختیار کانوں کو لگا۔ نورینہ اور ذیشان کی رہائی نے خوش کیا مگر یہ خوشی قسط کے اختتام پر اڑن چھو ہوگئی۔ سجاول اپنوں کو بچانے کی خاطر خود کو برباد کر گیا۔ اعتزاز کے قلم سے لکھی کہانی نے زندگی کی ان حقیقتوں کو واضح کیا جن کے بارے میں ہم بات نہیں کرنا چاہتے۔ شاطر، لالچ، دھوکا، جنون، بے بسی اور انتقام کا یہ اتفاق تحریر میں شدت تھی۔ مسیحا جب خونی بن جائے تو معاشرہ برباد ہوتے دیر نہیں لگتی۔ فرید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ زاہد اور عماد کا انجام متوقع تھا۔ نادیہ کا بچ جانا غیر متوقع رہا۔ اللہ پاک ہمارے نوجوانوں کے کردار اور زندگی کو مکار دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ ہم اسی دعا کے ساتھ آگے بڑھے اور مظہر سلیم ہاشمی کی ہرجائی پہ پہنچ گئے۔ کہانی کا مرکزی خیال بے رحم جیسا تھا۔ قتل کا محرک حسن پرستی رہا۔ اور قتل بھی آسانی سے ہوگیا۔ اینڈ غیر متوقع کردار رہا۔ حسن پرست دیوانہ ہوگیا اور حسن کو ایک نیا پجاری مل گیا۔ ہم نے بھی سفر جاری رکھا اور پہنچ گئے بلند پر۔ جہاں ایک بھرپور ... آوارہ ... ایکشن سے بھرپور رہی۔ کریش لینڈنگ متوقع تھی۔ اس کے بعد گمبلر کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ... وہ جس انداز سے آتی ہے انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ تجسس اس بات کا کہ پے ہوئے مسافر شہزی کو مار ڈالا یا ... حاکم کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ شہزی کے سامنے موت آئی تو دھڑکنیں ہماری تیز ہونے لگیں۔ سیانا کو ایک مصنف اور ایک پولیس آفیسر۔ دونوں ہی شرابی اور قاتل۔ کہانی میں جذئیات کا خیال رکھا گیا۔ آغا ریحان پہ ہمیں تھوڑا شک تھا۔ انتقام کی آگ کو بجھانے کے لیے کسی نے بہترین چال چلی مگر اس کی وجہ سے ایک قاتل بچ گیا کیا یہ ٹھیک تھا۔ اور آخر میں میری طرف سے جے ڈی پی کے تمام ارکان کو عید مبارک۔''

چشمہ بیراج سے ساگر لکو کر کی چبھن ''جاسوسی اس بار طویل انتظار کے بعد ملا۔ ٹائٹل دیکھ کر آنکھوں اور گردے میں ٹھنڈک سی اتر گئی۔ اتنی سوہنی کڑی کی موجودگی میں مرد اور پستول دکھانے ضروری تھے۔ سارا مزہ خراب کر دیا۔ چینی نکتہ چینی میں فیصل اور کوئٹہ والی سرکار کے دریائے سندھ کے جیسے لمبے تبصرے دیکھ کر دل سے ہوک نکلی کہ ایڈیٹر کی قینچی صرف ہم پر کیوں مہربان ہے۔ ایمانے کا تبصرہ بھی ان کی زبان کی طرح دراز رہا۔ آمنہ رانا کی پہلی کوشش اچھی لگی۔ پہلی کہانی کمانڈو زیادہ متاثر نہیں کر پائی۔ پہلے صفحات پر خاص الخاص کہانی ہونی چاہیے تھی۔ میر اباز وحوصلہ دلاتی اور حوصلہ بڑھاتی کہانی دل پہ نقش ہوگئی۔ انگارے کی یہ قسط بہت دلچسپ اور پُراسرار رہی۔ شاہ زیب کے ہاتھ سے تاجور بھی نکل گئی۔ لگتا ہے اب کوئی نئی ہیروئن انٹر ہوگی کیونکہ قسطنطیا پہلے ہی فارس کی ہو چکی ہے۔ پہلوان میرا فیورٹ کردار ہے اس سے تو ملنے کو جی کرتا ہے۔ داؤد بھائی کے کردار کو بھی وسعت دیں۔ سجاول کے انجام پہ دل کو کیسی کیسی ہی راحت ملی۔ (کیوں؟) ہرجائی اچھی کہانی رہی۔ مرد، عورت کے لیے اتنے پاگل کیوں ہو جاتے ہیں۔ آوارہ گرد تو اب سپر مین سے بھی دو قدم آگے نکل گئی ہے۔ ادارے اور لکھاری کو سات سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ (تو کیجیے نا.....) سرورق کی پہلی کہانی پیادہ ایکشن کی کہانی کبھی سیاست اور ریاست کے راز عیاں کرتی تحریر دلچسپ رنگین اور مزے دار رہی۔ زمین خور اجتماعی مسائل پر اجتماعی خاموشی ہمیشہ تباہی لاتی ہے۔ کبیر عباسی ہمیشہ بامقصد اور مختلف انداز میں لکھتے ہیں۔ اس کہانی میں خلافِ توقع ابتدائی صفحات پر گرامر والفاظ کی ایک دو غلطیاں دیکھنے میں آئیں۔ اس کہانی کو مزید طویل کر کے جاسوسی کے اولین صفحات کی زینت بنایا جا سکتا تھا۔ مجموعی طور پر کہانی عمدہ اور بہترین رہی۔''

فیصل مشتاق کی آمد قبولہ شریف سے ''اگست کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل اور کہانیوں کے ساتھ ہاتھ لگا۔ سرورق بھی خوب تھا شکر ہے اس مرتبہ لڑکی کی تصویر کچھ اچھی تھی۔ چینی نکتہ چینی میں اپنا تبصرہ سب سے پہلے کرسیٔ صدارت پر دیکھ کر خوشی ہوئی میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ میں دوسری ہی باری میں سب سے بڑا تبصرہ نگار کی حیثیت اختیار کر لوں گا خیر اس میں میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں جن لوگوں نے میرے تبصرے کو پسند کیا ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ پرویز احمد لانگاہ بھائی بہت اچھے ہیں ان کا تبصرہ مجھے بہت پسند آیا۔ میں ان کا بھی شکر گزار ہوں جاسوسی کے بارے میں جب بھی میں نے ان سے

کچھ پوچھا انہوں نے ہمیشہ میری رہنمائی کی۔ اس مرتبہ کی تمام کہانیاں سپرہٹ رہیں مگر مجھے جو پسند آئیں ان میں اعتزاز سلیم وصلی کی شاطر تھی جس نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ لمحہ بہ لمحہ سسپنس اور منفرد پلاٹ اور کانسپٹ سے بھرپور کہانی تھی۔ مجھے بہت پسند آئی۔ فرید کے ساتھ بہت برا ہوا اس کی زندگی تباہ کر دی گئی اور اس نے موت کو گلے لگا لیا، بہت افسوس ہوا۔ اس کے بعد مظہر سلیم ہاشمی کی ہرجائی بھی سپرہٹ رہی۔ بلال نے وانیہ کے چکر میں سب کچھ گنوا دیا اور اس کا انجام بہت اچھا ہوا۔ شاکر لطیف بھائی آپ ایک شاندار کہانی لیے حاضر تھے۔ میں مغربی کہانیاں کم ہی پڑھتا ہوں مگر آپ کی کہانی پڑھ کر مجھے بہت مزہ آیا عموماً میں مغربی قسم کی کہانی میں انگریزی نام دیکھ لوں تو ورق الٹ دیتا ہوں مگر آپ کی کہانی نے مجھے پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ سنسنی خیز مراحل اور سسپنس سے بھرپور داستان بے رحم ہٹ رہی۔ جسٹن نے روزی کے چکر میں بیوی کو قتل کروا دیا مگر اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ بے رحم موت کسی کو نہیں بخشتی اور پھر بدبخت اپنی ہی جان مگرمچھوں کے ہاتھ گنوا بیٹھا۔ اس کے علاوہ پیادہ، کمانڈو، زمین خور بھی بہترین رہیں۔ انگارے بھی خوب دہکے۔ تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ طلعت مسعود بھائی کا تبصرہ اچھا لگا۔ ایمانے زارا شاہ کا تبصرہ بھی مزاح سے بھرپور تھا، پڑھ کر کافی ہنسی آئی۔ ان کا تبصرہ پسند آیا۔ سجاول خان سپرہٹ کہانی دینے کے بعد نظر نہیں آئے۔ خالد شیخ طاہری کا تبصرہ بھی شاندار رہا۔ ہری پور سے شاہد ذوالفقار کا تبصرہ بھی اچھا لگا انہوں نے کہا کہ ٹائٹل پر کرینہ کپور کی تصویر کو کاپی کرنے کی کوشش کی گئی مگر میں اس بات سے متفق نہیں بھئی کہاں کرینہ کپور کی خوب صورتی کہاں یہ ٹائٹل والی لڑکیاں...... بھائی شاہد ذوالفقار نے بھی خوب تبصرہ کیا۔ اس کے بعد عطیہ داود انگلش کہانیوں کی فرمائش لے کر آئیں۔ اُف میں نے تو پہلے ہی بتایا کہ مجھے انگلش کہانیوں سے سخت نفرت ہے پھر وہ کہہ رہی تھی کہ انگلش کہانیاں جاسوسی کی زینت بنیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر شمارے میں کوئی نہ کوئی انگلش کہانی ہوتی ہے مگر لگتا ہے انہوں نے ابھی غور سے مطالعہ نہیں کیا یکدم بس دھمکی دینے آگئیں...... انہوں نے اچھی دھمکی دی مگر مجھے ان کا یہ تبصرہ کچھ خاص نہیں لگا بلکہ خاص کیا ذرا بھی پسند نہیں آیا اور جاسوسی کا معیار بہت اعلیٰ ہے میرے خیال سے فی الحال یہاں کہانیاں بہت عمدہ ہیں۔''

رانا بشیر احمد ایاز احسان پور ضلع رحیم یار خان سے یوں نکتہ چینی کرتے ہیں ''ماہِ آزادی کا خوب صورت شمارہ 28 کو طویل انتظار کے بعد سنہری شام کو موصول ہوا۔ چینی نکتہ چینی کے تمام قابل احترام دوستوں کے پُرزور اصرار پر اس دفعہ ٹائٹل میں نمایاں تبدیلی نظر آئی۔ ایک عدد خوب صورت دوشیزہ اپنی سنہری زلفیں پھیلائے، سبزی مائل جھیل سی آنکھوں کے ساتھ لگتا ہے اس خاکسار کی راہ میں دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئی تھی کیونکہ پچھلے خط بلکہ کچھ کڑوے کسیلے تبصرے کے بعد قریباً تین ماہ کے بعد پھر سے حاضرِ محفل ہوں۔ اس دفعہ وزیر اعظم کی سیٹ پر فیصل مشتاق براجمان نظر آئے۔ مبارکاں جناب۔ بہت عمدہ اور جامع تبصرہ رہا۔ کوئٹہ سے سیف خان کے جذبات بہت اچھے لگے۔ موصوف جاسوسی ڈائجسٹ کے پورے صفحے پر قابض تھے اپنے شاندار تبصرے کے ساتھ۔ بہت اچھے رہے محترم۔ عائشہ مرزا، پرویز لانگاہ، طلعت مسعود بھی خوب رنگ جمائے ہوئے تھے۔ ایمانے زارا شاہ کی چہکاریں بہت عمدہ لگیں۔ پڑوسی شہر سے یعنی راجن پور سے آمنہ رانا کی پہلی دفعہ آمد اچھی لگی۔ محترمہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی عمدہ تبصرہ کر گئیں۔ آتی رہا کریں۔ باقی اس دفعہ محفل سے ہمارے سینئر تبصرہ نگار بھائی محمد صفدر معاویہ، بھائی عبدالجبار رومی انصاری، محمد خواجہ صاحب، مایا ایمان غیر حاضر ہیں۔ سب حاضری لگوائیں۔ کہانیوں میں حسبِ معمول آغاز انگارے سے کیا جو کہ اب بھڑکتے شعلوں میں بدل گئے ہیں۔ تاجور سونے کے پنجرے میں بند ہو کر اب اذیت برداشت کر رہی ہے۔ شاہ زیب اب عشق کی خاطر درّاب کا ذاتی ملازم بن گیا ہے مگر موصوف نے دونوں کی خلوت سے بھی پوری آگاہی حاصل کر رکھی ہے لیکن تاجور نے جذباتی بلیک میلنگ سے شاہ زیب کو درّاب ہاؤس سے جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہاناوانی نے ایسٹرن کنگ اینڈ پارٹی کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ پالتو بندر یالوی اور پھر طوطوں کا تراس میں آ کر حملہ کر دینا کافی حیران بلکہ ششدر کر گیا۔ پہلوان حشمت کے ساتھ فخر کی نوک جھونک نے اینٹی کی کمی کافی حد تک پوری کر دی۔ سجاول کے انجام نے کافی اداس کر دیا۔ دوسرے نمبر پر آوارہ گرد کو بادلِ ناخواستہ پڑھا۔ بھئی صاحب کی سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کرنا کیا چاہتے ہیں۔ کہانی اپنے ٹریک سے ہٹ چکی ہے۔ شہزی جب بھی جہاز میں سوار ہوتا ہے سے جی کو ہارا پہلے سے بیٹھا ہوتا ہے اور اس دفعہ تو حد کر دی۔ پوری تین اقساط اس منحوس جہاز میں گزر گئیں۔ سے جی کو ہارا اتنا سفاک دکھایا ہے کہ بس۔ اور اول خیر، کمیل داوا، زہرہ بانو، نوشابہ، عابدہ جانے کس کہانی کے کردار ہیں کہ پچھلے ایک سال سے کہانی میں نظر نہیں آ رہے۔ بھئی صاحب تہانوں خدا دا واسطہ۔ منظر امام کی مختصر تحریر نے سوچ کے در وا کر دیے۔ یقین کریں کہ ساری بوریت کو سرف ایکسل سے دھو ڈالا۔ ویلڈن منظر امام۔ سرورق کے پہلے رنگ کے ساتھ امجد جاوید موجود تھے۔ موصوف نے عامیانہ سے انداز میں تحریر کو گھسیٹ کر مکمل کیا ہے۔ پوری کہانی میں کہیں بھی محسوس نہیں ہوا کہ جاسوسی ڈائجسٹ کا سرورق رنگ پڑھ رہے ہیں۔ دوسرا رنگ بھی بس ایویں سا تھا۔ وہی بس زر اور زمین کی دقیانوسی سوچ۔ سرورق کی دونوں کہانیاں ٹائٹل سے تو کیا معذرت کے ساتھ جاسوسی کے معیار سے بھی نہیں لگا کھاتیں۔''

ہزارہ سے محمد ہمایوں تنولی کے دن و رات کی مصروفیت ''اگست کے جاسوسی کے سرورق میں اس بار لڑکی بہت خوب صورت تھی۔ سرورق سے فارغ ہو کر خطوط پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا میرا خط تو کرگسی ہضم کر گئی خیر کوئی بات نہیں۔ کتنے خط ٹوکری کھائے گی۔ ہم پرانے قاری ہیں ہر ماہ تو نہیں چھپتے، پانچویں ماہ حاضری ضرور دیں گے۔ اس ماہ 20 جولائی کو ہمارے ساتھی ڈرائیور سید عثمان شاہ فوت ہو گئے ہیں۔ بہت اچھے اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ ان کے لیے تمام حضرات سے گزارش ہے کہ ان کے لیے دعا کریں۔ خدا ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے۔ اب کہانیوں کی طرف آتے ہیں تو سب سے پہلے آوارہ گرد پڑھی۔ شکر ہے کہ شہزی ... کی کوہارا سے جان چھوٹی اب اللہ خیر کرے، خیر ... مرینا کر گوروں سے بچ نکلے۔ اس کے بعد امجد جاوید کی پیادہ پڑھی اور زمین خور پڑھ رہا ہوں۔ ڈائجسٹ اس لیے پوری نہیں پڑھی کہ ہم ایجوکیشن کے ڈرائیورز کی الیکشن 2018ء میں بے گار لگ گئی تھی۔ پانچ دن وہاں بے گار کاٹی۔ اب جا کے فارغ ہوئے ہیں تو بقیہ کہانیاں پڑھیں گے۔ تمام لکھنے اور پڑھنے والوں کو عید الاضحیٰ مبارک ہو اور یوم آزادی مبارک ہو۔''

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شاملِ اشاعت نہ ہو سکے۔

محمد اقبال، کراچی۔ شاہدہ مختار، حیدرآباد۔ فرید احمد، لاہور۔ صنم جاوید، میرپور خاص۔ شاہد محمود، کراچی۔ آفاق خان، پشاور۔ عمران ملک، منڈی آدم۔

PakiBooks.Site

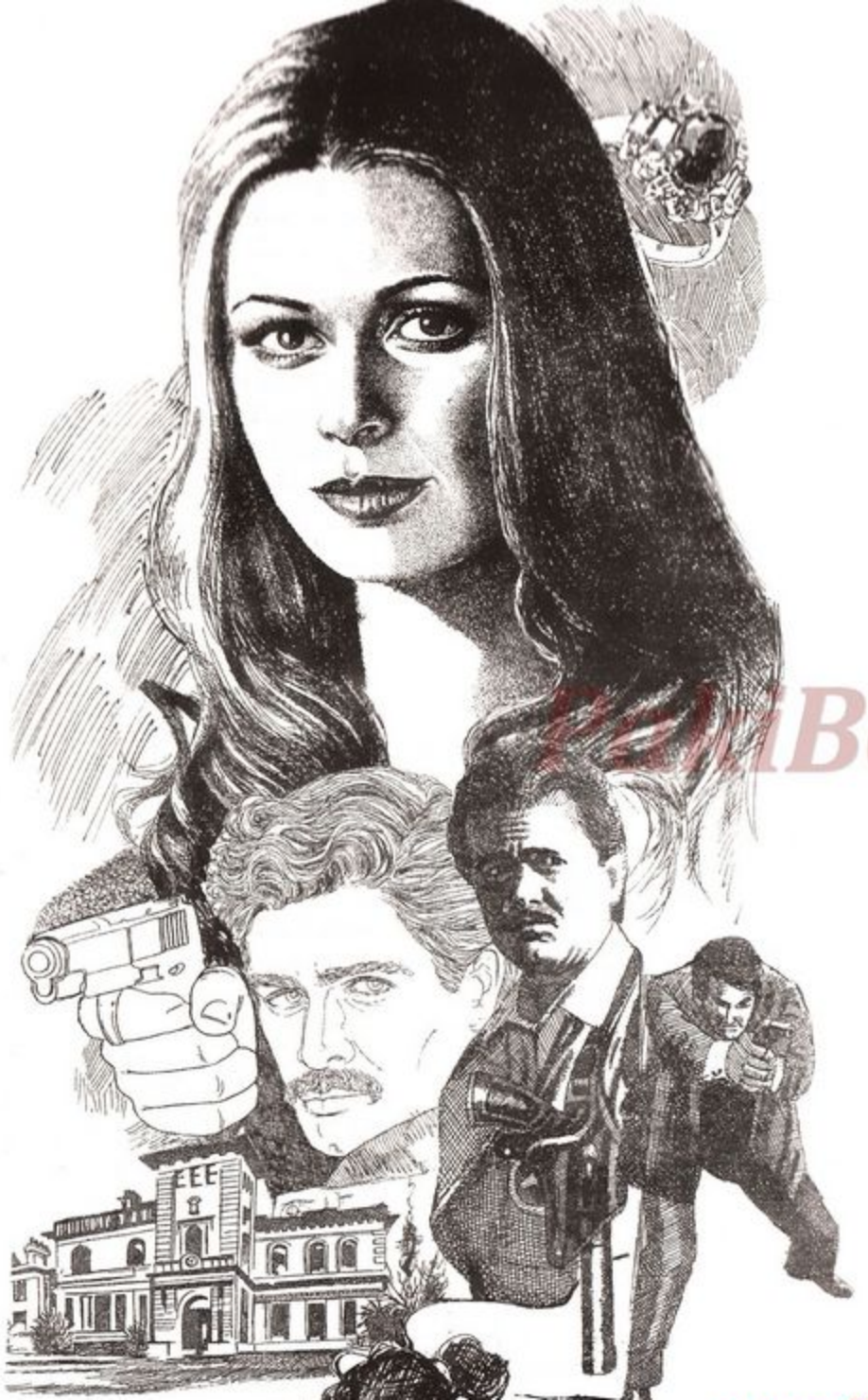

سیلون کا سورج

امجد رئیس

کہانیوں کی دنیا میں کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی حیثیت کسی ایسے قلعے کے مانند ہوتی ہے جسے زبردست جنگ کے بعد فتح کیا گیا ہو... کرداروں کی ملاقاتیں... واقعات اور کارنامے ایسے ہوتے ہیں جن کے لافانی نقوش ذہن و دل پر ثبت ہو کر رہ جاتے ہیں... خوف و دہشت کی فضا میں ڈوبی... سانس لیتی ایک ایسی زبردست کہانی کے پیچ و خم... ایک ہی رات میں ہونے والی دو وارداتوں نے شہر میں کہرام بپا کر دیا تھا... پولیس ڈپارٹمنٹ کو ہلا کر رکھ دیا تھا... اور پھر ان وارداتوں کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا... عورتیں اور بچے اس عفریت کے ہاتھوں میں کھلونے بن گئے تھے...

قانون اور مجرم کے درمیان کھیلی جانے والی آنکھ مچولی..... انوکھا ذائقہ..... انوکے موڑ کی سنسنی خیز داستاں.....

لارا ویلس کے ہاتھوں پر دستانے تھے۔ کھڑکی کے شیشے کو اس نے کاٹ دیا تھا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر کھڑکی کھولی اور تاریک کمرے میں اتر گئی۔ اندر داخل ہونے کے بعد وہ دیوار کے ساتھ چپک گئی۔ وہ بے حس و حرکت سماعت پر زور دے رہی تھی۔ مدھم آوازیں گراؤنڈ فلور سے آرہی تھیں۔ اس نے سر پر لگا ہیڈ لیمپ روشن کیا۔ سب سے پہلے اس نے بیڈ روم اور ہال وے کا دروازہ بند کیا۔ بائیں جانب میز رکھی تھی۔ لارا نے نیم وا کلوزٹ کی جانب رخ کیا۔ جڑاؤ گاؤنز کے ہینگرز کو اِدھر اُدھر کر کے اس نے کلوزٹ کی دیوار میں سیف تلاش کیا۔ لارا کو یقین تھا کہ سیف کھلا ملے گا۔ کیسی ڈاؤلنگ کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ وہ ڈائر پارٹیز میں جیولری کے بغیر نہیں جاتی تھی۔ اکثر آنے جانے کی وجہ سے امکانات تھے کہ وہ سیف لاک کرنے کی زحمت میں نہیں پڑتی ہوگی۔ لارا نے آہستہ سے ہینڈل کھینچا اور سیف کھلتا چلا گیا۔ وقت ضائع کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اسے تین منٹ میں کارروائی مکمل کرنی تھی۔ لارا کے پاس چھوٹے سائز کا ڈفل بیگ تھا۔ جس کا ہینڈل نکال کر اس نے ترامیم کے بعد مضبوط ڈوری کو خاص طریقے سے استعمال کر کے ڈوری کمر کے گرد باندھی تھی۔ ٹول باکس کی چند چیزیں ضرورت کے لیے بیگ میں رکھ لی تھیں۔

وہ دو مہینے سے کیسی کی نگرانی کر رہی تھی۔ اس نے کیسی کے درجنوں قیمتی زیورات اور فوٹو دیکھے تھے جن میں ہیروں کے علاوہ دیگر گراں مایہ نگینے شامل تھے۔ اس نے پھرتی سے سیف میں رکھے زیورات کو ساتھ لائے ہوئے بیگ میں منتقل کرنا شروع کیا۔ یہ نظارہ خیرہ کن تھا۔ یہ سب کیسی کی ملکیت تھا۔ دفعتاً بیڈ روم سے چند گز دور ہال وے میں سے روشنی کی جھلک اندر آئی۔ لارا نے ہیڈ لائٹ بند کی اور گاؤنز کے پیچھے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کلوزٹ بند کر دیا۔ دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور مارکس اپنی بیوی کیسی کے ساتھ اندر آ گیا۔ مارکس ڈاؤلنگ، تھیٹر اور سلور اسکرین کا سپر اسٹار۔ لارا اپنے پانچ فٹ آٹھ انچ بدن کو گیند میں بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیا اسکینڈل ہوگا..... ہائی اسکول ٹیچر ایک سپر اسٹار اداکار کے گھر زیورات چراتی ہوئی پکڑی گئی۔ جسم کے مسامات سے پسینا پھوٹنے لگا۔ کوئی چانس نہیں تھا۔

لارا نے محسوس کیا کہ دونوں میں تکرار ہو رہی تھی۔ کیسی الزام لگا رہی تھی کہ وہ ساتھی اداکاراؤں کے ساتھ فلرٹ کرتا ہے جبکہ مارکس تردید کر رہا تھا۔

''اوہ..... بند کرو۔ سارا موڈ غارت کر دیا۔''

''اِدھر آؤ۔'' وہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد خوابگاہ میں جذباتی آوازیں گونج رہی تھیں۔ جذبات کا دریا اترا۔ پھر کسی نے باتھ روم استعمال کیا اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ لارا تنگ جگہ میں پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ لارا نے بیس منٹ انتظار کے بعد احتیاط سے جھری پیدا کی۔ پھر دروازہ کھول کر کھڑکی کی طرف رینگنا شروع کیا۔ تاہم اندھیرے میں اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا اور ہاتھ میز کے پائے سے ٹکرایا۔ لارا کا تمام جسم برف میں ڈھل گیا۔ خون رگوں میں جم گیا۔ میز الٹ گئی تھی۔

''کون ہے؟'' کوئی بستر سے اٹھا۔ لارا چاروں ہاتھ پیروں کے بل رخ بدل کر کھڑکی کی طرف لپکی۔ کھڑکی گیراج کی چھت پر کھلتی تھی۔ وہ کھڑکی سے نکل کر احتیاط سے ترچھی چھت پر لڑھکی اور مضبوطی سے کنارے کو تھام کر لٹک گئی۔ اس کے جسم کا سارا وزن انگلیوں پر تھا پھر اس نے گرفت ختم کر دی اور دس فٹ نیچے ماہرانہ انداز میں گھاس پر گری۔ چند ساعت کے لیے اس نے اپنی حالت کا جائزہ لیا۔ کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔

بالائی سمت خواب گاہ کی بتی روشن ہو گئی۔ لارا نے بھاگتے بھاگتے پیشانی کی لائٹ بیگ میں منتقل کی۔ چند منٹ بعد وہ ڈرگ اسٹور کی پارکنگ میں اپنی گاڑی فورڈ کے پاس تھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ پائن اسٹریٹ پر اس نے ٹوپی اور گلوز اتار دیے۔ اس کا ذہن اس بات پر مرکوز تھا کہ مارکس کے کمرے میں کوئی کلیو تو نہیں چھوڑ آئی، اس نے خود کو محفوظ خیال کیا۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ ہنسے یا روئے۔

☆☆☆

کھٹکے سے کیسی کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے چہرے پر ہوا کا احساس ہوا۔ وہ کھڑکی کھلی نہیں رکھتے تھے۔ کوئی کمرے میں تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ ''کون ہے؟'' اس نے مارکس کو ہلایا۔

''کوئی یہاں کمرے میں ہے۔''

''تم خواب دیکھ رہی ہو۔''

''اُٹھو.....'' کیسی نے بتیاں روشن کر دیں۔ پردے کھڑکی سے آنے والی ہوا میں پھڑ پھڑا رہے تھے۔ ''کچھ کرو، مارکس۔''

مارکس ورک آؤٹ کا عادی تھا۔ وہ دو سو پاؤنڈ کے ساتھ بینچ پریس کرتا تھا اور گن کے استعمال سے بھی واقف تھا۔ اس نے بیوی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور نائٹ اسٹینڈ کی دراز سے اعشاریہ 44 کی لوڈڈ گن نکالی، کیسی کانپتے ہاتھوں سے 911 ملا رہی تھی۔ اس نے غلط نمبر ملا کر دوبارہ کوشش کی۔ مارکس بظاہر نیند اور نشے کی ملی جلی کیفیت میں تھا۔ وہ باتھ روم کی طرف گیا۔ ''باہر آؤ۔'' ردِعمل نہ ملنے پر اس نے باتھ روم میں جھانکا۔

''کیسی یہاں کوئی نہیں ہے..... میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ بولا۔

کیسی نے فون کریڈل پر ڈال دیا۔ کمبل سے نکل کر وہ عریاں حالت میں گاؤن کے لیے کلوزٹ کی طرف گئی۔ چند ساعت بعد اس کی چیخ بلند ہوئی۔

''کیا ہوا؟''

عریاں حالت میں سفید چہرے کے ساتھ وہ شوہر کی طرف مڑی۔ کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرا سیف خالی پڑا ہے۔'' مارکس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نمودار ہوئے۔ کیسی تاثرات سمجھنے میں ناکام رہی۔ شاید اسے کوئی آئیڈیا سوجھا تھا۔ جوز ور پکڑ رہا تھا۔ کیا وہ چور کو جانتا ہے؟

''کیا ہوا؟ مارکس تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''آہ، میں سوچ رہا ہوں کہ تم زیورات کے بغیر ہی رخصت ہوگی۔''

''کیا بکواس ہے؟ کیا کہہ رہے ہو؟''

مارکس نے بازو سیدھا کیا اور بیوی کے سینے کے عین درمیان نل پر گولی چلا دی..... بوم۔''

''یہ مطلب تھا میرا..... اب وہاں کوئی تل نہیں ہے۔''

کیسی کا منہ کھل گیا۔ اس نے سانس اندر کھینچ کر باہر نکالی۔ سر جھکا کر خون اُگلتے زخم کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ سینے پر چلے گئے۔ کیسی نے شوہر کو دیکھا۔ ''میری مدد کرو۔''

جواب میں مارکس نے دوسرا فائر کیا۔ وہ گھٹنوں کے بل گری اور زمین بوس ہو گئی۔ ایک رات..... ایک گھر..... دو وارداتیں۔

☆☆☆

پیٹی گورڈن سڑک پر نوجوان خاتون کا پیچھا کر رہا تھا۔ شاپنگ بیگ بے بی کے اسٹرالر کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ وہ اسٹون ٹاؤن گیلیریا کے باہر تھے۔ عورت نے ونسٹن ڈرائیو عبور کی تو پیٹی قریب پہنچ گیا تھا اور پارکنگ میں محض چند گز کے فاصلے پر..... عورت بے بی سے باتیں کر رہی تھی۔ پیٹی کے خیالات اپنے مقصد پر مرکوز تھے..... سر نیچے اور دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے۔ عورت نے کار کھول کر سامان اور بے بی کو اندر رکھنا شروع کیا، پیٹی نے قدم بڑھائے۔

''میم، پلیز کیا میری مدد کریں گی؟''

عورت کی بھویں اوپر چڑھ گئیں۔ ''کیا چاہتے ہو؟''

''میرا فلیٹ ہے۔ مجھے فون کرنا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا کہ میں فون چارج کرنا بھول گیا تھا۔ کیا میں آپ کا فون استعمال کر لوں؟'' وہ مسکرایا۔

عورت نے پرس کھول کے ہاتھ اندر ڈالا۔ عورت کی اپنی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ جب اس نے پیٹی کے بدلے ہوئے تاثرات اور ہاتھ میں گن دیکھی۔ عورت کے ہاتھ سے چابیاں اور فون دونوں گر گئے۔ ''اوہ مائی گاڈ۔'' وہ بولی۔ ''کچھ مت کرو، میرے پاس رقم ہے۔''

جواب میں پیٹی نے سائلنسر لگی گن سے فائر کیا۔ گولی گردن میں لگی۔ عورت نے زخم پر ہاتھ رکھا۔ خون انگلیوں کے درمیان سے پچکاریوں کی شکل میں اُبل رہا تھا۔ ''میری بچی۔'' اس نے بمشکل کہا۔

''فکر مت کرو۔ وعدہ ہے، اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔'' اس نے دوسرا فائر بھی عورت پر کیا..... پوف..... گولی سینے میں گھس گئی۔ اس نے عقبی دروازہ کھولا۔ بچی چاکلیٹ کھا رہی تھی۔

سیلون کا سورج

''ٹوم۔'' پیٹی نے دروازہ بند کر دیا۔ بچی کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کیا ہوا۔ وہ دوسری سانس بھی نہ لے سکی۔ پیٹی کا وعدہ سچا تھا۔

☆☆☆

کار نے سے ایک کار تیزی سے گھومی۔ پیٹی نے بروقت سر گھمایا۔ اسے یقین تھا کہ کار والے کی نظر اس پر نہیں پڑی۔ عورت کا کھلا ہوا بیگ اندر پڑا تھا۔ اس نے عورت کے بیگ کی اشیا کو ٹٹولا۔ اسے لپ اسٹک کی تلاش تھی..... چمک دار سرخ لپ اسٹک ہاتھ آ گئی۔ اس نے اطراف میں دیکھ کر سناٹے کا انتظار کیا۔ وہ لپ اسٹک سے ونڈ شیلڈ پر کچھ لکھنا چاہ رہا تھا۔ پھر اس نے خیال تبدیل کر دیا۔ اس نے دوسرا خیال بھی مسترد کر دیا۔ کچھ سوچ کر اس نے چار انچ بلند موٹے حروف لکھے۔ WCF، لپ اسٹک بند کر کے اس نے جیب میں رکھ لی۔ اسی جیب میں گن بھی رکھی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھوں پر دستانے تھے۔

مطمئن ہونے کے بعد اس نے دروازے بند کیے اور گیراج کے ایلیویٹر کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلا تو اندر سے ایک عمر رسیدہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ وہیل چیئر پر برآمد ہوا۔ پیٹی نے سر نیچے رکھا اور آنکھیں ملانے سے گریز کیا۔ عمر رسیدہ جوڑے نے بھی توجہ نہیں دی۔ اچھا رہا۔ تاہم پیٹی کے دل میں خواہش ابھری کہ وہ ان دونوں کو اپنی کارگزاری کے بارے میں آگاہ کرے۔

پیٹی ایلیویٹر کے ذریعے تیسری منزل تک گیا۔ خیالات کے مطابق یہ ایک اچھا دن تھا۔ ایک سال میں پہلا اچھا دن۔ اس نے کافی وقت لگایا تھا۔ تاہم ماسٹر پلان کا آغاز ہو گیا تھا۔

WCF..... WCF

☆☆☆

پیٹی، عورت کی کار کے پاس سے گھومتے ہوئے گیراج ریمپ سے نکلا۔ وہ پُراعتماد تھا۔ عورت اور بچی کی دریافت میں کئی گھنٹے لگنے چاہیے تھے۔ کار کے باہر خون کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ عام رفتار سے ڈرائیو کرتا ہوا ونسٹن پر آیا۔ رخ انیس ایونیو کی طرف تھا۔ سرخ بتی پر رک کر وہ تصور کر رہا تھا کہ سب کچھ کتنا آسان اور پلان کے مطابق ہوا تھا۔ تصور میں ہی اس نے پولیس کی بوکھلاہٹ کا نظارہ کیا۔ بغیر محرک کا جرم کتنا پریشان کن ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ جرم سرد خانے میں چلا جائے گا۔ جہاں سے کوئی سنکی بوڑھا سراغ رساں اسے کبھی حل نہیں کر سکے گا۔

PakiBooks.site

اب وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جارہا تھا۔ اس نے اس طرف آنے کے لیے طویل راستہ اپنایا تھا۔ ڈنر ٹائم کے وقت وہ پہنچ چکا تھا۔ چابی کی مدد سے اس نے دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ دونوں بچے اس کی شکل دیکھ کر چلانے لگے..... بیٹا اور بیٹی۔ بیٹی بہت چھوٹی تھی۔

''شٹ اَپ۔'' بیٹی نے سرزنش کی۔ بیٹی کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر اس نے ٹی وی آن کیا اور خبروں کے چینل بدلنا شروع کیے۔ اسٹون ٹاؤن کی پارکنگ سے متعلق کوئی خبر نہیں تھی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' شیری نے کہا۔ ''ماں کہاں ہے؟''

جواب میں گورڈن نے شیری کے لیے مائیکرو ویو میں کچھ بنانا شروع کیا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ اس کی بیٹی ہے۔ تاہم اسے پروا نہیں تھی اگرچہ وہ بیٹی کا خیال رکھتا تھا۔

وہ دیکھو۔ بیٹی نے سوچا۔ ABC سے خبر نشر ہورہی تھی۔ دہرے قتل کی بہیمانہ واردات۔ بیٹی گورڈن کی نظریں ٹی وی اسکرین پر مرکوز تھیں۔ ساتھ ہی وہ بیٹی اور بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے وہم تھا یا پھر یقین کہ شیری اس کی بیٹی نہیں ہے۔

''اسٹینی، تم شیری کو کچھ کھلاؤ۔'' بیٹی ٹی وی کے سامنے جم گیا۔ اسٹینی نے مائیکرو ویو سے کھانا نکالا اور کاٹ میں کھڑی بہن کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

شیرن اور پُوکی ورلڈ پب میں پسندیدہ طعام سے لطف اندوز ہورہی تھیں۔ گفتگو کرتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی جب سارجنٹ شیرن کے فون میں ارتعاش پیدا ہوا۔ شیرن نے کالر آئی ڈی دیکھی۔ جیکو بی۔ اس کا ایکس پارٹنر اور موجودہ باس۔ کوئی مسئلہ ہو وہ پہلی کال شیرن کو کرتا تھا۔ پرانی عادتیں مشکل سے پیچھا چھوڑتی ہیں۔ ''شیرن۔'' اس نے فون اٹینڈ کیا۔ بغیر تمہید کے جواب آیا۔

''شیرن، دہرا قتل ہے..... کوئی سائیکو کلر معلوم ہوتا ہے..... مقتولین میں ایک عورت اور دوسرا ایک بچہ ہے۔''

''ایڈریس؟''

''گیلیریا کے قریب پارکنگ گیراج..... کونک نکل چکا ہے۔''

''میں پہنچ رہی ہوں۔'' شیرن نے فون بند کردیا۔

☆☆☆

''کیا ہوا؟'' شیرن کی گرل فرینڈ پوکی نے سوال کیا۔

''قتل، اپنا خیال رکھو..... جلد ملوں گی۔''

شیرن فوراً ہی اسٹون ٹاؤن گیلیریا کی طرف روانہ ہو گئی۔

گیراج کا دہانہ عام افراد کے لیے بند کردیا گیا تھا۔ شیرن آئی ڈی دکھا کر ٹیپ کے نیچے سے گزر گئی۔ لاگ پر دستخط کیے اور آفیسر سربرو کو دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ جیسے اس سے قبل اس نے موت کا نظارہ نہ کیا ہو۔

''یہاں پہنچنے والے تم پہلے آدمی ہو؟''

''یس میم۔''

''تم ٹھیک ہو؟''

''بہتر ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر کمزور سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''تم جانتی ہو کہ میرے بھی بچے ہیں۔'' انسپکٹر کونک وہاں پہنچ چکا تھا۔ وہ دو گاڑیوں کے درمیان کھڑا RAV-4 کی کھڑکی میں جھانک رہا تھا۔ اس نے شیرن کو دیکھ کر اس کی جانب پیش قدمی کی۔

''عورت سفید فام ہے۔'' وہ بولا۔ ''عمر تیس سال ہو گی۔ نام بار برا بنٹن ہے۔ دوسرا مقتول بہت چھوٹا ہے..... بچی ہے۔ شاید ایک سال۔ دونوں کو پوائنٹ بلینک رینج سے ہلاک کیا گیا ہے۔ میڈیکل ایگزامنر اور کرائم سین یونٹ راستے میں ہیں۔''

''خبر کس نے دی تھی؟''

''ایک عورت نے..... اس کی گاڑی RAV-4 کے ساتھ کھڑی تھی۔ میں نے اس کا انٹرویو لے کر اسے گھر بھیج دیا ہے۔ اس نے جائے واردات پر کسی کو نہیں دیکھا بلکہ کسی نے بھی نہیں دیکھا۔''

''تمہارے خیال میں بچی کا قتل حادثاتی طور پر ہوا؟''

''بالکل نہیں، کونک نے یقین سے کہا۔ اسے قصداً مارا گیا ہے۔'' شیرن گاڑی کی طرف چل دی۔ شیرن نے بغور مقتولہ کی حالت دیکھی۔ گولی کا ایک زخم گردن میں اور دوسرا سینے میں ایک طرف تھا پھر شیرن نے دل کڑا کر کے عقبی نشست کا رخ کیا۔ وہ لڑکی تھی۔ جس کے ہونٹوں پر گلابی چاکلیٹ لگی تھی۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر بھی چاکلیٹ کے نشانات تھے۔ اسے کنپٹی پر بہت قریب سے گولی ماری گئی تھی۔ کونک کی رائے ٹھیک تھی۔ بچی کو عمداً ہلاک کیا گیا تھا۔ بچی کو خوف زدہ ہونے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔

☆☆☆

''اس کے بارے میں کیا کہو گی؟'' کونک نے شیرن سے سوال کیا۔ اس کا اشارہ ونڈ شیلڈ کی طرف تھا۔ ونڈ شیلڈ پر لپ اسٹک کی مدد سے WCF لکھا گیا تھا۔ شیرن حروف کو گھورتی رہی۔ لیکن کوئی مطلب اخذ کرنے سے قاصر رہی۔ سنکی قاتل اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔

''عقبی نشست پر شاپنگ بیگ پڑے ہیں۔ کیا یہ لوٹ مار کی واردات ہے؟'' شیرن نے پُرامید انداز میں سوال کیا۔

شیرن کے پارٹنر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''والٹ میں سو ڈالر موجود ہیں..... یہ قتل کی واردات ہے۔''

یہ کوئی ذاتی معاملہ تھا؟ یا اندھا دھند فائرنگ؟ قتل کی وجوہات؟ بچی کو کیوں مارا گیا؟ شیرن کے ذہن میں سوالات کی یلغار تھی۔

انجن کی آواز آئی۔ میڈیکل ایگزامنر کی گاڑی پہنچ گئی تھی۔ جو بیس فٹ دور رک گئی۔ ڈاکٹر کلیری نے وین سے باہر قدم رکھا۔ کلیری، شیرن کی نظر میں بہترین فارنسک پیتھالوجسٹ تھی۔ وہ شیرن کی دوست بھی تھی۔

''اوہ گاڈ..... یہ کیا ہے؟'' اس نے شیرن سے گلے ملتے ہوئے شولڈر پر سے کرائم سین دیکھا۔ وہ شیرن کے ساتھ گاڑی کے قریب آگئی اور اندر جھانکا۔ بچی کی لاش دیکھ کر اس کے جسم نے جھرجھری کھائی۔ اس کے چہرے پر غم و اندوہ کے بادل چھا گئے، جن میں دہشت کی بجلی تڑپ رہی تھی۔ وہاں موجود دیگر افراد کا حال بھی یکساں تھا۔ ''یہ کس کی حرکت ہے؟ کیا ہوا تھا؟''

''شاید یہ انتقامی کارروائی ہے..... ڈرگ ڈیل یا جوئے کا قرضہ یا پھر شاید شوہر ملوث ہے۔'' شیرن نے خیال آرائی کی۔

کلیری نے اپنی کٹ میں سے منولٹا نکالا اور دو تصویریں اتاریں۔ پھر وہ گھوم کر دوسری جانب گئی اور مزید دو تصاویر کھینچیں۔ تصویریں اتارتے وقت میں شیرن نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ شیرن کے علم میں تھا کہ کلیری کی بچی روبی کی عمر بھی اتنی ہی ہے۔ اسے یاد نہیں آیا کہ آخری بار اس نے کب کلیری کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔

''وہ کیسے بہ آسانی اتنے قریب آگیا تھا؟'' کلیری کی آواز بھرا گئی۔ گن پاؤڈر بار برا کے رخسار اور گردن پر تھا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے بچی کی خاطر ڈھال بننے کی کوشش کی تھی۔ تاہم شقی القلب قاتل کوئی حیوان تھا۔

مزید برآں لپ اسٹک نمونہ کس لیے چھوڑا گیا تھا۔

''اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟''

☆☆☆

بنٹن ہاؤس چودہ ایونیو پر ایک عام سا گھر تھا۔ کونک نے بیل بجائی۔ دروازہ کھولنے والا خود رچرڈ بنٹن تھا۔ شیرن کو احساس تھا کہ وہ بنٹن کی زندگی کا آخری خوش کن لمحہ دیکھنے والی ہے۔ جب کوئی شادی شدہ عورت قتل ہوتی ہے تو سو میں سے پچاس مرتبہ قاتل شوہر کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ لیکن بنٹن کا ردِعمل قابلِ یقین حد تک تباہ کن تھا..... وہ جیسے خود مر گیا۔ مزید برآں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ واردات کے وقت وہ اپنی پانچ سالہ اولاد کے ساتھ گھر پر تھا اور ڈنر کے لیے چکن روسٹ کررہا تھا۔ اس دوران میں ای میلو کے ذریعے وہ مستقل آفس سے رابطے میں تھا۔

ابتدا میں اسے یقین ہی نہیں آیا..... بعدازاں وہ بکھر کے رہ گیا۔ اظہارِ افسوس، معذرت اور تسلی کے بعد دھیرے دھیرے دونوں نے سوالات کا آغاز کیا۔ اگرچہ شیرن کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ رچرڈ بنٹن قاتل نہیں ہوسکتا۔ اس کا تجربہ بھی یہی اشارہ کررہا تھا۔ وہ WCF کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔

شیرن نے نوبچے جیکو بی سے ملاقات کی اور بتایا کہ بنٹن کلیئر ہے۔ آخری کام یہ ہے کہ اس کا نام نیشنل کرائم انفارمیشن سینٹر کے کمپیوٹر پر چیک کرلیا جائے۔

''بار برا نرس تھی۔'' شیرن نے جیکو بی کو بتایا۔ ''صبح نرسنگ ہوم جانا پڑے گا۔ وہ صبح کی شفٹ میں تھی۔''

''اس کام کے لیے میں سیموئل اور لیسکی کو بھیج دوں گا.....'' جیکو بی نے عجیب سی آواز میں کہا۔

''وہاٹ؟ میں سمجھی نہیں؟'' شیرن نے اظہارِ تعجب کیا۔

''ایمانداری کی بات ہے۔ متواتر تیرہ گھنٹے ہو گئے ہیں۔ میرا اسٹینا جواب دے رہا ہے۔''

''بنٹن کیس میں کوئی نئی بات ہے؟'' شیرن نے پوچھا۔

''تم نے مارکس ڈاؤلنگ کا نام سنا ہوگا؟''

''اداکار؟''

''ہاں، کسی نقب زن نے گھر میں گھس کے اس کی بیوی کو قتل کردیا ہے..... میں بھی چل رہا ہوں۔''

☆☆☆

ڈاؤلنگ ہاؤس ناب ہل پر تھا۔ مکان کیا مینشن تھا۔

UrduBooks.Site

بنفن کے عام سے مکان کا مینشن سے کوئی موازنہ نہ تھا۔

''واردات خواب گاہ میں ہوئی ہے، دوسری منزل۔'' جیکو بی نے بتایا۔ ''تم دونوں کرائم سین دیکھ کر سیڑھیوں سے نیچے آجانا۔ میں ڈاؤلنگ کے ساتھ لائبریری میں ملوں گا۔''

شاندار بیڈ مغربی دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ ایک میز الٹی پڑی تھی۔ کھلی کھڑکی سے آنے والی ہوا پردوں سے کھیل رہی تھی۔ ہوا کے باوجود شیرن نے فضا میں گن پاؤڈر کی خفیف سی مہک محسوس کر لی۔ چارلی کلپر کرائم سین کا ڈائریکٹر کیسی ڈاؤلنگ کی باڈی کی تصاویر بنا رہا تھا۔ اس نے شیرن اور کونک کی طرف ہاتھ ہلایا۔ ''درندے نے اتنی خوب صورت عورت کے ساتھ کیا کر دیا۔'' وہ بولا۔

کیسی ڈاؤلنگ کی لاش برہنہ حالت میں تھی۔ چہرہ چھت کی طرف تھا۔ پلاٹینیم جیسی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ ہاتھوں پر خون موجود تھا۔ شیرن نے سوچا۔ گرنے سے پہلے اس نے سینے کے زخم پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔

''اس کے شوہر کا بیان تھا کہ وہ نچلی منزل پر تھا۔ دھماکوں کی آواز پر وہ اوپر آیا۔ میز گری ہوئی تھی اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔'' چارلی کلپر نے بتایا۔

''کوئی چیز غائب ہے؟'' کونک نے سوال کیا۔

''کلوزٹ کے سیف سے قیمتی زیورات چرائے گئے ہیں۔ ان کی انشورنس کئی ملین میں ہے۔'' چارلی نے جواب دیا۔ ''چور نے کٹر سے کھڑکی کے شیشے میں سوراخ کیا اور ہاتھ ڈال کر کھڑکی کھول لی۔'' اس نے پردے ہٹا کر صورت حال واضح کی۔ ''سیف کو اُڑایا نہیں گیا..... یا تو چور کمبی نیشن سے واقف تھا..... یا پھر سیف کھلا ہوا تھا۔ یہ ایک صاف ستھری برگلری کی واردات ہے۔ گولیوں کے خول بھی نظر نہیں آرہے۔ گولیاں لاش میں ہیں۔ نقص صرف ایک ہے کہ چور تاریکی میں میز سے ٹکرا گیا تھا۔'' چارلی کلپر ہومی سائڈ میں 25 برس گزار چکا تھا۔ اس کی نگاہ اور تجربہ شاندار تھا۔ وہ تجزیہ پورے یقین کے ساتھ پیش کرتا تھا۔

''کیٹ برگلری۔'' شیرن نے سرگوشی کی۔ ''لیکن گن.....؟''

کلپر نے شانے اچکائے۔ ''کیٹ برگلر گن نہیں رکھتا۔ اس کا ہوم ورک مکمل ہوتا ہے۔ وہ اپنے میدان کا کھلاڑی ہوتا ہے۔ شاید اس نے ایمرجنسی کے لیے گن رکھ لی ہو..... تاہم یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔'' چارلی نے تبصرہ کیا۔

''پھر یہ سب کیا ہے؟'' شیرن نے کہا۔ ''مقتولہ غیر مسلح تھی۔ اکیلی تھی..... بے لباس تھی۔ کس چیز نے ''کیٹ برگلر'' کو مجبور کیا کہ وہ ایک غیر مسلح، عریاں عورت پر گولی چلائے..... ایک نہیں دو گولیاں؟''

☆☆☆

شیرن، کونک کے ہمراہ نیچے لائبریری میں آگئی۔ شیرن نے اسٹار اداکار کی تقریباً ساری فلمیں دیکھی ہوئی تھیں۔ شیرن کو اس کی اداکاری پسند تھی۔ کہیں رومانس، کہیں جاسوس..... کہیں ایکشن.....

ڈاؤلنگ لائبریری میں ننگے پاؤں کھڑا تھا۔ اس نے نیلا ٹراؤزر اور سفید قمیص پہنی ہوئی تھی۔ قمیص کے تمام بٹن کھلے ہوئے تھے۔ شیرن کو تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے اندر انڈسٹری کے لیے مطلوبہ مخصوص چارم تھا۔ شون کونری کے بعد اس نے اداکاری کے میدان میں اپنے جھنڈے گاڑے تھے۔ وہ جیکو بی کو اپنی بیوی کے وحشیانہ قتل کے بارے میں بتا رہا تھا۔

جیکو بی نے دونوں کا تعارف کرایا۔ شیرن نے فلمی لیجنڈ سے ہاتھ ملایا اور چرمی صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ واضح طور پر پریشان اور بدحواس نظر آرہا تھا۔ شیرن نے دیکھا کہ اس کے بال گیلے تھے..... وہ بیٹھ نہیں پا رہا تھا اور بار بار اپنی کہانی بیان کر رہا تھا۔ کبھی غصے میں دکھائی دیتا اور کبھی رنجیدہ..... ''کیسی اور میں ڈیویو اس کے ساتھ ڈنر کر رہے تھے۔ فرانکو اور اس کی بیوی شیلا..... میری نئی فلم ڈائریکٹ کر رہے ہیں۔''

''ہمیں ان کے نمبرز درکار ہیں۔'' شیرن نے کہا۔

''میں ہر نمبر دوں گا جس کی تمہیں ضرورت پڑے گی۔ تاہم وہ لوگ اس حادثے سے پہلے جا چکے تھے۔ کیسی اوپر اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ میں نیچے کام سمیٹ رہا تھا۔ جب اوپر سے دھماکوں کی آوازیں آئیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں احساس بھی نہ کر سکا کہ وہ گن شاٹ تھے۔ میں نے کیسی کو پکارا لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔''

''پھر کیا ہوا، مسٹر ڈاؤلنگ؟''

''میں نے دوبارہ آواز لگائی۔ پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا..... فوراً بعد شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ میں حقیقتاً گھبرا گیا تھا۔ میں اوپر بھاگا..... میں اسے بے لباس حالت میں زمین بوس دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ میں اس کو بانہوں میں لے کر آوازیں دے رہا تھا۔ لیکن..... لیکن وہ مر چکی تھی۔ میں نے خون آلود ہاتھوں سے ہی پولیس کو فون کیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ زیورات کا سیف خالی ہے۔

''جس نے بھی یہ کام کیا، وہ کیسی کو جانتا تھا کہ وہ سیف لاک نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ وہ کمبی نیشن ڈائل کرنے میں سست تھی۔

''کیسی کو مارنا پاگل پن تھا۔'' ڈاؤلنگ کا بیان جاری تھا۔ وہ اپنا سینہ مسل رہا تھا۔ ''مجھے بتاؤ کہ میں اس جانور کو پکڑنے کے لیے کس طرح مددگار ثابت ہو سکتا ہوں؟'' اس نے جیکو بی کو مخاطب کیا۔

شیرن، ڈاؤلنگ سے پوچھنے ہی والی تھی کہ پولیس کو فون کرنے کے بعد اس نے شاور لینے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس وقت کونک سوال کر بیٹھا۔ ''مسٹر ڈاؤلنگ، کیا آپ کے پاس گن ہے؟''

ڈاؤلنگ، کونک کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔ تاثرات تکلیف سے پتھرا گئے۔ اس نے بایاں بازو دبوچا اور لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ ''کچھ..... گڑبڑ ہے۔'' پھر وہ گھٹنوں کے بل گیا اور فرش پر لڑھک گیا۔

جیمز کرائسٹ، ڈاؤلنگ مر رہا تھا۔ جیکو بی نے اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھا۔ کونک نے اسپرین تلاش کی۔ شیرن فون پر چیخی۔ ''مرد، عمر پچاس سال۔ حملۂ قلب!'' وہ چیخی اور دو مرتبہ ایڈریس دہرایا۔

☆☆☆

ڈاؤلنگ عام آدمی نہیں تھا۔ بریکنگ نیوز کے فوراً بعد پولیس پر دباؤ آنا تھا جبکہ سان فرنسسکو پولیس پہلے ہی نامناسب بجٹ کے ساتھ افرادی قوت کی قلت کو بھگت رہی تھی۔ قاتل کو پکڑنے کے لیے عوام کی توقعات بلند ہونے کے باعث پولیس کے لیے یہ کیس ایک بھیانک خواب بننے جا رہا تھا۔

شیرن کو امید تھی کہ چارلی کلپر کوئی کلیو تلاش کر لے گا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ڈاؤلنگ نے غلط بیانی سے کام لیا۔ چور کو شوٹنگ کی ضرورت نہیں تھی۔ ایمرجنسی کے گن رکھنے کی وجہ اس وقت پڑتی جب وہ اندھا دھند کسی گھر میں گھستا۔ یہ کیٹ برگلر کا اسٹائل نہیں تھا۔ وہ مہینوں اپنے شکار کی ریکی کرتے ہیں..... اور گھر میں پارٹی یا ڈنر کے اوقات میں داخل ہو کر آسانی سے نکل جاتے ہیں۔ وہ کیلکولیٹر کی طرح کام کرتے ہیں۔ کونک نے شیرن کی رائے سے اتفاق کیا۔

سیلون کا سورج

''شاید کیسی نے اسے پہچان لیا ہو۔ یہ کیٹ برگلر مشہور ہو گیا ہے۔ اس کی اسٹوریز ''ہیلوکٹی'' کے نام سے چل رہی ہیں۔ ''ہیلوکٹی'' کا نام اسے سان فرانسسکو کرانیکل کی کرائم رپورٹر سنڈی تھامس نے دیا تھا۔

''اگر پہچان بھی لیا تھا تو وہ غیر مسلح تھی۔ دوسرے ''ہیلوکٹی'' کو کیسے اندازہ ہوا کہ اسے پہچانا جا سکتا ہے کہ گن ساتھ لے گئی؟'' شیرن نے سوال کیا۔

کونک نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''حال ہی میں سنڈی تھامس نے ایک کیٹ برگلر کے بارے میں اسٹوریز لگائی ہیں۔ جو ڈبل اسٹوری عمارات کو نشانہ بناتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس وقت اندر گھستا ہے جب مالکان فرسٹ فلور پر ڈنر سے لطف لے رہے ہوتے ہیں۔ الارم سسٹم بند ہوتا ہے۔ برگلر کی دلچسپی صرف جواہرات میں ہے۔ ان جواہرات میں سے اب تک کوئی بھی دانہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔ سنڈی نے برگلر کو ''ہیلوکٹی'' کا نام دیا ہے۔ نام معروف ہو چکا ہے۔ کیٹ برگلر کا مطلب ہی دوسری منزل کا چور ہے۔''

''ہیلوکٹی، سوشل سرکلو میں آمدورفت بھی رکھتی ہو گی؟'' شیرن نے کہا۔

''غالب امکان ہے۔'' کونک نے تائید کی۔ ''ڈاؤلنگ کے گیلے بالوں کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''اس نے شاور میں اپنی بیوی کا خون دھویا ہے۔''

''یعنی کیسی کے مرڈر کے بعد اس نے شاور کا رخ کیا۔ عجیب بات ہے۔''

''زیادہ عجیب بھی نہیں۔'' شیرن نے کہا۔ ''وہ مووی اسٹار ہے، ان لوگوں کے افیئرز چلتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے ڈاؤلنگ کے ساتھ بھی ایسا ہو..... کیسی نے برگلر کو نہیں بلکہ شوہر کے افیئر کو پہچانا ہوگا۔ برگلر نے ڈاؤلنگ کو موقع فراہم کر دیا کہ وہ بیوی سے جان چھڑا لے۔''

''ہاں، لیکن یہ تھیوری ہے۔''

''تھیوری ہے۔ تاہم بے جان نہیں ہے۔'' شیرن نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

☆☆☆

ہم ڈاؤلنگ کے پڑوس میں تھے۔ شیرن نے کال بیل پر انگلی رکھی۔ دروازہ ایک دس سالہ لڑکے نے کھولا۔ اس کے بال براؤن تھے۔ لڑکے نے رگبی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کے استفسار پر شیرن نے تعارف کرایا..... وہ پلٹ کر چلایا۔ ''کیلی..... ی..... ی.....'' کیلی بے بی سٹر تھی۔ عمر تقریباً پچیس سال۔

UrduBookLink.com

''کیسی ڈاؤلنگ کا مرڈر؟'' اس کی آنکھوں میں ہراس اور غیر یقینی تھی۔ ''وہ برگلر یہاں بھی آسکتا ہے۔ ایوان اپنے والدین کو فون کرو۔''

''میرے خیال میں، میں نے اسے دیکھا تھا۔'' لڑکے یعنی ایوان نے انکشاف کیا۔ شیرن نے معنی خیز نظروں سے کونک کی طرف دیکھا۔

''میں اپنے بیڈروم کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی سایہ بھاگتا ہوا درختوں میں غائب ہو گیا۔''

''کیا تم تفصیل سے بتاؤ گے؟'' کونک نے سوال کیا۔ لڑکے نے انکار کیا۔

''اس کا لباس بھی سیاہ تھا۔'' ایوان نے معذوری ظاہر کی۔

''کیا وہ بڑا تھا یا چھوٹا..... کیسی جسامت تھی؟ اس کے بھاگنے کا انداز وغیرہ؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''وہ جاگر تھا۔ اس کے سر پر ٹوپی تھی۔''

''وہ کس طرف سے آیا تھا؟''

ایوان نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''اچانک میری نظر پڑ گئی تھی۔''

کونک نے کارڈ نکال کر بے بی سٹر کو تھمایا اور درخواست کی کہ اگر ایوان کو کوئی بات یاد آئے تو وہ فون کر دے۔

بعد ازاں دونوں اگلے پڑوسی کی طرف چل پڑے۔

''سیاہ لباس، ٹوپی اور جاگنگ..... مزہ نہیں آیا۔'' شیرن نے منہ بنایا۔

''دس سال کے لڑکے نے اتنا بتا دیا، بہت ہے۔ میرے خیال میں ڈاؤلنگ کا ایک انٹرویو اور ہونا چاہیے۔ مجھے شک ہے کہ وہ ہارڈ ائیک کی اداکاری کر رہا تھا۔'' کونک بولا۔

☆☆☆

لارا اپنے بیڈروم میں تھی۔ فرار ہونے کے بعد ابھی تک اس کی سانس غیر متوازن تھی۔ ہاتھوں میں بھی لرزش تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال درست کر رہی تھی۔ تنقیدی نظریں سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی جلد کی رنگت غیر معمولی سفید تھی۔ بڑی بڑی براؤن آنکھیں۔ چوری، اٹھائیس سالہ اسکول ٹیچر کی زندگی کا دوسرا اور انوکھا پہلو تھا۔ اسے اپنے شوہر کا خیال آیا۔ کیا وہ کبھی اپنی زندگی کے اس پہلو کو اس پر آشکار کر سکے گی۔ اس نے بیگ فرش پر رکھ دیا اور بڑی سی آرائشی امریکن واٹر فال ڈریسر کو دیکھا۔ خود اس کے مانند ڈریسر کے اندر بھی کچھ راز پوشیدہ تھے۔ اس نے نچلی دراز کھولی۔ دراز میں نسوانی لباس کے نیچے دراز کی مصنوعی تہ تھی۔ دراز کھولتے وقت اس کی سانس رک جاتی تھی۔ تاہم زر و جواہرات اپنی جگہ پر تھے، پانچ کارروائیوں کے نتیجے میں یہ ذخیرہ جمع ہوا تھا۔ اس میں تازہ واردات کے زیورات و جواہر کا اضافہ ہونے والا تھا۔ لارا نے بیگ کھولا۔ جواہرات کی خیرگی سے اس کی نظر چندھیا گئی..... غیر معمولی قیمتی زیورات تھے۔ ہیرے، زمرد، رنگز اور نیکلس، بریسلیٹس..... قیمت کا تخمینہ لگانا مشکل تھا۔ اگرچہ جواہر محفوظ تھے لیکن ان سے جان چھڑانا مسئلہ تھا۔

میری گرین، اس کا استاد تھا اور اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ وہ ائرپورٹ پر پولیس کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ پولیس والا اس کا گاہک بن کے آیا تھا۔ وہ استاد بھی تھا اور اچھا دوست بھی۔ اس کی عدم موجودگی لارا کو ڈپریس کر دیتی تھی۔

دوسرے اچھے ڈیلرز کے مانند میری جواہر کی ریٹیل کا دس فیصد ادا کرتا تھا۔ بظاہر یہ شرح کم تھی۔ باوجود اس کے اسکول ٹیچر کی تنخواہ سے اس کا کوئی موازنہ نہیں تھا۔ مزید یہ کہ جواہر کو ٹھکانے لگانے کے دردِ سر سے نجات مل جاتی تھی۔ جتنی دیر جواہر لارا کی تحویل میں رہتے، خطرہ اس کے لیے اتنا ہی بڑھتا جاتا۔ اس نے بیڈروم لاک کیا ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ پہلی کیٹ برگلر نہیں تھی۔ جو ڈنر کے شیڈول کے ساتھ مشن کو ہم آہنگ کرتی تھی۔ اس نے نامور برگلرز کو اسٹڈی کیا تھا۔ ڈنر ٹائم برگلر، ڈنر سیٹ گینگ، شکار نچلی منزل پر طعام کی لذتوں اور ڈیزرٹ کے لطف کے دوران اوپری منزل میں ہونے والی کارروائی کا گمان بھی نہ کر پاتے تھے۔

لارا اپنے شکار کے انتخاب کے بعد اطمینان سے ریسرچ کرتی تھی۔ ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتی تھی۔ گھر میں ڈنر کے دوران الارم آن رکھنا غیر ضروری تھا۔ ڈنر ٹائم برگلر کے اس آئیڈیے اور اسٹائل نے لارا کو متاثر کیا تھا۔ لارا مرعوب نظروں سے کیسی ڈاؤلنگ کے زیورات کا جائزہ لے رہی تھی۔ معاً اس کی نظر ہلکے زرد رنگ کے بڑے سے رنگ پر جم گئی۔ وہ تقریباً 20 قیراط کے لگ بھگ تھا۔ کٹن کٹ تھا اور بناوٹ خیرہ کن تھی۔ اس نے سرسری گنتی کی..... رنگ میں 120 ننھے ہیرے جڑے تھے۔ ایسی چیز پہلے اس

فاطمہ ٹریڈر کھیوڑہ FATIMA TRADER KHEWRA
سالٹ کرافٹ، جسم اور پلاسٹر آف پیرس
خوردنی سالٹ اور سالٹ کرافٹ کی بیل کے لیے امریکہ، یورپ، کینیڈا، چائنہ، کوریا، انڈیا اور دنیا بھر سے ڈسٹری بیوٹرز کی ضرورت ہے۔ یہ دمہ کے مریضوں، کیمیکلز، کپڑا، چمڑا، پیپر سازی اور صرف وغیرہ بنانے کے کام آتا ہے۔
پلاسٹر آف پیرس جو کہ تعمیرات، سیلنگ، سرامکس فیکٹریوں، سرجری اور دندان سازی میں استعمال ہوتا ہے کی سیل کے لیے میرپور، جہلم، گوجرانوالہ لاہور، سیالکوٹ، سرگودھا، فیصل آباد، ملتان اور بہاولپور وغیرہ سے
ڈسٹری بیوٹرز کی ضرورت ہے۔
ملک فرحت 03421820579
www.fatimatrader.com

کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ لارا اس کی قدر کے بارے میں چکرائی ہوئی تھی۔ قیمتی اور نادر جواہر کے بارے میں وہ خاصی معلومات رکھتی تھی لیکن وہ پیشہ ور جیمالوجسٹ نہیں تھی۔ اسے تجسس تھا کہ یہ گراں مایہ رنگ کیا چیز تھی۔ اس نے جواہر کو خفیہ جگہ پر محفوظ کیا اور بستر پر لیٹ کر رنگ کے بارے میں سوچنے لگی۔

چوری شدہ خزانے کو تادیر رکھنا خطرناک تھا لیکن یہ انوکھا رنگ وہ نہیں چھوڑے گی۔ اسے سووینیئر کے طور پر رکھے گی۔ یہ اس کی ٹرافی ہے۔ دروازے پر دستک نے اسے ہڑبڑا دیا۔ اس کا شوہر ٹریور آ گیا تھا۔

''دروازہ کیوں لاک ہے؟''

''ڈر لگ رہا تھا۔''

''کس سے؟''

''دھماکا ہوا تھا شاید کہیں۔''

☆☆☆

لارا اور ٹریور کے تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ وہ بیس منٹ بعد جان چھڑا کر نکل گئی۔ اس کی گاڑی ڈیلوریس اسٹریٹ پر تھی۔ اس نے ریڈیو آن کیا۔ مارننگ نیوز کے بعد موسم اور پھر مقامی خبریں آئیں۔ سرفہرست کیسی ڈاؤلنگ کا کیس تھا۔ جسے برگلری کے دوران قتل کر دیا گیا۔

''شٹ، کیا بکواس ہے؟'' لارا کی اسٹیئرنگ پر گرفت سخت ہو گئی۔ لارا کا دل پسلیوں پر سر پٹخنے لگا۔ یہ کس قسم کا جھوٹ ہے۔ جب لارا فرار ہو رہی تھی تو کیسی زندہ تھی اور چلا رہی تھی۔ بریکنگ نیوز کے طور پر مارکس ڈاؤلنگ کی اسٹوری چل رہی تھی۔ ٹونی پیسر اس کا وکیل تھا۔ جو سان فرانسسکو کے شہریوں سے تعاون طلب کرے گا۔ ریڈیو پروان برن بتا رہا تھا کہ مسٹر ڈاؤلنگ نے قاتل کی نشاندہی کرنے والے کے لیے پچاس ہزار ڈالرز کا انعام رکھا ہے۔

لارا فری وے سے ہٹ کر پارکنگ میں چلی گئی۔ بیک پیک سنبھالا اور آئرن گیٹ سے گزر کر مرکزی عمارت میں داخل ہو گئی۔ ٹیچر لاؤنج میں صرف ہیڈی موجود تھی۔ ہیڈی ہیئر۔

''ہائے، ہیڈی۔''

''ہائے، لارا۔ تم ٹھیک ہو؟''

جواب میں لارا نے اپنے شوہر ٹریور کی شان میں ایک گالی لڑھکائی۔ وہ دونوں ہی اپنے اپنے شوہروں سے نالاں تھیں بلکہ متنفر تھیں۔ ہیڈی نے کپ نیچے رکھ کر لارا کو گلے لگا لیا۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔ وہ شوہروں کے بجائے ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتی تھیں۔

لارا کے پلان میں خون خرابا شامل نہیں تھا جبکہ غیر متوقع طور پر قتل اس کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا۔ پولیس اس کی تلاش میں ہو گی۔ ہیڈی نے سمجھا کہ وہ ٹریور سے پریشان ہے۔ وہ اسے خواب گاہ میں لے گئی۔

☆☆☆

سائیکو کلر کے دہرے قتل کی واردات کے بعد دونوں رچرڈ بنٹن کے ہمراہ مردہ خانے میں موجود تھے۔ کیسی ڈاؤلنگ کی لاش بھی وہیں تھی۔ شیرن اور کونک الجھن میں تھے۔ ہم ڈاؤلنگ کیس پر کام کر رہے تھے۔ کیونکہ جیکوبی کسی مخمصے کا شکار نہیں تھا کہ ڈاؤلنگ کیس کو بنٹن پر ترجیح حاصل ہے۔ کیسی ڈاؤلنگ کا قتل ہائی پروفائل تھا۔ جبکہ بنٹن کی بیوی کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ حالانکہ اس کی ایک سالہ بچی بھی ماری گئی تھی۔

شیرن نے جیکوبی کو بتایا کہ بنٹن کیس میں گاڑی کا سرخ پیغام اس کے لیے ایسا ہی تھا جیسے اس نے اپنی انگلی الیکٹرک ساکٹ میں رکھ دی ہو۔ شیرن کو یقین تھا کہ سائیکو کلر کا پیغام کسی خاص پیٹرن کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کونک اور شیرن دونوں کو یقین تھا کہ وہ دوبارہ وار کرے گا۔ یعنی دو اموات مزید۔ اور آگے پتا نہیں کتنی اموات...... جبکہ کیسی ڈاؤلنگ ایک ہی قتل تھا۔ شیرن اور کونک پوری توجہ سائیکو کلر پر رکھنا چاہتے تھے۔

جیکوبی نے اپنی ہتھیلیاں دکھائیں۔ ''کیا چاہتے ہو؟ نو بجٹ، نو مین پاور...... مجھے اپنی جاب بچانی ہے۔ میرے کہنے کے مطابق چلو۔''

کونک چوری شدہ زیورات کے نوٹس کے ساتھ ڈاؤلنگ کے ماسٹر بیڈ کے کرائم سین فوٹو دیکھ رہا تھا۔

''یہ دیکھو۔'' کسی کی بلند آواز آئی۔ سنڈی تیز قدموں کے ساتھ آک لینڈ ٹریبون (ٹیبلوئڈ) کی کاپی لہراتی چلی آ رہی تھی۔ ٹیبلوئڈ کی ہیڈ لائن کہہ رہی تھی۔ ''ہیلو کٹی کلر۔''

''تم مونث کا صیغہ کیوں استعمال کر رہی ہو؟'' شیرن نے اعتراض کیا۔

''فرضی نام کی وجہ سے۔ میں اُسے مرد ہی سمجھتی ہوں۔ ہر ایک میری اسٹوری کی لائن اٹھا رہا ہے۔'' سنڈی نے ایک کرسی گھسیٹی۔ وہ شیرن سے چار سال چھوٹی تھی اور بہنوں کی طرح تھی۔ اکثر شیرن سے لڑ جاتی تھی۔ تاہم دوستی بھی مضبوط تھی۔ اس نے کئی مواقع پر شیرن کی مدد کی تھی۔

''ہیلو کٹی کیوں ہلاک کرے گی؟'' اس نے سوال اٹھایا۔ ''کٹی کبھی پُرتشدد کارروائیوں میں ملوث نہیں رہی۔ مسلح برگلری اس کی کیٹگری نہیں ہے۔ وہ اپنے ساتھ گن نہیں رکھ سکتی۔ مسلح برگلری میں...... خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ خون خرابا ہو جائے تو کیس خطرناک ہو جاتا ہے۔ کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں......''

''اگر کیسی اُسے جانتی تھی......'' کونک نے پرانا نکتہ اٹھایا۔

سنڈی نے قہقہہ لگایا۔ بڑھ کر کونک کا بوسہ لیا اور مٹکتی ہوئی چلی گئی۔ کونک نے شیرن کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

''میں کلیری سے ملنے جا رہی ہوں۔'' شیرن نے پارٹنر سے کہا۔

''رابطے میں رہنا۔'' وہ بولا۔

لابی سے گزر کر وہ میڈیکل ایگزامنر کے آفس پہنچی...... وہ آٹوپسی سوٹ میں تھی۔ کلیری نے مخصوص لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ٹیبل پر باربرا بنٹن کی باڈی رکھی تھی۔ کلیری، باربرا کا جگر باہر نکال رہی تھی۔ شیرن نے آٹوپسی سے متعلق سوال کیا۔

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دو گولیاں...... کوئی بھی وجہ ہلاکت بن سکتی تھی۔ تاہم موت کی وجہ بننے والی گولی ہے۔''

''اور بے بی؟''

''نو ملی میٹر کی گولی کنپٹی پر اتنے قریب سے ضرورت سے بہت زیادہ تھی۔ اس طرح بالغ افراد خودکشی کرتے ہیں۔'' کلیری نے اسسٹنٹ کو اشارہ کیا پھر گلوز اور ماسک اتار کر شیرن کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں دفتر میں آ گئے۔ فریج سے پانی کی دو بوتلیں نکال کر ایک اس نے شیرن کو پکڑا دی۔ شیرن ڈیسک کے شیشے کے نیچے تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ تصویر میں سنڈی، پوکی، کلیری اور خود شیرن موجود تھے۔

''کیا بات ہے، شیرن؟''

''کچھ نہیں۔ میں نے بنٹن کیس پر شائی کو بنٹن کی نگرانی کے لیے کہا ہے لیکن میں بنٹن کی طرف سے مشکوک نہیں ہوں۔'' شیرن نے کہا۔

''میں جانتی ہوں اور یہ بھی کہ پال شائی کیس کے حل کے لیے آخری حد تک چلا جاتا ہے۔''

شیرن نے سر ہلایا۔ ''کیسی ڈاؤلنگ کے بارے میں بتاؤ۔''

''قاتل نے اعشاریہ چوالیس استعمال کیا تھا۔''

''مذاق کر رہی ہو؟'' شیرن نے حیرت سے کہا۔

''ہاں، برگلر کو توپ کی ضرورت نہیں تھی۔ نائن ملی میٹر سے بھی کام چل جاتا...... ڈیٹا بیس میں اعشاریہ چوالیس کی نشاندہی نہیں ہوئی۔ اہم بات یہ ہے کہ قتل سے پہلے دونوں نے ہم بستری کی تھی۔''

☆☆☆

جب شیرن، کونک کے پاس واپس آئی تو اس نے بتایا کہ 172 افراد ڈاؤلنگ کیس کے لیے کال کر چکے ہیں۔ ڈاؤلنگ کا وکیل آن ایئر ہے اور قاتل کو پکڑوانے کے لیے پچاس ہزار ڈالرز کے انعام کا اعلان دہرا رہا ہے۔

''یہ ایوارڈ ہے یا وہ ہمیں تفتیش سے روکنا چاہتا ہے؟'' شیرن نے کہا۔ ''میں نے پوکی کو بلایا ہے۔ اس امکان پر مشورہ کرنا ہے کہ ڈاؤلنگ کے فون اور کمپیوٹر ریکارڈ کے وارنٹ حاصل کیے جائیں۔'' جیکوبی نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ ٹیم کے دیگر ارکان بھی وہاں موجود تھے۔ صورت حال کافی اعصاب شکن تھی۔ انسپکٹر شائی، میک نیل، لنکا، سیموئل اور کونک۔ چند افراد دوسری شفٹ کے تھے۔ شیرن کے خیال میں جیکوبی سوچ رہا تھا کہ کتنے افراد ہیں؟ کتنے کیسز ہیں؟ اور کتنے کیسز حل طلب ہیں۔ اس نے شائی سے کہا کہ وہ بنٹن کی رپورٹ تیار کرے۔ شائی کھڑا ہو گیا۔ پانچ فٹ گیارہ انچ۔ اس کا پارٹنر بھی ساتھ کھڑا ہوا۔ ''جائے واردات سے عدم موجودگی کو دوبارہ چیک کرو۔ باربرا بنٹن کی لائف انشورنس کی تفصیلات بھی رپورٹ میں شامل کرو۔'' جیکوبی نے ہدایت دی۔

شائی نے کہا۔ ''گیراج میں لگے ٹیپ نے شوٹر کو ریکارڈ کیا ہے۔ اس کے سر پر ٹوپی ہے۔ سر اس نے جھکا کر رکھا ہوا تھا۔ تاہم اس کی گردن کی جلد بتا رہی ہے کہ وہ سفید فام ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شوٹنگ سے قبل اس نے مقتولہ سے کچھ کہا تھا۔ اس نے کچھ لیا نہیں لیکن وہ پُرسکون بھی نہیں تھی۔ قتل کے بعد گن تانے رکھنا...... یہ کچھ غلط لگتا ہے۔''

جیکوبی نے چند سوالات کیے۔ جو دوسروں کے ذہنوں میں بھی تھے۔ ''قاتل نے بچی کو کیوں مارا اور WCF کیا ہے؟''

''ڈیٹا بیس میں WCF کچھ نہیں ہے...... کوئی گینگ نہیں ہے، نہ کوئی جانی پہچانی دہشت گرد تنظیم۔''

شیرن نے ڈاؤلنگ کیس کے بارے میں بتایا کہ پانچ وارداتیں ایک ہی آدمی کا کام ہے اور چھٹی میں فرق

PakiBooks.Site

خون کا ہے۔ تمام وارداتوں میں مالکان گھر پر تھے۔ عمارت دو منزلہ تھی۔ کوئی کلیو نہیں ہے۔ سوائے ایک دس سالہ بچے کے جو پڑوس میں تھا۔ اس نے کھڑکی میں سے کسی کو بھاگتے دیکھا تھا۔ اس کی دی ہوئی معلومات مبہم تھیں۔

''کمزور خیال ہے کہ مقتولہ نے برگلر کو سرپرائز دیا اور اس نے کیسی کو شوٹ کر دیا۔''

جیکوبی نے سر ہلایا اور دھماکا کر دیا۔

''صبح چیف کی کال آئی تھی کہ یہ زیادہ موثر ہوگا کہ ہمارا یونٹ ناردرن ڈویژن ہومی سائڈ سیکشن کے ساتھ مل کے کام کرے۔''

''وہاٹ؟'' شیرن اُلجھ گئی۔ ''بیس بائی تیس فٹ کے یونٹ اسپیس میں افراد کو دگنا کرنے کا مطلب؟''

''مطلب، زیادہ افراد، زیادہ مشورے اور نئی چین آف کمانڈ۔'' جیکوبی کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔

شیرن کی سمجھ میں آیا کہ پہلے بھی جیکوبی نے اپنی ملازمت کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ واضح طور پر اس کی ملازمت خطرے میں تھی۔

''یہ حتمی نہیں ہے۔'' اس نے پُرامید انداز میں کہا۔ ''کیسز کو نمٹاؤ۔ اگر ہم ہار گئے تو کچھ اور معاملے بھی خراب ہو جائیں گے اور میں چیف کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔''

میٹنگ، لٹکے چہروں کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ جیکوبی نے شیرن اور کونک کو دفتر میں مدعو کیا۔

''ڈاؤلنگ کو حملۂ قلب نہیں ہوا تھا۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''سینے کی تکلیف اور رفتارِ تنفس۔ اسٹریس اٹیک کہہ سکتے ہیں۔ وہ فٹ ہے۔ شاید اداکاری کر رہا تھا اور اس کے لیے وہ آسکر کا حق دار ہے۔ اسے اسپتال سے ریلیز کر دیا گیا ہے۔''

شیرن نے بتایا کہ قتل سے ذرا دیر پہلے دونوں نے ہم بستری کی تھی۔ یعنی وہ کمرے میں اکیلی نہیں تھی اور بے لباسی کی وجہ بھی عیاں ہے۔ ''ہم وہیں جا رہے ہیں۔'' وہ بولی۔

''میں فون پر انتظار کروں گا۔'' جیکوبی نے کہا۔

☆☆☆

ہم ڈاؤلنگ کے سٹنگ روم میں بیٹھے تھے جس کی سجاوٹ درجۂ کمال کو چھو رہی تھی۔ سیاہ لباس میں ملبوس ایک عورت نے مشروبات سرو کیے۔ رسمی بات چیت کے بعد شیرن نے سوال کیا۔

''مسٹر ڈاؤلنگ، کیا آپ ایک بار پھر بتانا پسند کریں گے کہ اس رات کیا ہوا تھا؟''

وہ بولا۔ ''جینس کرائسٹ، میں ہر بات بتا چکا ہوں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم لوگ مجھے کچھ بتانے آئے ہو۔''

کونک ایک تیز اور اچھا پولیس مین تھا۔ وہ بولا۔ ''ہم معذرت خواہ ہیں سر..... بات یہ ہے کہ دوبارہ یادداشت کریدنے سے امکان ہوتا ہے کہ غیر متوقع طور پر کوئی نئی بات یاد آجائے۔''

ڈاؤلنگ نے اثبات میں سر ہلایا اور پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہانی دہرانی شروع کی۔ شیرن جانتی تھی کہ وہ ایک منجھا ہوا اداکار ہے۔ اس کے پروفیشن کے تقاضے کے تحت اسے بار بار ریہرسل کرنی پڑتی تھی۔ ری ٹیک بھی دینے پڑتے تھے۔ وہ ان چیزوں کا عادی تھا۔ اگر وہ کیسی ڈاؤلنگ کیس میں خود ملوث تھا تو اس نے کتنی ریہرسل کی ہو گی۔ مزید یہ کہ انعام کا اعلان کروا کے اس نے ابتدا میں ہی اچھی چال چلی تھی۔ شیرن کو امید نہیں تھی کہ وہ بھول چوک کرے گا۔

بالآخر شیرن کو وہ سوال کرنا پڑا۔ ''مسٹر ڈاؤلنگ، پولیس کے آنے سے پہلے آپ نے شاور لیا تھا؟''

اس کے تاثرات میں انتہائی خفیف فرق نظر آکے اوجھل ہو گیا۔ وہ گلاس پکڑ کر بولا۔ ''وہ میرے لیے ایک بھیانک خواب تھا۔ میرا دماغ ماؤف تھا۔ میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ میرے اعصاب ٹوٹ رہے تھے۔ میں شاور کے نیچے کھڑا رو رہا تھا۔ کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔''

''اور آپ کے کپڑے جناب؟'' کونک لن نے سوال کیا۔

''میرے کپڑے؟''

''مسٹر ڈاؤلنگ، ایمان داری کی بات ہے کہ ہم آپ کو مظلوم خیال کرتے ہیں لیکن کچھ ناقابلِ نظرانداز پروٹوکول ہیں..... ہمیں آپ کے کپڑے لیب میں لے جانے پڑیں گے۔ کیا ہوتا ہے۔ یہ سوال بعد میں آئے گا۔''

اس مرتبہ ڈاؤلنگ تاثرات پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ اس نے قہر آلود نظروں سے کونک کی طرف دیکھا اور ملازم کو آواز دی۔ ''انسپکٹر کو اوپر لے جاؤ۔ انہیں جو درکار ہو وہ ان کے حوالے کر دو۔'' ان دونوں کے جانے کے بعد شیرن نے زبان کھولی۔

''مسٹر ڈاؤلنگ آخری بار آپ کب اپنی بیوی کے ساتھ سوئے تھے..... میرا مطلب ہے.....؟''

''مائی گاڈ... صاف صاف کہو۔''

''کسی نے آپ کی بیوی کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کیا تھا۔ اگر یہ کام قاتل کا ہے تو وہ ایوی ڈینس چھوڑ گیا ہے جس کے ذریعے ہمیں مدد مل سکتی ہے۔''

''وہ میں تھا..... اپنی بیوی کے ساتھ۔ یہ کس قسم کی تفتیش ہے؟'' اس نے اعتراض کیا۔ اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ ''ڈنر سے پہلے ہم بستر میں تھے۔''

پندرہ منٹ بعد شیرن اور کونک رخصت ہو رہے تھے۔ کپڑوں کے ساتھ، فون پرنٹ آؤٹ..... ہم نے خیال رکھا تھا کہ وہ کپڑے شامل ہوں جو اس نے کمرے میں جاتے ہوئے پہنے ہوئے تھے۔

''اگر اس نے بیوی کو مارا ہے تو کپڑوں پر گن پاؤڈر ہونا چاہیے..... یہ بڑی کامیابی ہوگی۔'' کونک نے کہا۔

شیرن خاموش رہی۔ اس کے دماغ میں کوئی گرہ تھی جو کھل کے نہیں دے رہی تھی۔

☆☆☆

طویل دن اختتام کو پہنچ رہا تھا جب شیرن، کلیری کے ہمراہ سوزی کلب میں داخل ہوئی۔ سنڈی اور پوکی پہلے ہی عقبی کمرے کی پسندیدہ ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ دونوں یکسوئی کے ساتھ ڈاؤلنگ کیس پر مجو گفتگو تھیں۔ شیرن اور کلیری بھی بوتھ میں آگئیں۔

سنڈی کہہ رہی تھی۔ ''کیسی ڈاؤلنگ کی ملکیت میں بیس قیراط کا کیری ڈائمنڈ رنگ تھا۔ جس کی مالیت ملین ڈالرز تھی۔ یہ رنگ سن (Sun) آف سیلون کے نام سے معروف تھا۔

''ہو سکتا ہے کیسی رنگ کی وجہ سے مزاحمت پر اتر آئی ہو اور ''ہیلوکٹی'' نے گولیاں چلا دیں۔ کیا خیال ہے؟'' سنڈی نے شیرن کی طرف دیکھا۔ ''یہ ایک ممکنہ وجہ ہو سکتی ہے؟''

''کیسی کے جسم پر کسی قسم کی مزاحمت کے آثار یا نشانات نہیں ہیں۔'' کلیری نے اعتراض کیا۔

''اور وہ شوہر کی مدد کے لیے چیخی بھی نہیں۔'' شیرن نے اضافہ کیا۔ ''تمہیں یہ معلومات کہاں سے ملیں؟''

''میرے اپنے ذرائع ہیں..... لیکن میں بہت زیادہ پُرجوش نہیں ہوں۔ کیونکہ ''سیلون کا سورج'' ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا ہوگا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' شیرن نے کہا۔ ''میں سوچ رہی ہوں کہ تم جانتی ہو کون کیا ہے..... تم سوشل رجسٹر پر انگلیاں چلاؤ اور دیکھو کہ کون جوان اور اتھلیٹک نظر آتا ہے..... اتنا کہ بہ آسانی ڈبل اسٹوری برگلر بنا ہوا ہے۔''

پوکی نے کہا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ ہیلوکٹی، ہائی سوسائٹی میں متحرک ہے؟''

''ہاں اور متمول بھی۔'' سنڈی اور شیرن نے ایک ساتھ کہا۔

''یعنی اس نے کیسی کے پاس سیلون کا سورج دیکھا ہو گا..... اور اگر اس روز کیسی نے اسے پہچان لیا تھا تو.....''

''ہاں، جواز بنتا ہے۔'' شیرن نے کہا۔ ''ڈاؤلنگ کے کپڑوں پر گن پاؤڈر نہیں ملا تو کیا ہمیں توجہ ہیلوکٹی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ حالانکہ ڈاؤلنگ پر سے میرا شک ختم نہیں ہو رہا ہے۔ اسے حملۂ قلب نہیں ہوا تھا۔ ہیلوکٹی کو اعشاریہ 44 رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ڈاؤلنگ کو کپڑے تلف کرنے کے لیے وقت مل گیا تھا۔ وہ شاور لینے کیوں گیا؟ ڈائریکٹر کے ساتھ ڈنر تھا۔ ڈنر سے پہلے، بقول اس کے، سیکس کی کیا ضرورت تھی؟ کیسی بے لباس تھی..... ڈاؤلنگ نے شاور لیا۔ ممکن ہے کہ وہ بھی بے لباس ہی رہا ہو اور دونوں نے سیکس ڈنر سے پہلے نہیں بعد میں کیا ہو۔ کلیری کے مطابق سیکس تو ہوا ہے اور میاں بیوی کے درمیان ہوا ہے۔ لہٰذا ڈاؤلنگ نے آرام سے سچ بول دیا۔ ایسی صورت میں کپڑے تھے ہی نہیں اور گن پاؤڈر یا خون جسم پر ملتا..... جس کے لیے اس نے شاور لیا۔ وکیل کیا اور انعام کا اعلان کر دیا۔ قتل ہیلوکٹی کے کھاتے میں چلا گیا۔ دراصل ہیلوکٹی کی وجہ سے اسے ایک صاف ستھرا موقع مل گیا تھا۔'' شیرن چپ ہو گئی۔

دیگر شرکا اس کا منہ دیکھ رہے تھے۔

کلیری نے میز پر ہاتھ مارا اور بیئر چھلک گئی۔ ''آئی ایم سوری۔ اسرار در اسرار..... WCF بھی ایک اسرار، پاگل پن، دیوانگی..... گن پاؤڈر مسٹری۔ بے بی ڈیڈ۔ اندازِ قتل۔

''آئی ڈونٹ کیئر۔ میں جانتی ہوں کہ دونوں وارداتوں کو ملانا نہیں چاہیے۔ سوری، لیکن ڈیڈ بے بی کا مجھے درد ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔ اپنے شوہر اور بچی کے پاس۔''

☆☆☆

پیٹی گورڈن کچن میں بیک وقت اسٹوو اور بیس بال گیم کی طرف متوجہ تھا۔ جب اس کی بیوی نے کچن میں قدم رکھا۔

''کیا جل رہا ہے؟''

''سنو شہزادی، مجھے تمہارے کوکنگ ٹپس کی ضرورت

PakiBooks.Site

نہیں ہے۔''

''تم اسے بچا سکتے ہو۔ تھوڑا دودھ ڈال کر آگ کم کر دو۔''

پیٹی نے آگ کم کر دی۔ ''تمہارا نمبر بھی آنے والا ہے سوئی۔ مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ پچی کس کا تحفہ ہے۔''

''میری آنٹی نے ہم سب کو کل ڈنر پر مدعو کیا ہے۔ اسپیشل ٹریٹ...... ان کے دومنزلہ شاندار بنگلے پر۔''

''تمہاری موٹی آنٹی کو یہ خیال کیوں آیا؟''

''یہ خیال تمہاری وجہ سے نہیں آیا۔ بچے، اسٹینی اور شیری اس کا سبب ہیں۔''

پیٹی نے بیوی کو گھورا۔ آنٹی کو ایسے خیالات آنا بند ہو جائیں گے۔ اس نے دل میں کہا۔ بہت جلد ان تینوں کا نمبر آئے گا۔ تھوڑا انتظار کرو۔ WCF......

☆☆☆

لارا چکن فرائڈ اسٹیک تیار کرنے کے دوران ہیلن روز کی باتیں بھی سن رہی تھی۔ اسکرین پر مارکس ڈاؤلنگ بھی نظر آ رہا تھا۔ ڈاؤلنگ خوب اداکاری کر رہا تھا۔ لارا نے دانت پیسے۔ اس دوران اس کا شوہر ٹریور کچن میں آیا اور عقب سے لارا کو بانہوں کی گرفت میں لے لیا۔

''کیا کر رہے ہو...... ہٹو یہاں سے۔ نظر نہیں آ رہا میں کیا کر رہی ہوں۔''

''ہر وقت کی بے اعتنائی اچھی نہیں ہوتی۔ یہ کیسی شادی ہے؟''

''کم ازکم بریکنگ نیوز، پروگرام تو دیکھ لیا کرو۔''

''گولی مارو ان کو۔ میرے لیے تو بریکنگ پروگرام تم ہو۔'' ٹریور نے اسے بے دلی کے ساتھ چھوڑ دیا۔

''تم بھی بات بات پر ناراض ہو جاتے ہو، ڈارلنگ۔'' لارا نے اسے بہلایا۔ اس کے خیالات بھٹک رہے تھے۔ آخر ڈاؤلنگ نے اپنی بیوی کو کیوں ہلاک کیا۔ اس وقت لارا کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ اور ماری گئی بے چاری کیسی ڈاؤلنگ، اب پولیس ''ہیلوکٹی'' کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اس نے بھنا کر ٹی وی بند کر دیا۔

''سوری، آؤ کچھ کھاتے ہیں۔'' اس نے ٹریور کا ہاتھ پکڑ لیا...... چلو۔'' وہ اور ہیڈی ٹریور کو ''ٹیرز'' کے نام سے پکارتے تھے۔

☆☆☆

ماحول نے تاریکی کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ صرف بیک پورچ میں قمقمے نما چھوٹی سی بتی ٹمٹما رہی تھی۔ چاند کی چاندنی درختوں سے چھن کر تاریکی کے لبادے میں خراشیں ڈال رہی تھی۔ قمقمہ اشارہ کر رہا تھا کہ دروازہ کھلا ہے...... لارا، ہیڈی سے ملنے آئی تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوئی اور کچن تک پہنچ گئی۔

''واؤ...... بہت پھرتی دکھائی تم نے یہاں پہنچنے میں۔'' ہیڈی، لارا کی جانب گھومی۔

''وہ جنگلی کدھر ہے؟'' لارا کا اشارہ ہیڈی کے شوہر کی طرف تھا۔

''جنگل میں۔'' وہ بولی۔ ''چلو بیڈ روم میں چلتے ہیں۔''

لارا، ہیڈی کے بستر میں سوچ رہی تھی کہ چند وارداتوں کے بعد وہ ہیڈی کے ساتھ فرار ہو جائے گی۔ لیکن کیا وہ امیر ہو جائے گی یا جیل جائے گی...... ایک فیصلہ وہ کر چکی تھی کہ وہ سب کچھ فروخت کر دے گی لیکن وہ ہلکے زرد رنگ کا بیش بہا رنگ ہیڈی کو دے گی۔

☆☆☆

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ جیکوبی کمرے کے وسط میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ پوکی، شیرن کے قریب تھی۔ کلیری، جیکوبی کے عقب میں کھڑی تھی۔ دیگر افراد کے علاوہ ایک اجنبی وصاقی کرسی پر بیٹھا تھا۔ رنگ سفید اور آنکھیں نیلی تھیں۔ عمر پینتیس کے لگ بھگ، گورے بال عقب میں کھینچ کر ربربینڈ سے باندھے ہوئے تھے۔ قد چھ فٹ سے کچھ کم تھا۔ وزن 160 پونڈ۔ اعضا گواہی دے رہے تھے کہ وہ باقاعدگی سے ورک آؤٹ کرتا ہے۔ وہ یقیناً پولیس مین تھا۔ تاہم شیرن اسے پہچاننے میں ناکام رہی۔

شائی۔ بنٹن کیس پر رپورٹ دے رہا تھا۔ انگریزی حروف تہجی کے بارے میں اس نے بتایا کہ سرخ لپ اسٹک ایک عام اور ارزاں برانڈ تھا۔ قاتل غالباً لپ اسٹک ساتھ ہی لے گیا تھا۔ تمام رپورٹ کی زیریں سطر کا مطلب صفر تھا۔

شیرن نے کھڑے ہو کر اسکواڈ کو بریف کیا۔ اپنے تجزیے کے ساتھ ڈاؤلنگ کا بینک ریکارڈ (دونوں کا)...... دونوں کے فون کالز کا لب لباب پیش کیا۔ اس بیان کی زیریں سطر بھی نتیجہ صفر ظاہر کر رہی تھی۔

بعدازاں شیرن نے کیسی کے جواہرات کی تفصیل بتائی اور یہ کہ چوری شدہ جواہر میں سے کوئی بھی منظرِ عام پر نہیں تھا۔

دوسروں کے خیالات بھی سنے گئے۔ آخر میں سائیکو

کلر کے بارے میں ٹپ مانگے گئے۔ جواب میں وہاں خاموشی طاری تھی۔ وقفے کے بعد شیرن نے کہا۔ ''سائیکو کا معاملہ مختلف ہے۔ میرے اندازے کے مطابق سرخ لپ اسٹک پھر استعمال ہو گی۔ WCF کا معما کوئی حل نہیں کر سکا۔''

میٹنگ کا گویا اختتام تھا جب جیکوبی نے لب کھولے اور اجنبی کا تعارف سارجنٹ جیکسن براڈی کے طور پر کرایا۔

''جیک براڈی نیا تبادلہ ہے۔ اس نے دس سال سے زیادہ میامی پی ڈی میں کام کیا ہے اور زیادہ تعلق ہومی سائڈ سے رہا ہے۔ براڈی کو چیف نے عارضی طور پر ہمارے یونٹ کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ امید ہے آپ لوگ ایک دوسرے سے کماحقہ تعاون کریں گے۔''

میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔ براڈی اٹھ کر سارجنٹ شیرن کی ڈیسک پر آیا۔ دونوں نے مصافحہ کیا۔ شیرن نے اس کا تعارف کونک سے کرایا۔ براڈی سر ہلا کر بیٹھ گیا۔

''حقائق سے زیادہ مجھے تمہارا اندازہ اور تجزیہ پسند آیا۔'' اس نے شیرن کو مخاطب کیا۔ اس کی چمکیلی نیلی آنکھیں اسکواڈ روم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کونے میں ٹی وی پر ڈاؤلنگ پریس کے ساتھ مصروف تھا۔

''جتنی ان لوگوں کی زبان چل رہی ہے، اتنا ہی میرا اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔'' براڈی نے اسکرین کی طرف دیکھ کر تبصرہ کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''ڈاؤلنگ مشکوک ہے...... لیکن تم کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''چند روز ہوئے ہیں کیسی پر کام کرتے ہوئے۔ یہ پیدائشی اداکار ہے۔ چوئیشن نے اس کا کام آسان کر دیا۔ سچ یہ ہے کہ میری نظر میں ہیلوکٹی ایک چور ہے جبکہ ڈاؤلنگ قاتل۔ ایک چور، دو قاتل...... سائیکو زیادہ خطرناک ہے۔ امید ہے کہ ڈاؤلنگ پر ہم پہلے ہاتھ ڈال دیں گے۔'' شیرن نے کہا۔

''اس کے پاس کیا جواز ہو سکتا ہے؟''

''جواز ہم فلمی نقطہ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔'' کونک بولا۔

''زر اور زمین کا مسئلہ ناپید ہے...... بدنام زمانہ تین فتنوں میں سے صرف زن کا فتنہ رہ جاتا ہے۔ فلمی دنیا میں افیئرز عام ہیں۔ ٹوٹتے، جوڑتے...... ابھرتے بکھرتے معاشقے۔ ان میں بہت کم پوشیدہ رہ پاتے ہیں۔ ڈاؤلنگ کا ماضی بھی اس ضمن میں بے داغ نہیں رہا۔ تاسف یہ ہے کہ اس کا تازہ افیئر کسی کے ساتھ چل رہا تھا۔ فی الحال ایسی کوئی بات نظر میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے خطرے کے پیش نظر اس نے ملنا جلنا بند کر دیا ہوگا۔ تاہم ہم معلوم کر سکتے ہیں جس کے بعد آگے بڑھنے کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔'' کونک نے بات ختم کی۔

''کوئی ٹپ ہے؟''

''مل سکتی ہے۔'' اب شیرن نے بولنا شروع کیا کہ سنڈی کیونکر مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ اس نے سنڈی کی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے سیلون کا سورج کے بارے میں بھی بتایا۔

☆☆☆

چائنیز فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ اور ویلنسیا پر اسموک شاپ کے درمیان ارنی کوپر کی دکان تھی۔ وہ اشیا گروی رکھ کر سود پر رقم فراہم کرتا تھا۔ اگرچہ کیسی کے گراں مایہ جواہر اس کی پہنچ میں نہیں آتے تھے، تاہم کوئی اطلاع ملنے کا امکان تھا۔ وہ پولیس ڈپارٹمنٹ سے ریٹائر ہو چکا تھا لیکن بوقتِ ضرورت تعاون کے لیے تیار رہتا تھا۔

وہ کرسی ڈالے دکان کے باہر ہی بیٹھا تھا۔ شیرن اور کونک کو دیکھ کر اس نے دانت نکالے اور مصافحے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے براہِ راست مطلب کی بات چھیڑ دی۔ وہ پہلے ہی اس کہانی سے واقف تھا۔ تفصیل کے لیے تصاویر کا فولڈر اس کے حوالے کیا گیا۔ وہ جواہرات دیکھتا رہا، اوراق پلٹتا رہا۔ ایک جگہ وہ تھم گیا۔ وہاں اسے رکنا ہی تھا۔ وہ سیلون کا سورج کی تصویر تھی۔ ''کم سے کم ایک ملین۔'' وہ بڑبڑایا۔

''اپنی نوعیت کا واحد جوہر؟'' کونک نے کہا۔

''اوہ، شیور۔''

''تم چُراتے تو کیا کرتے؟''

''میں ہوتا تو یقیناً دکان میں نہیں رکھتا۔ میں ''فلائنگ فینس'' کے ذریعے دس بارہ پرسنٹ لے کر جان چھڑاتا۔''

''فلائنگ فینس؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''ہاں، پیشہ ور ایسے جواہرات لے کر ایک گھنٹے کے اندر لاس اینجلس، نیویارک یا کسی بھی جواہرات کی لانڈری حب کی طرف نکل جاتے ہیں۔''

''پھر؟''

''خریدار کہیں بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ رنگ ملک سے باہر فروخت ہوتا۔ غالباً دبئی کی کسی ''شہزادی'' کی انگلی

میں۔"

"تمہارے علم میں ہوگا کہ ایک "فلائنگ فینس" چند ماہ قبل نیویارک میں اِن کاؤنٹر کے دوران میں ہلاک ہوا تھا۔"

"میری گرین؟" شیرن نے کہا۔

"ہاں، وہ قیمتی نگینوں کا اسپیشلسٹ تھا۔ اس فولڈر کا خزانہ دس پرسنٹ پر اسی کے حوالے کیا جاتا۔"

"لیکن وہ نہیں ہے؟"

"ہاں اور بظاہر سپلائی چین ٹوٹ گئی ہے۔ گویا تمہارا "ہیلوکٹی" درخت پر ہے اور وہ نہیں جانتا کہ نیچے کیسے اترے؟"

☆☆☆

پوکی نے دروازہ کھولنے والی باوقار عورت کو گلے لگایا۔

"گاڈ، چھ سال بعد اور اب بھی تم ویسی ہی نظر آرہی ہو۔" سومی اسے لے کر اندر آگئی۔ دورانِ نشست دونوں گزرے دنوں کی باتیں کرتے رہے۔ درمیان میں سومی کچھ سامان تواضع لانے کے لیے اٹھی تھی۔ موضوعِ گفتگو ڈاؤلنگ کیس کی طرف مڑ گیا تھا۔

"یہ آفیشل ہے؟" سومی نے سوال کیا۔

"ہاں، کوئی فرق..... پڑتا ہے؟ کیسی زندہ نہیں ہے۔ وہ ہم دونوں کی واقف کار تھی۔ ہمیں قاتل تک پہنچنے کی جستجو کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے لیکن ڈاؤلنگ سے بھی میری شناسائی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں کچھ کہنا....."

"میں سمجھتی ہوں اور یقین دلاتی ہوں کہ بات چیت ہمارے درمیان رہے گی۔" پوکی نے کہا۔ "اگر تم کچھ جانتی ہو تو مجھے بتا دو، میں اطلاع کو محض اندازہ لگانے کے لیے استعمال کروں گی۔"

"آل رائٹ مگر تم مجھے اس معاملے سے باہر رکھنا، شاید پہلی مرتبہ کوئی تعاون مانگا ہے میں نے۔" سومی نے کہا۔

پوکی نے قہقہہ لگایا۔ "ہاں۔"

سومی نے گہری سانس لی۔ "کیسی نے مجھے بتایا تھا کہ ڈاؤلنگ کا معاشقہ چل رہا ہے۔"

"کیا اُسے شبہ تھا یا اس کے پاس ثبوت تھا؟ کیا ڈاؤلنگ سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے؟"

"آہستہ..... آہستہ..... ایک وقت میں ایک سوال۔"

"سوری، کیا کیسی کے پاس ثبوت تھا؟"

"نہیں، لیکن اسے شبہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاؤلنگ رنگین مزاج رہا ہے۔ ہاں تعلقات میں پہلے جیسی گرم جوشی نہیں رہی تھی۔"

"آپس میں لڑائی، تکرار وغیرہ؟"

"پوکی تم سوچ رہی ہو کہ ڈاؤلنگ نے کیسی کو شوٹ کیا ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ فی الحال وہ صاف ستھرا ہے لیکن اطلاعات سے مجھے مدد ملے گی..... اگر میرج خراب ہو گئی تھی۔"

"میں وکیل ہوں، یاد رکھو..... اور میں بتا رہی ہوں کہ یہ مارکس ڈاؤلنگ کا کام نہیں ہے۔ وہ کیسی سے محبت کرتا تھا۔ حال ہی میں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ غم والم نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔"

"کیا کیسی نے کبھی ڈاؤلنگ سے علیٰحدہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تھا؟"

"شاید..... اگر اسے پتا چلا کہ وہ بے وفائی کر رہا ہے تو وہ اسے چھوڑ دے گی۔"

"یہ بات اس نے کب کہی تھی؟"

"منگل کی رات۔"

اور قتل بدھ کی رات میں ہوا۔"

سومی نے سرد آہ بھری۔ "ڈارلنگ کوئی اور امکان تلاش کرو۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ یہ کیٹ برگلر کا کام تھا۔ ڈاؤلنگ ایسا نہیں کرسکتا۔"

☆☆☆

پیٹی گورڈن، ایمارکیڈرو کے ساتھ، مشرقی سمت فیری بلڈنگ سے دور آک لینڈ بے برج کے قریب شکار کی تلاش میں تھا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ سیاح اور مقامی افراد دونوں وہاں تھے۔ پیدل، بائیک اور اسکیٹ بورڈ..... ڈوبتے سورج کے ساتھ آسمان رنگ بدل رہا تھا۔

پیٹی نے اپنا ٹارگٹ فیری بلڈنگ کے باہر چن لیا۔ وہ چھریرے بدن کی سرخ بالوں والی عورت تھی۔ ہڈ والا سیاہ ونڈ بریکر اور گھٹنوں سے نیچے تک سیاہ اسکرٹ۔ اس کے کپڑے ہوا کے زور پر پھڑ پھڑا رہے تھے۔ لباس سے وہ برقع پوش لگ رہی تھی۔

اس کے ساتھ اسٹرالر میں بچہ تھا۔ پیٹی، فارمر مارکیٹ سے دونوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے مارکیٹ سے چند اشیا

خریدیں..... باہر آئی تو پلاسٹک بیگ کلائی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ فون ٹاک میں تھا۔ وہ اسٹرالر کو ڈاؤن سیڑھیوں پر لائی..... یہی وقت تھا۔ جیب میں گن پر پیٹی کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ وہ متحرک سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"مس! میم؟" اس نے بلند آواز میں کہا۔ تیسری آواز پر عورت نے جھٹکے سے سر گھمایا۔ "کیا بات ہے؟"

پیٹی نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا۔ "مجھے اپنے دوست سے ملنا تھا۔ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میرا فون بھی....."

عورت نے اسے گھورا۔ "میں کوئی مدد نہیں کرسکتی۔" اس نے اسٹرالر کو آگے کی جانب دھکیلا۔ وہ زینے سے اتر گئی تھی۔

"ہائے میم..... شکریہ، شکریہ!" وہ چیخا۔ دل ہی دل میں وہ مغلظات تخلیق کر رہا تھا۔ اس نے اپنے رویے پر غور کیا۔ کیا عورت کو شک ہو گیا تھا۔ بہرحال اسے مشن پورا کرنا تھا۔

وہ سان سم اور بیٹری کے درمیان گلی میں گھس گیا۔ جہاں پلاسٹک کی کرسیاں اور میزیں لگی ہوئی تھیں۔ پیٹی نے دوسرا ٹارگٹ منتخب کیا۔ گلی سے نکل کر وہ مال کے گراؤنڈ لیول پر آیا۔ وہ شکار کے پیچھے تھا۔ پیسٹری شاپ اور اٹالین ریسٹورنٹ کے پاس سے گزر کر متحرک زینے کے ذریعے مووی تھیٹر پر۔ تھیٹر دوسری منزل پر الگ تھلگ تھا۔ اس کے بعد کچھ نہیں تھا۔ "شکار" ایک بینچ پر بیٹھا پوسٹرز دیکھ رہا تھا۔ انگلیوں سے وہ بے بی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔

جوان عورت نے پیٹی کی آواز پر گردن موڑی۔ "میم آئی ایم سوری..... کیا آپ میری مدد کرسکتی ہیں؟ میں بڑی مشکل میں ہوں۔"

☆☆☆

جب شیرن کرائم سین پر پہنچی تو کروزر اور ایمبولینس ایک جگہ پارک تھیں۔ شیرن نے اپنی ایکسپلورر کو جیکوبی کی ہنڈائی کے ساتھ روکا اور گاڑی سے اتر کر ایک پولیس مین کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ جو دوسروں کے ساتھ مل کر مال کی مغربی انٹری پر بھیڑ کو قابو کر رہا تھا۔

"دوسری منزل، سارجنٹ..... مووی تھیٹر کے باہر۔" وہ بولا۔ شیرن نے جیکوبی سے رابطہ کیا۔

"اوپر آجاؤ۔" جواب ملا۔ شیرن نے بیچ سامنے کیا اور راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھی۔ متحرک زینہ روک دیا گیا تھا۔ جائے واردات پر ٹیپ لگی تھی۔ شیرن ٹیپ کے نیچے سے گزر گئی۔ متحرک زینے کے بالائی سرے پر جیکوبی منتظر تھا۔

شیرن نے پہلے مقتولہ کو دیکھا۔ دو گولیاں بالائی دھڑ اور ایک سر میں ماری گئی تھی۔ پھر شیرن نے بے بی بوائے کو دیکھا اور درندے پر لعنت بھیجی۔ وہ ایک ہارر فلم کا منظر تھا۔ سفاک، بے رحم قاتل نے بہت قریب سے نشانے بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جیکوبی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ اسٹون ٹاؤن گیراج اور یہاں کی واردات کا ذمے دار ایک ہی شخص ہے۔

لیکن ذہنی مریض کے دستخط نظر نہیں آرہے تھے.....

WCF؟

جیکوبی نے عورت کا والٹ ایوی ڈینس بیگ میں رکھا۔ مقتولہ کا نام جوڈی کنسکی تھا۔ اس کے پاس چالیس ڈالرز تھے۔ ایک لائبریری کارڈ اور دو چارج کارڈز۔ عمر 26 سال۔ میک نیل اس کے کسی قریبی رشتے دار سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کوئی گواہ؟" شیرن کے سوال میں موہوم امید کا عنصر ہلکورے لے رہا تھا۔

شائی ٹکٹ سیلر سے بات کر رہا تھا۔

مووی تھیٹر کے منیجر کے کمرے میں موجود لڑکی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ شیرن کی موجودگی کو محسوس کر کے اس نے سر اٹھایا۔ پال شائی نے لڑکی کا تعارف رابن روز کے نام سے کرایا۔ شائی کے مطابق رابن نے قاتل کو دیکھا تھا۔

"میری ماں کہاں ہے؟" رابن نے سوال کیا۔

"وہ راستے میں ہیں۔" جیکوبی نے جواب دیا۔

شیرن کے سوال پر رابن نے کہا۔ "میں نے شوٹنگ نہیں دیکھی۔" وہ آہیں بھر رہی تھی۔ "سات بجے کے شو کے لیے میں نے ٹوتھ کھولا۔" شائی نے اسے ٹشو پیپرز دیے۔ "میں نے کوئی آواز بھی نہیں سنی لیکن جب میں نے ونڈو اوپر کی....." وہ پھر سسکیاں لینے لگی۔ "بعض لوگ ٹکٹ کے لیے جلدی آجاتے ہیں..... پھر میں نے دیکھا کہ کوئی متبادل اشتہاری مہم سامنے ہے..... لیکن نہیں وہ سب کچھ اصل تھا۔ ان دونوں کو میں نے مرتے دیکھا۔"

"قاتل وہیں تھا؟"

رابن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس نے کھڑکی کی آواز سن لی تھی۔ سیکنڈ کا بہت معمولی وقفہ تھا جب ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ گن دیکھتے ہی میں نیچے بیٹھ گئی۔"

PakiBooks.Site

رابن کے بیان کے مطابق وہ سفید فام آدمی تھا جس نے نیلے اور سفید رنگ کی بیس بال جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ٹوپی آنکھوں پر جھکی ہوئی تھی۔ وقفہ بہت قلیل تھا جس پر دہشت کا پردہ گرا تھا۔ لہٰذا رابن اسے شناخت نہیں کر سکتی تھی۔ تاہم کوشش کر سکتی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکی کہ قاتل نے اگیزٹ کے لیے کون سا راستہ استعمال کیا۔شیرن نے رابن سے درخواست کی کہ وہ اسٹیشن آکے کیمرا ریکارڈنگ دیکھ لے۔جیکوبی نے رابن کے بیان کے مطابق APB (آل پوائنٹ بلیٹن) جاری کیا اور کلیری سرخ چہرے کے ساتھ ظاہر ہوئی۔منولٹا کے ساتھ اس کا چیف اسسٹنٹ بھی تھا۔ کلیری کا چہرہ غم وغصے کی تصویر بنا ہوا تھا۔

’’وہی ہے...... وہی ہے۔‘‘ اس نے گویا سینہ کوبی کی۔’’کوئی چیز چوری ہوئی؟‘‘

’’نہیں۔‘‘

کلیری نے ہی درندہ صفت قاتل کے پُراسرار دستخط اسٹرالر کے نیچے سے دریافت کیے۔ کیمرے حرکت میں تھے۔ حسبِ سابق لپ اسٹک استعمال کی گئی تھی...... لیکن...... FWC۔ ’’کیا نحوست ہے؟‘‘ شیرن نے کہا۔ ’’WCF کے بجائے FWC؟‘‘

’’مجھ سے پوچھو۔‘‘ کلیری نے کہا۔ ’’یہ مردود نشان نہیں چھوڑ رہا ہے۔صرف ہمارے ساتھ کھیل رہا ہے۔‘‘

☆☆☆

جیکسن براڈی نے ایف بی آئی کے ہیڈ کوارٹر میں دو ورکشاپس میں حصہ لیا تھا۔

’’سیریل کلرز کے پروفائل کے بارے میں سیکھتے ہوئے میں نے پورے دو موسم گرما گزارے تھے۔ اگرچہ یہ پیریڈ مجھے پروفیشنل بنانے کے لیے ناکافی تھا۔ تاہم میں کسی حد تک تعلیمی رائے دے سکتا ہوں۔‘‘

ہم سب چوبی میز اور کرسیوں پر بیٹھے براڈی کو دیکھ رہے تھے۔ پال شائی، پہلے اور تازہ کرائم سین کے بارے میں بتا رہا تھا۔ براڈی نوٹس لے رہا تھا۔

’’چھوٹے بچوں کو ہلاک کرنا ردِعمل ہو سکتا ہے...... شاید خود اس کا برا بچپن۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی واقعے نے اسے اندر سے مردہ کر دیا ہو، بے حس کر دیا ہو۔ وہ بچوں کو گواہ سمجھ کر مار رہا ہے۔‘‘

’’لیکن وہ بہت چھوٹے ہیں۔‘‘ جیکوبی نے اعتراض کیا۔ براڈی نے شانے اچکائے۔ ’’غالباً وہ یہ منطق استعمال نہیں کر رہا ہے، مطلب اس کے ذہن میں نہیں ہے۔

عورتوں کی ہلاکت میں اس کی شدید نفرت چھپی ہے۔ اس نفرت کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کسی نے اس کے ساتھ بے وفائی کی ہو؟‘‘

’’کیا اس کا بچپن غیر متعلق ہے؟‘‘ شیرن نے کہا۔

’’نہیں بھی ہے تو اسے پروا نہیں۔ اس نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نفسیاتی حربہ استعمال کیا ہے...... یعنی چھپنے کے بجائے سامنے ہے۔ وہ کھلے عام واردات کر کے نظروں میں آئے بغیر نکل جاتا ہے۔ وہ انتہائی ذہین ہے۔ اس کا دماغ اپنی سرگرمی پر یکسو اور مرکوز ہے اور وہ اکیلا کام کر رہا ہے۔ وہ عام آدمی نظر آتا ہے، اسی لیے ٹارگٹ کے قریب پہنچنے میں کامیاب رہتا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں چیخنے چلّانے کا موقع بھی نہیں ملتا۔‘‘

’’اور اس کے پاس خاص گن ہے جس کی گولیوں پر مبہم نمونہ ڈیٹا بیس میں نہیں مل رہا۔‘‘ شیرن نے کہا۔

’’یہ ایک دلچسپ بات ہے اور ایسی ہے جیسے کوئی کلیو۔ یعنی وہ اسلحے کے بارے میں معلومات رکھتا ہے اور یہ بات مجھے سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ اس نے ملٹری ٹریننگ لی ہوئی ہے۔‘‘ براڈی نے کہا۔ ’’تقریباً ہر چیز کی سطح پر کوئی نہ کوئی نمونہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ سطح دیکھنے میں شفاف ہی کیوں نہ ہو۔ خاص قسم کی خوردبین سے یہ نمونہ نظر آجاتا ہے۔ اس کی سادہ مثال انڈے کی سطح ہے۔ جسے خاص انداز میں دکھایا جائے تو بڑے بڑے سوراخ نظر آتے ہیں۔ اسی طرح گولیوں کا معاملہ ہے۔ ان گولیوں کی سطح کا پیٹرن ڈیٹا بیس میں کہیں نہیں ہے۔‘‘

’’اب تک کی وڈیو ریکارڈنگ بہت زیادہ وضاحت دینے میں ناکام رہی ہے۔‘‘ شائی نے کہا۔ ’’عمر تیس کے قریب۔ سفید فام۔ ٹوپی پہنتا ہے۔‘‘

’’اگر اس کا تعلق ملٹری سے رہا ہے تو وہ کیوں آزادانہ نقل وحرکت کر رہا ہے اور گولیاں بھی مخصوص استعمال کر رہا ہے؟‘‘ کونگ نے سوال اٹھایا۔

’’اعتماد کی زیادتی۔‘‘ براڈی نے جواب دیا۔ ’’وہ خود کو بہت چالاک سمجھتا ہے اور اشارے بھی دے رہا ہے...... چاہے مبہم ہی صحیح۔ لیکن یہ جان لو کہ وہ غلطی کرے گا۔‘‘

’’اس کی غلطی پکڑنے کے لیے ہمیں مزید افراد کی ہلاکت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔‘‘ شیرن کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

☆☆☆

ڈاولنگ کیس پس منظر میں چلا گیا تھا۔ اب ہر کسی کی توجہ لپ اسٹک کلر پر مرکوز تھی۔ شیرن، کلیری کے ساتھ سردخانے میں تھی۔ کلیری کے مطابق ڈاکٹر مائیک بذاتِ خود کیس ہینڈل کر رہا تھا۔ ایف بی آئی کے ڈاکٹر مائیک کے مطابق مقتول بچوں پر گن پاؤڈر کا نمونہ بھی منفرد تھا۔ اس کی وجہ مخصوص سائلنسر تھا۔ کلیری نے شیرن کو بتایا کہ ڈاکٹر مائیک یو ایس میں ایک بھی ہومی سائڈ کیس تلاش نہیں کر سکا...... جہاں ایسا مخصوص سائلنسر استعمال کیا گیا ہو۔ جو کوئی اسٹیل یا ٹائی ٹینیم سے تیار کیا گیا ہو۔‘‘

’’پھر کیا ہوا؟‘‘ شیرن نے سوال کیا۔

’’پیشہ ورانہ کاری گری ہے اور امریکا میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ یعنی یہ باہر سے درآمد کیا گیا ہے۔‘‘

شیرن کا فون بجا اور اس کے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ کالر آئی ڈی بتا رہی تھی کہ کونگ کا فون ہے۔ شیرن نے کلیری کو آئی ڈی دکھائی اور دھڑکتے دل کے ساتھ فون اٹینڈ کیا...... اب کیا ہو گیا؟

’’شیرن، وہ مردود پاگل تیسرا ہارر شو چلا چکا ہے۔‘‘

’’لپ اسٹک کلر؟‘‘

’’ہاں، ایک عورت اور ایک بچہ...... یونین اسکوائر کا پارکنگ گیراج۔‘‘

’’میں نکل رہی ہوں۔‘‘ شیرن نے اختصار کے ساتھ کلیری کو بتایا اور پارکنگ کی طرف لپکی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی شیرن نے انجن کے بعد سائرن آن کیا۔ گیس پیڈل دبائی گئی۔ وہ احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر صرف ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ تیسرا اسکینڈ ختم ہونے سے پہلے وہ تیسرے گیئر میں چلی گئی تھی۔ وہ واقعی ذہنی مریض ہے یا کسی مقصد کے تحت دیوانگی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مقصد ہے تو بچوں کا قتل بے معنی ہے۔ اس کے دستخط یا پیغام بھی پُراسرار ہے۔ اس کے رویّے کے بارے میں پیشگوئی کیونکر ممکن ہے، جب تک وجہ سامنے نہیں آتی۔

یونین اسکوائر پر کونگ، جیکوبی، شائی، کیپی...... خود چیف پولاک بھی نظر آرہا تھا۔ ہر چہرے پر زیرِ نقوش ہراس موجود تھا۔ سوربیو نے شیرن کو بریف کیا۔ کرائم سین چوتھی منزل پر تھا۔ ایلیویٹر بند کر دیا گیا تھا۔ ٹیپ کے نیچے سے گزر کر ہم نے سیڑھیوں کا سہارا لیا۔

شیرن نے پھر گواہ کے بارے میں دریافت کیا۔ یہ سوال نہیں بلکہ آرزو تھی جس کا جواب ’’نہیں‘‘ میں آیا۔ جب چوتھی منزل پر پہنچے تو شیرن کو لگا کہ کہنیوں سے اوپر مکڑیاں رینگ رہی ہیں۔ وہ لاشوں کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن یہ کام کرنا ہی تھا۔ چوتھی منزل کی پارکنگ میں دو گاڑیوں کے درمیانی خلا میں موت کا نظارہ تھا۔ وہ خوش شکل عورت تھی اور جان نکل جانے کے بعد بھی اس کی کشش محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس کا سفید سوئیٹر لہو میں ڈوبا ہوا تھا۔ اردگرد بھی خون پھیل گیا تھا۔ بچہ عورت کی بغل میں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ فوٹو کے لیے پوز دے رہے ہوں۔ شیرن کی نظر دھندلا گئی۔ شیرن کو زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

’’شیرن؟‘‘ کونگ کی آواز آئی۔ ’’تم ٹھیک ہو؟‘‘

شیرن نے سر ہلایا۔ وہ عورت تھی۔ خود پر قابو پا کر اسے لیڈر شپ کا مظاہرہ کرنا تھا۔ مقتولین کے ایک طرف ڈاج کاروان اور دوسری طرف سلور ہائی لینڈر کھڑی تھی۔ ایک کھلا ہوا ہینڈ بیگ ایک طرف پڑا تھا۔ جس کی اشیا باہر بکھری ہوئی تھیں۔ کاروان کے تمام دروازے کھلے تھے۔ شیرن نے نظر اٹھائی...... ونڈ شیلڈ پر CWF سرخ رنگ سے لکھا تھا۔ وہ عالمِ اشتعال میں تین حروف کو گھور رہی تھی۔ پہلے WCF، پھر FWC اور اب CWF...... کیا بلا ہے یہ؟

شائی کی آواز پر شیرن مڑی۔ وہ خاصا بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ ’’مقتولہ کا نام ایلین میرون ہے۔ عمر 34 سال۔ والٹ میں 56 ڈالرز ہیں۔ کریڈٹ کارڈز، ڈرائیونگ لائسنس......‘‘ اس نے تفصیل بتائی۔

’’لپ اسٹک کہاں ہے؟‘‘ شیرن نے رجائیت کے ساتھ سوال کیا۔ شاید وہ لڑھک کر گاڑیوں کے نیچے چلی گئی ہو۔ اور اس پر سے انگلیوں کے نشانات مل جائیں۔

’’نہیں، ایسا کچھ نہیں ملا۔ البتہ ایک نئی چیز ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مزاحمت کی تھی۔‘‘ شائی نے کہا۔

شیرن گولیوں کے پانچ نشان دیکھ چکی تھی۔ صاف عیاں تھا کہ اس نے ناقابلِ یقین مزاحمت پیش کی تھی۔

معاً ایک تیز چیخ سنائی دی لین...... ن...... ی...... ’’او گاڈ نو۔‘‘

وزنی قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ جیکوبی چلّایا۔ ’’رک جاؤ...... وہیں رکو......‘‘ یہ کلیئر وارننگ تھی۔

لیکن قدموں کی دھمک قریب آتی گئی۔

☆☆☆

شیرن تیسری منزل کی سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ سیڑھیوں پر خاصا قوی ہیکل آدمی جیکوبی اور چیف پولاک کے ساتھ الجھا ہوا تھا، اس کی حالت پھنکارتے ہوئے بھینسے

PakiBooks.Site

کے مانند تھی۔ جو، جیکوبی کی فیصلہ کن مسلح وارننگ کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ وہ کسی طرح دونوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں اس کے سامنے بچے ہی معلوم ہو رہے تھے۔ وہ اوپر آ رہا تھا اور سامنے شیرن کھڑی تھی۔ پھر اسٹن گن کی مخصوص آواز آئی۔ کرنٹ نے بھینسا نما آدمی کو ہوا میں اچھال دیا اور وہ پھسلتا ہوا نچلی لینڈنگ تک جا کر ساکت ہو گیا۔ اس کا طوفانی زور ٹوٹ چکا تھا۔ تاہم آہ وزاری جاری تھی۔ جیکوبی نے ہاتھ پیچھے لے جا کر ہتھکڑی لگا دی۔ کرنٹ نے وقتی طور پر اسے نیم جان کر دیا تھا۔

شیرن نے اس کا والٹ نکال کر چیک کیا۔ وہ فرانسس میرون تھا۔ مقتولہ کا شوہر تھا۔

''مجھے اٹھاؤ۔'' وہ بولا۔

''آئی ایم سوری، مسٹر میرون..... ابھی نہیں۔''

''کیا ہوا ہے؟ وہ دونوں ٹھیک ہیں؟'' اس نے پوچھا۔ اور شیرن کا دل بیٹھ گیا۔ ''میں سگریٹ لینے کے لیے رکا تھا میں نے اس کو بتا دیا تھا کہ میں پارکنگ میں ملوں گا۔ میں نے اس سے فون پر بات کی تھی۔'' اس نے کہا۔

''ابھی بات کی تھی؟''

''ہاں چند منٹ ہوئے تھے شاید..... وہ کسی کو کہہ رہی تھی کہ..... تمہیں کیا چاہیے..... اوہ گاڈ، اس کے بعد..... نہیں..... نہیں..... مجھے بتاؤ، وہ ٹھیک ہے؟''

شیرن نے بدقت تمام معذرت کی اور وہ بھینسے جیسا آدمی رو پڑا۔ ''نہیں..... مم..... میری بچی؟ پلیز مجھے ان کے پاس جانے دو۔''

شیرن کے اردگرد دیگر افراد خاموش کھڑے تھے۔ شیرن نے مسٹر میرون سے کسی رشتے دار یا دوست کا نمبر مانگا لیکن وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''مسٹر میرون، کوئی تم لوگوں کے خلاف تھا؟ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا؟''

''نہیں، نہیں، ہماری کسی سے دشمنی نہیں تھی۔''

کچھ دیر بعد اسے کسی طرح اسپتال روانہ کر دیا گیا۔ اس کا شانہ زخمی ہو گیا تھا۔ شیرن نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسپتال پہنچ رہی ہے۔

☆☆☆

نوٹس اور فوٹو لیے جا رہے تھے۔ میڈیکل ایگزامنر پہنچ گئے تھے۔ کرائم سین انوسٹی گیشن یونٹ بھی مصروفِ کار تھا۔ گولیاں جمع کی جا رہی تھیں۔ شیرن ایک طرف کھڑی کرائم سین انوسٹی گیشن کی کارکردگی دیکھ رہی تھی۔ میرون ایک گھنٹے قبل شوہر کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی۔ وہ اور اس کی فیملی بے خبر تھی کہ فرشتۂ اجل اُن کا منتظر ہے..... اب کلیری کی ٹیم باڈیز کو سفید چادروں میں لپیٹ کر باڈی بیگ میں منتقل کر رہی تھی۔

شاید اس مرتبہ خونی غسل سے کوئی سراغ برآمد ہو جائے۔

''شیرن، یہ دیکھو۔'' کونک کی آواز آئی۔ شیرن میرون کی منی وین کی طرف گئی اور ونڈ شیلڈ پر موجود تین حروف کو دیکھا۔

''یہ لپ اسٹک نہیں ہے۔'' کونک نے انکشاف کیا۔ شیرن کے اعصاب تن گئے۔

''یہ خون ہے۔'' وہ بولا۔ ''اس نے انہی کے خون میں انگلی ڈبو کر یہ حروف لکھے ہیں۔''

شیرن نے ایک فوٹوگرافر کو اشارہ کیا۔ اس نے حروف کے کلوز اپ بنائے۔ شیرن کی امید بیدار ہو گئی۔ ''یہ کیسے ہو گیا؟'' کیا جنونی قاتل مزاحمت کے باعث یا اپنے پاگل پن میں اتنا اہم کلیو چھوڑ گیا؟

☆☆☆

سارجنٹ جیکسن براڈی، وڈیو ٹیپ اور ہماری پرانی مشین کے ساتھ موجود تھا۔ ''اگر میں کوئی چیز مس کروں تو کوئی بھی آواز لگا سکتا ہے۔'' اس نے وڈیو ٹیپ مشین میں داخل کی اور اسکرین روشن ہو گئی۔ نچلے دائیں کونے پر ایک آدمی کی سیاہ و سفید شبیہ ابھری۔ وہ گیراج کے مرکزی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ رخ ڈاج کاروان کی طرف تھا۔ اشکال دھندلی تھیں اور اٹک کر چل رہی تھیں۔ روشنی کم تھی اور ارزاں ٹیپ کو درجنوں مرتبہ ری سائیکل کیا گیا تھا۔ تب ہم قاتل کو دیکھنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ حسبِ سابق اس نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ ساتھ میں بیس بال جیکٹ۔ اس نے سر جھکا رکھا تھا اور چہرے کو نگراں کیمرے کی زد سے بچا رہا تھا۔

براڈی کمنٹری کر رہا تھا۔ ''اس کے دونوں ہاتھ جیبوں میں ہیں۔ وہ بہت قریب پہنچ گیا ہے اور کچھ کہہ رہا ہے۔ شاید وقت معلوم کر رہا ہے یا کچھ اور.....''

''ایلین نے اپنا سامان عقبی نشست پر رکھ کر دروازہ سلائڈ کر کے بند کر دیا ہے۔ وہ ڈرائیور سائڈ پر چلی گئی ہے۔ وہ سیل فون پر بات کر رہی ہے۔''

شیرن بغور اسکرین کو تک رہی تھی۔ میرون زندہ تھی۔ قاتل متحرک تھا۔ شیرن دونوں کی باڈی لینگویج پڑھ رہی

تھی۔ قاتل بظاہر معذرت خواہانہ رویے کا حامل تھا اور میرون کو اطمینان کا احساس نہیں ہوا تھا۔ شیرن کو براڈی کی بات یاد آئی کہ یہ شخص دیکھنے میں اور حلیے سے عام آدمی معلوم ہوتا ہے۔ شیرن سوچ رہی تھی کہ ان عام آدمیوں پر ہی ہارر موویز بنتی ہیں جن کے اندر خونخوار درندہ چھپا ہوتا ہے۔ اور ہر سائیکو عام آدمی معلوم ہوتا ہے۔

''دیکھو، اس نے گن نکال لی ہے۔'' براڈی کی آواز آئی۔ ٹو ملی میٹر بریٹا۔ نفٹی سیریس (سائلنسر) ایلین نے تیزی سے ہک سیٹ سے بیگ اٹھا کر گھمایا۔ برابر والی ہائی لینڈر نے آدھا منظر بلاک کر دیا۔ زیریں حصے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اچانک وہ نیچے جھکا۔ غالباً ایلین نے لات ماری تھی۔ اس نے ونڈ بیگ جھپٹ لیا اور پہلی گولی چلی۔ ایلین نے ایک ہاتھ سے سیدھ بنایا اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کا گن والا ہاتھ پکڑا۔ اس کی جدوجہد غیر متوقع اور ناقابلِ یقین تھی۔ قاتل نے زور لگا کر کلائی چھڑائی..... اگلے سیکنڈ میں ایلین کے جسم نے چار جھٹکے کھائے۔ شیرن آنکھیں بند کرنا چاہتی تھی لیکن وہ پلک بھی نہ جھپکا سکی۔ بعد ازاں ایلین کا جسم کیمرے کی دسترس سے نکل گیا۔

وین کا پچھلا دروازہ کھلا، قاتل نے ایک گولی چلائی اور غائب ہو گیا۔

''دیکھو۔'' براڈی کی آواز آئی۔ ''وہ پھر نظر آ رہا ہے۔ اس نے کمر سے ایلین کا جسم سنبھالا ہوا ہے۔ دائیں ہاتھ سے اس نے میرون کی انگشت شہادت پکڑ کر خون میں ڈبوئی..... یہ حرکت اس نے دو بار کی اور ونڈ اسکرین پر سرخ رنگ کے تین حروف نمودار ہوئے۔ مقتولہ کے پاس لپ اسٹک نہیں تھی۔ قاتل نے متبادل طریقہ کار اختیار کیا۔ اس واردات میں امکانات ہیں کہ ہمیں کچھ نشانیاں مل جائیں۔ فرش کے خون پر جوتوں کے نشان بھی ہیں۔ پرنٹ واضح نہیں ہے۔''

''کیا اس کے ہاتھوں پر دستانے ہیں؟''

کہیں سے سوال کا جواب نہیں آیا۔ اشکال شبیہ کے مانند نظر آئی تھیں۔ شیرن نے ٹیپ دوبارہ چلوائی۔ اس کی امید نے دم توڑ دیا۔ ''اس کے ہاتھ پر دستانے ہیں۔'' شیرن نے اعلان کیا۔ ''اور حروف لکھنے کے لیے اس نے مقتولہ کی انگلی استعمال کی ہے۔''

براڈی کی آواز آئی۔ ''اس نے وین کے دروازے کھلے چھوڑ دیے ہیں..... اس کی آخری جھلک ایلیویٹر کی سمت نظر آئی۔ ٹوپی پر کوئی لوگو نہیں تھا۔ اس ایلیویٹر سے وہ اسٹریٹ لیول پر نکلے گا۔''

''تین منٹ اور چالیس سیکنڈ۔'' براڈی نے مانیٹر بند کر دیا۔ ''گن نکالنے سے ایلیویٹر تک جانے میں تین منٹ اور چالیس سیکنڈ۔''

☆☆☆

آج ایک عورت جیکوبی سے ملی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق جس رات تھیٹر کے باہر قتل ہوا تھا..... اسی رات شام ڈھلے فیری بلڈنگ کے باہر اسے ایک آدمی نے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے ٹوپی کے ساتھ بیس بال جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ عورت خوف زدہ تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ آدمی کسی قسم کی مدد مانگ رہا تھا۔ عورت نے بلند آواز میں انکار کیا اور بے بی کو لے کر آگے چلی گئی۔ عورت نے نگرانی کی وڈیو بھی دیکھی اور خیال ظاہر کیا کہ یہ وہی آدمی ہو سکتا ہے۔ کونک نے بتایا۔

''اچھی خبر ہے۔'' شیرن نے کہا۔ ''تم پزل حل کرتے ہو۔ کیا خیال ہے..... FWC، WCF اور اب WCF؟''

کونک نے شانے اچکائے۔ ''بہت سے کمبی نیشن بنائے جا سکتے ہیں، بے سود ہے۔''

معاً اسکرین پر بریکنگ نیوز کی سلائڈ دیکھ کر شیرن نے آواز بڑھا دی۔ اینکر، یونین اسکوائر کی واردات کے بارے میں بتا رہی تھی۔ سننے والی بات یہ تھی کہ قاتل کو واردات کے بعد ایلیویٹر سے نکلتے کسی اور نے بھی دیکھا تھا۔ گواہ ایک آرٹسٹ تھا جس نے بعد میں صلاحیت اور حافظے کے بل پر قاتل کا اسکیچ بنا ڈالا۔ ظاہر ہے آرٹسٹ نے خود کو گمنام رکھا تھا۔

اسکرین پر وڈیو ٹیپ کی جگہ اسکیچ نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک عام سا چہرہ تھا۔ ایف بی آئی کے ڈائریکٹر مائیک نے پروفیشنل گریڈ کے جس سائلنسر کا ذکر کیا تھا، اینکر نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

''وہ سائلنسر ملٹری کے اسپیشل آپریشن میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہ کچھ مختلف ہے۔'' شیرن نے کہا۔ ''کسی ملٹری کنٹریکٹر سے حاصل کیا گیا ہے یا پھر اوورسیز بلیک مارکیٹ سے آیا ہے۔''

''ہاں، ملٹری کا زاویہ قابلِ قبول ہے لیکن شہر میں ہزاروں ایکس ملٹری مین ہیں اور اس شخص کی شکل، آنکھوں اور بالوں میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہاں کوشش کی جا سکتی ہے۔'' کونک نے کہا۔

PakiBooks.site

اسکرین پر بدلنے والے منظر کو دیکھ کر شیرن کا منہ کھل گیا۔ کلیری کو میڈیا پرسنز نے سرد خانے کے باہر گھیرا ہوا تھا۔ وہ پارکنگ کی طرف جارہی تھی۔ رپورٹرز سوالات گولیوں کے مانند برسا رہے تھے۔ کلیری کوئی جواب دیے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی پھر کچھ سوچ کر اس نے بٹن دبایا اور شیشہ نیچے کی جانب پھسل گیا۔

''سان فرانسسکو کے باسیوں کے لیے یقیناً میرے پاس کچھ ہے۔ میں ایک ماں اور بیوی کی حیثیت میں بات کررہی ہوں۔ مائیں اپنے چھوٹے بچوں کا خیال رکھیں اور ہوشیار رہیں۔ کسی اجنبی کو قریب نہ آنے دیں۔ سنسان جگہوں سے دور رہیں۔ گن رکھنے کے لیے لائسنس حاصل کریں۔ یہ آخری بات مذاق نہیں ہے۔''

☆☆☆

''خاموش رہو۔'' پیٹی نے غرایا۔ اسٹینی اور شیری کے منہ بند ہوگئے۔ وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک لیٹر کپوز کررہا تھا۔ یہ تاوان سے ملتا جلتا تھا۔

''سان فرانسسکو کے رہنے والوں کے لیے کھلا خط۔ مجھے ایک اہم بات کرنی ہے۔'' وہ رک کر سوچنے لگا۔ دفعتاً شیری کی چیخ بلند ہوئی۔ وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

کھڑکی میں اسٹینی کی شکل نظر آئی۔ ''سوری ڈیڈی..... آئی..... آئی ایم سوری..... ڈیڈی.....''

''تمہاری ماں کہاں مرگئی ہے۔'' اسے ہیڈی کا خیال آیا۔

کھڑکی میں سے اسٹینی کی شکل غائب ہوگئی۔

''..... لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔ مجھے دیکھو، کیپٹن پیٹر گورڈن، فارمر کمانڈو۔ موجودہ ہاؤس ہزبینڈ (شوہر) فرسٹ کلاس۔

شور مچالو، ماں کے ساتھ تم دونوں کا نمبر بھی آنے والا ہے۔ نہیں شیری کا نمبر وہ بھائی سے چھوٹی ہے۔ پلان میں فٹ رہے گی..... بائے، ہیڈی، بائے بائے۔''

☆☆☆

ڈاؤننگ کیس کے بعد لارا ہاتھ روکنے کے بارے میں غور کرتی رہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کا ارادہ بدلنے لگا۔ دو سے تین وارداتوں کے بعد وہ فل اسٹاپ لگا دے گی۔ ڈورین مورلی اس کا اگلا شکار تھی۔ وہ مورلی پر کافی کام کرچکی تھی جس کی بیش قیمت جیولری دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آجاتا تھا۔

اس وقت وہ مورلی ہاؤس کے قریب موجود تھی۔ اسپورٹس گیئر مورلیز، جم اور مورلی کی ملکیت میں تھے۔ یہ ایتھلیٹک اسٹورز کی چین تھی۔ لارا نے ویب پر خوب اسٹڈی کی تھی۔ فوٹو بھی دیکھے۔ مورلی کے پاس غیر معمولی جواہرات تھے۔ وہ ان کی ایسی دیوانی تھی کہ پارٹیز کے علاوہ گھر میں استعمال کر کے بھی لطف اٹھاتی تھی۔ یہ بات اس نے کرانیکل کی رپورٹر کو بتائی تھی۔

ہر روز ہیروں کے ساتھ۔ گمان سے پرے۔ ناقابلِ یقین۔ جنون۔ لارا، اس کے گھر کے قریب ٹریفک کی آمدورفت نوٹ کرچکی تھی۔ پڑوسیوں کا جائزہ لیا تھا۔ وہ جگہ منتخب کرلی تھی جہاں اس کو اپنی گاڑی کھڑی کرنی تھی۔

وہ مورلی ہاؤس کے قریب سیاہ لباس میں نیم تاریکی میں کھڑی تھی۔ آج کے دن لارا کا اندر جانے کا پروگرام نہیں تھا لیکن بیک یارڈ میں پارٹی کے ساتھ میوزک کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پارٹی، ہلا گلا اور راک اینڈ رول۔ اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہیں آنا تھا۔

لارا نے ذہن بنا لیا۔ وارم اَپ کے بعد اس نے دوسری منزل پر بیڈ روم کی تاریک کھڑکی کو دیکھا۔ میدانِ عمل میں آنے سے پہلے وہ ماضی میں خوب مشق کرتی رہی تھی۔ کھڑکی دس فٹ کی بلندی پر تھی۔ دس فٹ کی چڑھائی اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ باقاعدگی سے جم جاتی تھی۔ جاگنگ بھی معمول تھا۔ باڈی، ٹرکپ اینڈ فیلڈ کے کھلاڑیوں جیسی مضبوط اور لچک دار تھی۔ وہ چھوٹی سیاٹ پہاڑیوں پر ''سولو'' کلائمبنگ کرتی رہی تھی۔ ربر کی گیند اکثر اس کی مٹھیوں میں ہوتی۔ جنہیں دبا دبا کر وہ انگلیوں اور کلائیوں کو مضبوط بنانے کا کام لیتی تھی۔

اس نے تخمینہ لگایا۔ پندرہ سولہ فٹ کی دوڑ لگا کر اُسے رکے بغیر دس فٹ تک چڑھنا تھا۔ لارا نے ڈرین پائپ کو دیکھا۔ کھڑکی کی چوکھٹ اور دوسرے معمولی سہاروں کا فاصلہ دیکھا۔ جہاں اس نے چاروں ہاتھ پیروں کا استعمال کرنا تھا۔ گہری گہری سانس لینے کے بعد اس نے دوڑ لگا دی۔ وہ رکے بغیر چھپکلی کے مانند چڑھتی چلی گئی۔

جم مورلی اور مسز مورلی کی خواب گاہ میں داخل ہونے کے لیے اس نے بہت کم وقت لیا تھا۔

☆☆☆

وہ چاروں ہاتھ پیروں کے بل کارپٹ پر بیٹھی تھی۔ لارا نے نائٹ اسٹینڈ کے قریب کلاک پر نظر ڈالی۔ 9:14۔ لارا نے طے کیا کہ 9:17 پر اسے یہاں سے نکل جانا ہے۔ مدھم روشنی میں اس نے تیزی سے خواب گاہ کا

جائزہ لیا۔ کمرے سے پہلی ڈوری کے ساتھ ڈفل بیگ کی زپ کھولی۔ خواب گاہ پُرآسائش اور پُرآرائش تھی۔ لارا نے ہال وے کی طرف کھلنے والا ڈور لاک کردیا۔ اب بڑے سے کلاک سے جھلکتی نیلی خفیف روشنی کے علاوہ وہ مکمل اندھیرے میں تھی۔ اس نے کلوزٹ کھول کر اپنا ہیڈ لیمپ روشن کیا اور کپڑوں کی لہروں کے درمیان سیف تلاش کرنے لگی۔ اس کی انگلیاں تیزی سے کام کررہی تھیں اور ذہن ٹائم کی طرف تھا۔ کیا اسے خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔ اس نے ہیڈ لیمپ آف کیا۔ اسی وقت قدموں کی آہٹ ابھری۔ آہٹ خواب گاہ کے باہر آکر رک گئی۔ ڈور نوب دائیں بائیں گھوم رہی تھی۔ پھر کسی آدمی کی بلند آواز آئی۔ ''ڈور کس نے لاک کیا ہے؟''

لارا بوکھلا گئی۔ کیا وہ چھپ جائے یا کھڑکی سے فرار ہو جائے۔

آواز پھر آئی۔ ''میں جم ہوں۔'' اس کی ہنسی میں نشے کی کیفیت تھی۔ ''ہیلوکٹی..... اندر تم تو نہیں ہو؟''

اس فقرے نے لارا کی حرکتِ قلب بند ہی کردی تھی۔

''کون ہے، کھولو دروازہ۔''

☆☆☆

لارا کھڑکی کی طرف لپکی۔ اس نے چوکھٹ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ کمرے کے باتھ روم کا دروازہ کھلا اور روشنی نظر آئی۔ جم مورلی برابر والے کمرے کے باتھ روم سے خواب گاہ میں آرہا تھا۔ وہ دیوار پر خواب گاہ کا سوئچ ٹٹول رہا تھا۔ ''یہاں کوئی ہے؟'' کمرے کی لائٹ ابھی روشن نہیں ہوئی تھی۔ لارا باتھ روم کی روشنی میں اسے زیادہ بہتر دیکھ سکتی تھی جبکہ وہ کمرا روشن کیے بغیر اسے ٹھیک طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔

لارا نے بروقت اس کا نام لیا۔ ''جم۔'' وہ بولی۔ ''کیا تم ہم دونوں کو تھوڑی سی پرائیویسی نہیں دے سکتے؟'' اس کی آواز سے خمار جھلک رہا تھا۔

''مارتھا، مارتھا..... یہ تم ہو۔ او، آئی ایم سوری۔ تم اور جیسی..... یہ سارا وقت تمہارا ہے۔'' اس نے باتھ روم میں جاکر دروازہ بند کردیا۔

سارا وقت تمہارا ہے..... نہیں اتنا وقت بھی نہیں ہے۔ وہ جب پارٹی میں واپس جائے گا تو مارتھا اور جیسی کو دیکھ لے گا۔

کلاک..... 9:20

لارا ایک ٹانگ کھڑکی پر رکھ چکی تھی۔ جب آنکھ کے کونے سے اس نے بستر کی جھلک دیکھی۔ بیڈ کے ساتھ خوب صورت پینٹنگ ٹکی ہوئی تھی۔ کیا یہ پہلے دیوار پر تھی؟ تیس سیکنڈ اس سے زیادہ نہیں۔ اس نے فیصلہ کیا اور کھڑکی سے نکل کر پینٹنگ بستر پر ڈال دی۔ اس کی مشاق انگلیاں اس کے فریم کو جانچ رہی تھیں۔ پینٹنگ کی مناسبت سے فریم کی چوڑائی زیادہ تھی۔ بیس سیکنڈ میں فریم نے تصویر کو آزاد کر دیا۔ چپٹا دھاتی باکس بستر پر گرا۔ باکس کا تالا کھلا تھا۔ یقیناً مورلی نے چند زیورات پارٹی کے لیے منتخب کیے ہوں گے اور پینٹنگ کو دیوار پر لگائے بغیر چلی گئی۔ لوٹ کا مال لارا نے ڈفل بیگ میں منتقل کیا۔ تیس سیکنڈ گزر گئے تھے۔ بیگ کی زپ بند کرکے وہ کھڑکی میں آئی۔ باہر ایک آدمی ٹہل رہا تھا۔ لعنت ہے۔ لارا نے مڑ کر باتھ روم کی طرف دیکھا اور بھاگ کر اسے بھی لاک کردیا۔ وہ واپس آئی تو وہ آدمی کسی اور طرف نکل گیا تھا۔ نیچے پہنچنے کے چکر میں اس نے کچھ زیادہ ہی پھرتی دکھائی۔ نتیجے میں اس کا ایک ٹخنا مڑ گیا۔ چیخ دباتے دباتے بھی اس کے حلق سے کراہ خارج ہوئی۔ چاند پر بدلی آئی اور ہلکی روشنی بھی مزید محدود ہوگئی۔ لارا نے خود کو سنبھالا اور کار کی سمت چل پڑی۔ ٹخنا اسے جاگنگ نہیں کرنے دے رہا تھا۔

☆☆☆

اس کا بچ نکلنا ناقابلِ یقین تھا۔ جم مورلی نے اسے ''ہیلوکٹی'' کے نام سے پکارا تھا اور اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کے دماغ نے بروقت کام کیا اور وہ بال بال بچنے میں کامیاب ہوگئی۔ ساتھ ہی زیورات بھی سمیٹ لائی۔ غالباً جم نشے میں تھا۔

کار کی نشست کے نیچے جو کچھ تھا، وہ اسے بیس سال کے لیے سلاخوں کے پیچھے لے جانے کے لیے کافی تھا۔ وہ بھی اگر اسے مرڈر چارج میں ملوث نہیں کیا جاتا۔ فی الحال یہ وارادات کامیاب رہی تھی۔ ہیڈی کا تصور آیا۔ وہ جلد ہی اسے اپنی اصلیت بتادے گی۔ دونوں ملک سے نکل کر ایک شاندار زندگی کا آغاز کریں گے۔ ہیڈی کے تصور میں اس نے سائرن کی مدھم آواز کو نظرانداز کردیا۔ آواز بلند ہوتی گئی۔ لارا کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ریئر ویو میں اس نے گھومتی ہوئی سرخ روشنی بھی دیکھ لی..... پولیس۔

کیا وہ اس کے پیچھے آرہے ہیں؟ یہ کیسے ہوگیا؟ کیا جم نے الارم بجایا ہے؟ اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ دل پسلیوں کو توڑنے کی سعی کررہا تھا۔ اس نے ڈفل بیگ نشست

PakiBooks.site

کے نیچے مزید دور کھسکا دیا۔ آنکھیں عقبی آئینے پر تھیں۔ پولیس کار قریب پہنچ کر پیچھے رک گئی۔ لارا نے بھی گاڑی روک دی۔ وہ اب بھی جائے واردات سے قریب تھی۔ عدم موجودگی ثابت کرنا مشکل تھا۔ وہ اپنے پڑوسی سے بھی بہت دور تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ ملزم دکھائی دے رہی ہے۔

مسامات پسینہ اُگل رہے تھے۔ پولیس کار میں سے ایک آدمی نکل کر اس کی طرف آیا۔ لارا نے اس کے چہرے پر نرمی کے آثار ڈھونڈنے کی کوشش کی......

''لائسنس اور رجسٹریشن، پلیز۔''

''یس سر۔'' لارا نے کہا۔ ''دونوں چیزیں اس نے گلو باکس میں سے نکال کر پولیس مین کے حوالے کیں۔

''سر، کچھ غلط ہو گیا؟ میری رفتار تو ٹھیک تھی؟''

پولیس مین نے کاغذات پر ٹارچ کی روشنی پھینکی اور جلد واپس آنے کا کہہ کر پیچھے چلا گیا۔ اس نے کمپیوٹر پر کاغذات چیک کرنے تھے۔ لارا سوچ رہی تھی کہ موریل کے جواہر کے لالچ میں اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر دی ہے۔ وہ تصور میں دیکھ رہی تھی کہ آفیسر اسے گاڑی سے باہر آنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ گاڑی کے بڈ پر ہیں اور پولیس مین کتنی آسانی سے نشست کے نیچے سے چوری کا مال برآمد کرلے گا۔ وقت اپنی رفتار سے رینگ رہا تھا۔ اس اثنا میں دوسری پولیس کار بھی وہاں پہنچ گئی۔ پولیس والوں نے اس کی کار کو گھیرا ہوا تھا۔ وہ ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔ بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس کا دماغ چکرانے لگا۔ پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی۔ جو متلی کی صورت میں تبدیل ہونے لگی۔ کیا ہوگا اس کے ساتھ؟ اور ہیڈی......؟

ٹارچ کی روشنی اس کی آنکھوں میں پڑی......

دوسرے آفیسر نے کاغذات واپس کیے۔

''تمہاری بائیں عقبی بتی ٹوٹی ہوئی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تمہیں فوراً اس کی مرمت کرا لینی چاہیے۔''

لارا نے معذرت کی۔ اس کی رکی ہوئی سانس جاری ہوگئی۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ ضرور آج اس کا لکی ڈے تھا۔ اس نے پولیس مین سے وعدہ کیا۔ وہ لوگ کسی اور سمت روانہ ہو گئے۔ لارا نے دروازہ کھولا اور سڑک پر قے کر دی۔ بعدازاں اس نے اپنا سر اسٹیئرنگ وہیل پر ٹکا دیا۔ ''تھینک یو گاڈ۔''

☆☆☆

کونک نے رشین ہل کے قریب شاندار دو منزلہ بنگلے کے سامنے اسکواڈ کار پارک کی۔ شیرن نے اسے بڑبڑاتے سنا۔ ''عجیب اتفاق ہے۔ ہیلوکٹی نے اسی رات کو اپنا کام سرانجام دیا...... جس رات میں لپ اسٹک کلر نے ایلن میرون اور اس کے بچے کو ہلاک کیا۔''

''میں تین گھنٹے ہی سو سکی تھی۔'' شیرن نے کہا۔

چند منٹ میں وہ دونوں موریل ہاؤس میں تھے۔ ڈورین موریل کا قد عام عورتوں کے مقابلے میں دراز تھا۔ وہ شیرن اور کونک کو کچن میں لے گئی۔ وسیع کچن میں سبز رنگ کے گلاس کاؤنٹر بنے تھے۔ مرکزی گول میز پر اس کا شوہر کافی کا مگ لیے بیٹھا تھا۔ موریل نے تعارف کرانا شروع کیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ چاروں میز کے اردگرد بیٹھ گئے۔

''میں الو تھا یا نچر......'' جم نے منہ لٹکا کر اپنی حماقت کا برملا اظہار کیا اور بیان کا آغاز کیا۔ ''مجھے یاد نہیں کہ میں اس وقت اوپر بیڈروم میں کیوں گیا تھا۔ ہاں، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وہ اندر سے لاک تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا منطق تھی کہ میں نے ہیلوکٹی کا نام استعمال کرتے ہوئے پوچھا۔ اندر تم تو نہیں ہو۔ پھر میں نے کہا، کون ہے...... کھولو دروازہ۔ کوئی جواب نہ ملنے پر میں دوسرے کمرے کا مشترکہ باتھ روم سے بیڈروم میں گیا۔''

''تم نے چور کو دیکھا؟'' شیرن نے امید کے برخلاف سوال کیا۔

''نہیں، میں روشنی کرنے والا تھا کہ مجھے ایک نسوانی جذبات میں ڈوبی آواز سنائی دی...... جم تم ہم دونوں کو تھوڑی سی پرائیوسی نہیں دے سکتے۔ میں سمجھ گیا کہ ہمارے ہی دوست ہیں۔ شاید مارتھا۔ دراصل میں الو کا......'' جم بولتے بولتے رک گیا۔ ''میں نے معذرت کی اور کہا کہ سارا وقت تمہارا ہے۔''

شیرن نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ندامت اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ''خیر، مختصر یہ کہ اخبارات کے مطابق ہیلوکٹی کا فرضی نام مرد کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ رائٹ؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' کونک نے جواب دیا۔ ''اور یہ پہلی اہم اطلاع ہے کہ ہیلوکٹی درحقیقت ایک عورت ہے۔'' شیرن اس انکشاف پر متحیر تھی۔ وہ موریل کا سوال نہ سن سکی جو زیورات کی واپسی کے امکانات کے بارے میں تھا۔ جواب کونک نے دیا کہ ہیلوکٹی کے چرائے گئے جواہر و زیورات میں سے کوئی ایک چیز بھی.... منظرِ عام پر نہیں آئی ہے۔

''یہ صرف زیورات کا معاملہ ہی نہیں ہے۔'' موریل نے شوہر کی جانب دیکھا۔ ''خطرناک بات یہ ہے کہ ایک قاتل ہمارے گھر میں...... بیڈروم میں داخل ہوا تھا او گاڈ، اگر تم ملنے کے بجائے کوئی اور حرکت کرتے تو کیا ہوتا۔'' موریل کے لہجے سے خوف ٹپک رہا تھا۔

کونک کی درخواست پر شیرن اور اس کی رہنمائی بیڈروم تک کرائی گئی۔ دونوں نے تفصیلات جمع کیں۔ ضروری سوالات اور ہدایات دینے کے بعد جیکوبی کو فون کیا اور روانہ ہو گئے۔ فنگر پرنٹس کی توقع رکھنا فضول تھا۔ بعد میں ملنے والی تصاویر بھی رسمی کارروائی ثابت ہوئیں۔ نیا موڑ ایک ہی تھا کہ وہ عورت یا لڑکی تھی۔ تیز چالاک، حاضر دماغ اور پھرتیلی تھی۔

لاوڈ لنگ کیس میں اس پر قاتل کا لیبل بھی لگ گیا تھا۔ جو شیرن کے نزدیک ایک سوالیہ نشان تھا۔

☆☆☆

چیف پولاک کے دفتر میں طلبی ہمیشہ ہی ایک ایڈونچر ثابت ہوا کرتی تھی۔ کسی کو نہیں پتا ہوتا کہ کیا ہونے والا ہے اور کس طرح؟ کوئی بیٹھ بھی سکے گا یا صرف عقبی قطار میں کھڑا رہے گا۔ اس وقت وہ اپنی مہاگنی کی وزنی میز کے عقب سے حاضرین کا جائزہ لے رہا تھا۔ شیرن اسے ناپسند تو نہیں کرتی تھی تاہم وہ یاد رکھتی تھی کہ چیف، پولیس سے زیادہ بیوروکریٹ ہے۔ جسے فیلڈ میں موجود پولیس کے اہلکاروں کی دشواریوں کا اندازہ نہیں تھا۔

''میں ہیر کے پانچ پسندیدہ افراد میں شامل ہوں۔'' اس نے خودستائی کے ساتھ ناخوشگوار انداز میں آغاز کیا۔ ''اور آج صبح سے میں پانچوں میں سب سے اوپر ہوں۔ پہلے نمبر پر کیوں؟'' اس نے ''کرانیکل'' کی کاپی ہوا میں لہرائی۔ وہ صفحہ سامنے تھا جس پر کلیری کی تصویر نمایاں تھی۔ سرخی تھی۔ ''گن ساتھ رکھو۔''

کلیری، شیرن کی دوست بھی تھی۔ وہ سمجھ گئی بات کس طرف جائے گی۔

''ہم میں سے ایک نے خود کہہ دیا۔'' چیف کی آواز بلند ہو گئی۔ ''شہریوں کو گن ساتھ رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ ہم سب ذمے دار ہیں...... تم، تم...... اور تم۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر سیدھی انگلی سے اشارے کیے۔ آخری اشارہ جیکوبی کی طرف تھا جس نے دفاع کے لیے اٹھنا چاہا۔

''کچھ نہ کہو، بیٹھے رہو۔ میں خرافات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں اور میں مزید کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔''

شیرن نے جیکوبی کے چہرے پر خفت کے آثار دیکھے۔

چیف نے میز پر پڑا فولڈر کھول کر ایک شیٹ نکالی۔ ''یہ کل صبح کرانیکل میں چھپے گی۔ پبلشر نے ایڈوانس کاپی میئر کو دی تھی۔ جو متعلقہ افراد کے درمیان چکراتی ہوئی میئر کے ذریعے مجھ تک پہنچی ہے۔ کیونکہ میں پسندیدہ افراد کی فہرست میں ٹاپ پر آ گیا ہوں۔ گویا میں ہی اس جنونی کو جکڑ سکتا ہوں۔''

یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ خود پر طنز کر رہا ہے یا ٹیم کو نشانہ بنا رہا ہے۔

''اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ ذہنی مریض ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کتنی بیسیوں کے سو ہوتے ہیں۔'' چیف کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔

شیرن اس کی ذومعنی بات پر چونک اٹھی۔

چیف نے شیٹ کی ہیڈ لائن پڑھی۔ ''سان فرانسسکو کے شہریوں کے لیے ایک کھلا خط۔'' چیف جھکا اور شیرن کو اشارہ کیا۔ ''شیرن، بلند آواز میں پڑھو۔''

شیرن نے فرمانبردار بچی کے مانند حکم کی تعمیل کی۔ سرخی چھوڑ کر اس نے آگے پڑھنا شروع کیا۔ ''میں آپ لوگوں کے سامنے ایک تجویز رکھ رہا ہوں۔ یہ بہت سادہ ہے۔ مجھے دو ملین ڈالر کیش درکار ہے اور ایک رابطہ افسر۔ جس پر میں بھروسا کر سکوں۔ رقم ملتے ہی میں آپ کے شہر سے نکل جاؤں گا، ہمیشہ کے لیے۔ نتیجتاً خواتین اور بچے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ اخبار میں جواب شائع کر دیا جائے۔ اس کے بعد جزئیات طے کی جائیں گی۔ سب کے لیے ایک اچھا دن۔''

آگے کچھ نہیں لکھا تھا۔ دستخط بھی ندارد تھے لیکن متن روزِ روشن کے مانند عیاں تھا۔ کس نے لکھا ہے، کیوں اور کس لیے؟ شیرن کی کنپٹی پر ایک رگ پھڑکنے لگی۔

''سر، میرا نہیں خیال کہ آپ ادائیگی کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟'' شیرن نے چیف پولاک سے سوال کیا۔

''نہیں، میں اسے ڈنر پر مدعو کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' چیف کی تلخی برقرار رہی۔ شیرن خاموش رہی۔ کمرے میں سناٹا تھا۔

''ہمارا بجٹ ہی اجازت نہیں دیتا۔'' وہ تھم کر دوبارہ بولا۔ ''لیکن ایک پرائیویٹ سٹیزن آگے آیا ہے۔''

ابھی کچھ چھپا ہی نہیں تو کون سامنے آیا ہے؟ شیرن کے دماغ میں سوال نے سر اٹھایا۔ ''چیف، ہم ایک بے حس

PakiBooks.Site

سیریل کلر کا مطالبہ مان کر پنڈورا باکس کھول دیں گے۔ ہر پاگل شخص گن لے کر خون خرابا شروع کر دے گا۔''

جیکوبی نے شیرن کی ہاں میں ہاں ملائی اور بدترین اندیشوں کا اظہار کیا۔

''سب غور سے سنو۔'' چیف نے کہا۔ ''چند ہفتوں میں کتنے بے گناہ افراد مارے گئے ہیں۔ چالیس سے زیادہ مرد و خواتین اہلکار دن رات کیس پر کام کر رہے ہیں اور نتیجہ صفر ہے۔ مزید یہ کہ کلیری نے جو مشورہ دیا ہے، وہ پسپائی کے مترادف ہے۔ کیا لوگ یہاں سے بھاگنا شروع کر دیں۔ میرے پاس چوائس نہیں ہے۔ اوپر سے وہ ڈاؤنگ کیس؟ وہ اداکار کا...... ہیرو......'' چیف نے فقرہ تبدیل کیا۔ ''......ہر روز کسی چینل پر بیٹھا آنسو بہا رہا ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ عورتوں کے قاتل کو پکڑنا مشکل ہے۔ کسی بھی طرح اسے ٹریپ کرو۔ مجھے میئر کو مثبت جواب دینا ہے۔ آج......''

☆☆☆

ٹیم کے اراکین پر دباؤ بڑھ گیا تھا۔ بحث زور و شور سے جاری تھی۔ یہ امر واضح تھا کہ اندرون خانہ ادائیگی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اغلباً میئر کے حلقۂ احباب میں سے کوئی موٹی اسامی رقم فراہم کر رہی تھی۔ یہ حقیقت بھی عیاں تھی کہ چیف اور میئر کے ساتھ کچھ اور کرسیاں بھی خطرے میں تھیں۔

یہ غیر متوقع ثابت ہوا تھا، اس کلاس کے قاتل تاوان جیسے مطالبے کے لیے خون کی پیاس نہیں بجھاتے۔ یہ تاوان کی انوکھی اور بھیانک مثال تھی۔ قاتل نے ایک دو افراد کو اغوا نہیں کیا تھا بلکہ اپنے غیر انسانی عمل سے پورے شہر کو یرغمال بنا لیا تھا۔ لپ اسٹک کلر کی بات پر یقین کرنا دیوانگی تھی۔ اس کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ رقم وصول کر کے غائب ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی ہے تو کسی اور جگہ نمودار ہو کر وہ کیا کرے گا۔ اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اور وہ رقم کا کیا کرے گا؟ کتنے جنونی اس کے نقشِ قدم پر قدم دھریں گے؟ وہ کلر ہے یا دہشت گرد؟''

سوالات کا ایک سیاہ بادل تھا۔ برس رہا تھا اور کوئی چھاتا بردار نہیں تھا۔ جلد ہی یہ بات اسکواڈ کے تمام ممبران کے علم میں آ گئی کہ لپ اسٹک کلر کو ٹریپ کرنا ہے۔ قبل از وقت منصوبہ بندی ممکن نہیں تھی۔ تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ وہ رقم کہاں اور کیسے وصول کرے گا؟

تاہم ایکشن کا وقت سر پر تھا۔ شیرن زیادہ دباؤ محسوس کر رہی تھی۔ بظاہر بنیادی طور پر دونوں کیس اس کے پاس تھے۔ پارٹنرز اس کے ہمراہ تھے۔ شیرن کے لیے وہ دو نہیں تین کیس تھے۔ ہیلوکئی قاتل بھی ہے...... یہ بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ سان فرانسسکو کرانیکل کا باثر پبلشر ہنری ٹیلر، شیرن اور کوننگ کا مقروض تھا۔ ایک کیس میں شیرن اور کوننگ نے اس کی اغوا شدہ بیٹی میڈیسن کو بازیاب کرایا تھا۔ ہنری اور مسز ہنری ان دونوں کے بے حد مشکور تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر اگر وہ دونوں کے کام آ سکے تو از حد مسرت محسوس کریں گے۔ وقت آ گیا تھا۔ شیرن نے ہنری کو فون کرنے کا فیصلہ کیا۔

☆☆☆

''مسٹر ٹیلر میں شیرن بول رہی ہوں۔''

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم مجھے ہنری کہہ سکتی ہو اور یہ کہ مجھے توقع تھی کہ تمہاری کال آئے گی۔'' ہنری ٹیلر نے کہا۔

''ہمیں خوشی ہے کہ کم از کم وہ سطح آپ پر آ گیا ہے۔'' شیرن بولی۔ ''یہ ایک موقع ہے لیکن کچھ وقت درکار ہے۔ کیا آپ اس کا خط کل کے بجائے پرسوں شائع نہیں کر سکتے؟ اس طرح ہمیں ایک کے بجائے دو دن مل جائیں گے۔''

ہنری نے ہامی بھرتے ہوئے جب یہ بتایا کہ رقم کا بندوبست کرنے والا وہ خود ہے تو شیرن ششدر رہ گئی۔ یہ بات چند افراد کے درمیان تھی۔ قاتل کو بھی علم نہیں تھا نہ اس سے کوئی فرق پڑتا تھا کہ رقم کہاں سے آئے گی...... شیرن نے بہرحال اعتراض کیا اور ہنری کو نتائج و عواقب سے آگاہ کیا جبکہ ہنری کو یقین تھا کہ شیرن اور اس کے ساتھی لپ اسٹک کلر کو قابو کر لیں گے اور یہ کہ اگر رقم ڈوب بھی گئی تو سودا برا نہیں تھا۔ شیرن کے سر میں درد ہونے لگا۔ وہ ایک پولیس وومین تھی۔ دیواروں کے دوسری جانب نہیں دیکھ سکتی تھی نہ کسی سائیکو کے دماغ میں گھس سکتی تھی۔ وہ خوب آگاہ تھی کہ قاتل لومڑی کی طرح چالاک اور مکار ہے...... خون آشامی تو اس کی سب پر عیاں تھی۔

یہ اتنا سادہ نہیں تھا کہ وہ ٹہلتا ہوا رقم کا بریف کیس اٹھانے آئے گا اور گھات لگائے پولیس کا جتھا اسے دبوچ لے گا۔ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت فون کرنے کی یقین دہانی لے کر شیرن نے فون بند کر دیا۔ اس نے یہ تاکید بھی کی کہ یہ گفتگو تیسرے شخص تک نہ پہنچے۔ ایک خدشہ باقی تھا کہ میئر کل کی اشاعت میں قاتل کا رقعہ نہ پا کر فون کر دے یا خود قاتل برہم ہو جائے۔ اس کا یہ جواب تیار کیا گیا کہ سیکریٹری تبدیل ہونے کے باعث غلط فہمی ہو گئی اور اگلی اشاعت میں مطالبہ لازمی شائع ہو گا۔

☆☆☆

کافی روم میں ڈف نمسی رکے ہوئے تھے۔ شیرن نے تقریباً دو ہفتے سے ٹھیک طرح کھانا نہیں کھایا تھا۔ نہ ہی وہ پوری نیند لے سکی تھی۔ وہ کافی مگ لے کر سنڈی کی طرف متوجہ ہوئی جو کوننگ کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف تھی۔

''ہائے شیرن۔''

''ہائے سنڈی۔'' شیرن نے کہا۔ ''میں اور کوننگ آف دی ریکارڈ تمہیں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔''

''یہی کہ ہیلوکئی مرد نہیں ہے؟''

شیرن نے کوننگ کو گھورا۔ وہ شانے اچکا کر رہ گیا۔

''یہ چھپنے کے لیے نہیں ہے۔'' شیرن نے کہا اور ڈف نمسی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''میں سوشل رجسٹر میں مردوں کو چھانتی رہی۔ وہ جو کسی بھی ملک کی دوسری منزل پر چڑھ سکتے ہیں۔'' سنڈی نے کہا اور ایک شیٹ نکالی جس میں سب مردوں کے نام تھے۔

''لیکن تم یہ پہلی واحد اطلاع نہیں چھاپو گی۔''

''اسے گھما کر چھاپا جا سکتا ہے۔'' سنڈی نے کہا۔ ''پولیس کے ذرائع کے مطابق کرانیکل تک خبر پہنچی ہے کہ ہیلوکئی کی شناخت کے لیے اہم پیش رفت ہوئی ہے...... کیا خیال ہے؟''

''او کے، اس طرح لکھا جا سکتا ہے۔''

☆☆☆

لنچ بریک کے دوران میں لارا اور ہیڈی کیفے ٹیریا کے ایک بوتھ میں بیٹھی تھیں۔ قریب قریب...... ساتھ ساتھ۔ ہیڈی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے لارا کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ اچانک اس نے تیزی سے لارا کا بوسہ لیا اور شانے پر سے باہر نظر دوڑائی کہ کسی ٹیچر نے دیکھا تو نہیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ڈارلنگ۔'' لارا نے کہا۔ ''یو فرٹی تھرٹی۔''

ہیڈی نے قہقہہ لگایا۔ ''ایک سال پہلے بھی میں ایسی ہی تھی۔''

آرڈر ٹیبل پر آ چکا تھا۔ دونوں نے تیزی سے ہاتھ منہ چلائے کیونکہ لنچ بریک کا وقفہ کم ہوتا تھا۔ چند منٹ بعد تین ویٹرس کچن سے برآمد ہوئیں۔ آگے والی کے ہاتھ میں کیک تھا۔ جس پر گلابی رنگ کی چھوٹی چھوٹی تیس کینڈلز کھڑی تھیں۔ تینوں کیک رکھ کر میز کے اردگرد کھڑی ہو گئیں۔

''ہیپی برتھ ڈے، ڈیئر ہیڈی۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

تالیوں کی گونج میں ہیڈی نے لارا کا ہاتھ دبایا اور پھونک مار کر موم بتیاں بجھانی شروع کیں۔

لارا نے اسے گلے لگایا۔ ''برتھ ڈے گرل کے لیے میرے پاس کچھ ہے۔'' لارا نے جیب سے مختصر سی چرمی ڈبیا نکالی جو سلور ریپنگ پیپر میں لپٹی ہوئی تھی۔

''میں اندازہ لگانے سے قاصر ہوں۔'' ہیڈی نے کہا۔

''اندازہ مت لگاؤ۔'' لارا نے کہا۔ وہ غیر معمولی حسین اور بے حد قیمتی رنگ اس نے چمن میں ڈال دیا تھا۔ لارا نے اسے ہیڈی کے گلے میں ڈال دیا۔ فرطِ حیرت و انبساط سے ہیڈی کا منہ کھلا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ بولی۔

''آئی لو دس۔ لارا اس سے بہترین تحفہ مجھے کبھی نہیں ملا۔ یہ کیا ہے۔ بہت قیمتی ہو گا؟''

''یہ سٹرن ہے۔ نادر نگینہ ہے۔ عموماً جعلی ملتے ہیں اور اس میں ننھے ننھے ہیرے جڑے ہیں۔ بہت عجیب چیز ہے۔ ہنی تم سے بڑھ کر نہیں ہے۔''

''لیکن......؟''

''لیکن، ویکن بعد میں۔ چلو اٹھو۔ اسے بیگ میں رکھ

انگور

امریکن سیاح (تربوز اٹھائے ہوئے)۔ ''بس تمہارے ہاں سب سے بڑے سیب اتنے ہی چھوٹے ہوتے ہیں؟''

پاکستانی پھل فروش۔ ''ارے ارے، اس انگور کو انگلی سے دباؤ نہیں۔''

تعریف

پہلی ملاقات میں شوہر نے بیوی کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ہزار لڑکیوں میں ایک ہو۔''

بیوی نے یہ سنتے ہی رونا پیٹنا شروع کر دیا۔

''ارے ارے روتی کیوں ہو؟''

بیوی نے زوردار ہچکی لی۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں سے ملتے رہے ہیں۔''

مبشر حسن، ہیڈ بکائی

لو۔"

☆☆☆

لپ اسٹک کلر کا مطالبہ چھپتے ہی گویا گردش کرۂ ارض تھم گئی۔ کروڑوں آنکھوں کا مرکز سان فرانسسکو تھا۔ ہر قسم کا میڈیا حرکت میں تھا۔ ہنری ٹیلر کے وسیع دفاتر کا ہر فون بج رہا تھا۔ بہت سے افراد ایڈیٹر کا انٹرویو لینے کے لیے بے قرار تھے۔

میئر کو اپیل کرنی پڑی کہ "ہمیں اپنا کام کرنے دیا جائے جلد حقائق آپ کے سامنے لائے جائیں گے۔"

☆☆☆

کونک، مک نیل اور شیرن کرانیکل کے دفتر میں موجود تھے۔ بلڈمنی دوملین تھی۔ جواب کا انتظار تھا۔ ایک اعصاب شکن کیفیت تھی۔ ہاری ہوئی بازی جیتنے کے لیے قاتل کو ٹریپ کرنا تھا۔ پولیس کا منصوبہ سادہ تھا۔ "رقم کے پیچھے رہو۔"

دن کے دو بج کر پندرہ منٹ پر میل کارٹ، ایگزیکٹو فلور پر آیا۔ جس میں ایک خاکی رنگ کا وزنی لفافہ بھی موجود تھا جو ہنری ٹیلر کے نام تھا۔ شیرن نے گلوز چڑھا کر میل پہنچانے والے سے سوال کیا۔ "کس نے ڈلیور کیا ہے؟"

"اسپیڈی ٹرانزٹ والوں کا آدمی ہال تھا۔ میں اسے جانتا ہوں۔"

"تم نے دستخط کیے تھے؟"

"ہاں، دس منٹ پہلے..... فوراً ہی یہاں آ گیا۔" اس کا نام ڈیوی تھا۔ شیرن نے ڈیوی کو انسپکٹر مک نیل کے بارے میں بتایا کہ وہ نیچے ہے۔ اس کا حلیہ بتایا اور ہدایت دی کہ مک نیل کو پیغام پہنچاؤ کہ اسپیڈی ٹرانزٹ کے ہال پر نٹو کا انٹرویو کرنا ہے۔ پھر شیرن نے کونک کو طلب کیا۔ اس کے آنے پر وہ بولی۔

"یہ ہے جواب الجواب۔ یا پھر لیٹر بومب۔"

ہنری نے کہا۔ "کیا اسے ضائع کرنا ہے؟"

شیرن نے کونک کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھے خطرہ محسوس نہیں ہو رہا۔" وہ بولا۔

شیرن نے پیکٹ مرکزی ٹیبل پر رکھ دیا جس پر چڑھا منڈھا تھا۔ ہم سب پیکٹ کو گھور رہے تھے جس پر بڑے الفاظ میں "ارجنٹ" لکھا تھا۔ ریٹرن ایڈریس کی جگہ "WCF" لکھا تھا۔ پولیس نے تین حرفی پُراسرار حروف کو پریس سے دور رکھا تھا۔ لہٰذا یہ بات یقینی تھی کہ بھیجنے والا لپ اسٹک کلر تھا۔ ہنری نے پیکٹ کھولا۔ پہلی چیز جو برآمد ہوئی، وہ ایک سیل فون تھا۔ وہ پری پیڈ ماڈل تھا۔ اس کے ساتھ بیلٹ نما پٹیاں منسلک تھیں۔ جنہیں گردن میں ڈالا جاتا ہے۔ ہیڈ سیٹ کے ساتھ دو ایئر پیس تھے۔ مائیک اور ایک بلٹ اِن کیمرا۔ دوسرا آئٹم عام لفافہ تھا۔ ہنری کے لیے۔ جس میں سے ایک سفید کاغذ برآمد ہوا۔ پیغام ٹائپ شدہ تھا۔ پرنٹ آؤٹ انک جیٹ سے نکالا گیا تھا۔ محض ایک سطر لکھی تھی۔ "ہنری ٹیلر، اس فون کے ذریعے مجھ سے بات کرو۔" نیز نمبر اور WCF لکھا تھا۔

☆☆☆

"کیا تم پری پیڈ فون کی کال ٹریس کر سکتی ہو؟" ہنری نے پوچھا۔

شیرن نے نفی میں سر ہلایا۔ "غیر مؤثر ہے۔ کوئی GPS ڈیوائس نہیں ہے۔ فون کی لوکیشن معلوم کرنے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔"

ہنری نے فون اٹھا کر نمبر ملایا۔ شیرن نے قریب ہو کر سننے کی کوشش کی..... گھنٹی بجی پھر ایک مردانہ آواز آئی۔

"ہنری؟"

"ہاں، ہنری ٹیلر بات کر رہا ہوں۔ کون ہے؟"

"کیا میری مطلوبہ شے موجود ہے؟"

"موجود ہے۔"

"فون کیم آن کرو۔ مجھے رقم دکھاؤ۔"

ہنری نے بریف کیس اٹھا کر ٹیبل پر رکھا اور اسے کھولا۔ فون کا رخ بدل کر ڈالرز کے بنڈل اسے دکھائے اور شاٹ لے کر روانہ کیا۔

"فوٹو ملا؟"

"ہاں، میں نے درمیانی رابطہ کار مانگا تھا؟"

"وہ میں ہوں۔" ہنری نے جواب دیا۔

"نہیں، تم خاصے جانے پہچانے ہو۔" قاتل نے اعتراض کیا۔

"تو پھر..... میرے پاس ایک اچھا آدمی ہے۔" ہنری نے کونک کی طرف دیکھا۔ "اور میری سیکریٹری بھی ہے۔ اگرچہ میں اس کے خلاف ہوں لیکن اس نے رضا کارانہ طور پر خود کو پیش کیا ہے۔"

"کیا نام ہے اُس کا؟"

"جوڈی، جوڈی پرائس۔"

"جوڈی کو فون دو۔"

ہنری نے فون شیرن کو دے دیا۔ شیرن بولی۔ "میں

جوڈی پرائس ہوں۔"

"جوڈی، اس فون کے ذریعے میرے کمپیوٹر پر تین گھنٹے تک ویڈیو چل سکتی ہے۔ ہم اس سے پہلے کال ختم کر لیں گے۔ اسٹریپ کے ذریعے اسے گلے میں لٹکا لو۔ ایئر فون کانوں میں لگا لو۔ فون کا رخ سامنے کی طرف رکھو۔ تاکہ سامنے کا منظر میں دیکھتا رہوں۔ آگے میری ہدایات کے مطابق عمل کرنا۔ عمل نہیں کیا یا کوئی ہوشیاری دکھائی تو مجھے چند قتل اور کرنے پڑیں گے جس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" شیرن نے سوال کیا۔

"سر۔ تم مجھے سر کہہ سکتی ہو۔" شیرن نے دل ہی دل میں سر کے لیے وزنی گالی ایجاد کی۔

"اب ذرا گھوم کے دکھاؤ، تمہارے آس پاس کون ہے؟"

شیرن نے ایسا ہی کیا۔

"ہنری کو میں پہچانتا ہوں۔ وہ دوسرا آدمی کون ہے؟"

"وہ رک ہے۔ ایڈورٹائزمنٹ کے شعبے میں کام کرتا ہے۔"

"اسپیکر آن کرو۔"

شیرن نے بٹن دبایا۔

"رک، "جوڈی" کا تعاقب کرنے کی حماقت نہیں کرنا۔ ہنری تم بھی۔ اور کوئی پولیس والا بھی مجھے نظر نہ آئے۔ اگر ایسا ہوا تو کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"جوڈی، کیمرے کا رخ اپنی جانب کرو۔"

وہ شیرن کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز آئی۔

"نائس، اسمارٹ بلونڈ۔ تیار رہو..... سویٹ گرل۔ ایلیویٹر سے سڑک پر جاؤ..... "مینشن" کے کار نر پر پہنچو گی تو میں اگلی ہدایات جاری کروں گا۔ شہر کے لیے یہ ایک چانس ہے۔ اسے خراب مت کرنا۔"

☆☆☆

شیرن، کرانیکل کی عمارت سے باہر نکل چکی تھی۔ جیکوبی، براڈی، لیسا، سیموئل اور شائی اطراف میں عام کاروں میں موجود تھے۔ شیرن کی نگاہ جیکوبی کی نظروں سے ٹکرائی۔ شیرن نے ہاتھ کو لینس کی زد سے بچاتے ہوئے دو انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فون کی طرف اشارہ کیا۔ شیرن نے اسے سگنل دے دیا تھا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ پھر اس کی نظر سنڈی پر پڑی۔ سنڈی کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ عمارت کی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔ وہ اس طرح شیرن کو دیکھ رہی تھی جیسے وہ سوئے مقتل جا رہی ہو۔ شیرن کے دل نے کہا کہ اسے محبت سے لپٹا لے۔ لیکن وہ سنڈی کو آنکھ مار کے رہ گئی۔ وہ دبے دبے انداز میں مسکرائی۔ رقم کا بریف کیس اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ بجا طور پر شیرن خوف زدہ تھی۔ "سر" بریف کیس لے کر نہیں چاہیں گے کہ گواہ کو چھوڑ دیں۔ بھاری امکان تھا کہ وہ شیرن کو شوٹ کر دے گا۔ قتل اس کے کہ وہ اس کو گولی مارے۔

شیرن نے اسے اطلاع دی کہ وہ "مینشن" کے کونے پر ہے۔

"ہینڈ بیگ کو ٹریش کین میں ڈال دو۔" جواب آیا۔

"میرا ہینڈ بیگ؟"

"شہزادی، جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔"

شیرن، ہنری کی سیکریٹری کے رول میں تھی۔ گن اور سیل فون اس کے شولڈر بیگ میں تھے، شیرن نے بیگ کین میں ڈالا اور فون کا زاویہ بدل کر قاتل کو دکھایا کہ وہ اس کی ہدایت پر عمل کر چکی ہے۔

"گڈ گرل۔" کانوں میں آواز آئی۔ "پاول پر بارٹ کی طرف چلو۔ پاول اسٹریٹ بارٹ، ڈیڑھ بلاک کے فاصلے پر تھی۔ شیرن نے مارکیٹ پار کی تو کونک کو پیچھے دیکھا۔ وہ کیمرے کی رینج سے باہر تھا۔ شیرن کا اعتماد بڑھ گیا۔ اس کے پاس اب گن نہیں تھی لیکن پارٹنر ساتھ تھا۔

شیرن سیڑھیوں کے ذریعے نیچے پلیٹ فارم تک پہنچی۔ یہاں سے گزرنے والی ٹرینوں کا رخ ائرپورٹ کی جانب تھا۔ ٹرین آئی، بریک لگے، ٹرین رکی..... دروازے کھلے اور شیرن حسبِ ہدایت انجن سے دور والی کار میں سوار ہو گئی۔

اس نے کیمرے سے بچاتے ہوئے کونک کو اندر جانے کا موقع دیا۔ ٹرین روانہ ہوئی۔ اگلے اسٹاپ کے لیے اعلان ہوا جو سوک سینٹر کے لیے تھا۔

"جوڈی اتر جاؤ۔" قاتل کا حکم آیا۔

"ائرپورٹ.....؟"

"اتر جاؤ۔"

کونک کونے میں تھا۔ شیرن اور اس کے درمیان درجنوں مسافر حائل تھے۔ شیرن نے پارٹنر کے چہرے پر پریشانی دیکھی۔ "جیکٹ اتار کر ٹریش کین میں ڈال دو۔"

PakiBooks.site

''میرے گھر کی چابیاں ہیں اس میں؟''

''شہزادی سوال مت کرو۔ جیکٹ پھینک دو..... سیڑھیوں پر جاؤ۔ فرسٹ لینڈنگ پر رک کر گھومو تاکہ میں دیکھ سکوں کہ تمہارا تعاقب تو نہیں ہو رہا۔'' شیرن نے ایسا ہی کیا۔

''شہزادی اب وہائٹ کومب کی طرف چلو۔ وہاں تمہاری ہماری ڈیٹ ہے۔''

شیرن، انڈر گراؤنڈ سے باہر سوک سینٹر پلازا پر نکل آئی۔ جہاں سرکاری عمارتیں، بینکس اور ثقافتی مراکز تھے۔ یہ ایک عوامی مرکز تھا۔ شیرن نے کاروں کا جائزہ لیا۔ شاید کوئی پارٹنر آس پاس ہو۔ تاہم اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ہدایت کے مطابق اسے وہائٹ کومب ہوٹل میں جا کر ریسیپشن سے ایک لفافہ وصول کرنا تھا۔ یہ وکٹورین ہوٹل چار سو کمروں پر مشتمل تھا۔ استقبالیہ سے شیرن نے لیٹر لیا۔ نام شیرن نے جوڈی بتایا تھا۔ لفافے پر ہنری کا نام لکھا تھا۔ شکریہ ادا کر کے وہ لابی میں آ گئی۔ لفافے میں پچیس ڈالر تھے اور ایک ٹکٹ اسٹب تھا جس پر ٹرینٹی پلازا لکھا تھا۔

''تم نے عورتوں، خصوصاً بچوں کو کیوں قتل کیا؟'' اچانک شیرن نے سوال کیا۔

''میں بتا دوں گا۔'' وہ بولا۔ ''لیکن تم جانتی ہو سارجنٹ شیرن جو..... پھر مجھے تمہیں ختم کرنا پڑے گا۔''

''کون شیرن؟'' شیرن کا جسم جیسے سمندری طوفان کی زد میں تھا۔ اسے کیونکر معلوم ہوا؟ اسے شوہر کا نام بھی معلوم ہے.....

''شہزادی تم سمجھ رہی تھیں کہ میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ تمہیں کون نہیں جانتا۔ تمہیں دیکھتے ہی میں خوش ہو گیا تھا بلکہ جذباتی ہو چلا تھا۔ گوگل پر انگلی ماروں گا اور تمہارے دوستوں، رشتے داروں، چاہنے والوں سب کو جان جاؤں گا۔''

شیرن کو سب چہرے تصور میں نظر آئے اور اسے اپنا گلوک بھی یاد آیا۔ جو اب اس کے پاس نہیں تھا۔

''شہزادی تم خاموش ہو۔'' کانوں میں اس کی منحوس آواز آئی۔

''کیا سننا چاہتے ہو؟''

''صحیح ہے۔ زیادہ سوچنا نہیں چاہیے۔ مشن کی طرف آؤ۔'' شیرن مارکیٹ کے ساتھ چل رہی تھی۔ مڑنے کے بعد اسے پارکنگ نظر آئی۔ یوتھ میں ایک شخص دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ شیرن نے ٹکٹ اس کے حوالے کیا۔

''پچیس ڈالر۔'' وہ بولا۔

شیرن نے ادائیگی کی اور کار کے بارے میں پوچھا۔

''چار گاڑیوں کے بعد سبز شیوی امپالا کھڑی ہے۔ دائیں جانب۔ شیرن، یہ چرائی گئی ہے۔ اس کے ذریعے مجھے ٹریس نہ کرنا۔'' اس نے بھی جوڈی کے بجائے اس کا اصل نام لیا۔

گاڑی پرانی تھی۔ غالباً 80 کی دہائی کی۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ گاڑی کی رپورٹ ابھی نہیں کرائی گئی ہے۔

گاڑی میں بیٹھتے وقت شیرن کی نظر عقبی نشست پر گئی جہاں ایک نیا گن کیس رکھا تھا۔ اس کی لمبائی اتنی تھی کہ ایک اسالٹ رائفل بہ آسانی اس میں سما جاتی۔

''یہ کس لیے؟''

''اندر فوم کی لائننگ ہے۔ لاک توڑنا مشکل ہے۔ آگ اور پانی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسے کھول کر رقم اس میں رکھ دو۔ اسے بند کرو۔ آٹو میٹک لاک ہو جائے گا۔''

شیرن نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

''بائیں جانب لیکسس کھڑی ہے۔ ہنری کا خالی بریف کیس اسی کے نیچے ڈال دو۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں ٹریکنگ ڈیوائس لگا ہو۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' شیرن نے دانت پیسے۔ حالانکہ بریف کیس کے ہینڈل میں GPS موجود تھا۔

اس نے گویا سنا ہی نہیں۔ ''اپنے جوتے بھی اتار کر کار کے نیچے ڈال دو۔'' اس طرح آخری آسرا بھی ختم ہو گیا۔

''واپس امپالا میں بیٹھ جاؤ۔''

''اب کہاں جانا ہے؟'' شیرن نے خود کو مردہ تصور کیا۔

''ویل کم ٹو مسٹری ٹور..... بائیں موڑ لو۔''

رقم کے پیچھے رہو، ٹیم کا پلان فیل ہو گیا تھا۔ قاتل کا پلان اندھیرے میں تھا۔ شیرن سوچ رہی تھی کہ اب وہ کیا کر سکتی ہے..... اس نے پارکنگ چھوڑ دی اور ایشین آرٹ میوزیم کے قریب سے گزری۔ اس نے ریڈیو میں ناامیدی کے ساتھ جھانکا۔ کوئی شناسا چہرہ یا مخصوص کار نظر نہیں آئی۔ لارکن سے ہو کر وہ ٹینڈر لائن کے پُرہجوم علاقے میں آئی۔ ناامیدی شیرن پر حاوی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

''فون کو ریڈیو میرر کی طرف کرو۔'' حکم صادر ہوا۔ کیمرے کی آنکھ شیرن کو دیکھ رہی تھی۔

''بلاؤز اتارو شہزادی۔''

شیرن سمجھ گئی..... وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بلاؤز کے نیچے کوئی وائر تو نہیں ہے۔ ہدایت کے مطابق بلاؤز اتار کر شیرن نے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

''اسکرٹ بھی اتارو۔'' شیرن کو ذلت کا احساس ہوا لیکن وہ مجبور تھی۔ سبز بتی روشن ہوئی۔ اس نے پورے اپارٹمنٹ کو چکما دیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ شیرن کہاں ہے..... اسکرٹ بھی اس نے باہر پھینک دیا۔

''ویری گڈ..... منزل دور نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

وہ اب قوس بناتی ہوئی سڑک لومبارڈ پر تھی۔ سیاحوں کا پسندیدہ مقام۔ روڈ اوپر ہائیڈ کی طرف جا رہی تھی۔ ہر گراس سگنل پر شیرن کی امید بیدار ہو کر دم توڑ دیتی تھی۔ ملک کے سب سے سحر انگیز مناظر دیکھنے کے لیے سیاح اور مقامی افراد وہاں دواں تھے۔ وہ خود کئی بار یہاں آ کر لطف اندوز ہوئی تھی۔ تاہم اس وقت اس پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

''گولڈن گیٹ برج پر چلو۔''

ایندھن کی سوئی اختتامی نشان کی طرف تھی۔ شیرن نے نشاندہی کی۔

''کوئی بات نہیں۔ ایک منٹ میں ہم برج کے سینٹر میں ہوں گے، میں بتاؤں گا، کہاں رکنا ہے۔''

''رکنا ہے؟ یہاں رکنے کی جگہ نہیں ہے۔''

''میں بتاؤں گا۔'' اس نے کہا۔

☆☆☆

شیرن نے سائڈ پکڑنے کے لیے انڈی کیٹر روشن کر دیا تھا۔ اگر کسی نے دیکھا ہوگا تو یہی سمجھے گا کہ ایسا غلطی سے ہوا ہے۔

''رک جاؤ۔''

شیرن نے ریلنگ کے قریب لین میں گاڑی روکی۔ حادثے سے بچنے کے لیے اس نے ایمرجنسی لائٹس آن کر دیں۔

''رقم اٹھاؤ اور کار سے باہر نکلو۔''

شیرن کی ہیئت کذائی تماشا بن جاتی۔ وہ انڈر گارمنٹس میں ملبوس تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب سے نکلنا خودکشی کے مترادف تھا۔ گاڑیاں گولی کے مانند گزر رہی تھیں۔ شیرن کھسک کر پسنجر سائڈ سے نکلی۔ وہ نیم عریاں حالت میں تھی۔ کوئی سیٹی بجا رہا اور کوئی ہارن..... بعض ڈرائیورز نے نازیبا اشارے بھی کیے۔ شیرن نے واک وے پر قدم رکھا۔ کسی کار والے کی آواز آئی۔ ''کود جاؤ، کود جاؤ۔''

''برج کی سیکیورٹی ٹائٹ ہے۔ پولیس کسی وقت بھی پہنچ جائے گی۔''

''شٹ اَپ۔'' وہ غرایا۔ ''ریلنگ پر جاؤ۔''

''کیا اسے کودنا ہوگا۔ شیرن کے ذہن میں سوال آیا۔ ماضی میں تیرہ سو افراد اس پل سے کود کر خودکشی کر چکے تھے۔ محض بیس کو بچا لیا گیا تھا۔ شیرن کے ذہن میں مختلف سوالات گردش کر رہے تھے۔ اس نے نیچے جھانکا۔ اس کی متلاشی نظروں نے فورٹ بیکر سے نکلنے والی چھوٹی سی موٹر بوٹ دیکھی۔ وہ نارتھ ٹاور کے قدموں میں تھی۔

''شہزادی، بائے بائے کہنے کا وقت آ گیا ہے۔ فون اور رقم کا کیس دونوں پانی میں پھینک دو۔ کوئی چالاکی نہیں۔'' شیرن نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ہوشیاری دکھانے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اگر وہ اس کے بچے کھچے کپڑے بھی اتروا لیتا تو وہ کیا کرتی۔ البتہ پل پر ٹریفک جام ہو جاتا۔ وہ دونوں اشیا کو دو سو ساٹھ فٹ نیچے گرتا دیکھ رہی تھی۔

بوٹ میں ایک آدمی تھا۔ بوٹ کا رخ گن کیس کی طرف تھا۔ اسے کوئی پروا نہیں تھی کہ دیکھنے والے اسے طوائف سمجھ رہے ہوں گے۔ شیرن نے امپالا کے عقب میں کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ بلند کیے۔ نیلے رنگ کی ہنڈا سیڈان ہارن بجاتی ہوئی گزر گئی۔ شیرن ڈٹی رہی۔ پھر ایک بے بی، بلیو بی ایم ڈبلیو نظر آئی۔ اس کی رفتار آہستہ ہوئی۔ بی ایم ڈبلیو، امپالا کے آگے جا کے رکی۔ شیرن نے کھڑکی میں سر ڈال کر کہا۔ ''میں پولیس وومین ہوں۔ مجھے تمہارا فون درکار ہے۔'' اندر ایک اٹھارہ سالہ احمق سالڑکا موجود تھا۔ اس نے شیرن کو فون دیا۔ دوسری نشست پر اخبار بھی پڑا تھا۔ شیرن نے اشارے سے اخبار طلب کیا۔ اخبار اس نے سینے سے لگایا اور نمبر ملا کر موبائل کان سے۔ اس نے اپنا نام اور شیلڈ نمبر بتایا۔

''شیرن، او گاڈ، تم ٹھیک ہو؟ کہاں ہو؟''

شیرن نے تیزی اور اختصار سے اسے صورت حال سمجھائی۔ ''ہیلی کاپٹر روانہ کرو اور کوسٹ گارڈ کو بھیجو۔''

''سمجھ گیا۔ برج پٹرول تیس سیکنڈ میں تمہارے پاس پہنچ رہی ہے۔''

اسی وقت شیرن کے کانوں میں سائرن کی آواز آئی۔ پھڑپھڑاتے اخبار کو سنبھال کر وہ ریلنگ پر جھک گئی۔ موٹر

PakiBooks.Site

بوٹ، گن کیس کے قریب تھی۔ جب دور سے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ غالباً وہ پہلے سے ہی کہیں فضا میں تھا۔ ذرا دیر میں کوسٹ گارڈ بھی نمودار ہوگئی۔ موٹر بوٹ نے فرار کا راستہ ڈھونڈا اور برج ڈیک کے نیچے چلی گئی۔ تاہم مختصر وقت میں وہ تیز رفتار کوسٹ گارڈز کے قبضے میں تھی۔

لپ اسٹک کلر کو بوٹ سے نکال لیا گیا۔ وہ مکمل گھیرے میں اور بے دست و پا تھا۔

''کھیل ختم، سائیکو۔'' شیرن بڑبڑائی۔

☆☆☆

ہر طرف سائرن بج رہے تھے۔ گن کیس... پانی سے نکال لیا گیا تھا۔ شیرن پلٹی۔ برج پر اس کی جانی پہچانی کاریں اور چہرے موجود تھے۔

''ہائے، شیرن.....'' کسی نے نعرہ لگایا۔ وہ قوی ہیکل ''جو'' تھا۔ شیرن اس کی طرف بھاگی۔ اس نے بازو اکر دیے۔ شیرن اس کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ ''ہم نے اسے پکڑ لیا۔''

''باسٹرڈ نے تمہارے ساتھ کوئی غلط حرکت تو نہیں کی؟''

''نہیں، وہ سامنے ہی نہیں آیا۔''

جو نے اپنی جیکٹ اتار کر شیرن کے شانوں پر ڈال دی۔

کونک اور جیکو بی بھی وہاں آ گئے۔ ''شیرن، تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں.....''

''گھر جاؤ..... گڈ جاب۔'' جیکو بی نے کہا۔

☆☆☆

شیرن کے بال شاور کے بعد اب تک گیلے تھے۔ تاہم وہ تیار تھی۔ اس درندے کا سامنا کرنے کے لیے جس نے چھ بے گناہ عورتوں اور بچوں کا خون کیا تھا۔ شہر کو ہسٹریا میں مبتلا کر دیا تھا اور خود اس کو ذلیل کیا تھا۔

شیرن، جیکو بی کے آفس میں پہنچی۔ ''کیا خبر ہے؟''

''اس کی شناخت راجر بوسکو ہے۔ یاٹ کلب میں ملازم ہے۔ کوئی ملٹری پس منظر نہیں ہے۔''

''آؤ چلیں۔'' شیرن نے کہا۔

ملزم انٹروگیشن روم میں بیٹھا تھا۔ باہر پولیس اور ڈی اے آفس کے چند افراد تھے۔ کیمرے گردش میں تھے۔ شیرن اس کا حلیہ اور انداز دیکھ کر حیرت میں پڑ گئی۔

راجر کی عمر زیادہ تھی۔ قد چھوٹا تھا۔ وہ لپ اسٹک کلر سے مماثلت نہیں رکھتا تھا۔ شیرن کو دیکھ کر وہ بولا۔ ''ہیلی کاپٹر سے میں گھبرا گیا تھا۔''

''راجر، شروع سے سناؤ..... یہ تم نے کیوں کیا؟''

''پیسے کے لیے۔''

''تمہارا منصوبہ شروع سے تاوان طلب کرنے کا تھا؟''

''تاوان؟'' اس کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آئی۔

''دو ملین بہت ہوتے ہیں۔'' شیرن نے کہا۔

''دو ملین؟ مجھے پانچ سو ڈالر کی پیشکش کی گئی تھی۔ ابھی مجھے ڈھائی سو ڈالر ہی ملے تھے۔ شیرن نے جیکو بی کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔ راجر کی بوٹ سیدھی پانی میں رقم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ شیرن نے خود کو سنبھالا۔

''راجر تم میری مدد کرو، میں تمہاری مدد کروں گی۔ بتاؤ تم نے معصوم عورتوں، بچوں کے قتل کا منصوبہ کیسے اور کیوں بنایا تھا؟ رقم کے لیے..... میں ڈی اے سے مل کر تمہاری سزا.....''

راجر کا جبڑا لٹک گیا۔ اس نے شیرن کو ناقابلِ اعتبار انداز میں دیکھا پھر جیکو بی کو..... دوبارہ شیرن کو دیکھا۔

''میں سمجھا نہیں، کیا بات ہو رہی ہے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ پوری زندگی میں، میں نے چوہیا تک نہیں ماری، تم لوگوں نے غلط آدمی کو پکڑ لیا ہے۔''

☆☆☆

کئی گھنٹے تک پوچھ تاچھ ہوتی رہی۔ راجر کے جاننے والوں کو بلایا گیا۔ کاغذات دیکھے گئے۔ وہ کہاں تھا، جب شیرن WCF کی ہدایت پر مسٹری ٹور پر نکلی تھی۔ WCF کی تینوں وارداتوں کے وقت وہ کام پر تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ تھی کہ ایک آدمی ڈاک پر اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے خود کو موووی پروڈیوسر ظاہر کیا۔ اسے ایک لائیو اسسٹنٹ کا آدمی درکار تھا۔ جو خلیج کے پانی سے گن کیس اٹھا سکے۔ اسے پانچ سو ڈالر بھی مل رہے تھے اور فلم میں کام کرنے کا موقع بھی۔ اس نے فوراً ہامی بھر لی۔ باقی ڈھائی سو ڈالر اسے گن کیس کی ڈیلوری پر ملنے تھے۔ فورٹ میسن کے گرین ریسٹورنٹ کے باہر اسے گن کیس WCF کے حوالے کرنا تھا۔

''کیا اس نے اپنا نام بتایا تھا؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''ہاں، ٹونی کے ساتھ کوئی اور نام تھا۔''

''اس نے اپنا کارڈ بھی دیا ہوگا۔''

''ہاں۔'' راجر نے کارڈ نکالا۔ ''کچھ دیر جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ کارڈ پولیس کے لیے بیکار تھا۔ اس کے ایک کونے پر ڈیلیوسی ایلیف پروڈکشن لکھا تھا۔

''اچھا نہیں ہوا۔'' کونک نے دانت پیسے۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ ''جیکو بی کو فون کرتا ہوں کہ وہ خبیث آزاد گھوم رہا اور رقم ہمارے پاس ہے۔''

☆☆☆

کرائم ٹی وی کی معروف رپورٹر کیتھرائن، ڈاؤلنگ کا انٹرویو لے رہی تھی۔ ڈاؤلنگ کوٹی وی پر ٹسوے بہاتے دیکھ کر لارا کا صبر جواب دے گیا تھا۔ اس وقت معاً نفرت کی شدید لہر نے زہریلے سانپ کے مانند اس کے پورے وجود کو جکڑ لیا۔ ڈاؤلنگ کی داڑھی بڑھ گئی تھی۔ وزن گر گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کے جذباتی مکالمے سنتی رہی پھر کھڑی ہو گئی۔ ''ٹیرر'' گھر پر نہیں تھا۔ لارا کے پاس دو گھنٹے تھے۔ اگر وہ کوئی قدم اٹھاتی ہے تو ڈاؤلنگ کے مقابلے میں اس کی کوئی نہیں سنے گا۔ لارا نے ٹی وی بند کیا اور فیصلہ کر کے اٹھ گئی۔

فشر مین وہارف پہنچ کر اس نے پے فون کے ذریعے ساؤتھ ڈسٹرکٹ پولیس اسٹیشن کا نمبر ملایا اور ہومی انسپکٹر کو طلب کیا۔

''کیا کام ہے؟''

''بولو، میں جانتی ہوں کیسی ڈاؤلنگ کو کس نے قتل کیا۔''

''ون منٹ پلیز۔'' جواب ملا۔

لارا کے علم میں تھا کہ کال ٹریس کی جا سکتی ہے لیکن اسے مختصر بات کرنی تھی۔

''میں سارجنٹ شیرن ہوں۔'' کسی عورت کی آواز آئی۔

''میں نے ڈاؤلنگ ہاؤس میں چوری کی تھی لیکن قتل کسی اور نے کیا تھا۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''نام نہیں بتا سکتی۔''

''میں کیسے یقین کروں؟'' شیرن نے کہا۔

''سنو..... میں کیٹ برگلر ہوں، قاتل نہیں۔ یہی سچائی ہے۔ میں کلوزٹ کے سیف میں سے زیورات نکال رہی تھی۔ جب وہ دونوں کمرے میں آئے۔ دونوں میں تکرار جاری تھی۔ پھر دونوں نے ہم بستری کی۔ بعد ازاں دس منٹ بعد میں نے نکلنے کی کوشش کی لیکن اندھیرے میں میز سے ٹکرا گئی۔ میز کے بارے میں پولیس جانتی ہے۔ یہ ثبوت کافی ہے، رائٹ؟ دونوں کے سیکس کے بارے میں بھی پولیس جانتی ہے.....''

''او کے، او کے۔ میں سن رہی ہوں لیکن یہ ایک گمنام کال ہے۔ مجھے بیان چاہیے جس کی بنیاد پر میں ڈاؤلنگ کا ڈراما ختم کر سکتی ہوں اور تمہاری مدد بھی.....''

''تم مذاق کر رہی ہو۔ میں آؤں گی اور گرفتار ہو جاؤں گی۔''

''تم نہ آؤ، میں آ جاتی ہوں۔ جگہ بتاؤ۔''

''ڈاؤلنگ قاتل ہے۔ بات ختم۔'' اس سے زیادہ فون پر تکنا خطرناک تھا۔ لارا نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

کونک اور شیرن نے ایک ساتھ فون بند کیے اور ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔ ''وہ ہیلوکٹی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔'' کونک نے کہا۔

''ہاں، آواز بھی نسوانی اور معلومات بھی اَپ ٹو ڈیٹ۔''

''وہ دونوں بے لباس حالت میں بیڈ روم میں تھے۔ ڈاؤلنگ نے جھوٹ بولا کہ سیکس اس نے ڈنر سے پہلے کیا تھا۔ سیکس والی بات کلیری کے بعد چند افراد تک محدود ہے۔'' کونک نے کہا۔

''مجھے امید ہے کہ اس کا فون دوبارہ آئے گا۔ اُسے نہ صرف خود کو بچانا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ یہ ڈاؤلنگ کی آخری فلم ہے۔'' شیرن نے کہا۔ ''ڈاؤلنگ کیس جلد یا بدیر حل ہو جائے گا۔ ہیلوکٹی کا انداز فیصلہ کن تھا۔ یہ اہم بریک تھرو ہے۔''

''اور لپ اسٹک کلر؟''

''اگر اسے نہ روکا گیا تو مزید ہلاکتیں یقینی ہیں۔'' شیرن نے کہا۔ جیکو بی کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے شیرن، کونک کی طرف متوجہ ہوئی۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ برنیڈا نے کہا۔ ''وہی ہے۔''

شیرن نے سرخ بٹن دبایا۔ ''سارجنٹ شیرن۔''

''یہ مذاق نہیں ہے۔ مجھے پھنسایا گیا ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ ڈاؤلنگ ہاؤس سے کیا چرایا گیا ہے؟''

''میرے پاس فہرست ہے۔'' شیرن نے کہا۔

''گڈ، چیک کرو۔'' وہ بولی اور چوری شدہ جواہرات گنوا دیے۔ آخر میں اس نے کینری ڈائمنڈ کا نام لیا۔

PakiBooks.site

"جی، میں نے کہا تھا کہ اگر تم بیان دے دو۔"

"تمہارا تعلق ہوم سائڈ سے ہے۔ تم اپنا کام کرو اور مجھے اس جنجال سے باہر رکھو۔" اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

"نئی اطلاعات کے پیشِ نظر جیکوبی دباؤ ڈال رہا ہے کہ کم از کم ڈاؤلنگ کیس سے جان چھڑائی جائے۔" شیرن نے کونگ کو بتایا۔

"کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا ہے۔ ڈاؤلنگ بے خبر ہوگا کہ ہیلوکٹی اس کی فلم کا آخری شو چلانے کے موڈ میں ہے۔"

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" شیرن نے کہا۔

"ہیلوکٹی نے بتایا کہ وہ دونوں کیس سے قبل بیڈروم میں تکرار کر رہے تھے۔ یہ تکرار افیئر سے متعلق ہو سکتی ہے۔ یعنی فلمی افیئر کا تمہارا اندازہ ٹھیک تھا۔" کونگ نے کہا۔

"جلد یا بدیر وہ اپنی نئی محبوبہ سے ملے گا۔ دوسری بات یہ، میرا اندازہ ہے کہ ہیلوکٹی ایک اور فون کرے گی۔ وہ مشتعل دکھائی دے رہی ہے اور فیصلہ کر چکی ہے۔"

☆☆☆

پوکی اپنے اپارٹمنٹ والی عمارت کی پارکنگ میں تھی۔ جب اس کے فون سے موسیقی خارج ہوئی۔ کالر آئی ڈی کہہ رہی تھی کہ سوی کا فون ہے۔ پوکی نے حیرت محسوس کی۔ سوی، کیسی اور پوکی دونوں کی دوست تھی۔ کچھ روز قبل اس نے پوکی کے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ ڈاؤلنگ اپنی بیوی کا قاتل نہیں ہو سکتا...... پوکی نے فون اٹینڈ کیا۔ سوی کی آواز میں تناؤ تھا۔

"کیا بات ہے، سوی؟"

"بہت کچھ۔ میں نے ریگولیٹو میں ڈاؤلنگ کو ایک حسینہ کے ساتھ ڈنر پر دیکھا ہے...... دونوں عقبی کونے کی میز پر تھے۔ دونوں مستی میں تھے۔ یہ بری ڈنر نہیں تھا۔"

پوکی نے کار پیچ جگہ لگائی لیکن اندر ہی بیٹھی رہی۔ سوی کی اطلاع ایک رنگین رپورٹ کے مانند تھی...... "گرما گرم ملاقات، تدفین کے موقع پر اور بعد میں وہ جو ڈراما کرتا رہا ہے، اس کی بنیاد پر میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ ڈاؤلنگ کا کام نہیں ہے۔ میں پریشان ہوں کہ میرا اندازہ غلط تھا۔ میں خود کو بیمار محسوس کر رہی ہوں۔"

"اوکے ڈیئر، میں سمجھ گئی۔"

"وہ اب تک متواتر جھوٹ بولتا رہا ہے۔ کیسی کی خاطر کچھ کرو۔" سوی نے کہا۔

"تم گھر جاؤ۔ کیسی کا خون رائگاں نہیں جائے گا۔"

پوکی نے اسے اطمینان دلایا۔ "کیا تم نے اس لڑکی کو پہچانا؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ خاموشی اختیار کرو۔ اس وقت کہاں ہو؟"

"ڈاؤلنگ کے گھر کے باہر سڑک کے دوسری طرف...... ٹویوٹا لیکسس میں۔"

"میں پہنچ رہی ہوں۔" پوکی نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

شیرن کافی کا تیسرا کپ خالی کر رہی تھی...... پوکی نے اسکواڈ روم میں قدم رکھا۔ بلا تمہید اس نے کہا۔ "ڈاؤلنگ کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔"

"آہ۔" کونگ نے اپنی کرسی اسے پیش کی۔

"ڈاؤلنگ کا کیس گرم ہو رہا ہے...... بولتی رہو۔"

پوکی نے رات کی کہانی من و عن سنا دی۔

"سوی نے بعد ازاں ان کا گھر تک تعاقب کیا۔" "پھر تم بھی پہنچ گئیں۔ وہ دو گھنٹے بعد گھر سے نکلے، رائٹ؟"

"ہاں۔"

"لڑکی کا حلیہ، عمر وغیرہ۔" شیرن نے قلم سنبھالا اور لکھنے لگی۔

پوکی نے ایک کارڈ پلٹ کر سامنے رکھ دیا جس پر لڑکی کے گھر کا پتا لکھا تھا۔

"ہمارے پاس اس کا فون لاگ ہے۔" کونگ نے کہا۔

شیرن نے پوکی کا دیا ہوا پتا کمپیوٹر پر ٹائپ کیا۔ سیکنڈ میں پتے کے ساتھ فون نمبر نمودار ہوا۔

"گریسی ہنٹلے۔" شیرن نے کہا۔

کونگ نے اپنا کمپیوٹر چھیڑا۔ "گزشتہ مہینے میں ڈاؤلنگ نے اس نمبر پر چار مرتبہ کال کی ہے۔"

"گرل فرینڈ محرک ہو سکتی ہے لیکن کیسی کی غیر موجودگی ضروری تھی...... ایک اور بات...... ایک شہادت سامنے آئی ہے جس کے مطابق چور کے نکلنے کے بعد کیسی زندہ تھی۔"

"تحریری بیان؟"

"گمنام کال۔ تاہم قابلِ بھروسا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...... اوہ، سمجھی۔ گاڈ، ہیلوکٹی نے تمہیں فون کیا تھا؟"

"ہاں، جو باتیں اس نے بتائی ہیں، اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔" شیرن نے کہا۔ "ہمیں وائر ٹیپ وارنٹ کی جاری کرانی چاہیے، کیا خیال ہے؟"

"ممکن ہے۔" پوکی نے سر ہلایا۔

دوسرے دن وائر ٹیپ کا دستخط شدہ وارنٹ شیرن کے پاس تھا۔ چند گھنٹوں میں وہ لوگ چند بلاک کے فاصلے پر ڈاؤلنگ ہاؤس کے علاقے میں موجود تھے۔ فون سرکٹ کو ٹیپ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تھا۔ دن کے تین بجے تھے۔ بغیر کھڑکی کی عمارت کی چوتھی منزل کے کمرے میں ڈاؤلنگ کی فون کالز نئے روٹ پر سنائی دے رہی تھیں۔ کال کے ساتھ لاکڈ روم میں شیرن اور کونگ موجود تھے۔ شیرن پُرامید تھی کہ کچھ نہ کچھ برآمد ہوگا۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک کے بعد دوسرا گھنٹا...... پانچ گھنٹے گزر گئے جب شیرن کی امید دم توڑنے لگی تو ڈاؤلنگ نے اپنی محبوبہ کا نمبر ملایا۔ گفتگو، ڈارلنگ اور سویٹ ہارٹ جیسے الفاظ سے مزین تھی۔ اگلے ہفتے ڈنر کا پروگرام بن رہا تھا۔ بات چیت کا لب لباب یہ تھا کہ ان دونوں کا افیئر دو سال سے چل رہا تھا۔ گریسی بے قرار تھی۔ ڈاؤلنگ اسے سمجھا رہا تھا کہ بس دو چار مہینے کی بات ہے۔ تھوڑا اور صبر کرو...... پبلک بور ہو جائے گی۔ اسٹوری ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

"دو سال......" کونگ نے دانت نکالے۔ "دو کام کرنے ہیں۔ ہیلوکٹی کو کم از کم مرڈر چارج سے بچانا ہے اور ڈاؤلنگ پر پکا ہاتھ ڈالنا ہے۔"

☆☆☆

شیرن نے جیکوبی کو نئی حوصلہ افزا پیش رفت سے آگاہ کیا۔

"گو، پہلے گریسی کے گھر جاؤ۔" اس نے ہدایت دی۔

شیرن، کونگ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ وہ دونوں پُراعتماد اور پُرجوش تھے۔ گریسی کا جدید دو منزلہ مکان پریسیڈیو سے چند بلاک کے فاصلے پر تھا۔

گریسی نے خود دروازہ کھولا تھا۔ عقب میں دو بچے کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔ شیرن نے تعارف کے فرائض انجام دیے اور داخلے کی اجازت مانگی۔ گریسی نے دروازہ پورا کھول دیا۔ شیرن نے سوالات کا بوجھ زیادہ تر کونگ پر رکھ دیا۔

"مارکس ڈاؤلنگ کا کہنا ہے کہ تم دونوں بہت اچھے دوست ہو؟" کونگ کا ابتدائی سوال تھا۔

"میں کبھی نہیں۔ ہم چند مرتبہ کاک ٹیل پارٹیز میں ملے ہیں۔"

"مسز گریسی، ہم تم دونوں کے تعلقات کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتے ہیں۔ ورنہ یہاں نہ آتے۔" کونگ نے کہا۔ "تم تصدیق کر کے اپنی مشکلات کم کر سکتی ہو۔ بصورتِ دیگر ہمیں تمہارے شوہر سے ملاقات کرنی پڑے گی۔"

"پلیز ایسا مت کرو۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ بچوں کو کمرے سے نکالا اور دروازہ بند کر دیا۔ پوکی نے اس کا حلیہ بتایا تھا لیکن براہِ راست دیکھنے پر شیرن کو اندازہ ہوا کہ اس کا حسن و شباب ایمان فروش ہے۔ اس نے واپس نشست سنبھالی۔ ہاتھ جوڑ کر گود میں رکھے اور کونگ کو مخاطب کیا۔ "کیسی، ڈاؤلنگ سے حسد کرتی تھی۔ اس کے مطالبات اور شکوک نے ڈاؤلنگ کو پریشان کیا ہوا تھا۔ ڈاؤلنگ مناسب وقت پر اسے طلاق دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں بوجوہ اپنے شوہر کو چھوڑ رہی تھی۔ ہم دونوں نے شادی کا پروگرام بنا لیا تھا۔ یہ کہانی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔"

اس دوران میں شیرن کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ تاہم اس کی سماعت گفتگو پر مرکوز تھی۔

"اگر یہ سچ ہے تو تقریباً دو سال سے تم دونوں کا افیئر چل رہا تھا۔" کونگ نے کہا۔

گریسی کا رنگ فق ہو گیا۔ اسے معاً احساس ہوا کہ پولیس وہاں کس لیے آئی ہے۔

"ایک منٹ رکو۔ کیا تم سوچ رہے ہو کہ ڈاؤلنگ کا تعلق کیسی کی ہلاکت سے ہے۔ یہ پاگل پن ہے۔ ڈاؤلنگ میں یہ صلاحیت نہیں۔"

"ٹھیک ہے، شکریہ۔ ہم تمہارے شوہر سے بات نہیں کریں گے اور تم ڈاؤلنگ کو ہماری آمد کی اطلاع نہیں دو گی......" گریسی نے ایک ہاتھ اپنے کھلے ہوئے منہ پر رکھ لیا۔

کار میں واپس آ کر کونگ نے کہا۔ "شاید وہ طلاق دینا چاہتا ہو لیکن اس میں بتانے کی ہمت نہ ہو۔"

"قتل کرنے کی ہمت تھی؟" شیرن نے طنز کیا۔

"وہ ہیلوکٹی کی وجہ سے ہو گیا۔"

"طلاق مہنگی پڑ جاتی، خاصی مہنگی اور مرڈر سستا، بہت ارزاں۔" شیرن نے کہا۔

☆☆☆

لارا، ڈیانا کنگ کی مہکتی ہوئی خواب گاہ میں موجود تھی۔ یہ اس کا فائنل ایڈونچر تھا۔ میری گرین کی بیوہ سے

اس کے معاملات طے ہو چکے تھے جس نے لارا کا حصہ دینے کے بعد غائب ہو جانا تھا۔

ڈیانا کنگ کی کشش ثقل، وان کلف، اور ہیری ونسٹن میں تھی۔ دیگر جواہر کے ساتھ یہ تینوں بھی اس کی ملکیت میں تھے۔ وہ خود نچلی منزل پر مہمانوں کے ساتھ مصروف تھی۔ لارا نے اس دفعہ گاڑی کافی دور کھڑی کی تھی۔

اس نے ہیڈ لیمپ روشن کر کے کمرے کا جائزہ لیا اور دنگ رہ گئی۔ اس کی مطلوبہ اشیا ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی تھیں۔ لارا نے تیزی سے انہیں ڈفل بیگ میں منتقل کیا اور وقت ضائع کیے بغیر کھڑکی سے نکل گئی۔ نیچے آ کر اس نے گھڑی دیکھی۔ یہ اگر کی بہترین واردات تھی۔ تیز ترین اور صاف ستھری۔

تاہم اس کی یہ خوش فہمی جلد ہی رفع ہو گئی۔ اسے فورڈ تک پہنچنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ سائرن کی آواز نے اسے دہلا دیا۔ کونے سے کرور زنکل کر سیدھی اس کی جانب آ رہی تھی۔ وہ ٹریپ ہو گئی تھی۔ زیورات ڈریسنگ پر اس کے لیے رکھے گئے تھے۔ اگر وہ پکڑی گئی تو بچنا ناممکن تھا۔ اس نے فی الفور دوڑ لگا دی۔ وہ سڑک پر گاڑی سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتی تھی۔ مسز کنگ کے پڑوس کے بیک یارڈ کو کراس کرتے ہوئے اس نے جگہ ذہن نشین کی اور ڈفل بیگ تہ خانے کی کھڑکی سے اندر پھینک دیا۔ بھاگتے بھاگتے اس نے ٹوپی اور گلوز ایک باڑھ کے پیچھے اچھال دیے۔ سائرن کی آواز قریب تھی۔

''رک جاؤ۔'' پولیس کی وارننگ سنائی دی۔ ہیڈ لائٹ ڈفل بیگ میں تھی۔ اندھیرے میں اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ کس طرف بھاگے۔ وہ ایک مکان کی منقش کھردری دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑی ہو گئی۔ فلیش لائٹس اس کے اردگرد چکرا رہی تھیں۔ وہ دیوار کے ساتھ لیٹ کے دعائیں یاد کرنے لگی۔ ساتھ ہی اس کا دماغ بھی چکرا رہا تھا۔ لارا نے خود کو بمشکل بھاگنے سے باز رکھا۔ پولیس کی آوازیں آہستہ آہستہ دور ہوتی گئیں۔ وہ اسے دوسرے رخ پر تلاش کر رہے تھے۔ لارا دوسرے مکان کے یارڈ میں جا گھسی۔ گھبراہٹ میں وہ فینس کے ساتھ اُلجھ کر گری، ایک جوتا اس کے پیر سے نکل گیا۔ اسے تلاش کرنے میں تاریکی حارج تھی۔ اسے پنڈلی میں درد کا احساس ہوا۔ وہ اٹھی اور شمال کی طرف اندازے سے کار کی سمت چلنا شروع کیا۔ معاً اسے خیال آیا کہ چابیاں گاڑی کے گلوبکس میں ہیں۔ ایک جوتا غائب تھا۔ پنڈلی یقیناً زخمی تھی اور وہ خود گھر سے میلوں دور۔

☆☆☆

دفعتاً لارا نے محسوس کیا کہ اندھیری سڑک پر کوئی گاڑی دھیمی رفتار سے اس کے پیچھے آ رہی ہے..... کیا پولیس ہے؟ خوف نے سر اٹھایا۔ اس کے دل نے کہا کہ پلٹ کر دیکھے۔ اگر پولیس ہوئی تو سوال جواب شروع ہو جائیں گے۔ کون ہو سکتا ہے؟ ہارن کی آواز آئی اور گاڑی اس کے قریب سے گزرنے لگی۔

''ہائے سویٹ بے بی۔'' کھڑکی میں سے آواز آئی اور قہقہہ بلند ہوا۔ لارا نے سر جھکا لیا۔ گاڑی کی رفتار مزید کم ہو گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر مٹیالے بالوں والا جوان تھا۔

''کہاں جا رہی ہو اکیلی رات میں؟''

لارا نے سر اٹھایا۔ ''میری کار لاک ہے اور چابیاں اندر رہ گئیں۔ کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتی ہوں؟''

''وہ ادھر پے فون ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ اچانک اس کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔ ''تم لارا ہو؟ میں مارک اوگرو۔ میں پانچ سال پہلے تمہاری کلاس میں تھا۔''

واہ کیا ستم ظریفی ہے۔ پیفک ہائٹس کے اس علاقے میں یوں کوئی شناسا مل جائے گا۔ قسمت اس کے ساتھ تھی۔

''مارک گریٹ ٹو سی یو۔''

مارک نے فون نکال کر اسے دیا۔ تب اس کی نظر لارا کے ننگے پیر اور زخمی پنڈلی پر گئی۔ اس نے منہ کھولا اور بند کر لیا۔

لارا نے پہلے ہیڈی کو فون ملایا۔ بیٹی گھر پر نہیں تھا اور بچے سو رہے تھے۔ مجبوراً لارا نے ٹریور عرف ٹیرر کو فون کیا اور زندگی میں پہلی بار دعا کی کہ وہ گھر پر ہو۔

☆☆☆

لارا نے لیپ ٹاپ پر ''ہیلوکٹی'' کو گوگل کیا۔ ڈیانا کنگ کی برگلری کافی الحال ذکر نہیں تھا۔ تاہم اسے راستے میں پھینکے گئے ڈفل بیگ کی فکر تھی۔ اگرچہ اس نے گلوز پہنے تھے لیکن اسے یاد نہیں تھا کہ ہیڈ لیمپ کی بیٹری تبدیل کرتے ہوئے ہاتھوں پر گلوز تھے یا نہیں۔ اگر اس کی پھینکی گئی اشیا ہاتھ آتیں تو صرف بیٹری کی وجہ سے وہ گرفت میں آ سکتی تھی۔ اور جوتا بھی مل جاتا، جس پر غالباً خون کا نشان ہو گا تو پھر وہ بیس سال کے لیے سلاخوں کے پیچھے چلی جاتی۔ اس نے آستین سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا اور ہیلوکٹی کے پیج پر

کرسر گھمایا۔ چند اسٹوریز اور اپنی بدنامی کے چرچے پڑھے۔ ڈاؤلنگ کے بارے میں پڑھ کر اس کی ایک آنکھ دکھنے لگی۔ وہ کرسر گزشتہ اسٹوریز کی طرف لے گئی۔ جب اس نے ڈاؤلنگ ہاؤس میں چوری کی تھی۔ اچانک ایک سرخی نے اس کی نگاہ پکڑ لی۔

''سیلون کا سورج خونی برگلری کے دوران چُرا لیا گیا۔''

اسے یاد آیا کہ جب اس نے شیرن کو ٹپس دی تھیں تو رنگ کے بارے میں شیرن نے ڈائمنڈ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اب یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ڈائمنڈ کا خاص نام بھی تھا۔ لارا نے آرٹیکل پڑھنا شروع کیا۔

''سیلون کا سورج'' بیس قیراط کا زرد ہیرا ڈاؤلنگ کے گھر سے چرایا گیا۔ دورانِ واردات چور نے کیسی کو ہلاک کر دیا۔ نادر ڈائمنڈ میں 120 چھوٹے ہیرے جڑے تھے۔

ہیرا طویل تاریخ کا حامل ہے جس کے ساتھ نحوست کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ نحوست اچانک موت کی صورت میں نازل ہوتی تھی۔ اول اول ہیرا ایک کسان کو گندی سڑک سے ملا تھا۔ بعد ازاں یہ کنگز کے قبضے میں چلا گیا۔ ہیرا اپنے پیچھے المناک اموات چھوڑتا گیا۔ لارا کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی۔ سیلون کا سورج جس کی ملکیت میں گیا، اسے مالی تباہی یا ذلت کا سامنا کرنا پڑا، کوئی پاگل ہو گیا..... کسی نے خودکشی کر لی، کوئی قتل ہوا اور کوئی حادثے کا شکار۔ لارا نے مزید ریسرچ کی..... اسے کوہ نور یاد آیا۔ کوہ نور کے ساتھ بھی اسی قسم کا معاملہ تھا۔ میری انٹونی نے ہوپ ڈائمنڈ پہنا اور کچھ عرصے بعد اس کی گردن اُڑا دی گئی۔ اسی طرح چند ہیرے اور بھی تھے۔ جو کیسی کے پاس تھا اور وہ شوہر کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ لارا نے ہیرا اپنی چہیتی سہیلی ہیڈی کو تحفتاً دے دیا۔ لارا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا یہ میرا وہم ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا لیکن یہ ایک ہیرے کی بات نہیں تھی۔ انفارمیشنز قابلِ اعتبار تھیں۔ ہیڈی سے ہیرا واپس لینا پڑے گا۔ یہ ایک خوفناک رسک تھا۔ بیٹی گورڈن کے بارے میں دونوں کی رائے اچھی نہیں تھی۔ ڈاؤلنگ نے بھی اپنی بیوی کو اُڑا دیا تھا۔

☆☆☆

کیا مارک اوگرو پولیس کو بتا دے گا۔ لارا کو خدشہ تھا۔ تاہم اسے امید نہیں تھی۔ وہ اس کا اسٹوڈنٹ رہ چکا تھا۔ وہ ساحلی علاقے میں دھوپ کا چشمہ لگائے ایک بینچ پر بیٹھی تھی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے جیکٹ کی زپ اس نے اوپر کر لی تھی۔ اپنی دہری زندگی کے بارے میں وہ اپنی خاص سہیلی کو کیسے بتائے گی۔ اگر اس نے ہیڈی کو کھو دیا تو وہ خود بھی زندہ لاش میں تبدیل ہو جائے گی۔

لارا کے فون نے موسیقی نشر کی۔

''لارا تم کہاں ہو؟'' ہیڈی کی آواز تھی۔

لارا نے جواب دیا اور اٹھ کر ہاتھ لہرایا۔ شیری چیختی ہوئی اس کی طرف دوڑی..... لارا نے سہیلی کی ننھی بیٹی کو بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اسٹینی، ہیڈی کی گود میں تھا۔ قریب آ کر ہیڈی نے لارا کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

''کوئی پریشانی ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

لارا نے شیری کو نیچے اتارا اور رونا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے، سویٹی؟'' ہیڈی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

لارا نے ہیڈی کو دیکھا۔ ''سمجھ نہیں آ رہا، کس طرح بتاؤں..... میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس معاملے میں ملوث نہ کروں، خطرہ ہے۔''

''واؤ، تم مجھے ڈرا رہی ہو۔''

لارا نے اثبات میں سر ہلایا اور نیچے دیکھا۔ ''تم نے کیٹ برگلر ہیلوکٹی کے بارے میں سنا ہے؟''

''وہ جس نے ڈاؤلنگ کی بیوی کا مرڈر کیا تھا؟''

''ہاں، لیکن میں نے کوئی مرڈر نہیں کیا۔''

''وہاٹ؟'' ہیڈی کا قہقہہ بلند ہوا۔ ''ہاں تم نے نہیں کیا ہو گا۔ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟''

''ہیڈی، میں ''ہیلوکٹی'' ہوں۔''

''شٹ اَپ۔''

''یقین کرو۔'' لارا نے ساری کہانی سنا ڈالی۔ ہیڈی پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ رنگ ڈائمنڈ ہے۔ اس کا نام سیلون کا سورج ہے۔ جو میں نے تمہیں دیا تھا۔ اسے میں نے ڈاؤلنگ کے گھر سے چرایا تھا۔''

''لارا، آئی ایم سوری۔''

''ڈیانا کنگ کے گھر سے فرار ہو کر پہلے تمہیں فون کیا۔ تم آ نہیں سکتی تھیں۔ مجبوراً ٹیرر کو فون کیا۔ اس نے میری جھوٹی کہانی کا یقین نہیں کیا۔ گھر لے جا کر اس نے میرے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔'' لارا نے کالر ہٹا کر اپنی گردن میں انگلیوں کے نیلگوں نشانات دکھائے۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' ہیڈی نے اسے گلے لگا لیا۔

PakBooksSite

''ہیڈی ایک بات اور ہے۔''

''میرے خیال میں یہ بھی مخدوش ہوگی۔''

''ہاں، خوفناک...... سیلون کا سورج منحوس تاریخ رکھتا ہے۔ یہ تاریخ تین صدی پرانی ہے۔ اس کی نحوست کی وجہ سے بہت سے افراد جان سے گئے۔ سیلون کے سورج کا آخری اور تازہ شکار کیسی ڈاؤلنگ تھی۔''

ہیڈی رک رک کر بڑبڑا رہی تھی۔ ''اوہ نو...... اوہ نو......'' ابتدائی وہم کے بعد وہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''میں نہیں چاہتی کہ تم اسے اپنے پاس رکھو...... تمہارے بغیر میں مرجاؤں گی۔'' لارا نے کہا۔ ہیڈی نے چین کے ساتھ زرد ہیرا لارا کے حوالے کردیا۔ لارا نے اسے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا اور اپنا آخری قدم واضح کیا۔

''میں تمام جواہر ہیری گرین کی بیوہ کے حوالے کرکے کمیشن لوں گی۔ خاصی رقم مل جائے گی پھر ہم دونوں خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں گے۔''

''مجھے کچھ کہنا ہے۔'' ہیڈی نے کہا۔

''او کے، لیکن میری حالت کا خیال رکھنا۔ میں ٹوٹ پھوٹ گئی ہوں۔''

''تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی، میں کبھی یقین نہ کرتی۔ میرا دماغ اڑ گیا ہے۔ میں تمہاری ممنون ہوں کہ ہر مرتبہ تم نے میرے بارے میں سوچا اور خطرات سے کھیلتی رہیں...... بچے یہاں نہ ہوتے تو میں تمہارا بوسہ لیتی۔ تمہارے علاوہ میں نے کسی سے اتنی محبت نہیں کی۔''

''آئی لو یو ٹو۔''

''اب کیا ہوگا؟ کیا پولیس تمہارے پیچھے آئے گی؟''

''امکان ہے۔'' لارا نے کنپٹیاں مسلیں۔ ''ہمیں نکلنا ہے جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرنا ہے۔'' لارا نے تشویش کے ساتھ کہا۔

☆☆☆

پیٹی گورڈن نے گاڑی شاپنگ مال کی پارکنگ کے بیرونی کنارے کی جانب پارک کی۔ وہ ہیڈی اور بچوں کا انتظار کررہا تھا۔

وہ اپنے اطراف سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس کے منصوبے کا اہم ترین حصہ سر پر تھا۔ ان تینوں کو ختم کرنے کے بعد ہلاکتوں کی تعداد نو ہوجاتی۔ کام ختم کرکے وہ سیدھا گھر جاتا اور ٹی وی کھول دیتا۔ وہ کرائیگل میں پیغام بھیج چکا تھا۔ ''میرا یقین کرو۔ رقم اب پانچ ملین تک چلی گئی ہے۔ اس مرتبہ اپنے بل سے باہر مت آنا...... ورنہ......''

اس کا پلان بہترین تھا، خالص تھا۔ اس نے کسی کی نقل نہیں کی تھی۔ ریئر ویو میں اس نے ہیڈی کو آتے دیکھا۔ اسٹیسی گود میں تھا اور شیری اسٹرالر میں۔ پیٹی نے ایک آواز سنی۔ آواز پڑوسن اینجی کی تھی۔ وہ بھی شاپنگ اسٹرالر میں بچے کو لے کر جارہی تھی۔

''بائے۔'' ہیڈی نے ہاتھ لہرایا۔ وہ کار کے قریب پہنچ گئی تھی۔ بچوں کو اس نے عقبی نشست پر ڈالا اور گروسری کے لیے پیٹی کی مدد طلب کی۔ پیٹی نے گلوز چڑھائے اور باہر نکل کر ٹرنک کا لاک کھولا۔

اچانک پڑوسن اینجی کی آواز آئی۔ ''ہائے پیٹی، تم لوگ ہمارے ساتھ بلیو جے کیفے میں ڈنر کرو۔''

پیٹی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ''ضرور، پھر کبھی سہی۔'' اس کے دماغ میں غصے کی لہر اٹھی۔ اینجی نے اس کے دونوں مواقع ضائع کردیے تھے۔ واردات اور وہاں سے عدم موجودگی کا ثبوت۔ اس نے سوچا کہ اینجی کو بھی ساتھ ہی ٹھکانے لگا دے۔ اس وقت ہیڈی کی چیخ بلند ہوئی۔ پیٹی نے شیری کو گاڑی سے نکل کر بھاگتے دیکھا...... نظروں میں آئے بغیر سب کو ختم کرنا ممکن نہیں تھا۔

''بچے باہر کچھ کھانا چاہتے ہیں۔'' ہیڈی نے کہا۔

پیٹی نے بمشکل اپنے اشتعال کو سنبھالا، اسٹیسی بھی نکل گیا تھا۔ دونوں اینجی کی وین کی طرف جارہے تھے۔ غیر متوقع طور پر منصوبہ بدل گیا تھا۔

☆☆☆

بوجھ کافی حد تک کم ہوگیا تھا۔ لپ اسٹک کلر کا کیس ایف بی آئی کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ اب ڈاؤلنگ کیس بھڑک رہا تھا۔ شیرن کے پاس وائر ٹیپ ٹرانسکرپٹ تھا۔ تاہم شیرن اس وقت بدمزہ ہوئی جب براڈی کے ذریعے اطلاع ملی کہ سائیکو کلر کے لیے انہیں شیرن کا تعاون درکار ہے۔ کیا ایک اور ہارر شو؟

بیس منٹ بعد شیرن، کونک کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ براڈی نے اسپیشل ایجنٹ ڈک بیمبو سے تعارف کرایا۔ پائر 39 کا دیوہیکل مال خونخوار قاتل کے لیے موزوں جگہ تھی۔

ڈک بیمبو کی عمر چالیس سال، شانے چوڑے اور بال چھوٹے تھے۔ اس کے جوتے آئینے کے مانند چمک رہے تھے۔ مصافحے کے بعد وہ کرائم سین کی طرف بڑھا۔ جو پہلے ہی درجن بھر ایف بی آئی ایجنٹس دیکھ چکے تھے۔

''سارجنٹ شیرن، اس جانور کو تم سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ تم جو کچھ بتا سکتی ہو تو بتاؤ؟''

شیرن کا جسم غیر محسوس انداز میں لرز رہا تھا۔ پہلی تبدیلی جو اس نے نوٹ کی وہ اسٹرالر کے دو مردہ بچے تھے۔ عورت سیاہ فام تھی جس کی پیشانی پر گولی ماری گئی تھی۔

بیمبو نے کہا۔ ''مقتولہ کا نام ویرونیکا ہے۔ اس کی بیٹی لیلی اور بیٹا وان۔ وہ لاس اینجلس سے آئے تھے۔ ہم نے فیملی کو اطلاع پہنچادی ہے۔''

سات، آٹھ اور نو...... نو قتل، یہ مرڈر نہیں...... سان فرانسسکو کو انسانوں کا مقتل خانہ بنا دیا گیا تھا۔ شیرن نے اپنی ٹائی کا گلا گھونٹا۔ بے بسی سے بیمبو کی طرف دیکھا...... پھر پچھلی ونڈ بیگ کی اشیا کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اسے لپ اسٹک کلر کے مخصوص نشان کی تلاش تھی۔ جو ونڈ اسکرین کے بجائے عقبی کھڑکی کے شیشے پر لکھا تھا۔ ونڈ اسکرین پر ایک مختصر فقرہ تحریر تھا۔ ''عورتیں اور بچے کا نمبر پہلا ہے۔ سمجھ جاؤ۔''

کیا وہ کبھی پکڑا جاسکے گا؟ شیرن نے سوچا۔ یا غیر حل شدہ اسرار پولیس کو قبروں میں تڑپنے پر مجبور کردے گا۔

شیرن نے بیمبو سے کہا۔ ''یہ وہی قاتل ہے۔ میرے پاس کوئی تصویری ثبوت نہیں ہے۔ کاش اس جنونی کے بارے میں کوئی اشارہ مل جاتا۔ تاوان کلیو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن رقم کے لیے اسے ہولناک کھیل کھیلنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' شیرن مردہ بچوں کی طرف دیکھنے سے گریز کررہی تھی۔ اس نے فون سے لگا کر کیری کو فون کیا اور پہلی مرتبہ اس کے علاوہ ملاقات کی مختلف تراکیب سنیں۔

اسی اثنا میں قدموں کی آہٹ ابھری۔ براڈی، دو آدمیوں کے ساتھ آرہا تھا۔ ایک پولیس کی وردی میں تھا اور دوسرا سفید فام سویلین۔ براڈی کی آنکھوں میں چمک اور تاثرات خوشگوار تھے۔ ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔ شیرن نے محسوس کیا کہ کئی ہفتے سے چھائے ہوئے تاریک بادل چھٹ رہے ہیں۔

''یہ مارک کینیڈی ہے۔'' براڈی نے کہا۔ ''اس نے قاتل کو دیکھا ہے۔'' اچانک ہی ماحول میں سنسنی سرایت کرگئی۔ ایف بی آئی والوں نے مارک کو گھیر لیا۔ مارک توجہ کا مرکز بننے پر خوشی محسوس کررہا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ جرم و سزا کے موضوع میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ فلم ہو یا ناول...... ماضی ہو یا حال۔ وہ اس موضوع پر روانی سے نہ صرف گفتگو کرسکتا ہے بلکہ تجزیہ بھی پیش کرسکتا ہے...... پائر 39 میں وہ سیل فون کی شاپ میں کام کرتا تھا۔

''ایک سفید فام آدمی جس کی عمر تیس سال ہوگی، میری دکان میں آیا۔'' مارک نے کہنا شروع کیا۔ ''فوراً ہی میری فعال چھٹی حس نے اشارہ دیا کہ وہ ایک غلط آدمی ہے۔''

''کیسے؟'' بیمبو نے سوال کیا۔

''تجربہ دلچسپی...... جیسا میں نے پہلے بتایا۔ تم وردی میں نہ بھی ہوتے تو میں پہچان لیتا کہ تمہارا تعلق قانون نافذ کرنے والے اداروں میں سے ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ آدمی سیدھا پری پیڈ فونز کے ریک کی طرف گیا جن میں کیمرا ہوتا ہے۔ ایک منتخب کرکے اس نے دو گیگا بائٹ چپ اٹھائیں...... وہ اطراف سے بے نیاز تھا۔ ادائیگی کے وقت بھی اس نے سر نہیں اٹھایا۔''

''کیا اس نے ٹوپی پہنی تھی؟''

''ہاں، بیس بال کیپ، نیلے رنگ کی...... اس پر کوئی لوگو نہیں تھا۔ وہ جیکٹ سے مختلف تھی۔ آرٹسٹ کا جو اسکیچ ٹی وی پر چلا تھا، وہ میں نے دیکھا تھا۔ جیکٹ خاکی چمڑے کی تھی۔ دائیں آستین پر امریکی جھنڈے کا عکس تھا۔''

''بال نظر آئے تھے؟'' کونک نے سوال کیا۔

''ہاں، براؤن...... منیجر سے چند منٹ کی اجازت لے کر میں اس کے پیچھے نکل گیا۔ میں نے اسے افریقن، امریکن عورت سے باتیں کرتے دیکھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا کہ وہ اس سے مدد کا طلبگار ہے...... اس وقت منیجر کی کال آگئی۔ مجبوراً مجھے جانا پڑا۔ ایک منٹ بعد میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ غائب تھا...... میرا مطلب وہ اپنا کام کرگیا تھا۔''

''کیا تم اسے تصویر کی مدد سے پہچان سکتے ہو؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''مجھ سے زیادہ بہتر کوئی نہیں پہچان سکتا۔ اسٹور میں موجود ہائی ڈیجیٹل کیمرے نے ہر چیز ریکارڈ کرلی ہے۔''

''اس نے گلوز پہنے ہوئے تھے؟''

''نہیں۔''

''اس نے ادائیگی کیسے کی؟'' کونک نے کہا۔

''کیش۔''

''اپنا رجسٹر کھولو۔'' شیرن نے مطالبہ کیا۔

☆☆☆

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ جب شیرن کے فون کی گھنٹی بجی۔ آئی ڈی بتا رہی تھی کہ براڈی کا فون ہے۔ اس کی آواز میں تھکن تھی، لیکن شیرن نے ہیجانی کیفیت بھی محسوس کرلی۔ اس نے ساری رات کرائم لیب میں کرائم سین یونٹ پر گزاری تھی۔ مارک کی دکان کے کیش رجسٹر کو اس نے آخری

PakiBooks.Site

حد تک کنگالا تھا جس ریک پر مشکوک آدمی نے کیمرا پسند کیا تھا، اس کی ریکارڈنگ بھی دیکھی تھی۔ براڈی کے نزدیک قاتل نے دستانے دکان میں نہیں پہنے تھے۔ بالآخر وہ چند ادھورے نقوش حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا جو سابقہ فوجی تھا، بحریہ سے تعلق تھا۔

''مذاق کررہے ہو۔'' شیرن نے کہا۔

''نہیں، کیپٹن پیٹر گورڈن عراق میں خدمت انجام دے چکا ہے۔ وہیں لاپتا ہوا اور اسے MIA (Missing in Action) میں ڈال دیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے ڈراما کیا تھا۔ ہمارا مطلوبہ خونی وہی ہے۔''

''تمہارے خیال میں وہی لپ اسٹک کلر ہے؟''

''اب تک کے شواہد اور معلومات اسی خیال کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ تاہم ہمیں مزید ثبوت درکار ہیں۔ مارک کو عین وقت پر منیجر نے بلالیا۔ ورنہ وہ عینی شاہد ہوتا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' شیرن نے کہا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ پیٹر گورڈن ہی لپ اسٹک کلر ہے۔

☆☆☆

لارا اور ہیڈی دوسری ٹیچرز کے ہمراہ ٹی وی کے سامنے تھیں جس پر گزشتہ رات پارٹ 39 پر ہونے والے خوفناک مناظر دکھائے جارہے تھے۔ پبلک احتجاج کررہی تھی۔ مارک نے جو ڈسک تیار کی تھی، وہ دکان کے مناظر دکھارہی تھی۔ اچانک لپ اسٹک کلر کا حلیہ نصف چہرے کے ساتھ نظر آیا۔ پولیس نے تصدیق کی تھی کہ یہی لپ اسٹک کلر ہے۔

ہیڈی کا جبڑا لٹک گیا۔ اس کا اپنا شوہر دکان میں سیل فون خرید رہا تھا۔ کیا یہ غلطی ہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لارا نے ہیڈی کا بازو پکڑا اور لاؤنج سے باہر ہال وے میں لے گئی۔

''گزشتہ شب پیٹی کہاں تھا؟'' لارا نے سوال کیا۔

''ہم شاپنگ کے لیے گئے تھے۔ پھر میں اور بچے پڑوسن کے ساتھ بلیو بے کینیفے چلے گئے تھے۔'' ہیڈی کا چہرہ فق تھا۔ آنکھوں میں دہشت کے دیے جل رہے تھے۔ ''اس نے کہا تھا کہ میں گھر چلا جاؤں گا۔ جب ہم گھر پہنچے تو وہ گھر میں تھا، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''تمہارا گھر پارٹ 39 سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔''

''لیکن وہ...... وہ...... آخر کیسے...... کیوں؟''

''تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو کہ وہ کتنا کمینہ ہے۔ تمہارے اور بچوں کے ساتھ کتنی بدسلوکی سے پیش آتا ہے۔'' لارا نے کہا۔

''لیکن یہ قتل ہے...... ایک نہیں تو قتل......''

''ہیڈی ہمت کرو۔'' لارا نے کہا۔ ہیڈی رو رہی تھی۔

''کیا مجھے پولیس کو فون کرنا چاہیے؟'' ہیڈی کی سسکیاں جاری تھیں۔

☆☆☆

پیٹی گورڈن اپنی گن صاف کرتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اسے پارٹ 39 کی ایک دکان سے فون خریدتے دکھایا جارہا تھا۔ 30 منٹ سے پارٹ 39 مال کی وڈیو ٹی وی پر چل رہی تھی۔ ''ایف بی آئی کے قریبی ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ یہی آدمی قاتل ہے۔ اس سے دور رہا جائے۔ قاتل مسلح اور خطرناک ہے۔ پولیس نے اس کا نام انتہائی راز میں رکھا تھا۔''

''شکریہ۔'' پیٹی نے کہا اور سپریسر گن میں فٹ کیا۔ گن کو ویسٹ بینڈ میں لگانے کے بعد گیراج کا رخ کیا۔ کار سے بیگ نکال کر وہ پلان بی پر عمل درآمد کی تیاری پکڑنے لگا۔ فضا میں ہیلی کاپٹر کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ایف بی آئی تھی یا نیوز کریو، اسے پروا نہیں تھی۔ پلان بی بے داغ تھا۔ لیونگ روم کے پردوں سے اس نے باہر جھانکا۔ سیاہ رنگ کی SUV سامنے نظر آرہی تھی۔ پانچ چھ ملتی جلتی گاڑیاں مختلف سمتوں سے گھیرا ڈال رہی تھیں۔

پیٹی نے بیگ سے مطلوبہ اشیا نکالیں۔ جن میں دھماکا خیز مواد بھی شامل تھا۔ وہ اطمینان سے باہر نکلا اور ایک بلاسٹنگ کیپ میل باکس میں رکھ دیا۔ کیپ چھوٹے سے ڈبے میں تھا۔ واپس اندر آکر ایک باکس جنک ڈرائر میں رکھا۔ داخلی دروازے کی بیل کھول کر طے شدہ کارروائی کی۔ مکان کی بیک سائڈ میں رکھے کارڈ باکس میں بلاسٹنگ ڈیوائس رکھا۔ اوپر پرانے اخبارات رکھ دیے۔ کارڈ باکس کو بیک پورچ کے قریب رکھا۔ سوئچز اور تاروں کی مدد سے بقیہ کارروائی مکمل کی۔

مطمئن ہونے کے بعد اس نے دونوں بچوں کو اٹھایا اور گیراج میں کھڑی کار میں آگیا۔ وہ تصور میں باہر کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ایک بلاک کے فاصلے پر کمانڈ پوسٹ ہونی چاہیے۔ ٹروپس مکان سے قریب تر ہوں گے۔

ڈیڑھ بجے شیرن نے براڈی کی کال وصول کی۔ وہ

فون پر [illegible] رہا تھا۔ ہمارے گواہ کی وڈیو ٹی وی پر چلتی رہی۔ اس کا نام نہیں تھا لیکن وہ کمینہ ہوشیار ہوگیا۔ وہ ایف بی آئی کے سامنے دیوار بن گیا ہے۔ مردود نے اپنے ہی بچوں کو یرغمال بنالیا ہے۔ ہیمبو نے تمہیں طلب کیا ہے۔ WCF ...... مرف تم سے بات کرے گا۔''

ایف بی آئی پر گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ ''رابطہ رکھنا...... احتیاط سے کام لینا۔''

کونگ اور شیرن نے اسکواڈ روم چھوڑ دیا۔

پیٹی کا گھر سوک سینٹر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ دو منزلہ تھا۔ لان خشک پڑا تھا۔ گیرج بند تھا۔

ایجنٹ ہیمبو، شیرن کے قریب آیا۔ ''تمہیں تجربہ ہے کہ یرغمال بنانے والوں سے کس طرح گفت و شنید کی جاتی ہے۔''

''بہت زیادہ بھی نہیں ہے اور یہ منحوس ایک مختلف چیز ہے۔''

''اپنی بہترین کوشش کرو۔ دوستانہ انداز میں۔ کوشش کرو وہ بچوں کے ساتھ باہر آجائے۔''

''میں کیا پیشکش کروں؟''

''کچھ بھی...... جو وہ مانگے۔ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ باہر آگیا اور انہیں ہم نے بچالیا تو پھر WCF ہمارا ہے۔''

ہیمبو نے خاص بلٹ پروف جیکٹ شیرن کے حوالے کی۔ یہ دھماکا خیز مواد کی لہروں کو بھی برداشت کرسکتی تھی۔ شیرن نے لباس کے نیچے اسے پہنا اور میگا فون کے ذریعے پیٹر گورڈن کو مخاطب کیا۔ ''پیٹر میں شیرن ہوں۔ تم نے مجھے بلایا تھا...... میری خواہش ہے کہ سب کچھ سب کے لیے بہتر ہوجائے۔ دروازہ کھول دو...... ہاتھ سر پر رکھ کر باہر آجاؤ اوکے...... کوئی تمہیں شوٹ نہیں کرے گا۔''

کوئی جواب نہیں آیا۔ شیرن نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے۔ پھر ہیمبو سے فون نمبر لے کر پیٹر کے گھر فون کیا۔ پانچ گھنٹیاں بجنے کے بعد کسی بچی نے فون اٹھایا۔ ''یہ گورڈن ہاؤس ہے۔ پلیز پیغام چھوڑ دو۔''

شیرن سوچ میں پڑ گئی۔ اسی وقت اس کا سیل فون بجا۔ فون بیلٹ سے الگ کرکے اس نے آئی ڈی دیکھی۔ آئی ڈی بلاک تھی۔ تاہم صاف ظاہر تھا کہ کس کا فون ہے۔

''شیرن!'' اس نے ایک لفظ بولا۔

''ویل، ہیلو...... شہزادی۔'' لپ اسٹک کلر کی آواز آئی۔

پیٹر گورڈن کی آواز سن کر شیرن کو پسینا آگیا۔ تاہم کسی طرح اس نے اپنی آواز ہموار رکھی۔

''گورڈن کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا...... تمہارے بچے ہم سب کے لیے بہت اہم ہیں۔''

''تمہارے لیے ہوں گے۔ مجھے شک ہے کہ یہ کسی اور کے بچے ہیں۔''

''تم بتاؤ، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''ایک ہی راستہ ہے اور وہ میرا راستہ ہے۔ اپنا ہتھیار گرادو...... چاپرز کو ہٹاؤ۔ ان کی آواز میرے کانوں میں نہیں آنی چاہیے۔ اگر مجھے روٹرز کی آواز سنائی دی تو بات چیت ختم سمجھو۔ میرا گھر وائرڈ بم ہے۔ میں اندر اور باہر دونوں جگہوں سے گھر کو اڑا سکتا ہوں۔ محفوظ راستہ ایک ہے۔ فرنٹ ڈور کی طرف واک وے ہے۔ اسی راستے سے ڈور تک آؤ۔''

شیرن نے کہا۔ ''گورڈن، میں نہیں آرہی۔ تمہیں آنا ہوگا۔''

''شیرن، بچے چاہئیں تو تمہیں آنا ہوگا۔ میں بچوں کو شیلٹر بناکر تمہاری کار میں بیٹھوں گا...... کوئی تعاقب نہیں کرے گا۔ کوئی گن نظر آئی تو میں بچوں کے ساتھ خود کو شوٹ کردوں گا...... چاپر کی آواز آئی تو شوٹ کردوں گا۔ کسی نے ونڈو پر طبع آزمائی کی یا لان پر قدم رکھا تو گھر دھماکے کی نذر ہوجائے گا...... سمجھ گئیں؟''

ہیمبو نے فون شیرن کے ہاتھ سے لے لیا۔ ''گورڈن، میں اسپیشل ایجنٹ رچرڈ ہیمبو ہوں۔ ایف بی آئی۔ میں شیرن کو آگے جانے نہیں دوں گا۔ ہاں میں غیر مسلح حالت میں تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ بچے دے دو۔ میں خود تم کو میکسیکو تک چھوڑ دوں گا...... ڈیل؟''

ہیمبو نے جواب سنا اور فون بند کردیا۔ ''وہ مردود شیرن کو مانگ رہا ہے۔''

شیرن نے گلوک نکال کر نیچے گرادیا اور خدا سے حفاظت کی درخواست کی۔ اس نے فرنٹ واک پر قدم رکھ دیے تھے۔ آہستہ آہستہ شیرن دروازے تک پہنچ گئی۔ اسے علم تھا کہ عقب اور اطراف میں ہر آنکھ اس پر جمی ہوئی ہے۔ شیرن نے دستک دی۔ کوئی ردِعمل نہیں آیا۔ اس نے دوبارہ ذرا زور سے دستک دی۔ دوبارہ کوئی جواب نہیں ملا، شیرن نے پلٹ کر اپنے پارٹنر کونگ کو دیکھا اور شانے اچکائے پھر

ڈور بیل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

دفعتاً کونگ کی مضطرب چیخ سنائی دی۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔ ''نہیں...... شیرن نہیں......''

شیرن کی انگلی ڈور بیل کو چھو رہی تھی۔ اس نے جمناسٹ کے مانند ہاتھوں کے بل پر عقب میں الٹی چھلانگیں لگائیں لیکن سیکنڈ کے فرق سے بیل دب گئی تھی۔ دو سماعت شکن دھماکے ہوئے۔ زمین ہل گئی۔ شیرن کا کرتب ادھورا رہ گیا۔ غیر معمولی بلٹ پروف نہ ہوتی تو اس کی موت یقینی تھی۔ پھر بھی اسے یوں لگا جیسے ٹرک نے ٹکر ماری ہو۔ وہ زمین بوس ہوئی اور گاڑھے دھوئیں میں گم ہوگئی۔ اس نے کڑوی سانس لی اور کھانسنے لگی۔ چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ شیرن کے حواس بحال ہوئے تو اسے کونگ کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ اس کا نام لے کر چلا رہا تھا۔ دھواں کم ہوا تو شیرن نے اسے پندرہ فٹ کے فاصلے پر لیٹے دیکھا۔ شیرن لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی اور اس کی جانب بڑھی۔

''تم ٹھیک ہو؟''

اس نے ایک ہاتھ اپنے سر پر رکھا۔ ''ہاں، اور تم؟''

''بچ گئی۔''

وہ کھڑا ہوگیا اور شیرن کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اس نے ہمیں ہلاک ہی کر دیا تھا۔''

''تم نے مجھے کیسے ہوشیار کیا؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''میں نے محسوس کیا کہ ڈور پر طبع آزمائی فضول ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم بیل بجاؤ...... میرے دماغ میں الارم بجا اور میں چلا اٹھا۔''

''دو دھماکے ہوئے تھے؟''

کونگ نے سائڈ واک کی طرف اشارہ کیا۔ ''ایک بم وہ پہلے ہی وہاں رکھ چکا تھا۔ وہاں SUV بھی زد میں آئی ہے۔''

''یہ قتل و غارت گری کے لیے تھا یا افراتفری کے لیے؟''

''دونوں کے لیے۔'' کونگ نے جواب دیا۔ ''تم کو تو اس نے مار ہی دیا تھا۔''

شیرن نے دیکھا گھر آگ کی لپیٹ میں تھا۔ ''گورڈن کہاں ہے؟''

اسی وقت شیرن کے ساتھ کونگ نے نیلے رنگ کی ہونڈا اسٹیشن ویگن گیراج سے نکلتے دیکھی۔ کونگ کے ساتھ متعدد گنر نے ہونڈا کا نشانہ لیا۔

''فائر مت کرنا۔'' شیرن چیخی۔ وہ ہنڈا کی طرف جا رہی تھی۔ ''گاڑی میں بچے ہیں۔'' لڑکے کا چہرہ کھڑکی کے شیشے کے ساتھ لگا تھا۔ گورڈن نے گن اس کے سر پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ دوبارہ چیخی۔ ''کوئی گولی نہیں چلائے گا۔''

''نو گنز، نو چاپرز اینڈ نو چیزنگ......'' گورڈن نے دھمکی دی۔

شیرن نے بلند آواز میں اس کے مطالبات دہرائے۔ ربر جلنے کی بو آئی۔ گورڈن بہت تیزی سے نکلا تھا۔ سڑک پر آکر اس نے فری وے کا رخ کیا۔ چند سیکنڈ میں سب اربن علاقہ میدانِ جنگ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ہر سمت سے سائرن کی تیز آوازیں آ رہی تھیں۔ جلتے ہوئے مکان سے شعلے اور دھواں اٹھ رہا تھا۔ بم اسکواڈ، ایمبولینسز، فائر گنز...... سب کا رخ کرائم سین کی جانب تھا۔

شیرن سڑک کی سمت مڑی۔ اس کے اعصاب سخت کشیدہ تھے۔ دماغ جیسے دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ بیمبو ہونڈا کے لیے ائرکور کا آرڈر دے رہا تھا۔ کونگ نے شیرن کی جیکو بی سے بات کرائی۔ شیرن نے اسے بتایا کہ وہ ٹھیک ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ مرتے مرتے بچی تھی۔ دھماکوں کی گونج گویا اب سماعت میں تھی۔ سانس لینے میں مشکل کا سامنا تھا اور نظر بار بار دھندلا رہی تھی...... کونگ کے سہارے شیرن کار کی طرف چلی۔ معاً خوف زدہ بچوں کا چہرہ تصور میں ابھرا...... وہ خاموش تھی۔ معاً اس کے گھٹنے مڑے اور بروقت کونگ نے اسے گرنے سے بچایا۔

☆☆☆

شیرن کی آنکھ ایمرجنسی روم میں کھلی۔ وہ ہلکے پھلکے لباس میں تھی۔ بلٹ پروف الگ کر دی گئی تھی۔ جو اس کے قریب کرسی پر بیٹھا تھا، آنکھ کھلتے دیکھ کر اس نے شیرن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ''ہیلو، ہنی۔ آر یو او کے؟''

شیرن نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ جو ہنسا اور شیرن کی پیشانی پر بوسہ ثبت کیا۔

''میں کتنی دیر سے بے ہوش تھی؟''

''دو گھنٹے...... ویسے تمہیں وہیں بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا۔''

شیرن نے کونگ اور براڈی کے علاوہ دوسروں کے بارے میں پوچھا۔

''تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔''

''مجبوری تھی۔'' شیرن نے کہا۔ ''گورڈن کہاں ہے؟''

''وہ حد سے زیادہ مکار ہے۔ وہ جس گاڑی پر نکلا ہے

ایکس ٹین گاڑیاں ہیں۔ ائرکور فضا میں ہے لیکن وہ اسے کھو چکے ہیں۔''

''اور بچے؟''

''ضرورت پوری ہونے تک وہ ان کو زندہ رکھے گا۔''

''آہ...... ہائی فرینڈ افراد کو وہ دوسری مرتبہ الو بنا گیا لیکن اس نے مجھے ہی مارنے کی کوشش کیوں کی؟''

''بدلہ...... تم نے ہی اسے رقم سے محروم کیا تھا۔''

''وہ معصوم بچوں کو کیوں مار رہا ہے؟''

''ہاتھ آجائے تو آگہی ہو سکتی ہے۔'' جو نے کہا۔

☆☆☆

جیکو بی نے آرام کے لیے شیرن کو چند روز کی چھٹی دے دی تھی۔ اسپتال سے رخصت ہو کر وہ گھر جا رہے تھے۔

''بحث مت کرنا۔ گھر پہنچ کر تم ہاؤس اریسٹ رہو گی۔'' جو نے کہا۔

''او کے۔''

''ہم گھر پہنچ گئے ہیں۔'' جو نے کچھ دیر بعد اطلاع دی۔

شیرن نے آنکھیں کھولیں۔ سائڈ واک پر آنے میں اس نے شیرن کی مدد کی۔ حالانکہ وہ اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''...... کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

جواب دینے سے پیشتر شیرن کی نگاہ رہائشی عمارت کے بالمقابل پڑی۔ جہاں نیلے رنگ کی ہنڈا ویگن کھڑی تھی۔

''وہ کیا ہے؟'' شیرن کا دل شدت سے دھڑکا۔ جو کے جواب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جان گئی کہ وہ کیا دیکھ رہی ہے۔

بیس فٹ کے فاصلے سے بھی وہ ونڈ شیلڈ کی لکھائی پڑھ سکتی تھی۔ شیرن کو لگا کہ اس کے جوتوں میں انگارے رکھ دیے گئے ہوں...... اسے کیونکر پتا چلا کہ میں کہاں رہتی ہوں؟ وہ یہاں کیوں آیا؟ شیرن تیز قدموں سے لیک اسٹریٹ ٹریفک سے بچتی ہوئی ہونڈا تک پہنچی۔ کھڑکی کے شیشے کی دوسری طرف نشست پر بچے موجود تھے۔ لڑکے کی کنپٹی پر سرخ نشان دکھائی دے رہا تھا۔

وہ انسان نہیں کوئی خون آشام بلا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے کو شوٹ کر دیا تھا جبکہ اس کی ہر بات مانی گئی تھی۔ شیرن کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

وہ دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ جو نے عقب سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''یہ ٹریپ ہو سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ بچے سو

بہترین تحریریں، لاجواب روداد
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ ستمبر 2018ء کی جھلکیاں

یہ پراسرار بندے

اپنے خون سے تاریخ رقم کرنے والے
شیر جواں کی داستانِ لہو رنگ

سپر اسٹار

ایک سپر اسٹار، ایک ہر دلعزیز نغمہ نگار
اور ایک معروف گلوکار کا تذکرہ

پکار

محبت کے تکون میں الجھی ایک
شہید فوجی کی دلچسپ سچ بیانی

اس کے علاوہ

پسندیدہ ترین سفرنامہ ''شمشال سے ٹورنٹو'' لہو کی گردش تیز کر دینے والی طویل روداد ''ناسور'' اور بھی بہت سی سچ بیانیاں، سچے قصے، تاریخی واقعات، گویا وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں، آپ کو پڑھنا چاہیے۔

آج ہی نزدیکی بک اسٹال
پر نیا شمارہ مختص کرا لیں

نہیں رہے بلکہ بے ہوش ہیں..... بم اسکواڈ کو بلواؤ۔'' وہ بولا۔

شیرن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے سیل فون نکال کے کال ملائی..... کچھ دیر بعد وہاں متعلقہ افراد ساز و سامان کے ساتھ منڈلاتے نظر آتے۔ ایک ایمبولینس اور ایک پولیس کار بھی تھی۔

طے یہ ہوا کہ گاڑی کی چھت کاٹ کے بچوں کو نکالا جائے۔ بچے بحفاظت نکال لیے گئے۔ جو کا خدشہ ٹھیک تھا۔ چاروں دروازے بلاسٹ وائر ڈ تھے۔ کوئی دروازہ بھی کھلتا اور گاڑی آگ کا گولا بن کے دھماکے کے ساتھ اُڑ جاتی۔

''یہ آدمی مکمل پاگل ہے۔'' جو نے کہا۔ ''یہ دہشت گرد ہے۔ موقع ملتے ہی اسے شوٹ کر دو۔'' اس نے بچی کو اٹھایا۔ ''جب تک وہ مر نہیں جاتا۔ میں ٹھیک طرح سو نہیں سکتی۔''

☆☆☆

دھماکے کی وجہ سے تمہیں معمولی زخم بھی آئے ہیں۔ گورڈن کو ایف بی آئی دیکھ رہی ہے۔'' جیکو بی بول رہا تھا۔ ''تم نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر کام کیا۔ بچے بھی محفوظ ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ چند روز آرام سے گزارو۔''

شیرن جانتی تھی کہ جیکو بی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے جسمانی اور جذباتی آرام کی ضرورت تھی۔

''سن لیا..... بس اب ہر کام بھول کر میرے ساتھ آرام کرو۔'' جو نے ذومعنی انداز میں کہا۔ جو نے نظر بچا کر آنکھ ماری۔

''تم آرام کرنے دو گے؟''

''کیوں نہیں خدمت کروں گا۔ بس تم بستر پر رہنا۔''

شیرن نے مسکراہٹ دبائی اور جیکو بی کمرے سے نکل گیا۔

''کیا بکواس ہے؟'' شیرن نے کہا۔

''دل سے پوچھو، کیا بکواس ہے.....''

☆☆☆

شیرن اپنی ڈیسک پر تھی جب برنیڈا نے انٹر کام پر رابطہ کیا۔ نیچے تمہارے لیے کوئی پیکج ہے۔ سیکیورٹی گارڈ میٹل ڈیٹیکٹر کے ساتھ وہاں موجود ہے۔ شیرن سیڑھیوں کے ذریعے لابی میں گئی۔ گارڈ کے قریب سیاہ نائلون کا کمپیوٹر کیس تھا۔ لیبل پر ''شیرن'' لکھا تھا۔ اردگرد ٹیپ لپٹا تھا۔ شیرن کو کسی پیکیج کا انتظار نہیں تھا۔ اس نے میٹل ڈیٹیکٹر گھمایا۔

''اس کے اندر بھی میٹل ہے۔ لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ کیا چیز ہے۔''

''یہ کہاں سے آیا ہے؟'' شیرن نے استفسار کیا۔

''میں آنے جانے والوں کے بیگ چیک کر رہا تھا..... جب فارغ ہوا تو یہ میز پر رکھا تھا اور کوئی دعویدار نہیں تھا۔''

''میں بم اسکواڈ کو کال کر رہی ہوں۔ تب تک اس کی حفاظت کرو۔'' شیرن کو گزشتہ دھماکا یاد آیا۔ وہ لرز اٹھی۔ اس نے جیکو بی کو فون کیا۔ ''ممکن ہے کہ وہ خبیث ہال آف جسٹس کو اُڑانا چاہتا ہو۔''

''شیرن وہاں سے نکل جاؤ۔''

''تم بھی۔'' شیرن نے کہا۔ ''عمارت خالی کرانی پڑے گی۔'' چند سیکنڈ بعد ہی خطرے کا الارم بجنے لگا۔ سیکیورٹی ہیڈ پبلک ایڈریس سسٹم پر فائر وارڈنز کو احکامات جاری کر رہا تھا۔

عمارت تیزی سے خالی ہو گئی۔ ججز، جیوری، پروسیکیوٹرز، پولیس اور لاک اَپ میں موجود ملزمان..... شیرن کے دل کی دھڑکن کانوں میں بج رہی تھی۔ سات آٹھ منٹ میں عمارت خالی ہو گئی۔ ہال کے سامنے بم ٹرک بھی پہنچ گیا۔ بم اسکواڈ کا عملہ حفاظتی سامان سے لیس تھا۔ ان کے آگے ایک روبوٹ۔ جس کے ساتھ ٹرالی منسلک تھی۔ پیکٹ کو احتیاط سے ٹرالی پر رکھ کر باہر لے جایا گیا۔

شیرن کو یقین تھا کہ دھماکا ہو گا لیکن تھوڑی دیر میں تماشا ختم ہو گیا۔ ''بم اسکواڈ کے لیوٹیننٹ بل سیری نے بتایا کہ۔ بم تو کیسا پٹاخا بھی نہیں نکلا۔

''کیا تھا؟'' شیرن نے سوال کیا۔

''کرسمس کا تحفہ وہ بھی ستمبر میں۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

فون بجنے پر شیرن کال کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''خبر سن کر تم خوش ہو جاؤ گی۔'' پوکی کی آواز آئی۔

''اچھی خبر کو میں ترس گئی ہوں۔'' شیرن نے کہا۔

عمارت ایک بار پھر بھرنا شروع ہو گئی تھی۔ ''پوکی، میں تھوڑی دیر میں خوش خبری کے لیے تمہیں فون کرتی ہوں۔''

شائی، کونک اور شیرن، جیکو بی کے آفس میں تھے۔ مشکوک پیکٹ میز پر رکھا تھا۔

''شروع کیجیے۔'' کونک نے شیرن سے کہا۔

شیرن نے حرکت کی۔ ڈبا اور ایک لفافہ برآمد ہوا۔ جس پر شیرن کا نام لکھا تھا۔ لفافہ اس نے ساتھیوں کو دکھا کر اسے چاک کیا اور کاغذ کی تہ کھول کر اسے پڑھنا شروع کیا۔

''ہائی، شیرن..... میں نے کیسی ڈاؤلنگ کو قتل نہیں

کیا۔ اب تک جو بھی چرایا سب بھیج رہی ہوں..... میں نے غلط سوچا اور غلطیاں کیں۔ مالدار بننے کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ میرا خیال تھا کہ میرے پاس کوئی چوائس نہیں ہے۔ میں آئندہ کبھی چوری نہیں کروں گی۔ مارکس ڈاؤلنگ اپنی بیوی کا قاتل ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم کافی شواہد اور ثبوت اکٹھے کر چکی ہو۔ تمہیں تحریری بیان چاہیے تھا۔ میں نے لکھ دیا۔''

شیرن نے ڈبا کھولا تو سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کیسی، موری اور دیگر کے زیورات و جواہر پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ ڈبے میں الگ سے دو تین انچ کی چھوٹی سی ڈبیا رکھی تھی۔ شیرن نے اسے کھولا تو دنگ رہ گئی۔

''سیلون کا سورج۔''

براہِ راست دیکھنے کی شان ہی کچھ اور تھی۔

شیرن نے براڈی کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ پوکی کو فون کرتے کرتے رک گئی۔

''تم نے آج کے پیغامات نہیں پڑھے؟'' براڈی نے کہا۔

شیرن نے فون نکال کر پیغامات کی فہرست دیکھی۔ اس کی نگاہ پوکی کے پیغام پر جم گئی۔ ''پیٹر گورڈن کی بیوی ایف بی آئی کے دفتر آئی ہے۔''

☆☆☆

ہیڈی انٹروگیشن روم میں تھی۔ ٹراما کے اثرات نے اسے نڈھال اور نیم جان کر دیا تھا۔ اس کی دنیا تہ و بالا ہو چکی تھی۔ وہ بدل گئی تھی۔ وہ کیسے گورڈن کے ساتھ وقت گزارتی رہی..... دس برس تک کچھ نہ جان سکی۔ اس کے ساتھ سوتی رہی۔ اس کے بچوں کی ماں بنی۔ ہزار ہا عکس اس کے ذہن میں خلط ملط ہو رہے تھے۔

اور اب دس برس بعد گورڈن کی حقیقت اسے معلوم ہوئی تھی۔ اس نے ہر زاویے سے ہر چیز تباہ کر دی تھی..... کیوں؟ کیوں؟ تین گھنٹے سے بیمبو اس کا انٹرویو لے رہا تھا۔ وہ دونوں اکیلے تھے۔ ہیڈی نے اپنی یادداشت کا ہر خلیہ کھول دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ گورڈن کسی اور کی جان لے، وہ ہر بات ایف بی آئی کو بتا دینا چاہتی تھی۔ اس نے بتایا کہ عراق سے واپسی پر پیٹر گورڈن کی شخصیت میں تبدیلی آئی تھی۔ وہ زیادہ ترغصے میں رہتا تھا۔ اس نے گنز کے علاوہ گھر میں دھماکا خیز مواد بھی رکھا تھا۔ وہ ہیڈی کے ساتھ جو بدسلوکی کرتا تھا، اس کے نشانات بھی ہیڈی نے دکھائے۔ لُبِ لباب یہ تھا کہ وہ بیوی بچوں سے نفرت کرتا تھا۔ اپنی بھی اور دوسروں کی بھی..... ہیڈی نہیں جانتی تھی کہ اسے کیسے پکڑا جائے گا؟ اور کیا اس نے ہیڈی کو ایف بی آئی کی عمارت میں داخل ہوتے دیکھا ہے؟ اور کیا وہ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہے؟ ہیڈی کو کیا کرنا چاہیے؟ بچی کہاں ہے؟

دروازہ کھلا تو اس نے نظر اٹھائی۔ ایک خوب صورت وردی پوش عورت اندر آ رہی تھی۔ بیمبو نے تعارف کرایا۔ ہیڈی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے شیرن جو کا ہاتھ پکڑا۔ ''تم نے میرے بچوں کو بچایا..... میں بہت زیادہ احسان مند ہوں۔''

''ویل کم ہیڈی۔''

بیمبو، کمرے سے باہر چلا گیا۔

''ہیڈی، تم نے آخری بار شیری اور اپنے بیٹے کو کہاں دیکھا تھا؟''

''وہ میری بہترین دوست لارا کے ساتھ تھے۔ بوکرٹی، واشنگٹن اسکول۔''

''تم دونوں ٹیچر ہو؟''

''ہاں۔''

''لارا کہاں ہے؟''

''وہ مجھے اٹھانے کے لیے سڑکوں پر ہو گی۔ کیونکہ وہ گھر نہیں جا سکتی۔ اس نے اپنے ملعون شوہر کو چھوڑ دیا ہے۔ میرا گھر دھماکے کی نذر نہ ہوتا تب بھی میں وہاں نہ جاتی۔'' ہیڈی نے جواب دیا۔

''مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔ جو بتا سکتی ہو مجھے بتاؤ..... گھر پر جو کچھ ہوا، اس کے بعد تمہاری شوہر سے بات ہوئی؟''

''اس نے میرے لیے وائس میل چھوڑی تھی کہ وہ میرے بیٹے کو نہیں چھوڑے گا..... اور اس نے مجھے بُرا بھلا کہا تھا۔ اسے پانچ ملین درکار ہیں..... وہ مجھ سمیت بچوں کو ختم کر دے گا۔ اس کے بعد میں نے ایجنٹ بیمبو سے رابطہ کیا اور اپنا سیل فون بھی دے دیا۔ جس میں اس کا پیغام تھا۔''

سارجنٹ شیرن نے سر ہلایا۔ ''ایکسیلنٹ..... عراق سے واپسی پر اس کی ذہنی کیفیت بدلی ہوئی تھی۔ کیا یہ خراب ہوتی گئی؟ اور کیا تم نے کوئی وجہ تلاش کی؟''

''ہاں اس کا دماغ روز بروز بگڑ رہا تھا لیکن میں کوئی وجہ نہیں تلاش کر سکی۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ عراق میں اس کا کوئی افیئر شروع ہو کر جنگ کی نذر ہو گیا ہو جس نے اس کے دماغ کو متاثر کیا؟''

''میرے علم میں نہیں۔ اگر ایسا تھا بھی تو وہ بچوں کو

PakiBooks.com

کیوں مار رہا ہے؟''

''تمہارے والدین کہاں رہتے ہیں؟'' شیرن نے اگلا سوال کیا۔

''میری ماں تنہا تھی۔ اس کا انتقال پانچ سال پہلے ہوا تھا۔ سارجنٹ مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

دروازہ کھلا اور ایجنٹ بیمبو دوبارہ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہمدردی کے تاثرات تھے۔ اس نے ایک نشست سنبھالی۔

''ہیڈی، کیا تم نے وٹنس پروٹیکشن پروگرام کے بارے میں سنا ہے؟''

''نہیں، اور میں اچھی گواہ بھی نہیں ہوں۔''

''ہم تمہیں وٹنس پروگرام میں بچوں کے ساتھ بھیجیں گے۔ نئے پیپرز تیار کیے جائیں گے۔ نئی شناخت کے ساتھ تم امریکا میں کہیں بھی رہ سکتی ہو۔ نیز ہم تمہاری حفاظت بھی کریں گے۔ اگر ہم نے اسے پکڑ لیا تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم بہ آسانی گواہی دے کر وٹنس پروگرام میں چلی جاؤ گی۔''

ہیڈی کے دماغ میں مختلف خیالات آئے۔ جن میں لارا کا تصور سب سے اوپر تھا۔ ایجنٹ کی تجویز نہایت موزوں اور پرکشش تھی۔ بالآخر اس نے ان دونوں کو لارا کے بارے میں بتایا۔

بیمبو کچھ پریشان نظر آیا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ہم دونوں ایک فیملی کی طرح ہیں۔ لارا میرے بچوں کی گاڈ مادر ہے۔''

''اس میں خطرہ ہے۔ اگر لارا نے اپنے شوہر سے رابطہ کیا تو کیا ہوگا یا اپنے کسی جاننے والے سے ذکر کر دیا.....؟'' ایجنٹ نے خدشات کا اظہار کیا۔

''یہ ممکن نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔'' ہیڈی نے کہا۔ اس کے لہجے میں لجاجت تھی اور آنکھوں میں آنسو۔

ایجنٹ بیمبو میز پر انگلیوں سے ڈرم بجا رہا تھا۔ ''اوکے، ضروری انتظامات کے بعد تم دونوں کو سیف ہاؤس میں پہنچا دیا جائے گا۔ اب نکلنا ہوگا۔ کوئی فون کال نہیں..... کوئی گڈبائے نہیں۔ بس اس لباس کے سوا کچھ ساتھ نہیں جائے گا۔ اپنے ماضی سے اس طرح اچانک ناتا ٹوٹنے سے ہیڈی جذباتی ہوگئی۔ گردن نگوردن کا خوف..... اپنی زندگی اپنی جگہ اور محفوظ۔ اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے۔ چند منٹ بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی۔ ''شکریہ، تم دونوں کا بہت شکریہ۔ خدا تم لوگوں کی حفاظت کرے۔''

☆☆☆

شیرن، ہیڈی کے ساتھ سڑک پر چل رہی تھی۔ ''ہم لاس اینجلس کے ایف بی آئی کے سیف ہاؤس میں رات گزاریں گے۔ پھر تم لارا کے ساتھ فلائی کر جاؤ گی۔''

''مجھے بھی مت بتانا کہ وہ تمہیں کہاں لے جائیں گے۔ کسی کو نہ بتانا..... تمہاری دوست لارا کہاں ہے۔''

''اس سڑک پر ہونا چاہیے۔'' ہیڈی نے جواب دیا۔ چند منٹ بعد اس نے لارا کی نشاندہی کر دی۔

ہیڈی نے لارا سے بات کی پھر شیرن سے کہا۔ ''سارجنٹ شیرن، میری دوست لارا سے ملو۔''

دونوں کی خوب صورتی میں انیس بیس کا فرق تھا۔ لارا کے بال سرخی مائل تھے۔ اس نے شیرن سے ہاتھ ملایا۔

''سنو۔'' وہ بولی۔ ''بالآخر ملاقات ہوگئی..... خوشی ہوئی۔ بہت سی باتوں کا شکریہ۔'' لارا کے تاثرات ناقابلِ فہم تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ شیرن سے خائف ہے، کیوں؟

''بالآخر ملاقات ہوگئی؟ میں سمجھی نہیں۔'' شیرن نے کہا۔

''مطلب تمہارا بہت نام ہے۔''

دونوں بچے ساتھ..... عجیب فیملی تھی۔ دو عورتیں اور دو بچے..... کل کائنات۔ ہیڈی، لارا کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''خوش رہنا۔'' شیرن نے کہا۔

''تم بھی۔'' اس نے جواب دیا۔

ایک سیاہ سیڈان بھی وہاں آگئی۔ وہ ایجنٹ بیمبو تھا۔ کچھ دیر بعد تین گاڑیوں کا کارواں چل پڑا۔ سیڈان آگے تھی۔ فورڈ درمیان میں اور شیرن کی گاڑی عقب میں تھی۔ متاثرین کی زندگی ایک نئے موڑ کی جانب گامزن تھی۔

☆☆☆

پوکی اور شیرن کی آمد پر لیونارڈ پیری برہم تھا۔ شیرن اس کے دفتر سرچ وارنٹ حاصل کرنے آئی تھی۔ گہرے سرخ بالوں کی وجہ سے وہ ریڈ ڈاگ کہلاتا تھا۔ اس نے اعتراضات کرنے شروع کیے۔

''وہ اعتراف کر چکی ہے..... اس نے جیولری واپس کر دی ہے۔ لکھ کر دے دیا ہے۔ اگرچہ لیب میں جیولری پر فنگر پرنٹس نہیں ہیں..... شک کی بہت کم گنجائش ہے۔''

تاہم وہ متاثر نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کی ایک وجہ سان

فرانسسکو میں بڑھتا ہوا کرائم ریٹ تھا۔ اس کی وجہ بھی پولیس تھی۔ جو ڈی اے آفس میں ٹھوس شواہد پیش کرنے میں اکثر ناکام رہ جاتی تھی۔ شیرن اور پوکی نے خاصا سر کھپایا۔ ڈاؤلنگ کے دوسالہ افیئر کا بھی ذکر کیا۔ طلاق کی صورت میں اسے کئی ملین ڈالرز سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ قتل مفت میں پڑتا اور اتفاق سے ہیلوکٹی نے اسے موقع فراہم کر دیا۔

ریڈ ڈاگ نے جیولری کی تصاویر واپس کر دیں۔ ''برگلر کی گمنام کال اور یہ تمام باتیں ناکافی ہیں۔ کوئی ٹھوس ثبوت لے کر آؤ..... اس سے کام نہیں چلے گا۔''

☆☆☆

شیرن اپنے آفس پہنچی تو کافی بدمزہ تھی۔ کونک سے اس نے کہا۔ ''ریڈ ڈاگ کو ڈاؤلنگ کے ہاتھ میں اسموکنگ گن دیکھنی ہے..... تب ہی وہ وارنٹ جاری کرے گا۔''

کونک نے شیرن کو دیکھا۔ ''تم غصے میں ہو۔ سنو میں نے ڈاؤلنگ کی چند پرانی موویز دیکھی ہیں۔ اِدھر دیکھو۔'' اس نے کمپیوٹر گھمایا۔ شیرن نے ''نائٹ واچ'' نامی مووی کے پبلسٹی کلپ دیکھے۔

''یہ دس برس پرانی ہے۔ جرمی کشنگ کے ساتھ۔ ہٹ مووی تھی۔ اسے ''ہمپ'' کا نام دیا گیا تھا۔ وہ بولا۔

''پھر؟''

''یہ دیکھو۔'' اس نے ڈاؤلنگ کی طرف اشارہ کیا۔ جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے ہاتھ میں گن تھی۔

''مذاق کر رہے ہو۔ یہ اعشاریہ 44 ہے؟''

''اگر بلیک ہاک، سنگل ایکشن ریوالور..... سکس شوٹر، جرمی کشنگ کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہ تصویر دیکھو دونوں ہاتھ ملا رہے ہیں۔ جرمی نے گن عارضی طور پر ڈاؤلنگ کو دی تھی۔'' کونک نے ایک بٹن ہٹ کیا اور پرنٹ آؤٹ نکالا۔ شیرن نے پوکی کا نمبر ملایا۔ ''ریڈ ڈاگ کو دفتر میں روکو۔ میں واپس آرہی ہوں۔''

☆☆☆

ہم ڈاؤلنگ کے عالیشان بنگلے پر لنچ سے پہلے پہنچ گئے۔ تین گاڑیاں، پولیس سے بھری ہوئیں۔ شیرن نے گھنٹی بجائی اور ڈاؤلنگ کی شکل نظر آئی۔

''سارجنٹ۔'' اس نے کہا۔

''ہیلو اگین۔ انسپکٹر کونک کو تم پہچانتے ہو؟'' ڈسٹرکٹ اٹارنی کی اسسٹنٹ پوکی کاسٹی لانو کی طرف اشارہ کر کے تعارف کرایا۔

پوکی نے سرچ وارنٹ ڈاؤلنگ کے حوالے کیا۔ ''کیسی

کے ساتھ ماضی میں، میں اسکول جاتی تھی۔'' پوکی نے کہا۔

''تم لوگ یہ نہیں کر سکتے۔'' ڈاؤلنگ کے نقوش بگڑ گئے۔ شائی، مک نیل، سیموئل، لیسکا اور دیگر اندر گھستے چلے گئے۔ شیرن نے ریڈ ڈاگ کو بتایا تھا کہ ڈاؤلنگ کبھی جرمی کے دیے ہوئے سوئیٹر کو ضائع نہیں کرے گا۔ تاہم مجھے ہلکا سا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

''رکو، تم لوگ کیا تلاش کرنے آئے ہو؟''

''جب ہم تلاش کر لیں گے تو تم دیکھ لو گے۔''

کچھ دیر بعد شیرن نے فون کی گھنٹی سنی۔ ڈاؤلنگ، وکیل سے بات کرتے ہوئے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ اسے فوراً گھر پہنچنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

شیرن بیڈ روم میں چلی گئی۔ وہ میٹرس کو بیڈ سے کھینچ رہی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ وہاں کوئی موجود ہے۔ شیرن نے مڑ کر دیکھا۔ سیاہی مائل رنگت کی ہاؤس کیپر وہاں کھڑی تھی۔ شیرن کو یاد آیا کہ کیسی کے قتل کے دوسرے دن وہ کونک کے ساتھ ڈاؤلنگ سے ملنے آئی تھی تو یہ عورت گھر میں نظر آئی تھی۔

''تم وینگی ہو؟''

''میں صرف ایک بدشکل غلام ہوں۔'' اس نے کہا۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

وینگی نے درخواست کی کہ شیرن اس کے ساتھ آئے۔ وہ شیرن کو تہ خانے کے لانڈری روم میں لے گئی۔ پھر اس نے واشر اور ڈرائر کے اوپر لائٹ جلائی..... دونوں ہاتھ ڈرائر کے اطراف میں ڈال کر ہوز پائپ سامنے کر دیے۔ وینگی نے ہوز پائپ کی طرف اشارہ کیا۔ ''جو تم تلاش کر رہی ہو، وہ یہاں پوشیدہ ہے۔'' اس نے بتایا۔

☆☆☆

ہم انٹرویو روم نمبر ٹو میں تھے۔ ڈاؤلنگ کو اندر لانے سے پیشتر شیرن کیمرا اور ٹیپ چیک کر چکی تھی۔ ڈاؤلنگ کو اس طرح بٹھایا گیا کہ اس کا چہرہ شیشے کی دیوار کی جانب تھا۔ شیرن نے جیکوبی کے لیے کیس کلوز کرنا تھا۔ اسے اپنے، کونک، پوکی اور ریڈ ڈاگ کے لیے اعترافِ جرم کی ضرورت تھی۔ ڈاؤلنگ کی گن پلاسٹک میں ٹیبل پر رکھی تھی۔ تاہم اس کے سکون نے شیرن کو متاثر کیا۔ لیکن وہ خود بھی پُرعزم تھی۔

ڈاؤلنگ اب بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی اسے چھو نہیں سکتا۔ ''میرا وکیل راستے میں ہے۔'' وہ بولا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ شیرن نے دروازہ کھولا۔

PakiBooks.Site

کرائم لیب کا بیلسٹک ٹیکنیشن کارل لوی تھا۔ شیرن نے گن والے پلاسٹک بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''لوی، ٹیسٹ ٹاپ پرائیرٹی ہے۔''

''سارجنٹ، ایک گھنٹے میں رزلٹ مل جائے گا۔'' اس نے ایویڈینس بیگ اٹھالیا۔

''مسٹر ڈاؤلنگ، تمہیں سمجھنا چاہیے کہ تمہارا کھیل ختم ہو گیا ہے۔ تمہاری بیوی کے جسم سے نکلنے والی گولیاں تمہارے ریوالور کی گولیوں سے میچ کر جائیں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ بہتر ہے کہ خود کو مزید مت پھنساؤ اور اصل کہانی سنا دو۔ ڈی اے تمہارے تعاون کے باعث کچھ ڈھیل دے سکتا ہے۔''

ڈاؤلنگ خاموش رہا۔

''انہونی کی کوئی امید نہیں ہے۔'' شیرن نے اعتماد سے کہا۔ کوہنگ باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو ساتھ ٹرے میں تین عدد کافی کا سامان اس کے ساتھ تھا اور وہ ''نائٹ واچ'' کے تھیم سانگ کی دھن گنگنا رہا تھا۔ شیرن نے ڈاؤلنگ کے تاثرات بدلتے دیکھے۔ کوہنگ کی چال نے حیرت انگیز اثر دکھایا تھا۔ شیرن نے محسوس کیا کہ ڈاؤلنگ ہتھیار پھینکنے کے قریب ہے۔ اس کا سیل فون بجا۔ اس نے آئی ڈی دیکھی اور فون کان سے لگایا۔ ''کہاں ہو تم؟ تم ناکارہ، فضول آدمی ہو۔ لعنت ہے تم پر۔'' وہ اپنے وکیل پر برس رہا تھا۔ پھر وہ جواب سننے کے لیے رکا اور فون بند کر دیا۔

''ڈی اے کو کال کرو، میں تم سے اپنی رضا سے بات کروں گا۔'' ڈاؤلنگ نے کہا۔ ''چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مجھے لکھنے کے لیے کچھ دو۔''

''نہیں، ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔'' شیرن نے کیمرے کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے سر ہلایا۔ وہ کیمروں کا عادی تھا۔

''کیسی کی ساکھ بچانے کے لیے میں نے جھوٹ بولا تھا۔ کیسی کو میری گرل فرینڈ کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ اس نے گن مجھ پر تان لی تھی۔ گن کے لیے ہمارے درمیان کشمکش ہوئی اسی دوران گولیاں چل گئیں۔''

''چور کے جانے کے بعد؟''

''ہاں، وہ چلا گیا تھا۔ اسی وجہ سے کیسی کو آئیڈیا مل گیا۔ اس نے مجھے شوٹ کرنے کی کوشش کی۔ یہی سچ ہے۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سچ بات کر رہے ہو؟ تمہاری بیوی بے لباس تھی۔ اسے دو گولیاں لگیں۔ وہ غیر مسلح تھی۔ اس کی جلد پر گن پاؤڈر کے نشانات نہیں ملے۔ اس کا مطلب تم... کم از کم پانچ فٹ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ تجزیہ اور رپورٹ یہی کہتی ہے...... مسئلہ گن کی غیر موجودگی اور تمہارے شاور لینے کی وجہ سے اٹکا ہوا تھا۔'' شیرن نے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوا تھا۔''

''مسٹر ڈاؤلنگ ایسا ہی ہوا تھا۔'' کوہنگ نے کہا۔ ''یہ روگر سنگل ایکشن ریوالور تھا۔ ہر مرتبہ فائر کے لیے ہیمر کھینچنا پڑتا ہے...... ہیمر، بینگ...... ہیمر، بینگ...... کیا جیوری کو دفاعی تھیوری پیش کرو گے؟''

ڈاؤلنگ نے پھر اپنا بیان دہرانا چاہا۔ تاہم اس بار اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ ''اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ میں نے گن اس سے چھین لی تھی۔ شاید میں نے دو گولیاں چلا دی ہوں، میں بدحواس تھا۔''

''بدحواس تم اس وقت ہو۔''

''مجھے یاد نہیں، میں خوف زدہ تھا۔'' اس کی آنکھوں میں پانی نظر آ رہا تھا۔ ڈاؤلنگ ہاتھ پیر ڈال رہا تھا۔ ''آئی ایم سوری، میں اس سے محبت کرتا تھا...... کسی سے بھی پوچھ لو......''

دستک ہوئی۔ دروازہ کھولنے پر ڈاؤلنگ کا وکیل اندر آیا۔ ڈاؤلنگ کی جان میں جان آئی۔ ''زبان بند رکھو، ایک لفظ مت بولنا۔'' وکیل نے مؤکل سے کہا۔ ''چارج کیا ہے؟'' وکیل نے شیرن سے سوال کیا۔ شیرن نے غصہ دبایا۔

بیان ریکارڈ پر تھا۔ پرازیکیوشن، ڈاؤلنگ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا۔ شیرن نے وکیل کی طرف دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' اس نے ڈاؤلنگ سے کہا۔ ''تم زیر حراست ہو۔ تم نے اپنی بیوی کا قتل کیا ہے۔ تمہارا حق ہے کہ تم خاموش رہ سکتے ہو۔''

کوہنگ نے ہتھکڑیاں ڈالیں۔ شیرن نے اس کے قانونی حقوق پڑھ کر سنائے۔ وہ وکیل کو دیکھ کر بے جان انداز میں پھر ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ ''میں نے اپنا دفاع کیا تھا۔''

''کون جانتا ہے؟ ممکن ہے جیوری یقین کر لے...... اس فلم میں تمہاری اداکاری فیل ہو گئی ہے۔''

☆☆☆

''خیریت ہے؟'' شیرن نے کہا۔

''سوری، تاخیر ہو گئی۔'' اس نے کہا۔ ''میں میڈیکل ایگزامنر ڈیٹا بیس پر تھی۔''

''کچھ ملا؟''

''نہیں، وہ رقم کے لیے یہ بھیانک کھیل، کھیل رہا ہے۔''

''عجیب بات ہے۔'' سنڈی نے کہا۔ ''سیریل کلرز رقم

لیے خون کی پیاس نہیں بجھاتے، کیوں؟''

''ہاں، یہ ایک اسرار ہے۔'' شیرن نے کہا۔

''پانچ ملین ڈالرز کے ساتھ ایک اور ٹریپ۔'' کلیری نے دانت پیسے۔

''کیا؟ اگر یہ بھی فیل ہو گیا تو؟''

''اس سے پہلے کہ مزید لاشیں گریں، کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔''

''ہاں، لیکن اس بار میں شامل نہیں ہوں گی۔'' شیرن نے کہا۔ ''میں بھول نہیں سکتی وہ دن۔ نیم عریاں حالت میں، پبلک میں کیمرا لٹکا کر میں برج پر نہیں ٹہل سکتی۔ وہ شیطان کا نطفہ ہے۔''

''ہاں...... ایک آئیڈیا ہے۔'' کلیری نے کہا۔

شیرن ہنس پڑی۔

''مذاق اُڑا رہی ہو؟''

''نہیں، نہیں تم بتاؤ۔''

☆☆☆

نگراں وین میں وہ شیرن کا تیسرا دن تھا۔ کوہنگ اور جیکوبی ہمراہ تھے۔ بحث و تمحیص کے بعد کلیری کا پلان منظور ہو گیا تھا۔ وین ساؤنڈ پروف تھی اور بغیر وائر کے دو خواتین انڈر کور اہلکار کے ساتھ رابطے میں تھیں۔ اسٹرالرز میں ایک بے بی سائز گڑیا اور دوسرے میں ایک گدا رکھا ہوا تھا۔ اسٹرالرز میں کپڑے کے نیچے گن بھی رکھی تھی۔ دھوکا دینے اور قاتل کو پھنسانے کے لیے سات مزید اسٹرالرز مشکوک علاقوں میں گھوم رہے تھے۔ منصوبہ تیار کرنے سے پہلے انہوں نے قاتل کے انداز اور پیٹرن کا مطالعہ کیا تھا۔ تاہم وہ تیسرے دن بھی غائب تھا۔

اسی طرح سات اور وین مشکوک علاقوں میں گشت کر رہی تھیں۔ جن میں تین ڈویژنز کے پولیس اہلکار اور ایف بی آئی ایجنٹ بھی موجود تھے۔ اسٹرالرز زیادہ تر شاپنگ سینٹرز اور بڑے مالز کے آس پاس تھے۔

اس کے طریقہ کار کے مطابق اب تک کوئی نہ کوئی قتل ہو جانا چاہیے تھا۔ کلیری کا پلان اچھا تھا لیکن اسے فول پروف نہیں کہا جا سکتا تھا۔ شیرن نے اپنے ہیڈ سیٹ میں اچانک فائر کی آواز سنی۔ اس کا رابطہ ہیتھر سے تھا۔

''ہیتھر، بات کرو...... کیا گن فائر ہوا ہے؟''

''یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ آواز ہلکی تھی۔''

''کچھ نظر آیا؟''

''میں اسٹاک ٹن پر ہوں۔ شاید فائر کی آواز گیراج کی جانب سے آئی ہے۔''

شیرن نے جیکوبی اور کوہنگ کو پکارا۔ ''فائرنگ، ہیتھر ٹھیک ہے۔ کوئی کہاں ہے؟''

''کوئی ٹھیک ہے۔''

''کچھ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے، تمام رابطے برقرار ہیں۔ تاہم کچھ گڑبڑ ہے۔'' شیرن نے اور دوسروں نے بلٹ پروف پہنے ہوئے تھے۔ اسٹرالرز والیوں نے بھی بلٹ پروف پہنے تھے۔ شیرن عقبی جانب سے باہر نکلی۔ کوہنگ اور جیکوبی نے بھی تقلید کی۔

''کوئی جواب نہیں دے رہی ہے۔'' کوہنگ چیخا۔

شیرن کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔ کیا گورڈن ظاہر ہو گیا ہے؟

☆☆☆

چیٹی گورڈن عورت کے تعاقب میں تھا۔ اسٹرالر میں بچہ کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ چیٹی نے خود ہی عورت کا فرضی نام ولما رکھ لیا تھا۔ ولما کا ہینڈ بیگ اسٹرالر میں تھا۔ اس کا رخ سٹر اور اسٹاک ٹن کے گیراج کی جانب تھا۔ چیٹی گیراج سے واقف تھا۔ وہ بہت وسیع اور کئی منزلہ تھا۔ ہزاروں گاڑیوں کی گنجائش تھی۔ ٹاپ فلور کھلا تھا۔ وہ ہموار چال کے ساتھ دس قدم پیچھے تھا۔ اور کن انکھیوں سے کونے میں گارڈز کو دیکھ چکا تھا۔ جلد ہی وہ ایسے مقام پر آ گیا جو اس کے مقصد کے لیے موزوں تھا۔ اس نے ٹوپی جھکا لی۔ وہ ریپ کے ساتھ تنگ فٹ پاتھ پر آ گیا۔ جب ایک فیملی اس کے اور ولما کے درمیان حائل ہو گئی۔ ان کے ہٹنے کے بعد اس نے رفتار بڑھائی۔ اس کی آنکھیں شکار کو تلاش کر رہی تھیں۔ اسے فکر لاحق ہوئی کہ اس نے عورت کو کھو دیا ہے۔ معاً ولما کا ڈوٹ ڈریس پھر نظر آیا۔ وہ اسٹرالر کے ساتھ ایلیویٹر میں جا رہی تھی۔ چیٹی نے پھرتی دکھائی۔ لیکن ایلیویٹر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس نے روشن ہندسوں کو اوپر کی جانب بڑھتے دیکھا۔ تیسرے نمبر پر ایلیویٹر تھم گیا۔ اس نے سیڑھیاں پکڑیں اور تیزی سے تیسری منزل پر پہنچ گیا۔ سیڑھیاں پھلانگنے کے باوجود اس کی سانس متوازن تھی۔ اطراف کا جائزہ لے کر اس نے ولما پر سیدھی نظر ڈالی۔

ولما نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اس کے تاثرات خطرے کی نشاندہی کر رہے تھے۔ وہ پندرہ بیس سیکنڈ تک اسے گھورتی رہی پھر اسٹرالر گھما کر ایک کار کی طرف بڑھی۔ کئی منزلہ پارکنگ گیراج وسیع عمارت کے مانند تھا۔ جس کے اطراف میں بلند ترین عمارات آسمان کو چھونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''بس۔'' بیٹی نے آواز لگائی۔ ''کیا آپ چند سیکنڈ دے سکتی ہیں۔ میری پریشانی دور ہو جائے گی۔''

ولما شانے تک گردن موڑ کر چیخی۔ ''میں کچھ نہیں کر سکتی۔ دور رہو۔'' ولما کا ردِعمل ٹھیک تھا لیکن راہِ فرار نہیں تھی۔ مزید یہ کہ بچہ بھی ساتھ تھا۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرے سیل فون کی بیٹری ڈاؤن ہے۔'' بیٹی نے اپنا پرانا حربہ استعمال کیا۔

ولما کی پشت گاڑی کے ساتھ لگی تھی۔ رخ بیٹی کی جانب تھا۔ ایک ہاتھ اسٹرالر کے ہینڈل پر تھا۔ منہ آدھا کھل گیا تھا۔ شاید وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے بجائے بچے کی چیخ سنائی دی۔ ولما کا دوسرا ہاتھ اسٹرالر میں گیا۔ بچے کی چیخ بتا رہی تھی کہ ولما نہ تو ڈی کوائے ہے۔ اور بچہ بھی گڈا نہیں ہے......

ولما کا ہاتھ باہر آیا تو بیٹی نے اعشاریہ 22 کی جھلک دیکھی۔ بیٹی کو اس منظر کی توقع نہیں تھی۔ اس نے تیزی سے گن نکالی۔ تاہم غیر متوقع صورتِ حال ولما کے حق میں تھی۔ اس نے فائر کر دیا۔ گولی بیٹی کے کندھے میں لگی۔ گن اس کے ہاتھ سے نکل کر کنکریٹ کے فرش پر جا گری۔

وہ چلّایا۔ ''احمق کتیا!'' اس نے گن کی طرف جست لگائی۔ ایک اور گولی فرش پر اس کی ناک کے قریب ٹکرائی۔ اس نے کروٹ لی...... گن والا ہاتھ سیدھا کیا۔ گولیاں اس کے آس پاس برس رہی تھیں۔ بیٹی کے ہاتھ سے گن پھر نکل گئی۔ فائرنگ کرنے والی پولیس وومین ہوتی تو اب تک بیٹی کا ٹکٹ کٹ چکا ہوتا۔ تاہم ولما کی پہلی گولی نے قاتل کو گرایا بھی تھا اور متواتر فائرنگ کے باعث وہ اپنی گن تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔

بچہ رو رہا تھا۔ پہلی کے علاوہ ولما کی کوئی گولی بھی نشانے پر نہیں لگی تھی۔ وہ اناڑی تھی اور بیٹی کروٹیں بدل رہا تھا۔

☆☆☆

''میں سٹر کی طرف جا رہا ہوں۔ کوئی رابطے میں نہیں ہے۔ گولیاں اسٹاک ٹن گیراج میں چل رہی ہیں۔ شاید تیسرا یا ٹاپ فلور ہے۔'' جیکوبی چلّایا۔

''ڈی کوائے (ڈی) ہمارا نہیں ہے۔''

''پھر کوئی کہاں ہے؟ بہرحال ایمبولینس بلا لو۔''

شیرن نے کونگ کو پکارا۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے گیراج میں گھسے اور ایلیویٹر کے بجائے سیدھے سیڑھیوں کی جانب لپکے۔ شیرن کی گن ہاتھ میں تھی۔ کونگ بھی چوکس تھا۔ تیسری منزل تک پہنچتے پہنچتے فائرنگ تھم چکی تھی۔ شیرن کی نبض پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ اسے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ شیرن، پارٹنر کے ساتھ آواز کی سمت گئی۔ بیس پچیس سال کی ایک عورت سکتے کی حالت میں کھڑی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک آدمی ٹانگیں پھیلائے چت پڑا تھا۔ عورت کے ہاتھ میں گن تھی۔ آدمی کے قریب ہی ایک اور گن پڑی تھی۔ کونگ پیچھے ٹیم کو ہدایات دے رہا تھا۔

شیرن دھیرے دھیرے عورت کی جانب بڑھی۔ بیج دکھا کر اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''سب ٹھیک ہے۔ گن مجھے دے دو۔''

''یہ وہی ہے نا؟'' عورت نے لرزتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''ہاں وہی ہے...... یہ وہی قاتل ہے۔''

شیرن نے گن ہولسٹر میں رکھ لی اور عورت کے ہاتھ سے اعشاریہ 22 لے لیا۔ اعشاریہ 22 خالی ہو چکا تھا۔

دفعتاً عورت نے عالمِ وحشت میں شیرن کے عقب میں دیکھا۔ یہ لمحوں کا کھیل تھا۔ شیرن کے ذہن میں برق کوندی، وہ غلطی کر گئی تھی یا پھر قاتل ہی مکار تھا۔ عورت کے بدلتے تاثرات دیکھتے ہی شیرن نے بیک وقت تین کام کیے۔ پلٹ کے اندھا فائر کیا۔ تیسری منزل کے پہلے فائر کے بعد ہی وہاں موجود افراد بھی بھاگ گئے تھے یا روپوش تھے۔ اندھے فائر سے کسی کو نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں تھا۔ شیرن نے دوسرا، تیسرا کام یہ کیا کہ خود کو گراتے گراتے عورت کو ایک پارکڈ گاڑی کی آڑ میں دھکا دیا۔ چوتھا کام زخمی لپ اسٹک کلر نے کیا تھا۔ اسٹرالر والی عورت نے قاتل کو گن قابو کر کے نشانہ لیتے دیکھ لیا تھا۔ نہایت خفیف فرق رہ گیا۔ عورت کے گولی لگتی تو وہ ماری جاتی۔ اسے بچانے کے لیے شیرن مطلوبہ پھرتی نہ دکھا سکی۔ گولی شیرن کے دھڑ پر بائیں جانب ٹکرائی۔ وہ اچھل کر پہلو کے بل گاڑی سے ٹکرائی اور پیٹھ کے بل چت گری۔ بلٹ پروف نے اسے بچا لیا۔ لیکن ضرب اتنی شدید تھی...... گویا قوی ہیکل سانڈ کا سینگ سینے میں گھس گیا ہو۔ شیرن کی سانس رک گئی اور منہ کھل گیا۔ سینے میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ قاتل توقع سے زیادہ سخت جان تھا...... نشانہ بھی اس نے ٹھیک لگایا تھا۔ صورتِ حال مخدوش تھی۔ بچہ گاڑی کھلی جگہ پر تھی۔ وہ حلق پھاڑ کے چیخ رہا تھا اور گولی کے دھکے نے شیرن کو وقتی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ وہ کونگ اور ٹیم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کوئی کہاں ہے؟ سب سے زیادہ فکر اسے بچے کی تھی۔

شیرن نے توانائی سمیٹ کے سر اٹھایا۔ دھندلی نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ سیدھا کھڑا تھا۔ گن ہاتھ میں تھی۔

''شہزادی تم ابھی زندہ ہو...... پہلے اس منحوس عورت سے نمٹ لوں، پھر بچہ اور ایک گولی تمہارے سر میں۔'' شیرن کے حواس واپس آ رہے تھے۔ وہ حیران تھی کہ قاتل نے خون

لی غیر موجودگی کے باعث بلٹ پروف کی طرف دھیان لیوں نہیں دیا۔ وہ شیرن کو نیم مردہ خیال کر رہا تھا۔

معاً سائرن کی آوازیں آنا شروع ہوئیں اور تیزی سے بلند ہوتی چلی گئیں۔ صاف عیاں تھا کہ گیراج کو گھیر لیا گیا تھا...... قاتل کے چہرے پر نفرت اور غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے گن کا رخ اسٹرالر کی طرف کیا۔ ''میرے سر میں درد کر دیا ہے، اس کی آوازوں نے۔'' اس نے بے رحمی سے کہا۔ شیرن نے لات مار کے اسٹرالر کو گاڑی کے پیچھے پھینک دیا۔ گولی چلی اور قاتل کی غراہٹ بلند ہوئی۔ دوسرا فائر ہوا...... لیکن شیرن لوٹ لگا کے قریبی گاڑی کے نیچے چلی گئی اور اپنی گن نکال لی۔

''حرکت مت کرنا۔'' کونگ کی للکار سنائی دی۔

حکم کے برعکس بیٹی غیر یقینی سرعت سے پلٹا اور فائر کیا۔ کونگ ستون کی آڑ میں جا چکا تھا۔ شیرن نے گاڑی کے نیچے مشکل زاویے سے فائر کیا۔ گولی ضائع گئی لیکن قاتل کو ادراک ہو گیا کہ وہ پھنستا جا رہا ہے۔

''کونگ، مردود کو زندہ پکڑنا ہے۔'' شیرن نے کار کے نیچے سے جھانکا۔ ''خیال رہے کہ وہ مسلح ہے...... ہم اسے گیراج کی عمارت سے نکلنے نہیں دیں گے۔''

تمام بات چیت، دھماکے وغیرہ ایف بی آئی اور SFPD کے علاوہ ڈی اسٹرالرز کے ساتھ منسلک بے بی کی خواتین اہلکار بھی سن رہی تھیں...... دیکھتے ہی دیکھتے اسٹاک ٹن گیراج کی کئی منزلہ وسیع پارکنگ کے باہر اور اندر ایف بی آئی اور SFPD کی مشترکہ ٹیموں نے دھاوا بول دیا۔ شیرن کو جنونی قاتل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ شیرن نے اشارے سے عورت کی اس کار کے بارے میں پوچھا۔ عورت کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ شیرن نے سوچا اسے چوٹ لگی ہو گی لیکن بچے کی جان بچ گئی تھی۔ عورت نے اشارے سے ہی سفید ٹویوٹا دکھائی۔

''میں بچہ تمہارے حوالے کرتی ہوں...... اسے لے کر ٹویوٹا میں چھپ جاؤ۔ وہ آسانی سے چپ نہیں ہو گا۔ کوشش کرو کہ گاڑی کو مخالف سمت میں دور لے جاؤ۔ کیا وہ تمہاری ٹویوٹا کے بارے میں جانتا ہے؟'' شیرن نے آخر میں سوال کیا۔

عورت نے نفی میں جواب دیا۔

''شاباش تیار رہو...... تم بہت بہادر ہو۔ تم دونوں محفوظ رہو گے۔'' شیرن نے حوصلہ افزائی کی اور صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ وائرلیس میں ہیڈ فون کے ذریعے سب ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ شیرن نے مائیک میں اطلاع دی کہ قاتل جزوی طور پر زخمی ہے۔ ہیڈ فون کے ذریعے ہی اسے علم ہو گیا تھا کہ دو وین اور دو پولیس کارز تیسری منزل پر ہیں۔ خود وہ اور کونگ گاڑی کے بغیر تھے۔ اس کی عقابی نظر وہاں تھی جہاں اس نے بیٹی کو دیکھا تھا۔ معاً اس نے لوٹ لگائی اور اسٹرالر کے قریب چلی گئی۔ الٹے ہوئے اسٹرالر میں سے بچے کو اٹھایا۔ ہیڈ فون میں کونگ کو ہدایت دی کہ وہ اور دیگر ایجنٹ مختلف ستونوں سے اس جگہ کے آس پاس فائر کریں جہاں قاتل نظر آیا تھا۔ فوراً ہی دھماکوں کی آواز آئی اور شیرن جھک کر دوڑتی ہوئی واپس آ گئی۔ بچے کو ماں کے حوالے کیا۔ ''تم گاڑی میں دور ہو جاؤ۔ ریمپ کے ذریعے گاڑی باہر لے جانے کی کوشش مت کرنا۔ وہاں کنارے کے ساتھ آخری ستون سے پہلے خالی جگہ ہے۔ وہاں جاؤ اور سیٹ پر لیٹ جاؤ۔ میں دو ایجنٹ جلد ہی تمہاری حفاظت کے لیے روانہ کروں گی...... گڈ لک۔''

معاً ستونوں اور گاڑیوں کے درمیان سے ایک سیاہ کرائسلر سیڈان نمودار ہوئی۔ ساتھ ہی فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔

''وہ سیڈان میں ہے۔'' کونگ کی آواز سنائی دی۔

''تم اپنی کسی کار یا وین میں چلے جاؤ وہ نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ گاڑی اس کی نہیں ہے۔'' شیرن نے کہا۔ اس نے وہائٹ کرولا کی لوکیشن اور نمبر بھی بتایا...... ''کسی کو وہاں حفاظت کے لیے بھیجو۔''

ہیڈ فون کے ذریعے اطلاع بلا تاخیر پھیل گئی۔ کچھ دیر میں وہاں ایک ہنگامۂ قیامت و خیز بپا ہو چکا تھا۔ گولیوں کے دھماکے...... ٹائروں کی چرچراہٹ، ایک وین میں میگا فون سے اعلان ہو رہا تھا قاتل سرنڈر کر دے۔ باہر نکل کے بھی وہ کہیں نہیں جا سکتا......

قاتل پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''وہ ٹاپ فلور کی طرف جا رہا ہے۔''

''کونگ، میں یہاں ہوں...... کسی سے کہو مجھے کار میں اٹھا لے۔'' شیرن بے قرار تھی۔

کونگ کو کہنے کی ضرورت نہیں تھی سب نے سن لیا تھا...... کچھ دیر بعد شیرن، پولیس کار میں ٹاپ فلور کی طرف جا رہی تھی۔

☆☆☆

ٹاپ فلور کا منظر کسی فلم کے مانند تھا۔ کرائسلر سیڈان گھیرے میں تھی۔ FBI اور SFPD کی گاڑیاں اطراف میں کھڑی تھیں۔ متعدد آفیسرز گنز ہاتھ میں لیے چوکس کھڑے تھے۔ سائیکو کلر سیڈان کا دروازہ کھولے باہر کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ گاڑی کی چھت پر تھا۔ ایک جانب کپڑوں پر خون پہلے

سے زیادہ نظر آرہا تھا۔ اس کی گن قدموں میں پڑی تھی۔ انداز ایسا تھا کہ گویا پکنک پر آیا ہو۔

''گن ٹھوکر مار کے اِدھر کردو۔'' ایک آفیسر نے کہا۔

''یہ خالی ہے۔''

''جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔''

پٹی نے ایسا ہی کیا۔

''تم انڈر ارریسٹ ہو۔ ہتھکڑیاں پہن لو..... کوئی غلط حرکت نہ کرنا..... اور ہاں انجن بند کردو۔''

''ایک شرط ہے۔'' وہ خباثت سے مسکرایا۔

''کیا؟''

''ہتھکڑیاں، شہزادی پہنائے گی۔'' اس نے شیرن کو دیکھا۔

شیرن نے دانت پیسے۔ کونک نے کہا۔ ''جیکٹ اتار دو اور ذہن میں رکھو، تم شرط لگانے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

''میں ہوں۔'' پٹی مسکرایا۔ ''پوزیشن دیکھو، میری گاڑی کس رخ پر ہے..... کسی نے حرکت کی یا میری شرط نہیں مانی تو میں گاڑی میں بیٹھوں گا اور چند سیکنڈ میں گاڑی عمارت سے نیچے جائے گی..... مروں گا۔ روکنے کے لیے فائرنگ کی تب بھی مروں گا۔ آگے پیچھے سب تے مرنا ہی ہے۔''

پٹی نے خون آلود جیکٹ اتار کے گاڑی کی چھت پر ڈال دی۔ کونک نے ایک آفیسر سے ہتھکڑیاں لے کر شیرن کے حوالے کیں اور خود پٹی کی طرف چل دیا۔ پٹی نے ہاتھ اٹھا لیے۔ کونک نے تلاشی لی اور واپس آگیا۔

شیرن نے کونک کی آنکھوں میں دیکھا۔ کونک نے اثبات میں سر ہلایا۔ قاتل بظاہر پنجرے میں تھا۔ بے بس تھا لیکن شیرن کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

شیرن نے قدم بقدم آگے بڑھنا شروع کیا۔ تمام ہتھیاروں کا رخ پٹی کی طرف تھا۔ کونک بھی گن بدست چوکس تھا۔ شیرن کے لیے قاتل کا مطمئن رویہ پریشان کن تھا۔ قریب پہنچ کے اس نے ہاتھ بڑھایا اور سیڈان کا انجن بند کردیا اور پٹی کو ہدایت کی کہ وہ گاڑی سے دور ہو جائے۔ ''ہاتھ پیچھے کرلو۔'' وہ سعادت مند بچے کی طرح ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔

وہاں سناٹا طاری تھا۔ بظاہر سادہ صورتِ حال بھی خطرناک لگ رہی تھی۔ شیرن کا دماغ برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ قاتل کا اطمینان اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے مڑ کے کونک کی طرف دیکھا۔ کونک نے اشارہ کیا۔ شیرن نے ہتھکڑی قاتل کے ہاتھ سے لگائی ہی تھی کہ اچانک وہ بلند آواز میں بولا۔ ''ایک سگریٹ پی لوں۔'' بولتے ہی وہ مڑا..... شیرن کی آنکھوں میں روشنی ستارے کی مانند چمکی۔ آٹو سسٹم کے تحت پٹی کی آستین کے نیچے سے کھٹ کی آواز آئی۔ جو صرف شیرن ہی سن سکی۔ اس کے ہاتھ میں ریزر شارپ چاقو تھا۔ پٹی نے بے محابا شیرن کے پیٹ پر اتفی وار کیا۔ شیرن کو نصف سیکنڈ کی مہلت ملی ہوگی۔ وہ سگریٹ کی خواہش پر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ شیرن نے ہتھکڑیاں اس کے منہ پر ماریں اور پیٹ بچانے کے لیے پہلو بدلتے ہوئے لات اس کے گھٹنے پر ماری تاہم چاقو نے کام کر دیا تھا۔ شیرن گری، اسے پتا نہیں تھا کہ زخم کی نوعیت کیا تھی۔ پٹی وحشی جانور کے مانند اس پر چڑھا آرہا تھا۔ ہر وارننگ اور ہوائی فائر اس نے نظر انداز کر دیے۔ اس نے دروازے بند کر دیے تھے۔ بیک وقت دھماکے ہوئے۔ کونک کی گولی اس کی آنکھ میں گھس گئی..... جنونی قاتل کے جسم میں درجنوں سوراخ ہو گئے تھے جن میں سے خون اُبل اُبل کے پھیلتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

شیرن اسپتال پہنچنے تک ٹھیک تھی۔ ایمبولینس ضروری امدادی سامان سے لیس تھی۔ وہ معمولی فرق سے اپنا پیٹ بچانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ سان فرانسسکو خوف و دہشت کے پنجوں سے آزاد ہو گیا تھا لیکن باوجود اس کے..... شیرن نے سیریل کلر، ہیلوکٹی اور ڈاؤننگ..... تینوں کیس نمٹا دیے تھے۔ تاہم چند سوالات تشنہ رہ گئے تھے۔ پٹی گورڈن، عورتوں اور بچوں کو ہی نشانہ کیوں بناتا تھا؟ سیریل کلرز کا محرک دولت نہیں ہوتی۔ لیکن وہ رقم کا مطالبہ کرتا تھا..... کس لیے؟ اگر رقم ہی درکار تھی تو اس کے اور بہت سے طریقے تھے۔ ایک اور بڑا سوال یہ تھا کہ وہ شیرن کو کیوں مارنا چاہتا تھا؟ سائیکو کا دماغ سمجھنا ٹیڑھا کام ہے۔ یہ ایک لاینحل معما ہوتا ہے۔ اس نے آسان موت قبول کی تھی۔ اریسٹ ہو جاتا تو زیادہ بُرا حشر ہوتا۔ شیرن کو یقین تھا، زندہ ہاتھ آنے کی صورت میں بھی پٹی کی مرضی کے خلاف کچھ اگلوانا ممکن نہیں تھا۔

ڈاؤننگ کا کیس ہیلوکٹی کی وجہ سے حل ہوا۔ اگرچہ وہ خود نہیں پکڑی گئی لیکن شیرن کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ہیلوکٹی نے اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ بیش بہا زر و جواہر کی واپسی قابل قدر فیصلہ تھا۔ اب لپ اسٹک کلر کا باب بند ہونے کے بعد ان دونوں کو پروٹیکشن کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد تھیں۔ شیرن کے نزدیک دونوں کی دوستی اور محبت بھی شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ تاہم وہ اتنا سمجھ گئی تھی کہ دونوں کی محبت میں جنس کا تحریف شدہ پہلو بھی شامل ہے لیکن یہ اُن کا ذاتی معاملہ تھا۔

خواہشوں کا اسیر

تنویر ریاض

بچے ہمارے عہد کے ذہین سے چالاک ہو گئے... دھیمے دھیمے آگے بڑھنے کے بجائے... ایک ہی جست میں منزل تک پہنچنا ہر نوجوان کا مقصدِ حیات بنتا جا رہا ہے... ایک ایسے ہی نوجوان کی قلابازیاں... خواہشات نے اپنی تکمیل کے لیے ان راستوں کو تلاش کر لیا تھا جن کا انجام بالآخر سلاخوں تک لے جاتا ہے...

سچ اور جھوٹ کے پنڈولم میں جھولتے ملزم کی کشمکش.....

منگل کے دن کا آغاز ڈوگی پورٹی کی فون کال سے ہوا۔ وہ لوگوں کی ضمانتیں کرواتا ہے لیکن یہ میں نہیں جانتا کہ یہ اس کا کاروبار ہے یا پھر سماجی خدمت۔ بس مجھے یہ معلوم ہے کہ اس کا سوک سینٹر کے قریب ایک شاندار دفتر ہے۔ اپنے بل باقاعدگی سے ادا کرتا ہے لیکن اس نے مجھے کبھی کھانے پر نہیں بلایا۔

''اے ایمن۔''

''بولو ڈوگی، کیا بات ہے؟''

''تمہیں ایک مفرور کو تلاش کرنا ہے۔''

میں نے کاغذ قلم سنبھال لیا۔ ''نام بتاؤ۔''

''ریلی کوسپ۔''

میں نے قلم رکھ دیا۔ ''اس نے پھر دوبارہ کوئی حرکت کی ہے؟''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ سدھر گیا ہوگا؟''

''وہ سوما میں ایک چوری کی ہوئی کار چلاتے ہوئے پکڑا گیا۔ ہم نے اس کی ضمانت کا بندوبست کیا اور اس نے

PakiBooks.site

وعدہ کیا کہ وہ اس مرتبہ عدالت میں ضرور پیش ہوگا۔"

"تم اس کی ضمانت واپس لے لو۔"

"میں کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ جج نے غصے میں آکر اس کی ضمانت کے کاغذات پھینک دیے۔ اب اس کی ماں کو ضمانت کے طور پر مکان کے کاغذات جمع کرانا ہوں گے۔ وہ بہت اچھی عورت ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی مشکل میں آئے۔ میں ویسے بھی اسے پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ بچپن میں مجھے بسکٹ کھلایا کرتی تھی۔"

میں نے اس بارے میں غور کرنا شروع کیا۔ ریلی جیسے بدمعاش کا پیچھا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن ڈوگی جیسے مستحکم کاروباری شخص کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ میری آمدنی ایسے ہی لوگوں کی مرہونِ منت تھی۔

"اس کی ضمانت کتنے کی تھی؟"

"جج نے اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سختی کردی کیونکہ وہ عادی مجرم ہے۔ اسے پچیس ہزار ڈالر کا مچلکہ بھرنا پڑا۔"

ریلی کو پکڑنے پر مجھے اس رقم کا دسواں حصہ مل سکتا تھا جس سے مہینے کے باقی دن آرام سے گزر جاتے۔ لہٰذا میں نے اس کام میں ہاتھ ڈالنے پر رضامندی ظاہر کردی۔

"اس کے علاوہ ریلی کے لیے ایک وارنٹ اور بھی ہے۔ اس پر توہینِ عدالت کا الزام ہے۔"

"وجہ معقول نظر آتی ہے کیونکہ ریلی سے زیادہ کوئی شخص توہینِ عدالت کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔"

☆☆☆

میرا دفتر ہائیڈ پائر کے نزدیک رچمنڈ اسٹریٹ پر واقع ایک دو منزلہ عمارت کی اوپری منزل پر واقع ہے۔ میرے بالکل نیچے والی منزل پر ایک آرٹ گیلری ہے جو ہیری فلرنام کی ایک خاتون چلاتی ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں پندرہ برس چھوٹی ہے لیکن وہ عمر کو اہمیت نہیں دیتی کیونکہ ہم دو برس تک ایک جان دو قالب رہ چکے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو بھی مستقل تعلق قائم رکھنے میں دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی ہمیں کوئی دوسرا بہتر ساتھی مل سکا۔

جب میں اپنی گلی میں داخل ہوا تو ہیری اپنی گیلری کھول رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ شاید اسے گزشتہ شب کی دوڑ یاد آگئی تھی۔ ہیری کے ساتھ بھاگ دوڑ کر کے میں اپنے آپ کو بدمعاشوں کا تعاقب کرنے کے لیے فٹ رکھتا ہوں۔

"ہیلو ڈیئر۔" اس نے کہا۔ "ناشتا کرنے کا موڈ ہے؟ میں گیلری کو دوبارہ تالا لگا سکتی ہوں۔"

"معاف کرنا۔ میں مصروف ہوں۔ ڈوگی نے مجھے کسی مفرور کو پکڑنے کے لیے کہا ہے۔"

"کوئی ایسا شخص جسے میں جانتی ہوں؟"

"ریلی کوسپ ایک بار پھر مقررہ تاریخ پر عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ اگر میں اسے پکڑنے میں کامیاب ہوگیا تو خاصی معقول رقم ہاتھ آئے گی۔"

"گڈ! مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو کمائی پر توجہ دیتے ہیں۔"

☆☆☆

مجھے نوئے ویلی میں واقع ریلی کی رہائش گاہ تک پہنچنے میں آدھا گھنٹا لگ گیا۔ کسی زمانے میں یہ علاقہ سیکڑوں کم آمدنی والے خاندانوں کا مسکن تھا جو معمولی مکانوں میں رہتے اور کوچوان، چوکیدار یا کے جی ٹیچر کے طور پر کام کرتے تھے۔ 1970ء میں صرف دس ہزار ڈالر میں یہاں مکان مل جاتا تھا۔ شہر کے دوسرے علاقوں کی طرح نوئے ویلی کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا گو کہ ریلی کا ایک منزلہ مکان صرف تین کمروں پر مشتمل تھا لیکن اس کے عوض عدالت میں پچیس ہزار ڈالر کا مچلکہ داخل کیا گیا۔ اگر ریلی کی ماں یہ مکان فروخت کر دیتی تو وہ مقدمے کی کارروائی سے دستبردار ہوکر اپنی بقیہ زندگی جنوبی ساحل پر کسی جگہ سکون سے گزار سکتی تھی۔

وونڈا کوسپ کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ اس نے چشمہ لگا رکھا تھا اور گھر کے کپڑے پہنے ہوئے تھے جب اس نے مجھے دیکھا تو ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔

"مسٹر گولڈ!"

وہ مجھے اچھی طرح جانتی تھی کیونکہ اس سے پہلے میں ریلی کو کئی مرتبہ گھسیٹ کر لایا تھا۔

"تمہیں زحمت دینے کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

"بہتر ہے کہ تم اندر آجاؤ۔"

وہ مجھے لیونگ روم میں لے گئی۔ یہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا میں نے پچھلی بار دیکھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ابھی ہم بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس نے بولنا شروع کردیا۔

"میں یقیناً پاگل ہوجاؤں گی۔" اس نے کہا۔

"میڈم.....؟"

"ریلی کو جیل جانے سے بچانے کے لیے مجھے اپنے مکان سے ہاتھ دھونا ہوں گے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔"

"ابھی یہ معاملہ اتنا سنگین نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اسے ڈھونڈ لوں گا اور تمہارا مکان بچ جائے گا۔"

"مجھے اس بار اتنا یقین نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "ریلی بہت بدل گیا ہے۔ وہ بہت بُرے لوگوں کے ساتھ رہنے لگا ہے۔ میں انہیں پسند نہیں کرتی۔ بالکل بھی نہیں۔"

"وہ کس قسم کے لوگ ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تم تو جانتے ہو کہ ریلی نے کبھی بہت زیادہ دوست نہیں بنائے۔ وہ بہت اچھا لڑکا تھا لیکن لوگوں نے اس کی معصومیت اور سادگی کا فائدہ اٹھایا۔ میرا خیال ہے کہ اسے بھی یہ احساس ہوگیا تھا کہ زیادہ لوگوں سے قریب ہونا ٹھیک نہیں چنانچہ وہ ان سے دور ہوگیا۔ میں نے اسے گزشتہ کئی سالوں کے درمیان صرف تین یا چار لوگوں کا ذکر کرتے سنا جنہیں وہ نام سے جانتا تھا پھر وہ اچانک ان لڑکوں کے بارے میں باتیں کرنے لگا جن کے ساتھ وہ گھومتا پھرتا تھا اور یہ ایک ماں ہی جانتی ہے مسٹر گولڈ۔"

"کیا؟"

"کہ وہ اچھے لڑکے نہیں ہیں۔ دو ہفتے قبل وہ ان میں سے ایک کو گھر لے کر آیا۔ وہ دیکھنے میں ہی آوارہ لگ رہا تھا۔ اس کے کانوں، انگلیوں اور چہرے پر چھلے، اسٹڈ اور مختلف دھاتی اشیا نظر آرہی تھیں اور جگہ جگہ ٹیٹو بنے ہوئے تھے جبکہ ہمارے زمانے میں صرف ملاحوں کو ہی یہ شوق ہوا کرتا تھا۔"

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ٹیٹو بنوانا ان دنوں فیشن میں شامل ہے اور اس کی مخالفت سے ساری دنیا کا نقطہ نظر تبدیل نہیں ہوسکتا۔

"کیا تمہیں اس لڑکے کا نام یاد ہے؟"

"کیوں نہیں، ہر ماں اپنے بیٹے کے دوستوں پر نظر رکھتی ہے۔ اس کا نام گورڈی کارلٹن ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے؟"

"نہیں لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ریلی یہاں نہیں رہ رہا۔ اسے چھپنے کے لیے جگہ چاہیے۔ اس کے بہت زیادہ دوست بھی نہیں ہیں اور جیسا کہ تم نے بتایا کہ وہ اپنا بیشتر وقت گورڈی کے ساتھ گزارتا ہے اس لیے شاید وہ اسی کے گھر میں رہ رہا ہوگا۔"

"مجھے امید ہے کہ وہ وہاں نہیں ہوگا۔ میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی۔ وہ دیکھنے میں ہی خطرناک نظر آتا ہے۔ آدمی اپنے حلیے اور لباس سے پہچانا جاتا ہے۔ میں نے اسے ایک ایسی قمیص پہنے دیکھا جس پر انتہائی خوفناک تصویر بنی ہوئی تھی۔"

"تصویر؟"

"ہاں، وہ ایک ایسے شخص کی تصویر تھی جو بھیڑیے کے منہ میں لٹکا ہوا تھا انتہائی دہشت ناک۔"

"ہاں۔" میں نے کہا کیونکہ میں اس تصویر سے واقف تھا۔ وہ دراصل بائم بوائز تھا جس کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں کہ وہ سان فرانسسکو کا ایک بدنام گروہ ہے۔ اس کے نام میں شامل بائم، ہنٹرز پوائنٹ کی دو پہاڑیوں کے درمیان وہ علاقہ ہے جہاں تازہ لاشیں پھینکی جاتی ہیں۔ اس علاقے کی ساری غیر قانونی تجارت اس گروہ کے ہاتھ میں ہے جس کا اثر مقامی معیشت پر بھی پڑتا ہے۔ وہ اپنی چاپ شاپس کے لیے مشہور تھے جہاں چوری شدہ گاڑیوں کو کھول کر ان کے پرزے نکال لیے جاتے ہیں۔

اس لحاظ سے ریلی ان کے لیے کام کا بندہ تھا۔ انہیں اپنے کاروبار سے فوری فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔ بائم بوائز بہت زیادہ کامیاب یا اہم نہیں تھے لیکن وہ اپنے آپ کو وحشی سمجھتے تھے اور کسی بھی سڑک چھاپ گروہ کی طرح خطرناک ہوسکتے تھے جب میں نے ریلی کی تلاش کا بیڑا اٹھایا تو اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔

"پریشان مت ہو۔" میں نے وونڈا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں اسے تلاش کرلوں گا۔"

وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ "ریلی میرے لیے سب کچھ ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ ہمیشہ سے ہی کچھ بننا چاہتا تھا۔ زیادہ ہینڈسم، زیادہ مقبول، پیسے والا، وہ کبھی بھی موجودہ زندگی سے مطمئن نہیں رہا۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"وہ مجھ سے کہتا رہتا ہے کہ میرا خیال رکھے گا۔ 'ماں، میں بہت سا پیسا کماؤں گا اور ایک دن تمہارے لیے بڑا سا گھر بناؤں گا اور لوگ میری بھی عزت کریں گے۔ آج کل اسی کی عزت ہوتی ہے جس کے پاس پیسا ہو۔ وہ دن رات یہی خواب دیکھتا تھا لیکن تم جانتے ہو کہ کیا ہوا؟"

"کیا؟"

"یہ صرف باتیں ہیں۔ بڑی بڑی باتیں اور بڑے بڑے خواب۔ وہ محض اپنی خواہشوں کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔"

مجھے یہ جان کر بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی کہ ریلی، بائم بوائز کے ساتھ کام کررہا ہے حالانکہ میں خود بھی بہت سخت جان ہوں اور ایسے لوگوں کا مقابلہ کرسکتا ہوں۔ میں ریلی کو تلاش کرنے کے لیے اپنی حکمتِ عملی وضع کررہا تھا کہ مجھے یاد آیا، میں نے ایک گروہ کے لیے کام کیا تھا اور وہ میرا احسان مند

PakBooks.site

ہے۔ دراصل دو سال پہلے اس گروہ کے سربراہ نے طلاق کے سلسلے میں میری خدمات حاصل کیں۔ اسے شبہ تھا کہ اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ پیار کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ تحقیقات کے دوران میں یہ جانتے ہیں کامیاب ہو گیا کہ اس کی بیوی نے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ مل کر گومیز کو قتل کرنے اور اس کی پیسے کی رقم حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کے بعد گومیز کو بہ آسانی طلاق مل گئی اور اس کی بیوی سرکاری وظیفے کی محتاج ہو گئی۔ گومیز میرا احسان مند تھا، اس نے کہا کہ جب بھی مجھے اس کی ضرورت ہو تو میں اس سے رابطہ کر سکتا ہوں۔

میں نے اس سے سیل فون پر بات کی۔ رسمی سلام دعا کے بعد میں نے مطلب کی بات چھیڑی۔

''گورڈی؟'' گومیز نے کہا۔ ''کیا وہ کسی مشکل میں ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ مشکل میں ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔ اس کا تعلق باٹم بوائز سے ہے۔''

''پھر تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''اسے ایک ایسے شخص کے ساتھ دیکھا گیا ہے جسے میں تلاش کر رہا ہوں۔ میں گورڈی سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے میرے مطلوبہ شخص کو گزشتہ روز یا پچھلے چند دنوں میں دیکھا ہے۔''

''سچ تو یہ ہے کہ میں نے بھی گورڈی کو کئی دنوں سے نہیں دیکھا۔ پہلے وہ ہمارے ساتھ ہی ہوتا تھا لیکن اب وہ بہت کم نظر آتا ہے۔ تم کسے تلاش کر رہے ہو؟''

''اس کا نام ریلی کوسپ ہے۔''

''ہم اسے کیپٹن کوسپ کہتے ہیں۔''

''تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟''

''نہیں، کئی ہفتے ہو گئے۔ وہ پچھلے مہینے باڈی بنوانے کے لیے کچھ کاریں لے کر آیا تھا۔ اس کے بعد اسے نہیں دیکھا۔ تمہارے پاس قلم ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے گلوکمپارٹمنٹ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں اس کا آخری پتا لکھوا دیتا ہوں۔ شاید وہ اب بھی وہاں ہو یا ہو سکتا ہے کہ کہیں اور چلا گیا ہو۔ کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔''

میں نے گورڈی کا پتا اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا۔

''کیا ریلی کسی مشکل میں ہے؟''

''بہت بڑی۔ اب اسے مزید الزامات کا سامنا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عدالت اس کے ساتھ کوئی رعایت کرے گی۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ دہری مشکل میں پھنس گیا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''اسے ایک ہفتہ پہلے ایک مرسیڈیز ایس ای ایل کسی کو دینا تھی۔ اس نے وہ کار چوری کی۔ اسے تیار کیا اور پارٹی کو دینے کے بجائے کسی اور کے ہاتھ بیچ دی۔ وہ پارٹی بہت خطرناک ہے اور اسے دھوکا دینا آسان نہیں۔ سمجھ لو کہ میں نے تمہیں یہ بات نہیں بتائی لیکن یہ اس کے حق میں بہتر ہوگا کہ تم ریلی کو جلد از جلد تلاش کرو تاکہ وہ ایک بڑے عذاب سے بچ جائے۔''

''شکریہ۔'' میں نے کہا۔ ''گورڈی کو یہ مت بتانا کہ میں اس سے ملنے آ رہا ہوں۔ ویسے تو اسے مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھ کر چوکنا ہو جائے۔''

☆☆☆

میں نہیں جانتا تھا کہ ریلی مجھے گورڈی کارلٹن کے گھر پر ملے گا یا نہیں لیکن فی الحال میرے پاس اس تک پہنچنے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی نگرانی کرنے کے لیے اس کے گھر کے قریب ایک جگہ تلاش کی۔ وہ سیمنٹ کے بلاکوں کا بنا ہوا ایک احاطہ تھا جس پر کسی نے سفید رنگ پھیر دیا تھا۔ اس کے بیرونی دروازے پر ایک بلب لٹک رہا تھا۔ پورے صحن میں بیئر کے ناکارہ ڈبے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ڈرائیوے میں ایک فورڈ سیڈان کھڑی تھی۔ میں نے احتیاطاً اس کا نمبر نوٹ کر لیا کہ شاید بعد میں اس کی ضرورت پیش آ جائے پھر میں وہاں بیٹھ کر گورڈی کا انتظار کرنے لگا۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ میں بوریت اور انتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے اپنے سیٹلائٹ ریڈیو کی سوئی مختلف اسٹیشنوں پر گھماتا رہا پھر میں نے ای ریڈر پر ایک کتاب پڑھنا شروع کی لیکن وقت کسی طرح نہیں کٹ رہا تھا پھر میں نے سوچا کہ گھر کو آگ لگا دوں تاکہ جو کوئی بھی اندر ہے۔ وہ گھبرا کر باہر آ جائے لیکن اس میں بہت زیادہ خطرہ تھا لہٰذا میں نے مزید انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔

بالآخر شام سات بجے بیرونی دروازہ کھلا اور اس میں سے گورڈی کے حلیے سے ملتا جلتا شخص برآمد ہوا۔ اس نے باٹم بوائز کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ فورڈ میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اب میرے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا چنانچہ میں نے بھی اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ بے ویو کی طرف

جا رہا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ اس سے کچھ فاصلے پر رہوں اور کوئی ایسی حرکت نہ کروں جس سے وہ میری جانب متوجہ ہو جائے۔

اس نے گاڑی تھرڈ اسٹریٹ پر کھڑی کی اور ایک بار میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک اندھیرا پھیل چکا تھا اور میں اسے بیرونی کھڑکیوں سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسٹول پر بیٹھ گیا اور اس نے ایک بوتل بیئر کا آرڈر دیا۔ گورڈی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے گا چنانچہ میں سڑک پار کر کے ایک پیزا شاپ پر چلا گیا اور وہاں سے اپنے لیے دو سلائس اور ایک سوڈے کی بوتل خریدی۔ اس کے ساتھ ہی میری نظریں پورے وقت بار پر جمی رہیں۔ اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ ریلی اس سے ملنے وہاں آئے گا لیکن اگر اس کی ماں کی اطلاع درست تھی کہ آج کل ان دونوں میں گاڑھی چھن رہی ہے تو جلد یا بدیر وہ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ سکے گا۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ لوگ نائٹ کلب سے باہر آنا شروع ہو گئے تھے اور میں ابھی تک اپنی کار کی اگلی نشست پر بیٹھا ریلی کا انتظار کر رہا تھا۔ لوگ بار میں آ جا رہے تھے لیکن گورڈی وہاں سے ملنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور کسی کا انتظار کر رہا ہے۔

ڈیڑھ بج گیا لیکن ریلی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ بار بند ہونے کا وقت ہو رہا تھا۔ پھر میری نگاہ ایک شخص پر گئی جو بار سے باہر آ رہا تھا۔ اس کی عمر پینتیس یا چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ اس کے پہلو میں ایک نوجوان عورت تھی جو زیادہ سے زیادہ بیس بائیس کی ہو گی۔ وہ دائیں جانب مڑے اور ایک اے۔ بی۔ ایم کی طرف چلنا شروع کر دیا جو آدھے بلاک کے فاصلے پر تھی۔ لڑکی نے تین انچ اونچی ہیل پہن رکھی تھی اور بھڑکیلے لباس سے اس کی سماجی حیثیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ میں اس طرح کے تماشے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

''ایک منٹ ڈیئر۔'' میں نے دل میں اس کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا۔ ''میں کچھ پیسے نکال لوں تاکہ ہم اچھی طرح پارٹی سے انجوائے کر سکیں۔''

وہ دونوں مشین کی طرف بڑھ گئے۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا کہ میں کیوں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں لیکن فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ میں اس ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھنا چاہ رہا تھا۔

اس شخص نے اپنا کارڈ مشین میں ڈالا اور چند سیکنڈ بعد نکال لیا پھر لڑکی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''لگتا ہے کہ ابھی میری تنخواہ کا چیک کلیئر نہیں ہوا۔ اس لیے آج پارٹی نہیں ہو سکے گی۔ میں تمہیں گھر لیے چلتا ہوں۔''

لڑکی نے چند سیکنڈ کے لیے منہ بسورا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ مشین کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''کوئی بات نہیں۔ میں کچھ رقم نکال لیتی ہوں۔ تم مجھے بعد میں واپس کر دینا۔''

اس شخص نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ ہم پھر کبھی پارٹی کر لیں گے۔''

لڑکی نے اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور مشین کی طرف بڑھ گئی۔ میں جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ وہ اسے پیسے دے گی۔ وہ اس کے ساتھ ایک یا دو بلاک تک جائے گا اور کسی سنسان جگہ پر اسے کچرے کے ڈھیر پر دھکا دے کر خود فرار ہو جائے گا۔ گو کہ یہ طریقہ واردات کافی پرانا ہو چکا ہے لیکن اب بھی والدین سے ناراض لڑکیاں ایسے لوگوں کے جھانسے میں آ جاتی ہیں۔

اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ لڑکی نے مشین سے نکالی ہوئی رقم اس کے حوالے کی اور بازو میں بازو ڈال کر اس کے ساتھ اگلے بلاک کی جانب چل دی گو کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا اس کے باوجود میں ان کے پیچھے چل دیا۔ میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہ شہر کا وہ حصہ تھا جہاں سیاحوں اور اجنبیوں کو سورج غروب ہونے کے بعد باہر نکلنے سے منع کیا جاتا ہے۔ وہ جس جانب جا رہے تھے، وہ اس سے بھی بُرا تھا۔

میں ڈیڑھ بلاک کا فاصلہ طے کر کے ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس آدمی کو کہتے ہوئے سنا۔ ''یہاں ایک شبینہ بار ہے۔ اس کا راستہ اس گلی میں سے ہے۔''

میں جانتا تھا کہ یہاں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ اس لڑکی کو لے کر دو عمارتوں کے درمیان ایک خالی جگہ میں داخل ہوا۔ میں نے بھی اپنی رفتار تیز کی اور اپنے پستول کی نال اس کی کمر کے درمیان رکھ دی۔

''رک جاؤ۔'' میں نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔

وہ اپنی جگہ پر منجمد ہو گیا۔ لڑکی نے گردن موڑی اور میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس کے اور قریب ہو گئی۔

''اوہ میرے خدا۔'' وہ زور سے چلائی۔

''خاموش ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہیں لوٹ نہیں رہا۔''

اس نے مجھے غیر یقینی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''تم لوٹنے نہیں آئے؟''

''نہیں، بلکہ یہ تمہیں لوٹ رہا ہے۔'' میں نے اس آدمی کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''تم اس آدمی سے آج پہلی بار اس بار میں ملی تھیں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو میں نے کہا۔ ''یہ تمہیں لوٹ کر بھاگنے والا تھا۔ تم نے مشین سے کتنی رقم نکالی تھی؟''

''سو..... سو ڈالر۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

میں نے پستول کی نال اس آدمی کی کمر سے چبھوتے ہوئے کہا۔ ''اس کی رقم واپس کردو۔''

اس نے جیکٹ کی جیب سے پیسے نکال کر اس لڑکی کو دے دیے۔

''گھر جاؤ۔'' میں نے اس لڑکی سے کہا۔ ''اور جو کچھ تمہارے ساتھ ہونے والا تھا، اس کے بارے میں ضرور سوچنا۔ بہتر ہے کہ تم کسی کالج میں داخلہ لے کر کوئی باعزت پیشہ اختیار کرو اور شہر کے اس حصے سے ہمیشہ دور رہنا۔''

اس کے جانے کے بعد وہ آدمی بولا۔ ''اب میں جاؤں؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اپنا والٹ نکالو۔''

''کیا؟ اب تم مجھے لوٹو گے؟''

''والٹ نکالو۔'' میں نے سختی سے کہا اور اس کی کمر میں پستول کی نال کا دباؤ بڑھا دیا۔

اس نے اپنی جیب سے والٹ نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے کہا۔ ''اس میں سے اپنا لائسنس نکالو۔''

اس نے میرے کہنے پر عمل کیا تو میں نے اپنے فون سے اس کے لائسنس کی ایک تصویر لے لی۔ ''اسے واپس رکھ لو۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے تمہارا نام پتا ریکارڈ کرلیا ہے۔ آئندہ اگر تم سڑکوں پر نوجوان لڑکیوں کے ساتھ نظر آئے تو تمہیں کم از کم ایک ہفتہ اسپتال میں رہنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ تم یہ بات سمجھ گئے ہوگے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اس کی نظریں بدستور میری گن پر تھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ ''دفع ہوجاؤ۔''

اس کے جانے کے بعد میں بھی بار کی طرف چل دیا۔ اب وہاں ویرانی تھی۔ مجھے کارلٹن کہیں نظر نہیں آیا۔ میں اندر چلا گیا۔ موسیقی تھم چکی تھی اور ایک بارٹینڈر کاؤنٹر صاف کررہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''یہاں ایک شخص براؤن چمڑے کی جیکٹ پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔''

''تم کارلٹن کی بات کررہے ہو؟'' اس نے کہا۔

''ہاں وہی۔''

''وہ چلا گیا۔ شاید دس منٹ پہلے۔''

میں نے جیب سے ریلی کی تصویر نکالی اور کہا۔ ''تم اسے جانتے ہو؟''

''نہیں، لیکن وہ کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا۔ وہ اور کارلٹن ایک ساتھ گئے ہیں۔''

میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ کاش میں اپنا مورچا چھوڑ کر ان دونوں کے پیچھے نہ جاتا تو ریلی کو بہ آسانی قابو کرسکتا تھا لیکن جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ میں نے چند گھنٹے ہیری کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیا تاکہ صبح کو تازہ دم ہوکر نئے سرے سے کام کا آغاز کرسکوں۔

جب میں بار سے باہر آیا تو میری کار غائب تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ریلی کا ہی کارنامہ ہوسکتا ہے۔ میں کسی ٹیکسی یا اوبر کو بلا سکتا تھا لیکن اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ وہ مجھے نصف شب کے قریب بے ویو لے کر جائے تاکہ میں اپنی کار حاصل کرسکوں۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ جب میں اس لڑکی کی مدد کے لیے کار سے باہر نکلا تو میں نے اس کا دروازہ مقفل کیا تھا یا نہیں لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ریلی جیسے شخص کے لیے کار کا دروازہ کھولنا کون سا مشکل کام تھا۔

میں نے ہیری کو فون کرکے صورتِ حال بتائی اور اس سے کہا کہ وہ جلد از جلد میرے پاس پہنچ جائے۔

''فکر نہ کرو میری جان۔'' اس نے کہا۔ ''میں آدھے گھنٹے میں آرہی ہوں۔''

وہ پینتالیس منٹ بعد آئی۔ خاصی نکھری نکھری اور تروتازہ لگ رہی تھی۔ لگتا تھا کہ جیسے اس نے آنے سے پہلے شاور لیا ہو جبکہ میں اس کے مقابلے میں ایک آوارہ گرد لگ رہا تھا۔

''گویا شکاری خود شکار ہوگیا۔'' اس نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''ہم اس موضوع پر دوبارہ کبھی بات نہیں کریں گے۔'' میں نے جل کر کہا۔

وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''اچھا ناراض مت ہو۔ پولیس میں رپورٹ کرنا چاہتے ہو؟''

''ابھی نہیں، پہلے تم مجھے ہنٹرز پوائنٹ لے چلو۔''

''وہاں جانے سے بہتر ہے کہ میں یہیں اپنے آپ کو ختم کرلوں۔''

''تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ کار کہاں ہے۔''

چند منٹوں بعد ہم گورڈی کارلٹن کے مکان کے سامنے کھڑے تھے۔ میری کار وہاں موجود تھی لیکن گورڈی کی گاڑی غائب تھی۔

میں نے اپنا پستول چیک کرنے کے بعد ہیری سے کہا۔ ''اب تم گھر جاؤ۔ میں صبح فون کروں گا۔''

''تم کیا کرنے جارہے ہو؟''

''پہلے اپنی کار واپس لوں گا پھر ریلی کی تلاش میں نکلوں گا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

جب اس کی کار نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے گورڈی کے دروازے پر دستک دی جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، میں نے پستول اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔

''اندر چلو۔'' میں نے کہا۔

اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں اسے لے کر مکان کے اندر داخل ہوگیا لیکن فوراً ہی مجھے پچھتاوا ہونے لگا۔ پورے گھر میں ایک ناقابلِ برداشت بو پھیلی ہوئی تھی۔

''ریلی کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا لیکن تم کون ہو؟''

میں نے اسے اپنا لائسنس اور بیج دکھایا۔ ''تم اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ کچھ دیر پہلے بے ویو میں فوڈ اسٹریٹ پر واقع ایک بار میں تم ریلی کے ساتھ تھے۔''

''ہاں، وہ میرے ساتھ تھا۔ ہم اکٹھے یہاں آئے۔ ایک ایک سگریٹ پیا پھر وہ چلا گیا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''تم نے اسے اپنی کار دی؟''

''کیا؟'' وہ زور سے چلایا اور مجھے دھکیل کر دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ کھلے ہوئے دروازے سے دیکھ سکتا تھا کہ اس کی کار وہاں نہیں تھی۔ اس نے غصے میں آکر اپنا پاؤں زمین پر پٹخا۔

''لعنت ہو اس پر۔ کسی پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔''

''میرا خیال ہے کہ اس نے تمہاری کار پر بھی ہاتھ صاف کردیا۔'' میں نے کہا۔

''اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا.....''

''اب وہ اتنی جلدی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ ایک بڑی قانونی مشکل میں ہے اور اگر تم اس کی مدد کرتے رہے ہو تو تم پر بھی ایک مفرور کو پناہ دینے کا الزام عائد ہوسکتا ہے۔''

''اپنی زبان بند رکھو۔ میں اس طرح کی پریشانی میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

''پھر مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟''

گورڈی سیدھا کھڑا ہوا، اور کاؤچ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''جیسا کہ میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اس نے صبح مجھے فون کرکے کہا تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ میں بائم بوائز کے گیراج سے اسے مزید بزنس دلانے میں مدد کروں۔ اس نے صرف یہ بتایا کہ وہ ٹینڈرلین کے علاقے میں ہے۔''

''کوئی پتا بتایا؟''

''نہیں صرف ٹینڈرلین۔ بس میں یہی جانتا ہوں۔''

میں نے اپنا پستول ہولسٹر میں رکھ لیا۔ ''اسے مت بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر مجھے معلوم ہوگیا کہ تم نے اسے کوئی اشارہ دیا ہے تو میں واپس بھی آسکتا ہوں اور تم ایسا نہیں چاہوگے۔''

''پریشان مت ہو۔ مجھے امید ہے کہ میرے کچھ کہنے سے پہلے تم اسے تلاش کرلوگے۔''

اگلے روز سہ پہر کے وقت میں اپنی کار میں سوما کے علاقے میں گھوم رہا تھا۔ مجھے اب تک ریلی کی تلاش میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی اور میں اس کا تعاقب کرتے کرتے تھک چکا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے ساتھ ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا اور کار کی ڈکی میں کچھ بیڑیاں رکھ لی تھیں۔ اس کے علاوہ فرنٹ سیٹ کے نیچے شاٹ گن بھی تھی۔

ریلی کی دو کمزوریاں تھیں۔ اسے کاروں کے علاوہ باسکن رابنس کی چاکلیٹ آئسکریم بھی بہت پسند تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر وہ ٹینڈرلین کے علاقے میں ہے تو جلد یا بدیر وہ اپنی پناہ گاہ سے نکل کر آئسکریم کھانے ضرور آئے گا۔

میں باسکن رابنس کی پارکنگ لاٹ میں اپنی کار میں بیٹھا ریڈیو پر فٹ بال میچ کی کمنٹری سن رہا تھا۔ میرے کان ریڈیو اور نظریں آئسکریم اسٹور پر تھیں۔ میری دلچسپی بڑھتی جارہی تھی۔ ایک ٹیم نے گول کردیا تھا جس کے بعد میچ میں مزید تیزی آگئی عین اسی وقت میری نظر ریلی پر گئی جو فٹ پاتھ سے اتر کر آئسکریم اسٹور کی طرف جارہا تھا۔

میری توقع کے مطابق وہ اسٹور میں داخل ہوگیا۔ مجھے شیشے کے پار سب نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی پسندیدہ آئسکریم کا آرڈر دیا۔ جب وہ کاؤنٹر کے سامنے ایک بوتھ میں بیٹھ گیا تو میں اپنی کار سے باہر آیا۔ سڑک پار کی اور اسٹور میں داخل ہو

PakiBooks.club

گیا۔

"ریلی۔" میں نے کہا اور سر ہلاتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

"ہائے مسٹر گولڈ۔" وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے بولا۔

میں نے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کو لائسنس دکھایا اور اسے اپنا کارڈ دیتے ہوئے بولا۔ "میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں اور بھگوڑوں کا شکاری ہوں اور یہ شخص کار چوری کے الزام میں مفرور ہے۔ میں اسے گرفتار کر رہا ہوں۔ براہ کرم تم پُرسکون رہنا۔"

کاؤنٹر والے نے ریلی کی طرف دیکھا پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "ہماری طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی لیکن یہاں کوئی ہنگامہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"بے فکر رہو۔" میں نے کہا اور اپنے لیے ایک کون آئسکریم کا آرڈر دے دیا۔

اس نے مجھے کون پکڑائی اور میں اسی بوتھ میں چلا گیا جہاں ریلی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

"تمہارا خیال ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟" اس نے آئسکریم کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، تم ہمیشہ یہی کرتے ہو۔" میں نے کہا۔

"میرا یہ مقصد نہیں تھا مسٹر گولڈ۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ عدالت میں پیش ہونا ہے لیکن ایک کے بعد ایک ایسے حالات ہوتے گئے کہ میں وقت پر عدالت نہیں پہنچ سکا۔"

"تمہیں معلوم ہے۔" میں نے کون کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ماں نے ضمانت کے طور پر اپنا مکان گروی رکھ دیا ہے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں لیکن ڈوگی اس پر تیار نہیں ہوگا۔ وہ پانچ چھ سال کی عمر سے اس کا لے پالک بیٹا بنا ہوا ہے۔"

"تم شاید ضرورت سے زیادہ اس پر بھروسا کر رہے ہو لیکن اب وہ بہت ناراض ہے۔ وہ تمہاری ماں کے مکان پر قبضہ کرے گا اور اس سے وہاں رہنے کا کرایہ وصول کرتا رہے گا۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ ایسا کرے گا۔"

اس نے آئسکریم ختم کی اور خالی کپ کوڑے دان میں پھینکنے کے بعد کھڑا ہو گیا۔

"تم مجھے ہتھکڑی لگاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم ریلی، کیا میں ایسا کروں؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مسٹر گولڈ۔"

میں نے اپنی کون ختم کی اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد کھڑا ہو گیا۔

"کیا میں ایک کپ اور لے سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ چاکلیٹ آئسکریم کا ایک کپ اور لے کر آیا اور میرے ساتھ چلتا ہوا کار تک آ گیا۔ میں نے اس کے لیے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا اور جب وہ بیٹھ گیا تو دروازے کو مقفل کر دیا۔ اس کے بعد میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ابھی ہم نے دو بلاک کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟" اس نے کہا۔

"اس کا انحصار کام کی نوعیت پر ہے۔"

"اگر میں تمہیں اپنی ماں کا فون نمبر دوں تو کیا تم اسے بتا دو گے کہ میں جیل میں ہوں۔"

"کوئی مسئلہ نہیں۔ میں اسے بتا دوں گا۔"

"کیا تمہارے پاس لکھنے کے لیے کچھ ہے؟"

میں نے کار سڑک کے کنارے کھڑی کر کے انجن بند کر دیا۔ پھر میں نے گلوو کمپارٹمنٹ کھول کر نوٹ پیڈ اور اپنی جیب سے بال پوائنٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

ریلی نے نوٹ پیڈ پر ایک نمبر لکھنا شروع کیا پھر وہ ذرا سا گھوما اور اس نے وہ بال پوائنٹ میری دائیں ران میں گھونپ دیا۔ جیسے ہی میں نے اپنی ٹانگ سے وہ پین نکالنا شروع کیا۔ ریلی نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ میں نے شاٹ گن نکال کر اس کے پشت کا نشانہ لیا۔ جس میں پسا ہوا پہاڑی نمک بھرا ہوا تھا۔ اس نے بظاہر یہی سمجھا ہوگا کہ اسے گولی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ وہ ہوا میں تقریباً دو فٹ اچھلا اور لہراتا ہوا گھاس پر گر گیا۔

"اوہ میرے خدا۔ تم نے مجھے گولی مار دی۔" اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

اگر میں واقعی اسے گولی مار دیتا تو اس کی آواز بھی نہ نکلتی۔ یہ اس نمک کا اثر تھا جو اس کے زخم میں جا کر اپنا کام دکھا رہا تھا۔ میں نے شاٹ گن دوبارہ سیٹ کے نیچے رکھی اور بمشکل کار سے باہر آنے میں کامیاب ہو سکا۔ بال پوائنٹ ابھی تک میری ران میں گھسا ہوا تھا۔

میں لنگڑاتا ہوا ریلی کے پاس پہنچا جو ابھی تک گھاس پر لوٹ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹ پر تھے۔ میں نے اس کی کمر پر پاؤں رکھا اور اسے ہتھکڑی پہنا دی۔ "دیکھو ریلی، یہ تم نے کیا کر دیا۔" میں نے اپنی ٹانگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے تمہاری ماں کو بتانا ہوگا کہ میں نے تمہیں گولی کیوں ماری۔"

میں نے اسے اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر پیٹ کے بل لٹا دیا۔ اس کے زخم مہلک نہیں تھے لیکن انہیں ٹھیک ہونے میں کئی دن لگ سکتے تھے جب تک اس کی کھال کے نیچے سارا نمک حل نہ ہو جاتا۔ میں اپنی کار اسپتال لے گیا اور ایمرجنسی روم کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر دی۔ پھر لنگڑاتا ہوا انتظار گاہ میں گیا اور کئی سیکنڈ تک نرسنگ اسٹیشن کے سامنے کھڑا رہا۔ اس امید پر کوئی میری طرف متوجہ ہو۔

بالآخر ایک نوجوان عورت کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس کے گلے میں لٹکا ہوا بیج بتا رہا تھا کہ وہ اسٹوڈنٹ نرس ہے۔

"تمہاری ٹانگ میں تو بال پوائنٹ گھسا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میری کار کی پچھلی نشست پر ایک اور زخمی شخص بھی ہے، اس کے جسم میں پہاڑی نمک کی بہت بڑی مقدار چلی گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "میرے خیال میں تمہیں اس کے لیے ایک اسٹریچر کی ضرورت ہوگی لیکن اس کی ہتھکڑیاں مت کھولنا۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے مجھے دیکھا۔ شاید یہ اس کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔

"میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" اس نے کہا اور ایک کیبن کی جانب چلی گئی۔

مجھے اور ریلی کو معائنہ کے لیے برابر برابر بستروں پر لٹایا گیا۔ درمیان میں صرف ایک پردہ تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ریلی میری نظروں سے اوجھل رہے چنانچہ میں نے نرس سے کہہ کر وہ پردہ ہٹوا دیا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم نے مجھے گولی ماری۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔

"ہیلو۔" میں نے اپنی ران میں گھسے ہوئے بال پین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بالکل نئی پتلون تھی۔"

ایک ڈاکٹر.... کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ہم دونوں پر ایک نظر ڈالی پھر بولا۔ "پہلے تم آؤ۔"

وہ مجھے ایکسرے کے لیے لے گئے تاکہ یہ اطمینان کر سکیں کہ پین گھونپنے سے میری کسی رگ کو تو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے بعد وہ مجھے واپس ایمرجنسی روم میں لے آئے۔ ریلی ابھی تک وہیں تھا۔

"تم نے پہاڑی نمک کیوں استعمال کیا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ریلی نے کسی کا قتل نہیں کیا۔" میں نے کہا۔ "بلکہ وہ تو برا آدمی بھی نہیں ہے۔ وہ صرف کاریں چوری کرتا ہے اور اس کا جرم یہ ہے کہ وہ ضمانت پر ہونے کے باوجود عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ میرا مقصد اسے مارنا نہیں بلکہ پکڑنا تھا تاکہ اس کی ماں کا مکان گروی ہونے سے بچ جائے۔ اسی لیے میں نے پہاڑی نمک کا استعمال کیا جو غیر مہلک ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔ پہلے ہم تمہاری ٹانگ سے یہ پین نکالیں گے۔ تمہیں پنسلین اور ٹیٹنس کا انجکشن دیا جائے گا اور تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ البتہ تمہیں دو ہفتوں تک چھڑی کے سہارے چلنا ہوگا۔"

ڈاکٹر کی بات سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا پھر وہ ریلی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "البتہ تمہارے دوست کو چند روز اسپتال میں رہنا ہوگا جب تک اس کے جسم میں موجود سارا نمک تحلیل نہ ہو جائے۔"

"خیال رہے ڈاکٹر، یہ یہاں سے بھاگنے نہ پائے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔" ڈاکٹر بولا۔ "یہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے ریلی سے کہا۔ "اگر تم نے دوبارہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کی تو تمہاری ضمانت برقرار رہے گی۔ جانتا ہوں کہ تم بُرے آدمی نہیں ہو لیکن خواہشات کے جنگل میں بھٹکتے ہوئے برائی کی دلدل میں جا گرے ہو۔ اگر تم تعاون کرو تو میں تمہیں اس دلدل سے نکال سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" ریلی نے کمزور آواز میں کہا۔

"اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد تمہیں صرف ایک مرتبہ جج کے سامنے پیش ہونا پڑے گا پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم میرے معاون کے طور پر کام کرو گے۔ دو سال کی تربیت کے بعد تمہیں پرائیویٹ سراغ رساں کا لائسنس مل جائے گا اور تم اتنے پیسے کماؤ گے کہ اپنی ہر خواہش پوری کر سکو۔ کیا یہ کاریں چرانے سے بہتر نہیں ہے؟"

ریلی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ یعنی بات اس کی عقل میں آ گئی تھی۔

PakSociety.com

اندھیر نگری

احمد سلیم سلیمی

دھوپ ڈھلتی ہے تو ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے... ایک اندھیرا نظام کا ہوتا ہے یعنی اندھیر نگری... رات کی تاریکی چھاتی ہے تو انسان اس میں سکون و آرام کے لیے مجو خرام ہو جاتا ہے... لیکن معاشرے میں پھیلی اندھیر نگری آرام نہیں... کہرام بپا کر دیتی ہے... اُمیدوں کے دیے جلانے والے ایک نوجوان کی پُرالمیہ داستاں...

معاشرے کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دینے والے مسیحا کی کوششیں پیہم.....

شام یوں اُتر آئی تھی جیسے کسی نوجوان بیوہ کے دل میں اُداسی اُتر آئی ہو۔ وہ نیم تاریک حوالات میں آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ باہر خاموشی تھی۔ دور کسی مسجد سے مغرب کی اذان بلند ہو رہی تھی۔ سلاخوں کے پیچھے اس کے دماغ میں قیامت کا شور بپا تھا۔ خیالات کی جنگ جاری تھی۔ پولیس انسپکٹر نے جس طرح اعتبار کا خون کیا تھا، وہ جسمانی تکلیف سے بڑھ کر اذیت دے رہا تھا۔

وہ دیوار کا سہارا لے کر کراہتے ہوئے بڑی مشکل سے اٹھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا سلاخوں کے پاس گیا۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس کی اتنی پٹائی کی تھی کہ وہ زندہ تو تھا مگر موت کی سختی جھیل رہا تھا۔ اس نے سلاخیں تھام کر باہر دیکھا۔ دور برآمدے میں ایک میز کے پاس تھانے کا محرر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے زور سے آواز دی۔ محرر نے اس کی طرف دیکھا پھر اٹھ کر اس کے پاس آ کے غصے سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ شور کیوں مچا رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''شور نہیں کر رہا، غور کر رہا ہوں کہ اچھے کام کی طرف بُلایا جائے تو کرنا چاہیے کہ نہیں۔''

محرر نے کہا۔ ''نیک کام ہر کوئی نہیں کرتا۔ بس جسے توفیق ملے وہی کرتا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''موذن بھلائی کی طرف بُلا رہا ہے اور تم اپنا کام کر رہے ہو۔ مجھے باہر نکالو، دونوں نماز پڑھیں گے۔''

محرر نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ ''تھانے میں آ کر خدا یاد آ رہا ہے؟ باہر شیطان بن جاتے ہو، دو دن حوالات میں گزار کر فرشتہ بن جاتے ہو۔''

وہ دُکھ سے بولا۔ ''تھانے میں زیادہ تر مجرم ہی آتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں ہر آنے والا مجرم ہو۔ میں مرتد نہیں، ملزم ہوں۔ پلیز مجھے نماز پڑھنے دو۔''

محرر نے ڈانٹ کر کہا۔ ''بس بس اندر جا کر لیٹ جاؤ۔''

محرر اپنی میز کی طرف گیا۔ وہ دوبارہ لڑکھڑاتے ہوئے آ کے ایک طرف دیوار کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنے لگا۔

صبح ہوئی۔ ایک سپاہی سلاخوں کے پاس آیا اور تالا کھولتے ہوئے بولا۔ ''اوئے! باہر آؤ۔ تھانیدار صاحب نے تجھے بُلایا ہے۔''

وہ سپاہی کے ساتھ تھانیدار کے کمرے میں آیا۔ انسپکٹر اس کی بُری حالت دیکھ کر بولا۔ ''لگتا ہے میرے جوانوں نے کچھ زیادہ ہی تیری خاطر تواضع کی ہے۔ لیکن یہ ضروری تھی۔ تیرے دماغ کو آسمان سے زمین پر لانے کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔''

وہ بولا۔ ''انسپکٹر صاحب! آسمان پر دماغ نہیں انسان کے اعمال جاتے ہیں۔ میں زمین پر ہی تھا بس آپ زمینی حقائق سے منہ پھیر رہے تھے۔''

انسپکٹر نے اسے الٹے ہاتھ کا طمانچہ مارا۔ پھر چیخ کر کہا۔ ''الو کے پٹھے! اتنی مار کھا کے بھی دماغ سے گرمی نہیں اُتری۔ ابھی تک وہی کتے کی دُم ہو۔''

وہ گہرے دکھ سے بولا۔ ''تھانیدار صاحب! اس معاشرے میں غریب اور بے کس اسی طرح مار کھاتے ہیں۔ مجھے دکھ اس طرح بے کسی سے مار کھانے کا نہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ غریب اور لاچار سچ بھی بولیں تو جھوٹ ہوتا ہے۔''

انسپکٹر نے گالی دے کر کہا۔ ''ڈائیلاگ مت بولو۔ سیدھی طرح بتاؤ دماغ ٹھکانے آیا ہے کہ نہیں۔ چوہدری احتشام کے خلاف جو بیان دیا تھا کہ وہ جھوٹ ہے۔ ان پر بہتان ہے۔''

اس نے کہا۔ ''میں نے چوہدری احتشام پر بہتان نہیں لگایا۔ ٹھوس حقائق کی روشنی میں بیان دیا ہے۔ میں خود ان کی غلط کاریوں میں شریک رہا ہوں۔ بس اس معاملے میں میری قومی غیرت آڑے آ گئی اور میں باغی بن گیا۔''

انسپکٹر زہر خند لہجے میں بولا۔ ''بہت بڑی غلطی کر رہے ہو تم۔ بے وقوف! اس طرح تم چوہدری صاحب کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے بس اپنی ہی مٹی پلید کرو گے۔ کیونکہ تم ایک حقیر کیڑے ہو۔ جبکہ ان کے پاس سب کچھ ہے۔ دولت، طاقت، اختیار.....''

اسے پھر سے حوالات کی تاریکی میں دھکیل دیا گیا۔ وہ جسمانی درد اور ذہنی کرب کو برداشت کرتا ہوا ننگے فرش پر لیٹ گیا۔ ادھر تنہائی تھی، تاریکی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر ہولناک ماضی کی یادیں تھیں۔ وہ ان یادوں کی چبھن سہتا ہوا ماضی کے تاریک زندان میں اُترا۔

☆☆☆

بابر کا باپ کلرک تھا۔ ایماندار تھا اس لیے بہت تنگی سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ تین بہنیں تھیں وہ اکیلا بھائی تھا۔ وہ بہت ذہین تھا ہر کلاس میں اوّل آتا۔ ہر شخص کی طرح اس کے باپ کی بھی خواہش تھی وہ پڑھ لکھ کر بڑا افسر بنے۔ اس لیے میٹرک کے بعد اسے مزید تعلیم کے لیے بڑے شہر میں بھیج دیا۔ اس نے والدین کی لاج رکھی اور جی لگا کے محنت کرنے لگا۔ وہ فرسٹ ایئر میں تھا کہ اس کا باپ ریٹائرڈ ہو گیا۔ پنشن وغیرہ ملا کے پانچ لاکھ روپے ملے۔ ان روپوں سے اس کے والد نے ایک جنرل اسٹور کھول لیا۔ اس طرح گھر کے ساتھ ساتھ بیٹے کے تعلیمی اخراجات بھی پورے ہونے لگے۔

بابر اطمینان سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ایک دم گردشِ

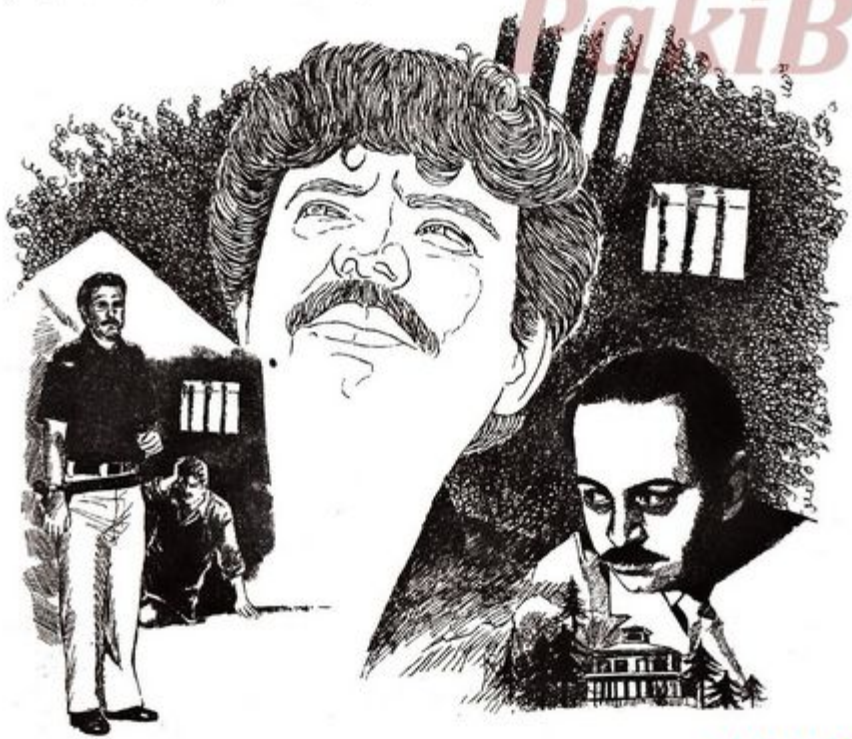

PakiBooks.Site

حالات نے انہیں آگھیرا۔ وہ ایم ایس سی فائنل میں تھا کہ اس کے باپ کی دکان میں ڈاکا پڑا۔ چوروں نے ساری دکان کا صفایا کر دیا۔ بابر کے باپ نے ہر در کھٹکھٹایا۔ عوام کی جان و مال کے رکھوالوں کے آگے فریادیں کیں۔ اپنے علاقے کے ایم این اے کے سامنے اپنا دُکھڑا رویا۔ مگر چور نہ پکڑے گئے۔ علاقے کے ایم این اے کے بڑے بڑے دعووں کے باوجود نہ ہی سرکاری طور پر کچھ مدد کی گئی۔ آمدنی کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ ساری پنشن ادھر لگی ہوئی تھی۔ یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ ان کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ بابر کا آخری سال تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ محنت مزدوری کر کے اپنے تعلیمی اخراجات پورے کیے اور جیسے تیسے امتحان دیا اور گھر چلا آیا۔ گھر کے حالات انتہائی خراب تھے۔ وہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ کہیں بھی اس کی فریاد سننے والے نہیں تھے۔ وہ دن بھر مختلف دفتروں میں اپنے جوتے گھِسا تا رہا۔ مگر گوہرِ مقصود نہ ملا۔ اس دوران ایم ایس سی کا رزلٹ آ گیا۔ وہ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا تھا۔

انہی دنوں اس نے اخبار میں پڑھا۔ ایک دفتر میں چند آسامیاں پُر کرنے کے لیے درخواستیں طلب کی گئی تھیں۔ اس نے بھی درخواست جمع کرائی۔ مقررہ تاریخ کو ٹیسٹ میں بیٹھ گیا۔ پانچ آسامیاں تھیں اور امیدوار پانچ سو سے زیادہ تھے۔ ٹیسٹ کے بعد بیس امیدواروں کو شارٹ لسٹ کر کے انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ فہرست میں اس کا دوسرا نمبر تھا۔ وہ بڑی امیدوں سے انٹرویو میں شریک ہوا۔ انٹرویو کے بعد اسے یقین تھا وہ ضرور منتخب ہوگا۔ شدت کے انتظار کے بعد جب آخری پانچ امیدواروں کا اعلان ہوا تو اسے حیرت اور صدمے کا شدید جھٹکا لگا۔ بابر ان میں شامل نہیں تھا۔ اور جن کا انتخاب کیا گیا تھا وہ ان کو جانتا تھا۔ بڑی سے بڑی شرط لگا کے کہہ سکتا تھا وہ کامیاب نہیں ہوئے ہیں بلکہ کامیاب کرائے گئے ہیں۔ وہ سب اس ملازمت کے اہل نہیں تھے۔ بس کسی سیاسی رہنما اور کسی سرکاری افسر کے طفیلی تھے یا پھر لاکھوں روپے خرچ کر کے یہ نوکری حاصل کی تھی۔

بابر چیخ چیخ کر کہنا چاہتا کہ بے ایمانی ہوئی ہے، فراڈ کیا گیا ہے۔ اس نے چند اور نوجوانوں کو ساتھ ملا کر احتجاج بھی کیا۔ اپنے جاننے والے صحافیوں کے ذریعے اخبارات میں اس ناانصافی کی خبر بھی لگوائی۔ مگر اوپر سے نیچے تک بے ایمانوں کا ٹولا ایسا بااثر اور مضبوط تھا کہ اس کا احتجاج اور غم و غصہ بس صدا بہ صحرا ثابت ہوا۔ وہ غریب تھا، بے کس تھا اس لیے غم و غصے کی آگ میں خود ہی جلتا رہا۔ اس اندھیر نگری کو ختم نہیں کر سکا۔ اس کے بعد وہ پھر دھکے کھانے لگا۔ ملازمت کی تلاش میں یہاں وہاں مارا مارا پھرنے لگا۔

بہت دنوں بعد پھر ایک جگہ نوکری کا موقع نظر آیا۔ وہ ٹیسٹ میں بیٹھ گیا۔ یہ نوکری اگرچہ اس کی تعلیم کے برابر نہیں تھی مگر گھر کی ابتر حالت کے باعث وہ ملازمت کے نام پر کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔ ٹیسٹ ایک بڑے سے ہال میں لیا جا رہا تھا۔ یہاں بھی ہمیشہ کی طرح ایک ایک آسامی کے لیے سیکڑوں امیدوار موجود تھے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ امیدوار اس طرح پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے جیسے کسی کلاس روم میں بیٹھے ہوں۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر پرچہ حل کر رہے تھے۔ کسی کو بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ بے ایمانی اور بے اصولی کر رہا ہے۔ حد یہ کہ ٹیسٹ کے نگران بھی سب کچھ دیکھتے ہوئے انجان بن رہے تھے۔

بابر حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا، کیا قابلیت اس طرح پرکھی جاتی ہے؟ یوں نقل کر کے ایک کمزور سے کمزور لڑکا بھی نمبروں کی دوڑ میں اس سے آگے نکل سکتا تھا۔ اس سے مزید رہا نہیں گیا۔ اپنی سیٹ سے اٹھا اور نگران سے کہا۔ ''سر! ٹیسٹ ایسے تو نہیں لیا جاتا۔ اس طرح خاک کسی کی قابلیت کا پتا چلے گا۔ آپ پلیز پیپر رکوائیں اور مناسب طریقے سے بٹھائیں۔''

نگران چند ثانیے گھور کر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ترشی سے بولا۔ ''خاموشی سے پرچہ حل کرو۔ تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کس طرح بٹھایا گیا ہے۔ بس ان کی طرح تم بھی پرچہ حل کرو۔''

وہ حیرت سے گنگ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر سارے ہال پر نظر دوڑائی۔ سب کھلے عام نقل میں مصروف تھے۔ بابر نے اپنا جوابی پرچہ اٹھایا اور ہونٹ بھینچ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اوپر کی طرف اچھال دیا۔ جوابی پرچے کے ٹکڑے اوپر سے بکھر کر اس طرح فرش پر گرنے لگے جیسے اس کے ارمانوں کی قبر پر گلاب کی سوکھی پتیاں گر رہی ہوں۔ اس کے بعد وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔ ہال کے باہر کچھ اور نوجوان بھی تھے۔ وہ بھی ٹیسٹ کے طریقۂ کار اور بے قاعدگی پر آگ بگولا تھے۔ وہ سب کہہ رہے تھے اوپر والوں نے رشوت اور سفارش کے ذریعے اپنے خاص بندوں کو پہلے ہی منتخب کر لیا ہے۔ اب عوام کو دکھانے کے لیے ٹیسٹ کا یہ ڈراما رچایا جا رہا ہے۔

بابر ان لڑکوں کو لے کر مرکزی چوک تک آیا اور وہ

احتجاجی مظاہرہ کرنے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے ساتھ مل گئے۔ بابر کے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ گھر کی خستہ حالی، اپنی بے چارگی اور پھر اس شدید قسم کی اندھیر نگری سے سینے کے اندر دبی چنگاری، آتش فشاں بن کر بھڑک اٹھی۔ وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہوا اور مظلوم بے روزگاروں کی آواز بن کر مرکزی چوک میں گونجنے لگا۔ وہ گرج گرج کر کہہ رہا تھا.....

''ہر تاریک رات کے بعد سحر طلوع ہوتی ہے۔ لیکن ہم کیسے بدنصیب ہیں کہ ہماری سحر بھی ان ظالم اور بدعنوان حاکموں اور ان کے چیلے چانٹوں کی مرہونِ منت ہے۔ ارے یہ کیسی اندھیر نگری ہے، اسلام اور انصاف کے نام پر بنائے جانے والے اس ملک میں غریب اور بے کس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ ان کی قابلیت اور اہلیت کی کوئی قدر نہیں۔ محض رشوت اور سفارش کی قدر ہے۔ یہ اونچی اونچی کرسیوں پر بیٹھنے والے سیاست کار اور بیوروکریٹ ہمیں انسان نہیں، اپنے آگے پیچھے دُم ہلا ہلا کر پھرنے والا کتا سمجھتے ہیں۔''

وہاں موجود لوگ اس کے لہجے کے خلوص اور اس کی باتوں میں چھپے کرب سے بہت متاثر ہو رہے تھے۔ بابر کی باتیں ان سب کے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ وہ سب اندر سے ٹوٹے پھوٹے تھے۔ اس اندھیر نگری چوپٹ راج کے ڈسے ہوئے تھے۔ دنیا ترقی اور خوشحالی کی دوڑ میں آگے ہی آگے بڑھ رہی تھی جبکہ اس ملک کے عوام سات دہائیوں بعد بھی اس اندھیرے نظام کے باعث ترقی کی دوڑ میں پیچھے تھے۔ اس اندھیر نگری کے خلاف بغاوت اور نفرت ان کی نس نس میں بھری ہوئی تھی۔ مگر وہ سب بے بس تھے۔ کیونکہ ٹکڑوں میں تقسیم تھے۔ اس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والے انہیں ایک ہونے نہیں دے رہے تھے۔ پارٹی بازی، ذات پات، مسلک اور زبان کے خانوں میں تقسیم کر کے ان کے خوش کُن مستقبل کو برباد کر رہے تھے۔ اور بابر ان ساری محرومیوں اور مایوسیوں کا اظہار کر رہا تھا۔

اس دوران مرکزی چوک کے پاس ایک بڑی سی لینڈ کروزر آ کر رک گئی۔ ایک طرف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے سرک گیا اور ایک دبنگ سے شخص کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہ بڑے غور سے اور پسندیدہ نظروں سے بابر کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی تقریر سن رہا تھا۔ بابر کی نظر بھی اس پر پڑی تھی۔ وہ اسے جانتا تھا۔ وہ علاقے کا ایک بڑا سیاسی رہنما چوہدری احتشام تھا۔ وہ کچھ دیر بابر کی جذباتی تقریر سنتا رہا پھر وہاں سے چلا گیا۔

بابر نے بھی خوب دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ اس نے تقریر ختم کی تو لوگ منتشر ہو گئے۔ بابر بوجھل بوجھل قدموں سے گھر آیا۔ اسے شدید مایوسی ہو رہی تھی۔ اس اندھیر نگری نے بہت سے اہل اور قابل نوجوانوں کی طرح اسے بھی اندر سے توڑ پھوڑ دیا تھا۔ وہ بہت پُرامید تھا کہ اس دفعہ اسے نوکری ضرور ملے گی مگر.....

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

تین دن گزرے تھے کہ بابر کو چوہدری احتشام نے اپنے آفس میں بلا لیا۔ چائے سے اس کی تواضع کی۔ ''برخوردار! اس روز تمہاری تقریر مجھے بہت اچھی لگی۔ تم کیا کام کرتے ہو؟''

''کچھ نہیں کرتا۔ غریبوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اور اندھیر نگری پر بس اپنا خون جلاتا ہوں۔'' بابر نے کہا۔

''اپنا خون جلانے سے کیا انصاف ملے گا؟ یاد رکھو، ابتر اور ناہموار معاشرے میں انصاف مانگا نہیں جاتا۔ جھپٹ کر حاصل کیا جاتا ہے اور تم جیسے کمزور اور بے کس نوجوان انصاف حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ تمہیں جھپٹنا نہیں آتا۔ تم ابھی ناسمجھ ہو۔ چوک پر کھڑے ہو کر گرج گرج کر بولنے سے انصاف نہیں ملتا۔ کسی پختہ کار اور جہاندیدہ شخص کی انگلی تھام کر چلو۔ ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حساب لینے کا ڈھنگ آ جائے گا۔''

بابر نے سوچ کر کہا۔ ''میں جانتا ہوں چیخنے چلانے سے انصاف نہیں ملتا۔ بس اس طرح اندر کی آگ کچھ دھیمی ہو جاتی ہے۔ ویسے آپ کی بات قابلِ غور ہے کہ خود کو کندن بنانے کے لیے کسی راہبر کا ساتھ ضروری ہے لیکن میں کسے راہنما کروں.....؟''

''مجھے خوشی ہوئی، میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی۔ جہاں تک بات رہنما کی ہے تو میں حاضر ہوں۔ مجھے کسی ذہین اور مستعد سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ تم بہ حیثیت سیکریٹری میرے ساتھ رہو۔ تمہیں پیسے بھی ملیں گے، زمانے کی بساط پہ چلنے کا گُر بھی سیکھو گے۔'' چوہدری نے ہمدردی سے کہا۔

بابر معاشرتی ناہمواری، اربابِ اختیار کی ناانصافی اور اپنی بے چارگی سے اس قدر عاجز آ چکا تھا کہ اس کے خیالات ..... باغی ہونے لگے تھے۔ وہ سنتا اور پڑھتا آیا تھا ایسی ہی اندھیر نگری سے باصلاحیت اور قابل نوجوان جرائم پیشہ بن

PAKSOCIETY.COM

کے اپنا مستقبل تاریک کر لیتے ہیں۔

اس کی ذہنی رو بھی بہکنے لگی تھی ایسے میں چوہدری نے اپنے ساتھ کام کرنے کی پیشکش کی تو اسے ٹھکرانے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس نے کچھ دیر سوچا پھر اپنی رضامندی دے دی۔

☆☆☆

بابر، چوہدری احتشام کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اور ایسی ایسی باتوں اور مکاریوں سے آشنا ہونے لگا جنہیں وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ وہ ذہین تھا، پڑھا لکھا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں وہ سیاست اور دنیاداری کے تمام داؤ پیچ سیکھ گیا۔ چوہدری احتشام کہنے کو سیاست داں تھا اور پردہ ہر وہ کام کرتا تھا جس سے دولت حاصل ہوتی ہے۔ اپنا نام، اختیارات اور سیاسی حیثیت کو ذاتی فائدے اور اپنے طفیلیوں کو نوازنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ مرکز میں چونکہ ان کی پارٹی برسرِ اقتدار تھی اس بنا پر مختلف محکموں کے اہم افسروں کو بھی اس نے شاطرانہ ہتھکنڈوں سے اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ اپنے صوابدیدی اختیارات اور مختص کردہ فنڈز کا بھی بے دردی سے استعمال جاری تھا۔

بابر ان سب معاملات سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔ سیاست کاروں کی شعبدہ بازیوں اور سرکاری مشینری پر اثر اندازیوں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ کل تک وہ غریب اور بے سہارا تھا۔ اب اس کے پاس پیسہ آ گیا تھا۔ ساتھ ساتھ چوہدری احتشام کے سیکریٹری ہونے کا رعب بھی اسے حاصل تھا۔ چونکہ فائدہ اسے بھی مل رہا تھا اس لیے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی لب بستہ تھا۔ بس ایک بات اسے بُری طرح کھٹکتی تھی۔ چوہدری احتشام کے پاس کبھی کبھی کچھ پُراسرار اجنبی آتے تھے۔ ایسے میں وہ بالکل تنہائی میں ان سے ملاقات کرتا تھا۔ اگرچہ بابر کو اس معاملے میں کوئی کرید نہیں تھی۔ بس کبھی کبھی تجسس سا پیدا ہوتا لیکن کافی عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہ اس معاملے کو نہ سمجھ سکا۔

☆☆☆

ملک کے سیاسی اور معاشی حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ بدامنی، مہنگائی، ناانصافی اور سیاسی اشرافیہ کی بے حسی سے عام طبقے کے لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ آئے روز جلسے جلوس، احتجاجی مظاہرے اور ہڑتالوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ پورے ملک میں زبردست بے چینی، بدامنی اور انارکی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں مرکزی حکومت نے اس علاقے میں ایسا قانون نافذ کیا جسے علاقے کے اکثریتی لوگ ناجائز اور ظالمانہ سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی مقامی اپوزیشن پارٹیوں کو نمبر بنانے کے لیے بہانہ مل گیا۔ پھر کیا تھا سب لوگ سراپا احتجاج بن گئے۔ اس سلسلے میں فوری طور پر تمام مکاتبِ فکر کے لوگوں نے ایک مشترکہ تنظیم بنائی۔ جس کا نام ''تحفظِ مفاداتِ باہمی پارٹی'' رکھا گیا۔ سب نے متفقہ طور پر ایک دن مقرر کیا اور مرکزی چوک میں اس قانون کے خلاف بڑے جلسے کا پروگرام بنایا گیا۔ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں اس سلسلے میں سرگرم ہو گئیں۔

جلسے سے دو روز قبل چوہدری صاحب کے پاس وہی پُراسرار اجنبی آئے۔ اس وقت بابر بھی چوہدری احتشام کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے اشارہ کیا تو بابر اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ پُراسرار اجنبی بڑی دیر چوہدری احتشام کے ساتھ کمرے میں بیٹھے رہے۔ ان کے جانے کے بعد اس نے بابر کو بلایا اور کہا۔ ''بابر! پرسوں جلسہ ہو رہا ہے۔ شاید تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں۔''

''جی ہاں چوہدری صاحب! تاریخ میں شاید پہلی دفعہ یہاں کے لوگ کسی بڑے مقصد کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس جلسے کے بعد اس خطے کی تقدیر بدل جائے گی۔''

''بہت خوب! میرے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں بھی سیاسی ڈائیلاگ بولنا آ گیا ہے۔ مگر سیاست سمجھنا اتنا آسان نہیں۔'' چوہدری احتشام استہزائیہ انداز میں بولتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھا۔ دھیرے دھیرے چلتا ہوا لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس جا کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم کہتے ہو کل کا جلسہ کامیاب ہو گا۔ یہاں کے لوگ متحد ہو کر اپنا مقصد حاصل کر سکیں گے۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ جلسہ کامیاب ہو اور لوگ متحد ہو جائیں.....''

بابر نے بُری طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کک.....کیا مطلب سر! آپ ایسا کیوں نہیں چاہتے؟''

چوہدری نے قیمتی سگریٹ جلا کے ایک گہرا کش لیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بابر! تم ابھی سیاست کی دنیا میں کچے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں یہاں کیسی کیسی شعبدہ بازیاں ہوتی ہیں۔ یہ ظاہر ہم جیسے سیاست داں بولتے اور چلتے ہیں مگر پسِ پردہ بڑے ہی طاقتور اور بااختیار خفیہ ہاتھ ہوتے ہیں۔ ہماری ڈوریاں ان ہاتھوں میں ہوتی ہیں اور ہم کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے ہیں۔ ایسے ہی ایک خفیہ ہاتھ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ جلسہ کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔ تاکہ یہ قوم ہمیشہ کی طرح منتشر اور بکھری رہے، اور خفیہ ہاتھ انہیں باہم الجھا کر اپنے مفادات حاصل کرتا رہے۔ اور یہ ٹاسک مجھے

سونپا گیا ہے۔''

بابر بچہ نہیں تھا۔ وسیع مطالعے اور مشاہدے سے اتنی بات بہ خوبی جانتا تھا کہ تیسری دنیا کے چھوٹے چھوٹے مگر اہم ممالک، عالمی سیاست کی بساط پر ماہر شاطروں کے ہاتھوں میں مہرے بنے ہوتے ہیں۔ یہ شاطر ہاتھ کھل کر سامنے نہیں آتے۔ ہمیشہ خفیہ ہاتھ کے طور پر ہی جانے جاتے ہیں۔

یہ خفیہ ہاتھ کون ہیں؟ ذرا سی سوجھ بوجھ رکھنے والے کو علم ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک اور ان کے حکمران خفیہ ہاتھوں کی ان کارستانیوں کو جانتے ہیں۔ مگر مخالفت کی ہمت نہیں کر سکتے ورنہ کوئی پھانسی چڑھتا ہے۔ کسی کا جہاز کریش ہوتا ہے، کسی کو جلاوطن کیا جاتا ہے اور کسی کو عدالتوں کے ذریعے نااہل کروایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تیسری دنیا کے یہ حکمران بدعنوان ہوتے ہیں اور ہمیشہ اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں۔ یہ جب تک بڑی طاقتوں کے تلوے چاٹتے رہتے ہیں ان کو اقتدار کا راتب ملتا رہتا ہے۔ اس لیے تیسری دنیا کے ممالک خفیہ ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

بابر بولا۔ ''ہمیں کیا کرنا ہو گا سر! آپ کے دماغ میں کوئی آئیڈیا ہے؟''

چوہدری سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے چھوڑتے ہوئے بولا۔ ''پرسوں کا جلسہ اس علاقے میں اتفاق و اتحاد کا ایک زبردست مظاہرہ ہو گا اور ہم نے یہ اتحاد توڑنا ہے۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑیں۔ یوں جلسہ منعقد ہونے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔''

''ایسا ہی ہو گا چوہدری صاحب! آپ حکم کریں ہمیں کیا کرنا ہو گا۔''

چوہدری کہنے لگا۔ ''آج شام تک تم میرے چند خاص کارندوں کو لے جاؤ اور اپنے مسلک کے ایک بڑے عالم کو قتل کرو۔ اس واردات کے کچھ ہی دیر بعد دوسری ٹیم جائے گی اور مخالف مسلک کے ایک عالم کا خون کرے گی۔ دونوں فرقے تو ویسے بھی ایک دوسرے کو الزام دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ یوں دونوں آپس میں الجھ پڑیں گے اور ہمارا منصوبہ کامیاب ہو گا۔ پلان کے مطابق کام ہوا تو دونوں ٹیموں کو دس دس لاکھ ملیں گے۔'' چوہدری نے رازداری سے کہا۔

☆☆☆

بابر کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ چوہدری احتشام کے فتنہ انگیز دماغ کی اس منصوبہ بندی سے وہ سراپا لرز اٹھا تھا۔ لیکن اس نے خود پر قابو پایا اور چوہدری کی بات توجہ سے سنتا رہا۔ چوہدری نے اپنے خاص کارندوں کو بھی بلایا۔ سب مل کر منصوبے کو فاؤل پروف بنانے پر غور کرنے لگے۔ بڑی دیر بعد یہ ہلاکت خیز میٹنگ برخاست ہوئی۔ اس کے چار گھنٹے بعد انہوں نے پلاننگ کے مطابق فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا دی تھی۔

بابر بہ ظاہر ان کے ساتھ میٹنگ میں شریک رہا اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ مگر اس کے دل و دماغ میں ایک اور ہی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ یہ اس کے ضمیر اور امیر بننے کے لالچ کے درمیان چھڑی جنگ تھی۔ اس کا ضمیر قوم اور ملک کے خلاف اس بھیانک سازش پر احتجاج کر رہا تھا۔ دوسری طرف پیسے کی چمک دمک سے ضمیر ڈگمگا رہا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے بالآخر فیصلہ کیا اور ایک ضروری کام کا بہانا کر وہاں سے باہر آیا۔ باہر آ کر کچھ دیر ادھر ادھر پھرتا رہا۔ اس دوران وہ بڑی محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھتا بھی جاتا کہ چوہدری کے گرگے کہیں اس کا پیچھا تو نہیں کر رہے۔ پھر وہ مطمئن ہو کر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کے پولیس اسٹیشن میں تھا۔ تھانے کے انچارج سے تنہائی میں ملنے کی درخواست کی۔ پھر جو کچھ سنا اور دیکھا تھا سب بتانے لگا۔

تھانیدار بڑی سنجیدگی سے اس کی بات سنتا رہا۔ گہری سوچتی ہوئی اور ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ جب اس نے بات ختم کی تو وہ اٹھ کر کمرے سے باہر گیا۔ بابر نے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھا۔ تھانیدار اپنے موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد تھانیدار واپس کمرے میں آیا۔ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے یہ بات کسی اور کو تو نہیں بتائی ہے نا.....؟''

''نہیں، میں سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں۔'' بابر بولا۔ ''بے شک میں دولت حاصل کرنے کی خاطر غلط راستے پر چلنے لگا تھا۔ مگر اتنا بھی بے غیرت نہیں کہ اپنی قوم اور وطن سے غداری کروں۔''

تھانیدار بولا۔ ''مجھے تمہارے جذبے پر فخر ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ ابھی میں نے اپنے بڑوں کو بلایا ہے۔ یہ کیس وہی ہینڈل کریں گے۔ تب تک تم چائے پیو۔''

بابر کو چائے پلائی گئی۔ ابھی چائے پی کے فارغ ہوا تھا کہ چوہدری احتشام کو تھانے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ حیرت اور خوف سے اچھل پڑا۔ چوہدری آندھی طوفان کی طرح تھانیدار کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے خاص

Pakdigest.com

کارندے بھی ساتھ تھے۔ تھانیدار نے دروازہ بند کر دیا۔

چوہدری غصے سے لرزتے ہوئے بولا۔ ''کمینے، نمک حرام! مجھے پہچاننے میں مجھے شدید غلطی ہوئی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم آستین کے سانپ ہو گے۔ اگر انسپکٹر جاوید کے بجائے کوئی اور یہاں کا تھانیدار ہوتا تب تو میرا کباڑا ہو گیا تھا۔''

بابر نے چونک کر بے یقینی سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے ہی زہریلے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ بابر کو سمجھنے میں دشواری نہ ہوئی کہ انسپکٹر بھی دولت کے پجاریوں اور موت کے سوداگروں کا آلۂ کار تھا۔

چوہدری نے اشارہ کیا تو اس کے دو خاص کارندوں نے بابر کو پکڑا۔ پھر چوہدری نے تھانیدار سے بیلٹ لے کر اسے مارنا شروع کیا۔ بابر درد کی شدت سے چیخنے لگا۔ مچل مچل کر ان کی گرفت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد چوہدری نے تھک ہار کر اسے مارنا بند کر دیا۔ تب تک بابر بے ہوش ہو گیا تھا۔

چوہدری احتشام ہانپتے ہوئے بولا۔ ''انسپکٹر! یہ کتا اب ہمارے لیے خطرناک ہو گیا ہے۔ کتا باؤلا ہو جائے تو اس کا علاج صرف موت ہے۔ اس کا بھی قصہ صاف کر دو۔ اور ہاں یہ بات یہاں سے باہر نہیں جانی چاہیے۔''

انسپکٹر جاوید بولا۔ ''مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس ہے چوہدری صاحب! آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ تھانے میں آ کر بڑے بڑے تیس مار خانوں کی ہوا نکل جاتی ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ پہلے میں اسے راستے پر لانے کی کوشش کروں گا۔ نہیں مانا تو کتے کی موت مرے گا۔''

چوہدری اپنے خاص کارندوں کے ساتھ چلا گیا۔ انسپکٹر نے اپنے ہمراز چند اہلکاروں کو بلایا۔ اس کے حکم پر وہ بابر کو گھسیٹتے ہوئے تفتیشی کمرے میں لے گئے اور وہاں اس پر مخصوص تفتیشی طریقے سے تشدد کرنے لگے۔ بابر چیختا چلاتا رہا۔ درد کی شدت سے بار بار بے ہوش ہوتا رہا۔ بڑی دیر بعد جب وہ تقریباً ادھ موا ہو چکا تھا اسے پھر سے گھسیٹتے ہوئے لے جا کر ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں پھینک دیا گیا۔

☆☆☆

رات نہ جانے کتنی بیت گئی تھی۔ وہ ماضی کے زندان میں بھٹک بھٹک کر پھر سے حال کے اندھیرے میں آیا تھا۔ اس کال کوٹھری میں درد سے بے حال وہ سوچ رہا تھا کہ ایک اندھیرا دھوپ ڈھلنے کے بعد ہوتا ہے۔ ایک اندھیرا نظام کا ہوتا ہے یعنی اندھیر نگری..... شب کے اندھیرے میں انسان آرام کرتا ہے لیکن اندھیر نگری میں آرام نہیں، کہرام مچ جاتا ہے۔ شب کے اندھیرے میں ایک نئی صبح کی امید روشن ہو جاتی ہے جبکہ اندھیر نگری میں امیدیں مر جاتی ہیں۔

وہ کال کوٹھری کے گھپ اندھیرے میں اسی طرح لیٹا رہا۔ آگے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اس بارے میں سوچتا رہا۔ یہ سوچ کر بھی وہ اندر سے لرز جاتا کہ چوہدری نے اپنے آقاؤں سے مل کر فرقہ وارانہ فسادات کا جو زہریلا منصوبہ بنایا تھا، وہ اگر کامیاب ہوا تھا تو نہ جانے شہر کے حالات کیا ہوں گے۔ یہ قوم تو ویسے بھی بکھری ہوئی ہے۔ بغض، ضد اور بدگمانی سے بھری ہوئی ہے۔ اگر چوہدری احتشام نے اپنے منصوبے پر عمل کرایا ہے تو معلوم نہیں کتنے معصوم اور بے گناہ انسان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں گے۔

اچانک وہ چونک اٹھا۔ کوٹھری کا دروازہ کھلنے کی آواز آ رہی تھی۔ اسے لگا یہ اس کا آخری وقت ہے۔ وہ جن درندوں کے چنگل میں پھنسا تھا وہ اسے معاف نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں کلمے کا ورد کرنے لگا۔ اسے گھسیٹتے ہوئے پھر سے انسپکٹر جاوید کے سامنے لے جایا گیا۔ وہاں انسپکٹر کے علاوہ ان پُراسرار اجنبیوں میں سے بھی ایک موجود تھا۔ اسے ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا۔ وہ اتنی کمزوری محسوس کر رہا تھا کہ کھڑا رہنا ممکن نہیں تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پکے فرش پر گر گیا۔ اسے کسی نے نہیں اٹھایا۔ اسے انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔ ''ہم نے زبردست ٹارچر کیا ہے۔ اتنی مار کھا کے بھی اگر زبان بند نہ رکھی تو آخری علاج ان کا ڈنٹر (پولیس مقابلہ) ہے۔''

بابر کے کانوں میں اس پُراسرار اجنبی کی آواز پڑی۔ ''معاملہ بہت حساس ہے۔ ذرا سی غفلت بھی انتہائی خطرناک ہو سکتی ہے۔ تھانے سے بات باہر بھی جا سکتی ہے اس لیے اسے ہم خود ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔''

اجنبی نے یہ کہہ کر اپنے بیگ سے ایک سرنج نکالی۔ پھر ایک شیشی سے سرخ رنگ کا محلول سرنج میں بھر دیا۔ بابر خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سمجھا بس یہ اس کا آخری وقت ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اللہ کو یاد کرنے لگا۔ دو کارندوں نے اسے پکڑ لیا۔ بابر مچلنے لگا، خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے لگا۔ لیکن بہت کمزوری کی وجہ سے اس کی مزاحمت دم توڑ رہی تھی۔ اسی وقت اس کے بازو میں سوئی چبھنے کی تکلیف ہوئی۔ وہ بے بسی سے بے دم سا ہو کر پڑا رہا۔ ذرا ہی دیر بعد اس پر غنودگی چھانے لگی پھر اس کا

احساس مر گیا۔ پھر شاید وہ بھی مر گیا تھا۔

وہ مرا نہیں زندہ تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو خود کو ایک چھوٹے سے کمرے کے پکے فرش پر پایا۔ چند لمحوں تک تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا وہ کہاں ہے؟ اور کیوں ہے؟ پھر دھیرے دھیرے دماغ کی اسکرین روشن ہوئی تو گزرے ہوئے حالات اسے یاد آنے لگے۔ اس نے سر گھما کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کمرے کا دروازہ نہیں تھا۔ دائیں طرف چند سیڑھیاں اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان کے اختتام پر ایک کھڑکی سی بنی ہوئی تھی۔ بابر سمجھ گیا وہ کسی تہ خانے میں تھا۔ چھت سے ایک کم پاور کا بلب لٹک رہا تھا۔ وہ اس تنگ سے نیم روشن کمرے میں اپنے حالات کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے ماں باپ، بھائی بہنیں سب اس کے بارے میں پریشان ہوں گے۔ خدا جانے اب کبھی انہیں دیکھ بھی سکے گا کہ نہیں۔

بہت دیر بعد تہ خانے کی وہ کھڑکی کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے چھت سے لٹکتے ہوئے کمزور بلب کی روشنی میں دیکھا۔ کھڑکی میں اسے ایک شخص دکھائی دیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل تھی دوسرے میں کھانا تھا۔ اس نے خاموشی سے کھانا بابر کے سامنے رکھ دیا۔

بابر نے پوچھا۔ ''میں کہاں ہوں؟ میری چوہدری صاحب سے بات کراؤ۔''

وہ شخص سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''چوہدری صاحب دارالحکومت گئے ہیں۔ ملک کے سیاسی حالات ٹھیک نہیں۔ فی الحال ان سے بات کرنا ممکن نہیں۔ اب یہ تہ خانہ ہی تمہارا مقدر ہے۔ یہی تمہاری دنیا ہے۔ جب تمہیں گولی مارنے کا حکم ہو گا تبھی یہاں سے نکل سکو گے۔''

اس نے فریادی لہجے میں کہا۔ ''خدا کے لیے اتنا بتا دو، باہر شہر کے حالات کیسے ہیں؟''

وہ شخص طنز سے بولا۔ ''حالات کا کیا ہے؟ ابھی ٹھیک ہیں تو خراب ہونے میں کیا دیر لگتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو اگر ساتھ نہیں دو گے تو دوسرے بندے نہیں ملیں گے۔ بے وقوف! تم غداری کر کے بُری طرح پھنس گئے ہو۔ دوست بھی گئی۔ اب جان سے بھی جاؤ گے۔''

یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔ اس کے بعد بابر کے شب و روز اسی تہ خانے میں بسر ہونے لگے۔ دن گزرتے رہے، ہتھیار بردار محافظ اسے کھانا لا کر دیتے۔ وہ شہر کے حالات جاننے کے لیے بے تاب تھا مگر وہ لوگ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے۔ بہت سے دن گزر گئے۔

ستمبر 2018ء کے ستارے کی ایک جھلک
خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ
مزید
مرزا امجد بیگ کے دلائل
محفلِ شعر و سخن
اور خطوط کی پُرفریب محفل
ایک کہانی بڑی پرانی
زندگی کے کسی بھی حوالے سے جہد مسلسل بالآخر نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ وہ بھی ایک ایسا ہی مقام تھا مگر افسوس.....
آخری صفحات پر زویا اعجاز کی جلوہ گری
معتوب وقت
ماضی کے پوشیدہ گوشوں کی فسوں گری اور بند دریچوں میں پنہاں راز و نیاز..... تاریخی صفحات پر الیاس سیتا پوری کا منفرد انداز
رنگ آسماں
زہریلے سانپوں اور گہری چالوں پر مشتمل خوفناک اور عبرت ناک واقعات کا سنگم..... اے آر راجپوت کے خیالات کی پرواز
وقت
خوشگوار مستقبل کی آس اور کربناک ماضی کی بھول بھلیوں میں گم شدہ لمحات کا احاطہ کرتے وقت کی مکاریاں۔ حسام بٹ کے قلم کا جادو
اس کے علاوہ
اسماء قادری، منظر امام، تنویر ریاض، شاہ زین رضوان، طاہر عمیر اور ڈاکٹر شیر شاہ سید کی خوبصورت کہانیاں

ایک رات اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ تہ خانے کی چھت بہت سے قدموں کی دھمک سے لرز رہی تھی۔ وہ کچھ سمجھنے کی کوشش کرتا ہوا ایک طرف دُبک کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت کہیں سے گولیاں چلنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ کچھ دیر گزری تھی تہ خانے کی کھڑکی زور زور سے بجنے لگی۔ کوئی ٹھوکریں مار رہا تھا۔ پھر پُرشور دھماکے سے کھڑکی کھل گئی۔

بابر نے سہمی سہمی نظروں سے دیکھا پھر ایک دم اچھل پڑا۔ وہ پولیس اور رینجرز کے جوان تھے جو کھڑکی توڑ کر اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ جوان اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔ پھر اسے پکڑ کر تہ خانے سے اوپر لے گئے۔ اوپر جاتے ہی بابر کو معلوم ہوا کہ وہ چوہدری احتشام کی شہر سے باہر والی کوٹھی میں ہی موجود تھا۔ وہاں زبردست افراتفری تھی۔ بہت سے پولیس اور رینجرز کے جوان مختلف جگہوں پر پوزیشن سنبھالے چوکس کھڑے تھے۔ اسے ایک بڑے پولیس آفیسر کے سامنے حاضر کیا گیا۔ بابر کی بہت بُری حالت تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ وہ خود ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا تھا۔

پولیس کے اس افسر نے اسے پانی پلایا۔ اس کے پوچھنے پر بابر نے بتایا کہ وہ کون ہے اور کن حالات کا شکار ہو کر اس تہ خانے میں پڑا تھا۔ پولیس افسر اس کی بات سن کر کچھ دیر بے یقینی سے اور ٹٹولتی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اسے پولیس انویسٹی گیشن سینٹر لے جائیں۔ وہاں تفصیلی پوچھ گچھ ہوگی۔

پولیس انویسٹی گیشن سینٹر میں بابر نے بہت سے سینئر افسروں کے سامنے ساری تفصیل بتادی۔ وہاں چند آرمی کے افسر بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی کئی سوالات پوچھے۔ بابر نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ اپنا ماضی، چوہدری احتشام کا سیکریٹری بن کر جائز ناجائز کام کرنا...... اور پھر ملک دشمن سازش کے خلاف اس سے بغاوت کرنا۔ اس نے سب کچھ کھل کر بتایا۔

تب وہیں اسے پتا چلا کہ باہر کیا ہوا تھا۔ چوہدری احتشام نے فرقہ وارانہ فسادات کا جو ناپاک منصوبہ بنایا تھا کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا تھا۔ بابر کی جگہ اس نے دوسرے بندے کو بھیجا تھا۔ انہوں نے ایک فرقے کے عالم کا خون کیا۔ کچھ ہی دیر بعد دوسری ٹیم نے دوسرے فرقے کے عالم کا خون کیا۔ پھر کیا تھا۔ دونوں فرقے والے بھڑک اٹھے اور کئی بے گناہ جانیں چلی گئیں۔ مشترکہ تنظیم "تحفظ مفادات باہمی پارٹی" نے جس جلسے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ بھی منعقد نہ ہو سکا۔ اس دوران فوج، رینجرز اور پولیس نے شہر کے حالات کو بڑی حد تک اپنے قابو میں کیا۔ بڑی تعداد میں پکڑ دھکڑ کی گئی۔ خوش قسمتی سے گرفتار لوگوں میں سے ایک نے دورانِ تفتیش اعتراف جرم کرلیا۔ اور جب ذرا جم کر پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے چوہدری احتشام کے بارے میں بڑے ہولناک انکشافات کیے۔ سیکیورٹی اداروں کے لیے وہ پہلے ہی مشکوک تھا۔ اب اس کی ملک دشمن سرگرمیوں کے بارے میں اہم ثبوت بھی سامنے آگئے تھے۔ چونکہ وہ سیاست کے گندے تالاب کی بڑی مچھلیوں میں شمار ہوتا تھا اس لیے اس کے خلاف اور بھی ثبوت اکٹھے کیے گئے۔ فوج نے بھی سیکیورٹی اداروں کا ساتھ دیا۔ چوہدری احتشام کو گرفتار کر کے پوچھ گچھ کی گئی۔ سارے ثبوت اور گواہوں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے۔ بڑے بڑے تعلقات کی دھونس جمائی۔ خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیں۔ پھر دھیرے دھیرے اس کا مزاج زمین پر آیا۔ اس کے کئی کارندوں کو پکڑا گیا۔ شہر کے مضافات والی کوٹھی اس کی بہت سی بداعمالیوں کا مرکز تھی۔ وہاں بھی ریڈ کیا گیا۔ اور اس کوٹھی کے تہ خانے سے بابر برآمد ہوا۔

تفتیشی سینٹر میں بابر نے انسپکٹر جاوید کے بارے میں بھی بتایا۔ اس سے تفتیش کرنے والوں نے بتایا کہ اسے بھی گرفتار کیا گیا ہے۔ بڑی دیر بعد اس سے کہا گیا کہ اب وہ آرام کرے۔ کچھ اور تحقیق اور تفتیش کے بعد اس کی رہائی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وہ دن گزر گیا۔ رات بھی گزر گئی۔ اگلی صبح اس سے کچھ کاغذات پر دستخط کرا کے اسے آزاد کیا گیا۔

بابر تفتیشی سینٹر سے باہر نکلا تو ہر طرف اجلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا محوِ خرام تھی۔ اس نے طمانیت بھری چند گہری گہری سانسیں لیں۔ آزاد فضا کی اس ہوا سے کئی دنوں کی گھٹن دور ہوگئی۔ اس کی روح تک مسرتوں سے جھوم اٹھی۔

وہ خوش تھا، بہت خوش۔ یہ خوشی اور یہ طمانیت اس بات کی نہیں تھی کہ اسے رہائی ملی تھی اور وہ موت کی دہلیز سے لوٹ آیا تھا۔ وہ اس لیے خوش تھا کہ قوم کو راہنما کے بہروپ میں ایک راہ زن سے نجات ملی تھی۔ قوم و ملک کے وسیع تر مفاد کی رٹ لگا کر جڑوں کو کھوکھلا کرنے والوں کی منافقت اور خباثت سے آزادی مل گئی تھی۔

سراغرسی کے اسرار و رموز کو سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں... چھوٹی سے چھوٹی بات سے بڑے بڑے نکات تک کا سفر ایک سراغرساں اپنی باریک بیں نظر سے طے کرتا ہے... جسے عام انسانی آنکھ نظرانداز کر دیتی ہے... ایسے ہی ایک قتل کی واردات کا قصہ... جائے وقوعہ پر سب مزدور باہم یکجا تھے... دوستی کے بندھن میں بندھے تھے... پھر ایک مزدور اپنی جاں سے کیسے ہاتھ دھو بیٹھا۔

جرم و سچ کا امتزاج ایک ان دیکھے مجرم کی کھوج کا معاملہ

ناکام منصوبہ

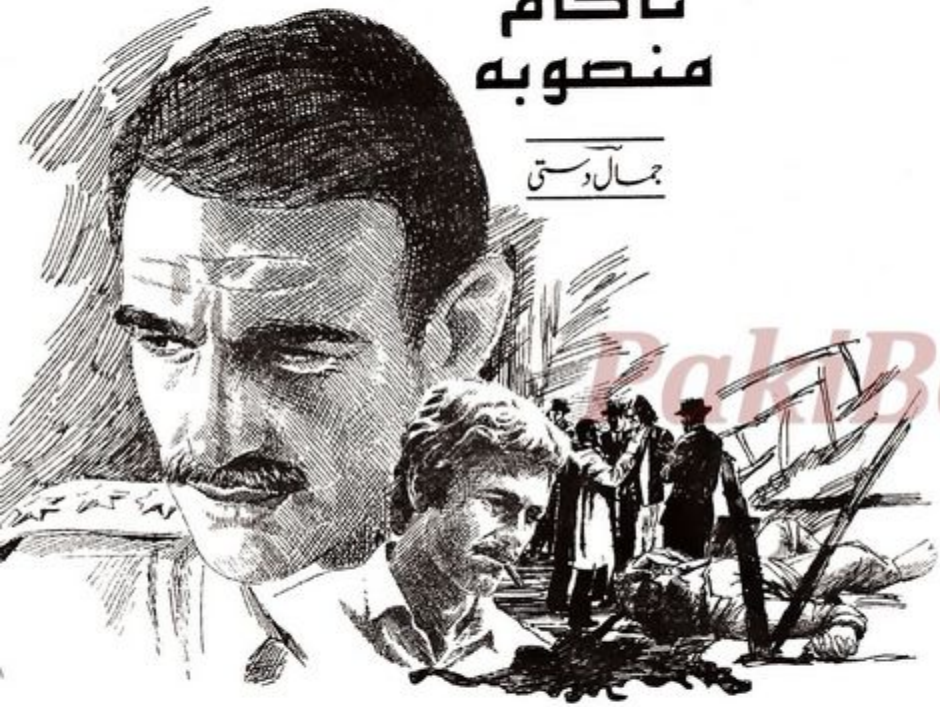

جمال دستی

انہوں نے اپنے دفتر میں قدم رکھا ہی تھا کہ ڈیسک کلرک اوروا وورکاٹ نے دروازے پر آ کر کہا۔

"لیفٹیننٹ اوبرن! سارجنٹ ڈولنگر!"

"کیا مصیبت آگئی؟" ڈولنگر نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کہا۔

"کیپٹن میننگ تم دونوں سے ایک اہم اور فوری نوعیت کے معاملے پر بات کرنا چاہتا ہے۔" اوروا نے کہا اور مٹکتی ہوئی اپنی جگہ پر واپس چلی گئی۔

PakiBooks.site

جب وہ دونوں کیپٹن کے کمرے میں پہنچے تو وہ ایک کاغذ پڑھ رہا تھا۔ اس نے کاغذ پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ''کورونر آفس کے اسٹیمی نے ہارمونی ہائٹس میں ایک ممکنہ قتل کی اطلاع دی ہے۔ مرنے والے کا نام سرجیو شاویز ہے۔ اسے ٹرانٹ نے مارا۔ شاید وہ.....''

''یہ ایک کار ہے۔'' ڈولنگر نے بتایا۔ ''مشرقی جرمنی کی بنی ہوئی۔ میرے کزن کے پاس بھی ہے۔ اس میں دو سلنڈر ہوتے ہیں۔ کوئی فیول پمپ نہیں اور یہ دوسری کاروں کی نسبت زیادہ دھواں دیتی ہے۔''

''وہ کار نہیں ہے۔'' میسنگ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''بلکہ کارنیوال میں چلنے والی تفریحی گاڑی ہے۔ وہ اسے میلے کے لیے تیار کر رہے تھے کہ اچانک نیچے گر پڑی اور اس کی زد میں آکر ایک کارکن ہلاک ہوگیا۔''

''تم نے کہا کہ یہ ایک ممکنہ قتل ہے؟''

''اسٹیمی کے کہنے کے مطابق یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ اس سواری کے ایک حصے کو لگا رہے تھے جسے کیپریسٹ ائر کے ذریعے سہارا دیا جاتا ہے لیکن نہ جانے ایسی کیا خرابی ہوئی کہ دس ٹن وزنی وہ فولادی حصہ نیچے آن گرا، اور وہ غریب کارکن اس کے بوجھ تلے کچلا گیا۔ فوری طور پر پہلا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ اس وقت وہ شخص اس کے نیچے کیا کر رہا تھا، اس کے علاوہ رگنگ انچارج کا خیال ہے کہ اس مشین کو جان بوجھ کر نقصان پہنچایا گیا ہے۔''

''اس ساری صورتِ حال اور اس علاقے کو دیکھتے ہوئے جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے، ہماری وہاں موجودگی ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں فوراً وہاں چلے جاؤ۔ جائے وقوعہ کی زیادہ سے زیادہ تصویریں لو اور جاننے کی کوشش کرو کہ یہ واقعہ کیوں اور کیسے پیش آیا، اگر شبوتوں کے ماہر کی ضرورت ہو تو اسے براہِ راست فون کر کے بلا لو کیونکہ میں کچھ دیر بعد دفتر سے باہر جا رہا ہوں۔''

ہارمونی ہائٹس کی آبادی ایک بلند جگہ پر واقع تھی اور اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہاں سے آپ اپنے علاوہ ہر ایک کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس علاقے میں زیادہ تر امیر اور گھمنڈی لوگ رہائش پذیر تھے جو اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

اس علاقے میں رہنے والے گرانٹ مڈل اسکول میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے جس کے میدان اور پارکنگ لاٹ میں یہ کارنیوال لگایا جا رہا تھا۔ اوبرن اور ڈولنگر کو وہاں اچھا خاصا مجمع نظر آیا۔ ان میں آدھے سے زیادہ اسکول کے طالب علم تھے جو تعطیلات کے پہلے ہی ہفتے میں بوریت محسوس کرنے لگے تھے اور اب وہ پارکنگ لاٹ کے احاطے میں گھوم پھر کر اپنی دلچسپی کا سامان تلاش کر رہے تھے۔ تقریباً دو درجن کارکن اس حادثے کے باوجود گیم بوتھ اور دوسرے پُرکشش اسٹال نصب کرنے میں مصروف تھے۔

گو کہ ابھی دس بھی نہیں بجے تھے لیکن کھانے پینے کے دو اسٹال ایک دن پہلے ہی کھول دیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک پر برگر اور فرائز جبکہ دوسرے پر کولڈ ڈرنکس دستیاب تھے۔ ٹی وی رپورٹر اور کیمرامینوں کی دو ٹیمیں بھی جائے وقوعہ پر موجود تھیں۔ وہ راہ گیروں سے انٹرویو کرنے کے علاوہ اس ہلاکت خیز منظر کے زوم شاٹس لے رہے تھے۔

پولیس کی مدد کے بغیر ہی کورونر آفس کے سراغ رساں اسٹیمی نے تماشائیوں کو مناسب فاصلے پر رکھنے کے لیے جائے وقوعہ کے گرد زرد رنگ کا ٹیپ باندھ دیا تھا۔ اس احاطے کے اندر توجہ کا مرکز ایک جزوی طور پر جوڑی ہوئی تفریحی سواری تھی۔ یہ ایک گول گردشی چبوترے پر مشتمل تھی جس کے کناروں پر کاریں لگی ہوئی تھیں جو ایک ایکسل کے ذریعے کسی بھی سمت میں گھوم سکتی تھی۔ جو پلیٹ فارم اور مشینری اسے گردش دیتی وہ ایک بڑے بیم پر رکھی ہوتی تھی اور جب پلیٹ فارم گھوم رہا ہوتا تو یہ اسے تیس درجہ زاویے پر جھکا دیتا۔ یہ پورا میکانزم ایک چھوٹے تختے والے ٹرک پر رکھا ہوا تھا جس کا اگلا حصہ الگ کر کے کسی دوسری جگہ کھڑا کر دیا گیا تھا۔

گردشی چبوترے کو ایک کرین کے ذریعے بیس درجہ زاویے تک دوبارہ اٹھا دیا گیا تھا تاکہ مرنے والے کی لاش تک پہنچنے کے لیے جگہ بن جائے۔ ایک میکینک ایلومینیم کی سیڑھی پر چڑھ کر اس سلنڈر کو کھول رہا تھا جو بظاہر ناکارہ ہو چکا تھا۔ اس کا ایک معاون ٹرک کے تختے پر کھڑا ہو کر سیڑھی پکڑے ہوئے تھا اور اسے ضرورت کے مطابق اوزار بھی دے رہا تھا۔

تک اسٹیمی نے اوبرن اور ڈولنگر کا ہمیشہ کی طرح خوش دلی سے استقبال کیا۔ اس نے اوبرن کو سرجیو شاویز کا ڈرائیونگ لائسنس بھی دے دیا جس کے مطابق اس کی عمر پچیس سال تھی اور وہ ہیگرز ٹاؤن کا رہائشی تھا۔ اس نے مزید بتایا کہ مرنے والا غیر شادی شدہ تھا اور ابھی تک اس کے کسی قریبی عزیز کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔

ڈولنگر نے جائے وقوعہ اور وہاں موجود لوگوں کی تصویریں لینا شروع کر دیں جبکہ اوبرن لوگوں سے پوچھ گچھ میں لگ گیا۔

''یہ وائن ایلن ہے۔'' اس نے سیڑھی پر چڑھے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ رگرز کا انچارج ہے۔''

ایلن نے اوبرن کی جانب دیکھتے ہوئے سر ہلایا اور اپنی آستین سے ماتھے کا پسینا پونچھتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو جہاں تک ممکن ہو سکا، میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ لیکن جب یہ واقعہ پیش آیا تو میں دوسری جگہ کام کر رہا تھا۔''

''ہمارے پاس ایک چشم دید گواہ ہے۔'' اسٹیمی نے کہا۔ ''لیکن وہ اس وقت دوسری جگہ کام کر رہا ہے۔''

''کیا تم ہی یہاں کے انچارج ہو؟'' اوبرن نے ایلن سے پوچھا۔

''نہیں، اس کا نام بیل ہے اور وہ اس وقت آرام گاہ میں میرے ایک آدمی سے بات کر رہا ہے جو اس واقعے پر بہت مشتعل ہے۔''

''شاویز یہاں کتنے عرصے سے کام کر رہا تھا؟''

''تقریباً ایک سال سے۔ وہ رگر نہیں صرف ایک مزدور تھا لیکن اس نے دوسروں کے مقابلے میں یہاں زیادہ عرصہ کام کیا۔''

''جب وہ سواری گری تو اس وقت وہ اس کے نیچے کیا کر رہا تھا؟''

ایلن نے گہری سانس لی اور بولا۔ ''تمہیں اس سلسلے میں پیٹ جانسن سے بات کرنا ہوگی۔ وہ اور سرجیو کام شروع کرنے والے ہی تھے کہ یہ حادثہ پیش آگیا۔ یہ پلیٹ فارم سڑک پر عمودی شکل میں سفر کرتا ہے اور اسے ایک مخصوص وقت میں گھوم کر نیچے آنا ہوتا ہے۔ پیٹ کے کہنے کے مطابق اس نے جیسے ہی پلیٹ فارم کو نیچے لانا شروع کیا تو اس سلنڈر کا پریشر جس پر میں کام کر رہا ہوں۔ اچانک گر گیا اور پورا ڈھانچا نیچے آن گرا۔ سرجیو اس وقت کارگو والی جگہ پر سامان اتار رہا تھا وہ اس کی زد میں آگیا۔''

''کیا تمہارے خیال میں کوئی ایسی وجہ ہو سکتی ہے جس کی بنا پر سمجھا جائے کہ یہ حادثہ نہیں تھا؟''

ایک بار پھر ایلن جواب دینے سے پہلے ہچکچایا۔ ''اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ پیٹ نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کیا تو اسے بھول جاؤ۔ اگر والو کو پورا کھول دیا جائے تب بھی اس سلنڈر سے پوری ہوا خارج ہونے میں دس منٹ لگتے ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس کے پسٹن کی سیل میں کریک آگیا یا وہ پھٹ گئی جبکہ پیر والے روز یہ سلنڈر بالکل صحیح کام کر رہا تھا۔''

''تمہارے خیال میں کسی شخص نے جان بوجھ کر اسے نقصان پہنچایا؟''

''میں خود یہی جاننا چاہتا ہوں۔''

''کون ایسا کر سکتا ہے؟''

''میں تمہیں بیس نام دے سکتا ہوں۔'' عقب سے ایک آواز آئی۔

اوبرن نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ ایک بھاری بھرکم بڑھی ہوئی توند والا شخص تھا۔ اس نے ہاف پینٹ اور گھٹنوں تک سفید موزے پہن رکھے تھے۔ سر پر ایک بڑا سا کاؤبوائے طرز کا ہیٹ تھا۔ ''بڈ بیل۔'' اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ ''اور تم؟''

اوبرن نے اسے اپنا کارڈ دکھا دیا۔

''یہ بہت ہی واہیات کاروبار ہے آفیسر۔'' اس نے کہا۔ ''ہم اس سال کے آغاز سے ہی دو درجن کمپنیوں کے خلاف بولی میں حصہ لے رہے ہیں تاکہ موسمِ گرما کے ہر ہفتے میں شو کرنے کا معاہدہ کر سکیں۔ ان میں سے کچھ کمپنیاں ہمیں منظر سے ہٹانے کے لیے ایسی حرکت کر سکتی ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ کسی حریف نے تخریب کاری کی ہے تاکہ لوگ مارے جائیں۔''

''ممکن ہے کہ ان کا مقصد لوگوں کو مارنا نہ ہو۔ غالباً وہ چاہ رہے ہوں گے کہ یہ تفریحی سواری تباہ ہو جائے اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ زخمی ہو جائیں پھر وہ ہرجانے کا دعویٰ کریں، میڈیا میں اس کو اچھالا جائے، ہم مفلوج ہو کر رہ جائیں یہاں تک کہ ہمیں کاروبار بند کرنا پڑ جائے۔''

وہ چند قدم چل کر ایک چھتری کے سائے تلے کھڑا ہو گیا۔ اوبرن بھی اس کے ہمراہ تھا۔ ''بدقسمتی یہ ہے کہ.....'' بیل نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم انشورنس کی مد میں بہت بڑا پریمیم ادا کر رہے ہیں لیکن اس سے صرف سواریوں کو پیش آنے والے حادثات ہی کور ہوتے ہیں اور کسی ملازم کی موت پر معاوضہ نہیں ملے گا اگر وہ کسی مجرمانہ سرگرمی یا مجرمانہ کوتاہی کی وجہ سے ہوئی ہو۔''

''ایسی صورت میں ہمیں معاوضہ ادا کرنا ہوگا یا پھر کسی ایک شخص کو اس تخریب کاری کا مجرم ثابت کرنا پڑے گا اور اگر وہ ہمارا اپنا آدمی نکلا تو شاید اس کو جیل جانے کی مہلت ہی

Pak Books Site

نہ ملے۔ اس سے پہلے ہی وہ کسی حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔''

''تمہارا خیال ہے کہ تمہارے اپنے کسی آدمی نے مشینری میں گڑبڑ کی ہے؟''

''جب وائن سلنڈر نکال لے گا تو شاید ہم اس بارے میں کچھ جان سکیں تاہم جس نے بھی یہ حرکت کی ہے' وہ کوئی میکینک ہی ہو سکتا ہے جس کی گزشتہ چار پانچ روز کے دوران اس تفریحی سواری تک رسائی رہی ہے۔ فی الحال میں کسی کا نام نہیں لے سکتا لیکن ہمارے عملے کا کوئی ایک فرد اس میں ملوث ہو سکتا ہے۔''

بڈنیل نے ہیٹ اتار کر ایک سرخ سوتی رومال سے اپنا گنجا سر صاف کیا اور ہیٹ کو دوبارہ اپنی جگہ پر جماتے ہوئے بولا۔ ''ان میں سے کچھ لوگوں پر مجھے بھروسا ہے لیکن زیادہ تر پر نہیں۔ یہاں کام کرنے والے مزدوروں کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ شرابی، جواری اور منشیات کے عادی ہیں۔ ان میں سے کچھ جرائم پیشہ بھی ہیں اور وہ صرف دنیا دکھاوے کے لیے یہاں کام کر رہے ہیں۔''

''کیا حال ہی میں تمہارا کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا یا کسی کے دل میں تمہارے لیے بغض ہے۔ کوئی ایسا شخص جسے تم نے حال ہی میں ملازمت سے فارغ کیا ہو اور اس کے اب بھی یہاں رابطے ہوں؟''

''میری نظر میں ایسا کوئی شخص نہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے یہ کام محض پیسوں کی خاطر کیا ہے۔''

''اور یہ پیسا تمہارے کسی حریف نے دیا ہوگا؟''

''یقیناً۔ میرے کچھ آدمی ماضی میں ان میں سے ایک دو کمپنیوں میں کام کر چکے ہیں۔ ان لوگوں سے وفاداری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک دراز قد گرگو آواز دی۔ ''جانسن!''

وہ اپنا کام چھوڑ کر آیا تو بڈنیل نے اس سے کہا۔ ''یہ سراغ رساں صبح ہونے والے واقعے کے بارے میں کچھ سوالات کر رہا ہے۔''

''چرچی کیسا ہے؟'' جانسن نے اوبرن کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ میں اسی سے بات کرنے جا رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اوبرن نے پوچھا۔ ''تمہارا نام؟''

''پیٹر جانسن۔''

''تم اس حادثے کے بارے میں مجھے کیا بتا سکتے ہو؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا جاننا چاہ رہے ہو۔'' جانسن نے تفریحی سواری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا جہاں ایلن اور اس کا ساتھی ابھی تک سلنڈر پر کام کر رہے تھے۔ ''اس سواری کو ٹرابنٹ، کہا جاتا ہے۔ جب یہ حرکت کر رہی ہو تو ایک پروگرام کے ذریعے اس کی رفتار، پلیٹ فارم پر گھومنے کی سمت اور بلندی کے زاویے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس زاویے کا انحصار سلنڈر میں ہوا کی مقدار پر ہوتا ہے۔ جب پلیٹ فارم کو اوپر لے جانا ہو تو ایک والو کے ذریعے سلنڈر میں مزید ہوا داخل کی جاتی ہے اور جب اسے غوطہ دینا ہو تو سلنڈر سے ہوا کا اخراج ہونے لگتا ہے۔ جب یہ پلیٹ فارم اوپر جاتا ہے تو سواری میں بیٹھا ہوا ہر شخص اپنے آپ کو اڑتا ہوا محسوس کرتا ہے اور جب سلنڈر سے ہوا خارج ہوتی ہے تو ایک اٹھارہ پہیوں والی گاڑی کے ائر بریک جیسی آواز آتی ہے۔ اس سے لوگ دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔''

''جب یہ حادثہ پیش آیا تو کیا تم شاویز کے ساتھ کام کر رہے تھے؟''

جانسن نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں پلیٹ فارم کو نیچے لانے کے لیے سلنڈر سے ہوا نکال رہا تھا۔ یہ معمول کا طریقہ ہے اور میں درجنوں بار ایسا کر چکا ہوں۔ اس نے ابھی جھکنا شروع کیا ہی تھا کہ وہ اچانک ہی نیچے آ کر ٹکرا گئی۔''

''اس وقت تم کہاں تھے؟''

''میں اس لیور کے پاس کھڑا تھا۔'' اس نے کمپریسر پر لگے ہوئے چار میں سے ایک لیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور شاویز کہاں تھا؟''

''تفریحی سواری کو تیار کرنے سے پہلے ہم وہاں چھ جیک لگا رہے تھے پھر ہم نے ان کے ساتھ ساتھ ٹرک کے نچلے حصے اور ٹائروں پر ترپال ڈال دی۔ یہ کام کرنے کے بعد وہ باہر آ رہا تھا۔''

سارجنٹ ڈونگر اپنے ہونٹ صاف کرتا ہوا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ''لیفٹیننٹ یہ شخص فیسٹیول کمپنی کا چیئرمین ہے اور یہ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔''

کوسمو کال میٹ ایک طویل قامت شخص تھا۔ ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اسے ایک قتل کی واردات کہہ رہے ہو؟'' اس کے لہجے سے غرور جھلک رہا تھا۔

''یہ ایک معمول کی کارروائی ہے۔'' اوبرن نے کہا۔ ''جب یہ واقعہ پیش آیا تو کیا تم اس وقت یہیں پر تھے؟''

''نہیں، مجھے یہ اطلاع اس وقت ملی جب میں گھر سے نکل رہا تھا۔ میں یہاں ایک بڑا فیصلہ کرنے آیا ہوں۔ ہمیں یہ میلہ منسوخ یا کم از کم ملتوی کرنا پڑے گا اور اگر ایسا ہوا تو اس سے ہماری فلاحی سرگرمیاں متاثر ہوں گی۔''

اوبرن سوچنے لگا کہ کال میٹ اور اس کے ساتھی اخراجات اور انتظامی فیس کے نام پر میلے کی آمدنی میں سے کتنا حصہ وصول کرتے ہوں گے۔ اسی دوران ایلن بھی سیڑھی سے نیچے اتر آیا اور اس نے اسٹیمی کو کوئی چیز دکھائی جو اس نے میکانزم میں سے نکالی تھی۔ پھر وہ اوبرن، ڈونگر اور کال میٹ کے پاس آئے۔ ایلن ایک نیلے رنگ کے پلاسٹک کا ٹکڑا ہاتھ میں لہرا رہا تھا جیسے اسے لاس ویگاس آنے جانے کا ٹکٹ مل گیا ہو۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے وہ ٹکڑا ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سلنڈر کی رنگ سیل ہے۔ اسے ایک طرف سے نیچے کی جانب کاٹا یا چیرا گیا ہے اور پھر اسے اسفالٹ سے جوڑ دیا گیا ہے۔''

''کیا میں ایک منٹ کے لیے اسے دیکھ سکتا ہوں؟'' کال میٹ نے کہا۔ ''میں ریٹائرڈ انجینئر ہوں اور سیل کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔''

''کیا ہمیں ثبوتوں کے ماہر کو بلا لینا چاہیے؟'' ڈونگر نے نیچی آواز میں اوبرن سے کہا۔

''ہاں۔'' اوبرن نے کہا تو ڈونگر نے اپنا سیل فون نکالا اور ایک طرف کو چل دیا۔

کال میٹ نے سیل پکڑی اور اس کا بغور معائنہ کرنے کے بعد کہا۔ ''یہ پلاسٹک اور سنتھیٹک ربر سے بنی ہوئی ہے اور کسی بوائلر کی پلیٹ کی طرح سخت ہے۔ عام حالات میں یہ اس طرح نہیں پھٹتی اور ہر میکینک یہ جانتا ہے کہ اس طرح کی پھٹی ہوئی سیل کی مرمت ممکن نہیں جس طرح اسے جوڑا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی جنگی جہاز کے سوراخ پر ٹیپ لگا دیا جائے۔''

اس نے ایلن کو سیل واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ دانستہ تخریب کاری ہے۔''

''اس شبہے کے پیشِ نظر ہمیں یہ ثبوت اپنی تحویل میں لینا ہوگا۔'' یہ کہہ کر اوبرن نے ایک بڑا پلاسٹک بیگ ایلن کی طرف بڑھا دیا تاکہ وہ سیل کو اس میں ڈال دے۔

اوبرن اپنی کار تک پہنچا ہی تھا کہ ڈونگر بھی تیز تیز

چڑیل

وہ ایک ہوٹل میں تین بجے سے رات گیارہ بجے تک کی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ واپسی میں بس سے اتر کر گھر تک پہنچنے کے لیے اسے ایک اجاڑ راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔ بہت ڈرتی تھی لیکن مجبوری تھی۔

چند دنوں سے اس نے محسوس کیا کہ تین اوباش لڑکے اس راستے پر چھپ کر اس پر نظر رکھنے لگے ہیں۔ ایک روز وہ تینوں کھل کر سامنے آ گئے۔

''اتنی رات کو کہاں سے آتی ہو؟''

''اکیلے میں تمہیں ڈر نہیں لگتا؟''

''آؤ...... ہم تمہیں گھر تک چھوڑ آئیں!''

تینوں نے اسے تقریباً گھیر کر تضحیک آمیز لہجے میں اپنی اپنی بولیاں بولنی شروع کر دیں۔

''بھائی! میں روز ایک خونی کی تلاش میں اِدھر آتی ہوں!'' لڑکی نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے مسکراتی ہوئی، دھیمی آواز میں کہا۔ ''جب تک زندہ تھی، بات بات پر ڈر جاتی تھی۔ اس جگہ قتل ہو جانے کے بعد اب مجھے کسی بات کا خوف نہیں رہا۔''

یہ سنتے ہی وہ تینوں سر پر پیر رکھ کر سرپٹ بھاگ نکلے۔ بعد میں وہ کبھی اس راستے پر نظر نہیں آئے۔

کچھ عرصے بعد لڑکی کے کانوں تک یہ خبر پہنچی کہ اس ویرانے میں رات گئے ایک چڑیل خوب صورت لڑکی کے روپ میں مردوں کا خون پینے کے لیے گھومتی رہتی ہے۔ بھولے بھٹکے راہ گیروں نے بھی رات میں اُدھر سے گزرنا چھوڑ دیا۔ لڑکی کے لیے وہ راستہ محفوظ ہو چکا تھا۔

حیدرآباد سے سیریناوہاب کی حکمتِ عملی

قدموں سے چلتا ہوا آ گیا۔ اس نے بتایا کہ کیسٹرل لیبارٹری سے چل دیا ہے پھر اس نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور اس کے صفحے پلٹتے ہوئے بولا۔ ”میں نے فیرس وہیل پر کام کرنے والے تینوں کارکنوں کے بیانات لیے ہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں دیکھا، کچھ نہیں سنا اور وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

اوبرن نے اسے ٹوٹی ہوئی سیل دکھائی اور بیل، ایلن اور جانسن کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

”ان کا ایک رگر چے چی اپنے ساتھی کی موت سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ بنک ہاؤس میں چلا گیا۔ تمہیں اس جگہ کے بارے میں معلوم ہے؟“

”وہ اس پرانی اسکول بس میں ہے جو پارکنگ لاٹ کے کنارے پر کھڑی ہوئی ہے۔“

”تم وہاں جا چکے ہو؟“

”نہیں، لیکن میں نے انہیں باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ چے چی زیر تربیت ہے اور کچھ پرانے کارکنوں کا خیال ہے کہ اسے رگر کے برابر معاوضہ نہیں ملنا چاہیے۔ وہ شراب نہیں پیتا، سگریٹ نوشی نہیں کرتا اور نہ ہی جوا کھیلتا ہے۔“

”مجھے ایسے لوگ پسند ہیں۔ چلو اس سے ملتے ہیں۔“

اس پرانی بس کو مزدوروں کے لیے عارضی خواب گاہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہ ڈرائیور کی طرف کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوئے۔ بس کے اگلے حصے کو لاؤنج اور ڈائننگ ایریا میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ عقبی حصے میں شاور اور لیٹرین بنائے گئے تھے جبکہ درمیان میں دونوں دیواروں کے ساتھ سونے کے لیے گدے دار تختے لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پر چے چی اور اس کے سامنے والے پر بڈنیل مضطرب انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

اوبرن اور ڈونگر نے اپنا تعارف کروایا۔ اس کا پورا نام اینسن چے چی ٹیمپل تھا۔ عمر بائیس سال اور وہ گزشتہ سات ماہ سے اس کمپنی میں زیر تربیت رگر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اور ہیری ریس سامان اتارنے میں مصروف تھے جب انہوں نے ہوا کے خارج ہونے اور تفریحی سواری کے گرنے کی آواز سنی۔ انہوں نے اس جانب دوڑ لگائی تو دیکھا کہ لوگ ہسٹریائی انداز میں چلا رہے تھے اور صدمے کی وجہ سے پیٹ جانسن کے منہ سے بے ربط آوازیں نکل رہی تھیں۔

ٹیمپل نے اس سے پہلے کبھی کوئی لاش نہیں دیکھی تھی۔ وہ شاویز سے بھی بہت زیادہ قریب نہیں تھا لیکن اس اچانک حادثے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے خراب موڈ نے کسی حد تک بڈنیل کو بھی متاثر کیا تھا جو اس کے سامنے بیٹھا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

ایک کارکن ہیلمٹ اور ڈانگری پہنے ہوئے بس میں داخل ہوا اور کہنے لگا۔ ”باس ہمیں فوری طور پر ایک کرین اور لفٹر چاہیے تاکہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے اس گاڑی کو وہاں سے ہٹایا جا سکے۔“

”یہ میں سن چکا ہوں۔“ بڈنیل نے کہا۔ ”لیکن سرجیو کی لاش ابھی تک وہیں پڑی ہوئی ہے جہاں ایمرجنسی کریو نے اسے چھوڑا تھا۔“

”لاش کو ہٹانا ان کا کام نہیں ہے۔“ ڈونگر نے وضاحت کی۔ ”جب کورونر آفیسر اور پبلک سیفٹی کا ٹیکنیشن اپنا کام ختم کر لیں گے تو لاش کو وہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔“

”کال میٹ کہہ رہا تھا کہ فیسٹیول کمیٹی اس شو کو بند کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔“ اوبرن نے کہا۔

بڈنیل نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ اپنا ہی نقصان کریں گے، میرا نہیں۔ میرے پاس کنٹریکٹ ہے۔“

بنک ہاؤس سے باہر آ کر اوبرن اور ڈونگر نے دیکھا کہ اب وہاں لوگوں کی بھیڑ ختم ہو گئی ہے اور ٹی وی کیمرا مین بھی جا چکے ہیں۔ بوتھ اور سواریوں کی تنصیب کا کام کسی رکاوٹ کے بغیر جاری تھا اور تباہ شدہ گاڑی کے برابر میں سفید وین کی موجودگی ظاہر کر رہی تھی کہ فارنسک لیبارٹری کا ڈائریکٹر اپنے ایک آدمی کے ہمراہ وہاں آ چکا ہے۔ وہ تباہ شدہ گاڑی اور شاویز کی لاش کی ہر ممکنہ زاویے سے تصویریں بنا رہا تھا۔ اس نے اوبرن کو دیکھتے ہی اس سیل کے بارے میں پوچھا جو ایلن نے اسے دی تھی۔ اوبرن نے ڈونگر کو وہ سیل لانے کے لیے بھیجا اور خود کیسٹرل سے کیس کے بارے میں بات کرنے لگا۔

”اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایلن اور کال میٹ کے خیال میں یہ تخریب کاری ہے۔“ اس نے کہا۔ ”تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کا بنایا ہوا منصوبہ ناکام ہو گیا اور اتفاق سے شاویز اس کا نشانہ بن گیا۔“

”یہ ممکن ہے۔“ کیسٹرل نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کی موت کو حادثہ ظاہر کریں۔“

”اصل بات یہ ہے کہ یہ کسی بھی طرح حادثہ نظر نہیں آتا اور ایسا بھی نہیں کہ سیل کو کسی آری سے کاٹ کر اپنی جگہ

پر سیمنٹ سے چپکا یا گیا ہو اور کوئی اتنا بکھیڑا کیوں پالے گا جب سلنڈر کے ہیڈ پر ہتھوڑے کی ضرب سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔“

ڈونگر سیل لے کر آیا تو ایلن بھی وہاں موجود تھا۔ کیسٹرل نے پلاسٹک کا بیگ کھولے بغیر سیل کا معائنہ کیا اور باضابطہ کارروائی کے بعد اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔

”کیا تم کام کے دوران اسفالٹ بیسڈ مسالا استعمال کرتے ہو؟“ اس نے ایلن سے پوچھا۔

ایلن نے پارکنگ لاٹ کی جانب ایک چوبیس فٹ لمبی وین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ ہماری موبائل لیبارٹری ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کس وقت مشینری میں خرابی ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم اپنے ساتھ مناسب مقدار میں اسپیئر پارٹس رکھتے ہیں جس میں سلنڈر کی سیل، رنگ، آئل، گریس وغیرہ شامل ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے کہ بعض اوقات سیل بدلنے کی ضرورت پیش آتی ہے؟“

”دو سال بعد ان میں معمولی لیکج ہو سکتی ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ ایک پرانے کپڑے کی طرح پھٹ جائیں۔“

کچھ دیر بعد مردہ خانے کا عملہ لاش کو لے جانے کے لیے آ گیا۔ ان کے جانے کے بعد اسٹیچی اور کیسٹرل نے بھی سامان باندھا اور اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف چل دیے۔ اسٹیچی نے جاتے جاتے بہ آواز بلند اعلان کیا۔ ”مجھے اس واقعے کی اطلاع سیفٹی اینڈ ہیلتھ کی انتظامیہ کو بھی دینا ہو گی کیونکہ یہ موت کام کی جگہ پر ہوئی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کب یہاں پہنچیں گے لیکن تمہیں ان کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔“

کیسٹرل نے وہاں سے جانے میں بالکل دیر نہیں لگائی۔ البتہ اوبرن اور ڈونگر ایک دو لوگوں سے پوچھ گچھ کے لیے رک گئے۔ پہلے انہوں نے ہیری ریس سے بات کی جو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جنریٹر کا کیبل کھول رہا تھا۔

”تمہارے خیال میں سیل کے ساتھ کیا ہوا؟“ اوبرن نے اس سے پوچھا۔

”میں نے اسے اچھی حالت میں نہیں دیکھا۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”تمہارے باس کا کہنا ہے کہ اسے جان بوجھ کر کاٹا گیا اور پھر سیمنٹ سے جوڑ دیا۔ کیا تمہارے خیال میں یہ ممکن ہے؟“

”یقیناً یہ ممکن ہے۔“

”کچھ اندازہ ہے کہ یہ کام کس نے کیا ہو گا؟“

”نہیں، کم از کم میں نے نہیں کیا۔“

”لیکن وہ کوئی ایسا شخص ضرور ہے جسے مشینری کے بارے میں معلومات ہیں؟“

ریس نے بیزاری سے گردن ہلا دی۔

”گزشتہ ہفتے شو ختم ہونے کے بعد کون اس تفریحی سواری میں جا سکتا ہے؟“

”یہ گاڑیاں بدھ کی سہ پہر تک ایک بند فیکٹری کی پارکنگ لاٹ یا گرس ویل کے باہر گودام میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے چاروں طرف زنجیر کی باڑ اور گیٹ میں تالا لگا ہوا تھا۔ گو کہ بنک ہاؤس بھی وہیں پارک کیا گیا تھا لیکن عملے کے زیادہ تر لوگ تفریح کے لیے آدھی رات تک باہر رہے۔“

انہوں نے ریس کا شکریہ ادا کیا اور واپس تباہ شدہ گاڑی پر آ گئے۔ جہاں ایلن اور جانسن ایک ٹریلر کے ذریعے اسے وہاں سے ہٹانے کا انتظام کر رہے تھے۔ ڈونگر نے گھڑی دیکھی اور بولا۔ ”لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔“

کھانے کے بعد وہ بڈنیل سے ملنے چلے گئے تاکہ اس سے عملے کی تفصیلات معلوم کر سکیں۔ شو کے دوران وہ ایک خیمے والی گاڑی میں قیام کرتا جس میں اس نے اپنا دفتر بھی بنا رکھا تھا۔ جب وہ گاڑی کے پاس پہنچے تو انہیں اس کے روشندان سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ وہ ٹروئے گیراٹ سے صلاح مشورہ کر رہا تھا جس کا تعلق تفریحی سواری کے سیفٹی پروگرام سے تھا۔ اس کی آمد کا تعلق شاویز کی موت سے نہیں تھا بلکہ وہ معمول کے مطابق تفریحی سواری کے حفاظتی انتظامات چیک کرنے آیا تھا جو میلہ شروع ہونے سے پہلے کیے جاتے ہیں۔

گیراٹ لنچ کے لیے چلا گیا تو اوبرن نے بڈنیل سے اس کے عملے کی فہرست مانگی۔ اس نے کمپیوٹر کھولا اور کہا۔ ”تمہیں دس منٹ بعد یہ فہرست مل جائے گی۔“

وہ باہر آئے تو گیراٹ انہیں ایک اسٹال پر مل گیا۔ انہوں نے اسے آلو کے چپس اور چیری سوڈا کی پیشکش کی اور اس سے ٹرابنٹ (تفریحی سواری) کے بارے میں تکنیکی معلومات حاصل کرنا چاہیں۔

”بڈنیل کی ٹرابنٹ کم از کم چالیس سال پرانی ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”کیونکہ نئی گاڑیوں میں ہائیڈرالک سسٹم نصب ہوتا ہے گو کہ اب اسے اسکریپ کر دینا چاہیے لیکن یہ

PakiBooks.site

اس کے زنگ آلود حصوں پر رنگ اور پینٹنگ وغیرہ میں گریس دے کر اسے آنے والے سیزن کے لیے تیار کر لیتے ہیں۔"

"تمہارے معائنے کی خصوصیت کیا ہوتی ہے؟"

"میں چلنے کے دوران اس کے مختلف کاموں کو دیکھتا ہوں۔ مثلاً اس کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم اونچائی کی حد کیا ہے۔ دل کے مریضوں یا گردن کی تکلیف میں مبتلا مریضوں کے لیے کیا مشورے تجویز کیے گئے ہیں۔ یہ بھی دیکھتا ہوتا ہے کہ اس کے تمام حصے پوری طرح کام کر رہے ہیں۔ خاص طور پر بریک اور ہنگامی صورت میں بند ہونے والے والو وغیرہ۔

ڈولنگر نے تخریب کاری کے بارے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن میں نے کچھ نہیں دیکھا۔"

"بڈبیل کا خیال ہے کہ اس کے کسی حریف نے سلنڈر کی سیل کو نقصان پہنچایا ہے تاکہ تفریحی سواری ناکام ہو جائے اور اس کے نتیجے میں لوگ زخمی ہوں۔"

"مارکیٹ ریسرچ میرا شعبہ نہیں ہے۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ "لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کی چوٹوں بلکہ اموات کے بعد اس سواری کی مقبولیت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان میں سوار ہونے والے نوّے فیصد لوگ تیس سال سے کم عمر کے ہوتے ہیں اور اس طرح کے حادثات کے بعد ایڈونچر کے دلدادہ اور خطروں سے کھیلنے والے ان میں زیادہ دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ آدھے سے زیادہ حادثات صرف اس لیے پیش آتے ہیں کہ ان میں سوار ہونے والے جان بوجھ کر پابندیوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اگر اس کے نتیجے میں کوئی موت واقع ہو جائے تو وہ سواری دوسرے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔"

بڈبیل نے اپنے عملے کی جو فہرست فراہم کی۔ وہ تیس سے زیادہ افراد پر مشتمل تھی جو ہارمونی ہائٹس فیسٹیول میں مختلف کاموں پر مامور تھے۔ اس میں ان کے رہائشی پتے کے علاوہ سوشل سیکیورٹی نمبر بھی دیا ہوا تھا جس سے ان کے پس منظر کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا تھا۔ بڈبیل نے ایلن اور اس کے عملے کے بارے میں مزید مخصوص معلومات بھی فراہم کی تھیں۔ مثلاً ان کی مدتِ ملازمت، ازدواجی حیثیت اور ذاتی زندگی کی تفصیل وغیرہ۔

اس نے ہیری ریس کے اس خدشے کی تصدیق کر دی کہ یہ تخریب کاری ہفتے کے ابتدائی دنوں میں ہوئی ہو گی جب یہ گاڑیاں کرکس ویل میں کھڑی ہوئی تھیں اور وہ اپنے اس نظریے پر بھی قائم تھا کہ کسی کاروباری حریف نے اس کے ایک یا دو آدمیوں کو پیسے دے کر گاڑی تباہ کروائی ہے۔

"لیکن میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے موقع پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑے ہوں گے۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اور مجھے نہیں لگتا کہ اس سلسلے میں تمہارے کمپیوٹر اور دوربینوں سے کوئی مدد مل سکتی ہے۔"

ہیڈ کوارٹر پہنچ کر اوبرن اور ڈولنگر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اوبرن نے اب تک ہونے والی تحقیقات کے بارے میں ایک رپورٹ لکھنا شروع کر دی جبکہ ڈولنگر نے اپنے کیمرے سے لی گئی دو درجن تصویریں کمپیوٹر سے محفوظ کر لیں۔ پھر اس نے کمپنی کے عملے اور دوسرے متعلقہ لوگوں کا ایک رجسٹر تیار کیا اور ان کے بارے میں تمام دستیاب معلومات درج کر لیں۔

عملے کا سربراہ چوالیس سالہ وائن ایلن گزشتہ بارہ برس سے اس کمپنی میں ملازم تھا۔ پہلے وہ ڈرائیور تھا پھر آٹوٹو میکینک بن گیا۔ وہ بیوی بچوں والا تھا۔ شراب نہیں پیتا تھا اور مالک کے علاوہ ماتحت بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ ان ماتحتوں میں ایک ہائیس ناؤن سینڈ تھا۔ اس کی عمر پچاس سال تھی اور وہ ان سب میں سینئر تھا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا اور ہفتے میں کم از کم ایک بار کمپنی چھوڑنے کی دھمکی دیا کرتا۔

ہوبرٹ ہیری ریس، عمر چھیالیس سال، میکون جارجیا کا رہنے والا تھا۔ وہ اس کمپنی کے ساتھ گزشتہ دس سال سے وابستہ تھا لیکن درمیان میں کبھی کبھی وہ ایک دو سال کے لیے کوئی دوسرا کام شروع کر دیتا۔ کبھی وہ کسی دوسری کمپنی میں چلا جاتا تو کبھی کوئی ٹرک یا ویگن چلانے لگتا۔

پیٹر جانسن کی عمر چونتیس سال تھی اور وہ انڈیانا پولیس کے مضافات میں رہتا تھا۔ اس کی بیوی بھی اسی کمپنی میں بک کیپر کے طور پر کام کرتی تھی لیکن اس بار وہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ اوبرن کے خیال میں وہ ایک ذہین، صاف گو اور محتاط شخص تھا۔ ٹیمپل کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ وہ ہوشیار اور مخلص لیکن جذباتی طور پر غیر متوازن شخص ہے۔

بڈبیل نے مرنے والے سرجیو شاویز کے بارے میں بتایا کہ وہ ملنسار، شور شرابا کرنے والا، عورتوں کا رسیا اور بدقسمت جواری تھا۔ اس کے پاس ہمیشہ پیسوں کی تنگی ہوتی

تھی اور وہ مرتے وقت بھی اپنے مالک کا مقروض تھا۔

اب تک کی کارروائی کے بعد وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ سرجیو شاویز کی موت ایک طرح سے غیر ارادی قتل کا معاملہ تھا اور اس شخص کو شناخت کرنے کا امکان بہت کم تھا جس نے تفریحی سواری کے میکانزم میں گڑبڑ کی تھی۔

اوبرن نے شام چھ بجے کی خبریں خاص طور پر اس وجہ سے دیکھیں کہ کیا کسی ٹی وی کیمرامین نے اس کی سرگرمیوں کا نوٹس لیا کیونکہ بظاہر وہ اپنے کام سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ٹی وی اسٹیشن والوں نے خبروں میں حادثے کی پوری ٹیپ چلا دی۔ اس نے فوراً وہاں کا نمبر ملایا تو اس کا رابطہ ایک نیوز کاسٹر آئیوی رالنگ سے ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ ٹیپ ایک شوقیہ کرامین نے فلم بند کی تھی تاہم وہ اس کا نام نہیں بتا سکتی اور نہ یہ بتا سکتی ہے کہ ٹی وی والوں نے اسے کتنے میں خریدا۔

"پبلک سیفٹی کو اس کی ایک کاپی چاہیے۔" اوبرن نے کہا۔ "اس کے علاوہ اگر حادثے سے فوراً پہلے یا بعد میں کچھ اور ریکارڈ کیا گیا ہے تو وہ بھی ثبوت کے طور پر استعمال ہو گا۔"

"ٹھیک ہے اگلے دو گھنٹے میں مصروف ہوں۔ مجھے گیارہ بجے کی خبروں کے لیے تیاری کرنی ہے، اگر تم دس بجے سے پہلے اسٹوڈیو آ جاؤ تو میں اس ٹیپ کی ایک نقل دے دوں گی۔ اس سے پہلے میں تمہارا پانچ منٹ کا انٹرویو بھی کروں گی۔"

انٹرویو کے دوران اوبرن نے کسی پر اپنا شک ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی کسی خاص جانب اشارہ کیا یہاں تک کہ اس نے تخریب کاری کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔ انٹرویو کے بعد رالنگ نے اسے ٹیپ کی نقل دے دی جسے اس نے گھر جا کر کئی بار دیکھا۔ جیسا کہ توقع تھی کہ ٹی وی والوں نے گیارہ بجے کی خبروں میں اوبرن کے انٹرویو کے ساتھ وہ ٹیپ دوبارہ چلائی اور یہ اعلان بھی کیا کہ ہارمونی ہائٹس فیسٹیول پروگرام کے مطابق صبح آٹھ بجے کھول دیا جائے گا۔

تقریب شروع ہونے سے بہت پہلے اوبرن اور ڈولنگر وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ بڈبیل کو تلاش کرتے ہوئے عارضی خواب گاہ میں پہنچے۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا اور وہ خاصا جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔

"میری ایک بڑی سواری بند ہو گئی۔" وہ غصے سے بولا۔ "ایک کارکن ہلاک ہو گیا اور دو رگرز چلے گئے۔"

اگر میری بیوی سے تمہاری گپ شپ ختم ہو گئی ہو تو اس کی جان چھوڑو..... ہمیں گھر بھی جانا ہے۔

"کون چلا گیا؟" اوبرن نے پوچھا۔

"پیٹ اور چرچی۔ وہ رات میں کسی وقت نکلے ہیں اور اپنا سامان بھی یہاں چھوڑ گئے۔" اس نے تختوں کے اوپر، نیچے اور درمیان میں بکھرے ہوئے کپڑوں اور ذاتی اشیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ دونوں ایک ساتھ گئے ہیں؟"

"شاید، پیٹ کی کار بھی نہیں ہے۔"

"کیا ان کے پاس سیل فون ہیں؟" ڈولنگر نے پوچھا۔

"پیٹ کے پاس ہے لیکن وہ جواب نہیں دے رہا۔"

اوبرن نے اس سے پیٹر جانسن کا نمبر لیا جبکہ ڈولنگر نے موٹر رجسٹریشن ڈپارٹمنٹ سے رابطہ کیا تاکہ اس کی کار کا میک، ماڈل اور رجسٹریشن نمبر معلوم کیا جا سکے۔

"ایلن کہاں ملے گا؟" اوبرن نے پوچھا۔

"تمہیں اسے تلاش کرنا ہو گا۔ وہ ایک سانپ کی طرح لہراتا ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہے کیونکہ اس وقت اس پر کام کا بہت بوجھ ہے۔ وہ اپنے علاوہ تین دوسرے لوگوں کا بھی کام کر رہا ہے۔"

وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ میلے کی تیاریاں آخری مراحل میں تھیں اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر مستعد تھے۔ ایلن اور ہیری ریس فیرس وہیل کو چیک کر رہے تھے۔

PakiBookStore

''میں نے گزشتہ شب تمہیں ٹی وی پر دیکھا تھا۔'' ایلن نے اوبرن سے کہا۔ ''پیٹ اور چرچی نے بھی۔ اس کے بعد وہ دونوں یہاں سے چلے گئے۔''

''تمہارے خیال میں ان کے جانے کا اس واقعے سے کوئی تعلق ہے؟''

''ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ دونوں شو کے درمیان کام چھوڑ کر کیوں جاتے؟''

''تم انہیں ہم سے زیادہ جانتے ہو۔ کیا تمہارے خیال میں انہوں نے سواری میں کوئی گڑبڑ کی تھی؟''

ایلن نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''تم سراغ رساں ہو۔ یہ تم معلوم کرو۔''

اوبرن نے اس سے کہا کہ کیا وہ تھوڑا سا وقت نکال کر اس کے ساتھ پانچ منٹ کے لیے تباہ شدہ گاڑی پر چل سکتا ہے جو اب ایک بلاک کے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ ایلن نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ایک مرتبہ دونوں سراغ رسانوں کو دیکھا اور ایک لفظ کہے بغیر ٹرائبنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''ہم صرف یہ چاہتے ہیں۔'' اوبرن نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ''تم ہمیں یہ دکھا دو کہ کپریسر کو کس طرح کنٹرول کیا جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن کمپریسر کو تو کچھ نہیں ہوا۔ اور اسے آج صبح سے نہیں چلایا جارہا کیونکہ اس کی پاور سپلائی بند ہے۔''

''ہم یہ جانتے ہیں۔''

جب وہ تفریحی سواری پر پہنچے تو ایلن نے ایک مشین پر سے ترپال ہٹائی اور اس پر لگے ہوئے مختلف لیور اور گیج کی طرف اشارہ کرکے ان کا کام بتانے لگا۔ ''یہ پہلا لیور ایک پاور سوئچ ہے۔ اسے آن آف کرکے کمپریسر کو چلایا اور روکا جاتا ہے۔ اس والو کی مدد سے کمپریسڈ ائر ریزروائر سے سلنڈر میں داخل کی جاتی ہے اور اس طرح پلیٹ فارم اوپر اٹھتا ہے۔''

''یہ لیور زیادہ سے زیادہ دباؤ برقرار رکھتا ہے جو ڈائل پر نظر آتا ہے۔ چوتھا لیور ایک مینویل ریلیف والو ہے جو سلنڈر سے ہوا کو خارج کرتا ہے۔ اگر کمپریسر بند ہوجائے تب بھی ساری ہوا کو باہر نکلنے میں پانچ سے دس منٹ لگتے ہیں۔ اس صورت میں بھی پلیٹ فارم کسی پر نہیں گر سکتا۔ جب تک کہ اس کی سیل کو کاٹ کر گوند سے دوبارہ نہ جوڑا جائے۔''

☆☆☆

اس روز سیکنڈ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر میں خاصا پُرسکون ماحول تھا کیونکہ ہفتے کی تعطیل ہونے کی وجہ استقبالیہ کلرک اور وانہیں آتی تھی اور اس کا بینک ایڈریس سسٹم بھی خاموش تھا۔ ڈولنگر نے ڈسپیچر کے ذریعے تمام پیٹرول کاروں کو جانسن کی کار اور ٹیمپل کے سرخ بالوں پر نظر رکھنے کی ہدایت کی۔ سرجیو شاویز کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی آگئی..... اس کی موت سر کچلنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس کے خون میں شراب یا منشیات کی مقدار نہیں پائی گئی۔

وہ دو بجے دوبارہ ہارمونی ہائٹس فیسٹیول پہنچے تو میلہ اپنے عروج پر تھا اور لگتا تھا کہ شاویز کی موت ایک بھولی بسری یاد بن گئی ہے۔ بڈبیل اپنے دفتر میں ایک فیڈرل انسپکٹر اور کوالٹی انشورنس آفیسر کے ساتھ مصروف گفتگو تھا۔

''معاف کرنا۔'' اوبرن نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہاری گفتگو ختم ہونے کا انتظار کرسکتے ہیں لیکن ہمارے پاس ایک اطلاع ہے جو تمہیں بھی سنی چاہیے۔'' پھر اس نے بیل کو مخاطب کرکے کہا۔ ''چرچی مل گیا ہے۔''

''وہ کہاں ہے؟''

''گزشتہ شب وہ پچیس بلاک کا فاصلہ طے کرکے گرے ہاؤنڈ بس اسٹیشن پہنچا۔'' ڈولنگر نے بتایا۔ ''ہمارے گشتی سپاہیوں نے آج دوپہر اسے وہاں دیکھا جب وہ ورجینیا جانے والی بس کے انتظار میں کینڈی بار اور سوڈا سے دل بہلا رہا تھا۔ تم نے اسے غائب ہونے کے لیے کتنی رقم دی تھی؟''

بڈبیل نے دردناک لہجے میں کہا۔ ''وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''ابھی ہماری اس سے بات نہیں ہوئی ہے۔'' اوبرن نے جواب دیا۔ ''لیکن ہمیں یہ جاننے کے لیے کسی دوربین یا کمپیوٹر کی ضرورت نہیں کہ یہاں کیا ہورہا ہے۔ ناکس ویل میں مقیم تمہارے بھائی جین کے کہنے کے مطابق جولائی میں تم تین ہفتے خالی بیٹھے رہے اور اب بھی موسم خزاں کے لیے صرف ایک کاؤنٹی فیئر کی بکنگ ہوئی ہے۔ اگر یہی حال رہا تو تمہارے لیے عملے کی تنخواہیں اور انشورنس کی قسط دینا مشکل ہوجائے گا۔

''تم اس کاروبار میں ایک عرصے سے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ مجمع کس طرح اکٹھا کیا جاتا ہے لہٰذا تم نے لوگوں کو اپنے شو میں بلانے کے لیے ایک چھوٹا سا خطرناک منصوبہ بنایا جس کی نیوز میڈیا کے ذریعے تشہیر کی جاتی کہ

بل برادرز کی تفریحی سواریاں، ناپائیدار، لڑکھڑاتی ہوئی اور موت کا جال ہیں۔ تمہیں یقین تھا کہ اس طرح لوگوں کا تجسس اور شوق بڑھ جائے گا اور ایڈونچر پسند تماشائی بڑی تعداد میں میلے کا رخ کریں گے۔

''فیئر ویل میں گڑبڑ کرنے کے نتائج تباہ کن ہو سکتے تھے اور میری گوراؤنڈ راستے میں ہی رک جاتی لہٰذا جب باقی عملہ گزشتہ شو کے ختم ہونے کے بعد تفریحی مشاغل میں مصروف تھا تو تم نے ٹیمپل کے ساتھ مل کر ٹرائبنٹ کا سلنڈر ہیڈ کھولا۔ اس کی سیل کاٹی اور اسے سیمنٹ سے جوڑ کر دوبارہ اسی جگہ لگا دیا۔''

''تمہارا خیال تھا کہ جب تک تفریحی سواری پوری طرح لوگوں سے بھر نہیں جاتی۔ یہ سیل نہیں کھلے گی اور اس کے نتیجے میں چند جھٹکے لگیں گے۔ کچھ لوگ زخمی ہوں گے یا ممکن ہے کہ چند ایک کو موچ آجائے اور تم یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لو گے کہ تمہارے کسی حریف کی جانب سے تخریب کاری کی گئی ہے۔''

بڈبیل کے گنجے سر پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اوبرن اور ڈولنگر کے درمیان سے غوطہ مار کر دروازے سے باہر نکل جائے گا لیکن ایسا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس کے دائیں بائیں دو پولیس والے بالکل مستعد اور چوکس کھڑے ہوئے تھے۔

''جب تمہاری اسکیم ناکام ہوگئی اور اس کے نتیجے میں شاویز ہلاک ہوگیا تو تمہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ٹیمپل بھانڈا نہ پھوڑ دے اور تم دونوں پر اس ہلاکت کا الزام آجائے۔ کل جب ہم اس سے بات کررہے تھے تو تم پورے وقت ہمارے اردگرد رہے۔ تمہیں ڈر تھا کہ وہ کچھ بتا نہ دے۔ ہمارے جانے کے بعد تم نے اسے کچھ رقم دی اور غائب ہوجانے کے لیے کہا۔''

فیڈرل انسپکٹر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا کہنا ہے کہ ابھی تک ٹیمپل سے تمہاری بات نہیں ہوئی؟''

''ذاتی طور پر نہیں۔ البتہ اس نے ان پولیس والوں کو شاویز کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی ہیں جنہوں نے اسے پکڑا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے اس سبوتاژ کے بارے میں؟''

''نہیں جناب۔ اس قتل کے بارے میں۔''

جب ڈولنگر غیر ارادی قتل کے الزام میں بڈبیل کو گرفتار کررہا تھا تو اسی وقت اوبرن کو ہیڈ کوارٹر سے کال موصول ہوئی کہ ہائی وے پٹرول پولیس نے جانسن کو قصبے کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر واقع ایک موٹیل سے گرفتار کرلیا ہے۔

ہیڈ کوارٹر میں تمام متعلقہ لوگوں اور جانسن کے وکیل پیری کی موجودگی میں اوبرن نے جانسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''کل تم نے اس لیور کی جانب اشارہ کیا تھا جو سلنڈر سے ہوا خارج کرتا ہے۔ اس لیور کو کھینچنے سے پلیٹ فارم نیچے گر گیا اور شاویز کی موت واقع ہوگئی لیکن جو ویڈیو گزشتہ رات خبروں میں دکھائی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے وہ لیور کھینچا جس سے سلنڈر میں ہوا کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ یعنی تم سلنڈر سے ہوا خارج کرنے کے بجائے اسے پمپ کررہے تھے۔''

''ہوسکتا ہے۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہو اور میں نے دوسرا لیور کھینچ دیا ہو۔''

''اگر یہ کوئی معصومانہ غلطی تھی تو تم بھاگ کیوں رہے تھے؟''

''تم اندازہ لگا سکتے ہو۔ مجھ پر اپنے ضمیر کا دباؤ تھا کیونکہ اس وقت وہاں صرف میں اور وہ ہی کام کررہے تھے۔''

''گزشتہ روز تم نے مجھے بتایا تھا کہ پلیٹ فارم کو نیچے لانا ایک معمول کی کارروائی ہے اور تم درجنوں بار ایسا کرچکے ہو۔ اس لیے یہ بڑی عجیب بات لگتی ہے کہ تم نے غلطی سے ہوا کا دباؤ بڑھا دیا جس کی وجہ سے نقصان زدہ سیل پھٹ گئی اور پلیٹ فارم شاویز کے اوپر آن گرا۔''

''میں یہ کیسے جان سکتا تھا کہ کسی نے سیل کو نقصان پہنچایا ہے؟''

''شاید تمہیں معلوم تھا کیونکہ تم نے چرچی اور بڈبیل کو اس تخریب کاری کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے سن لیا تھا۔ دفتر میں ہونے والی سب باتیں روشن دان کے ذریعے باہر آتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے چرچی نے تمہیں دو ہفتے قبل بڈبیل سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر شاویز نے تمہاری بیوی سے ملنا ختم نہ کیا تو تم اسے جان سے مار دو گے۔''

اس کے بعد جانسن کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس لیے اسے قتل کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا جبکہ بڈبیل اور ٹیمپل کو مزید تحقیقات مکمل ہونے تک عارضی طور پر رہائی مل گئی۔ لیکن اوبرن کو یقین تھا کہ ان دونوں کو بھی اس سازش میں شریک ہونے کی وجہ سے قرار واقعی سزا ضرور ملے گی۔ خصوصاً بیڈبیل کو جس کے احمقانہ منصوبے کی وجہ سے ایک معصوم کی جان چلی گئی۔

انگارے

انتالیسویں قسط

طاہر جاوید مغل

PakiBooks.Site

نیکی کر دریا میں ڈال... بات محاورے کی حد تک ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن خود غرضی اور سفاکی کے اس دور میں نیکی کرنے والے کو ہی کمر میں پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انسان بے لوث ہو اور سینے میں دردمند دل رکھتا ہو تو اس کے لیے قدم قدم پر ہولناک آسیب منہ پھاڑے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ بستیوں کے سرخیل اور جاگیرداری کے بے رحم سرغنہ لہو کے پیاسے ہو جاتے ہیں... اپنوں کی نگاہوں سے نفرت کے انگارے برسنے لگتے ہیں... امتحان در امتحان کے ایسے کڑے مراحل پیش آتے ہیں کہ عزم کمزور ہو تو مقابلہ کرنے والا خود ہی اندر سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا چلا جاتا ہے لیکن حوصلہ جوان ہو تو پھر ہر سازش کی کوکھ سے دلیری اور ذہانت کی نئی کہانی ابھرتی ہے۔ وطن کی مٹی سے پیار کرنے والے ایک بے خوف نوجوان کی داستان جسے ہر طرف سے وحشت و بربریت کے خون آشام سایوں نے گھیر لیا تھا مگر وہ ان پیاسی دلدلوں میں رکے بغیر دوڑتا ہی چلا گیا... اثرورسوخ اور درندگی کی زنجیریں بھی اس کے بڑھتے ہوئے قدم نہیں روک سکیں۔ وقت کی میزان کو اس کے خونخوار حریفوں نے اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا مگر وہ ہار مان کر پسپا ہونے والوں میں سے نہیں تھا...

سطر سطر رنگ بدلتی... ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان...

گذشتہ اقساط کا خلاصہ

میں ڈنمارک سے پاکستان کسی کی تلاش میں آیا تھا مگر یہ تلاش شروع ہونے سے پہلے ہی ایک ایسا واقعہ ہوگیا جس نے میری زندگی کو تہ و بالا کر دیا۔ میں نے سرِراہ ایک زخمی کو اٹھا کر اسپتال پہنچایا۔ مقامی پولیس نے مددگار کے بجائے مجرم ٹھہرایا اور یہیں سے جبر و ناانصافی کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے مجھے شکیل داراب اور لالہ نظام جیسے خطرناک لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ لوگ ایک قبضہ گروپ کے سرغنہ تھے جو رہائشی کالونیاں بنانے کے لیے چھوٹے زمینداروں اور کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے محروم کر رہا تھا۔ میرے چچا حفیظ سے بھی زبردستی ان کی آبائی زمین ہتھیانے کوشش کی جا رہی تھی۔ چچا کا بیٹا ولید اس جبر کو برداشت نہ کر سکا اور شکیل داراب کے دست راست انسپکٹر قیصر چودھری کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوگیا۔ اس جرأت کی سزا اسے یہ ملی کہ ان کی حویلی کو اس کی ماں اور بہن فائزہ سمیت جلا کر راکھ کر دیا گیا اور وہ خود دہشت گرد قرار پا کر جیل پہنچ گیا۔ انسپکٹر قیصر اور لالہ نظام جیسے سفاک لوگ میرے تعاقب میں تھے، وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ میں MMA کا یورپی چیمپئن تھا، وسطی یورپ کے کئی بڑے بڑے گینگسٹر میرے ہاتھوں ذلت اٹھا چکے تھے۔ میں اپنی پچھلی زندگی سے بھاگ آیا تھا لیکن وطن پہنچتے ہی یہ زندگی پھر مجھے آواز دینے لگی۔ میں یہاں سے بیزار ہو کے واپس ڈنمارک جا رہا تھا کہ ایک انہونی ہوئی۔ وہ جادوئی حسن رکھنے والی لڑکی مجھے نظر آگئی جس کی تلاش میں، میں یہاں پہنچا تھا۔ اس کا نام تاجور تھا اور وہ اپنے گاؤں چاند گڑھی میں نہایت پریشان کن حالات کا شکار تھی۔ میں اس کے گاؤں جا پہنچا اور ایک ٹریکٹر ڈرائیور کی حیثیت سے اس کے والد کے پاس ملازم ہوگیا۔ انیق بطور مددگار میرے ساتھ تھا۔ تاجور کا غنڈا صفت منگیتر اسحاق اپنے ہمنوا وں زمیندار عالمگیر اور پیر ولایت کے ساتھ مل کر تاجور اور اس کے والد دین محمد کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ مقامی مسجد کے امام مولوی فدا کی موت میں بھی اسی زمیندار کا ہاتھ تھا۔ مولوی جی کی بیٹی زینب ایک عجیب بیماری کا شکار تھی۔ وہ زمیندار عالمگیر کے گھر میں ٹھیک رہتی لیکن جب اسے وہاں سے لایا جاتا تو اس کی حالت غیر ہونے لگتی۔ اسی دوران میں ایک خطرناک ڈاکو سجاول نے گاؤں پر حملہ کیا۔ حملے میں عالمگیر کا چھوٹا بھائی مارا گیا۔ میں تاجور کو حملہ آوروں سے بچا کر ایک محفوظ جگہ لے گیا۔ ہم دونوں نے کچھ اچھا وقت گزارا۔ واپس آنے کے بعد میں نے بھیس بدل کر مولوی فدا سے ملاقات کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ عالمگیر وغیرہ نے زینب کو جان بوجھ کر بیمار کر رکھا ہے اور یوں مولوی صاحب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی بچی کی جان بچانے کے لیے اسحاق کی حمایت کریں۔ مولوی صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ ایک گھناؤنی درگاہ کے خاتمے کے بعد ہم گھروں کی جانب گامزن تھے کہ میں اور تاجور سجاول ڈاکو کے ڈیرے پر جا پہنچے۔ یہاں سجاول کی ماں (ماؤ جی) مجھے اپنا ہونے والا جوائی سمجھا۔ جس کی پوتی مہناز عرف مانی سے میری بات طے تھی۔ یوں سجاول سے ہماری جان بچ گئی۔ سجاول کے ساتھ میرا مقابلہ طے پا چکا تھا کہ میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا۔ جب میں ڈنمارک میں تھا اور ایک کمزور پاکستانی کو گورے اور انڈین غنڈوں سے بچاتے ہوئے خود ایک طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ وہ غنڈے ٹیکساری گینگ کے لوگ تھے جس کا سرغنہ جان ڈیرک تھا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے انہوں نے میری یونیورسٹی دوست ڈیزی کے ساتھ اجتماعی کھیل کھیلا، پھر ڈیزی غائب ہوگئی۔ اس واقعے کے بعد میری زندگی میں ایک انقلاب آگیا پھر میرا رجحان مارشل آرٹ کی طرف ہوگیا اور ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے MMA کی فائٹس میں تہلکہ مچاتا رہا اور دوسری طرف اسکائی ماسک کی اوٹ میں ٹیکساری گینگ کے غنڈوں سے برسرِ پیکار رہا۔ اسی مارشل آرٹ کی بدولت میں نے سجاول سے مقابلہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد برابری کی بنیاد پر ہار مان کے سجاول کا دل جیت لیا۔ سجاول سے کہہ کر میں نے انیق کو بلوا لیا۔ سجاول ایک حسین دوشیزہ سنبل کو نوبیاہتا دلہن کی طرح سجا سنوار کر ریان فردوس (وڈے صاحب) کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں، انیق اور جاناں ساتھ تھے۔ ہم ریان فردوس کے محل نما بنگلے پاراہاؤس پہنچے۔ وڈا صاحب اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ برونائی سے پاکستان شفٹ ہوا تھا۔ برونائی میں اس کی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ سجاول کو پاراہاؤس میں کلیدی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ پاراہاؤس میں کوئی بڑا چکر چل رہا تھا۔ کھوج لگانے پر پتا چلا کہ بڑے صاحب کے دونوں بیٹوں میں زہریلا عنصر پایا جاتا ہے۔ زینب والا معاملہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے زینب کو بھی اغوا کر لیا گیا۔ ابراہیم اور کمال احمد کے لیے جو لڑکیاں تیار کی گئی تھیں، وہ پاراہاؤس پہنچ چکی تھیں۔ ایک تقریب میں دونوں لڑکیوں کی رونمائی کی گئی تو ان میں ایک زینب تھی۔ ابراہیم نے مجھ پر اور سجاول پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ ابراہیم نے بتایا کہ دونوں بھائیوں میں زہریلا پن موجود ہے اسی لیے ان کے لیے ایسی لڑکیاں ڈھونڈی گئی ہیں۔ میں نے ابراہیم کو آگاہ کیا کہ زینب پوری طرح محفوظ نہیں ہے اور شادی کی صورت میں اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ سن کر ابراہیم پریشان ہوگیا۔ ادھر آقا جان جو پاراہاؤس کا کرتا دھرتا تھا، دھماکے کو گونج اٹھے۔ میرے کہنے پر ابراہیم نے زینب کا خون ٹیسٹ کرایا تو حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔ اس تمام قتل و غارت میں آقا جان ملوث تھا مگر کوئی اس پر شک کرنے کو تیار نہ تھا۔ ثاقب کی موت کے بعد برونائی میں مخالفین نے بڑی کارروائی کر کے وڈے صاحب کے برادرِ نسبتی کو مار ڈالا تھا۔ بڑی بیگم صاحبہ کا رو رو کر برا حال تھا، ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے میں اور سجاول وڈے صاحب کے ساتھ برونائی جانے کے لیے تیار تھے۔ برونائی جانے سے پہلے میں ایک نظر تاجور کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں تاجور کی ایک جھلک ہی دیکھ پایا تھا کہ گاؤں کے چند لڑکوں نے مجھے گھیر لیا۔ میرے سامنے وہ بچے تھے۔ اپنی ہار کے بعد ایک دلیر لڑکا میرے گلے کا ہار بن گیا اور میرا پیچھا کرتا ہوا پاراہاؤس تک آگیا۔ سیف عرف سیفی کی گتھی نکالنے کے لیے ہم اسے اپنے ساتھ برونائی لے آئے تھے۔

یہاں حالات بہت خراب تھے۔ ریان فردوس کا بیٹا رائے زل مخالف پارٹی بن چکا تھا۔ امریکن ایجنسی کے ساتھ مل کے پورے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ فردوس بیگم قسطینا کمانڈر اور جی دار آفیسر تھی۔ وہ ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے مجھے جان گئی تھی۔ میں کئی مہم میں اس کے ہمراہ رہا۔ ریان فردوس کی پہلی بیوی اور اس کے بیٹے کی شورشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ مجھے شروع ہی سے آقا جان پر شک تھا۔ اور اس کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ رائے زل اور امریکن ایجنسی کی قوت نے محل پر دھاوا بول دیا تھا۔ افراتفری اور قتل و غارت گری نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اس حملے میں ریان فردوس اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اب ریاست پر کلی طور پر رائے زل کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہم سب بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ آقا جان اور رائے زل کے کارندے ہماری تلاش میں تھے۔ ابراہیم اور زینب کا برا حال تھا۔ میری ذات ان کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ کمال اس جنگ میں جان سے دھو بیٹھا تھا۔ ہم زیرِ زمین مقید تھے۔ مگر انتقام رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ جس لانچ میں ہم یہاں آئے تھے وہ ابھی تک باہر موجود تھی۔ آقا جان کے آدمیوں سے بچنے کے لیے اسے ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ بن مشہد اور تبارک زیرِ زمین بنکر سے باہر نکل گئے۔ مگر باہر سخت پہرا تھا...... تبارک پھسل کر ایک کھائی میں گر جاتا ہے۔ میں اور سیف اسے ڈھونڈنے جاتے ہیں مگر ایجنسی کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ بے تحاشا تشدد سہنے کے باوجود ہم قسطینا اور ابراہیم کا پتا نہیں بتاتے...... سیف کی حالت بری تھی۔ مجھے اس کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کے اذیت کم کرنا پڑی۔ مگر میرا اپنا حال بہت برا تھا۔ امریکی لوتھگ نے تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ جاماجی کے حالات روز بروز بدتر ہو رہے تھے۔ میں رائے زل کی قید سے رہائی پا چکا تھا۔ عوام کا سمندر میرے لیے بے چین تھا۔ وہ مجھے اپنا سربراہ مان چکے تھے۔ وہ آزادی کے لیے سر پر کفن باندھ چکے تھے۔ ہمارا اگلا قلعے کا رخ اب ڈی پیلس کی جانب تھا۔ پال کی مدد سے پوری ٹیم اور عوام کا سمندر ڈی پیلس کی جانب گامزن تھا۔ ہر طرف گولیاں، شیلنگ اور دھواں دھار لڑائی تھی۔ بالآخر پسی ہوئی عوام نے اپنے جوش، جذبے اور جنوں سے کام لے کر رائے زل کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اب تخت کے حق دار قسطینا اور ابراہیم تھے۔ وطن آنے کے بعد تاجور اپنے گھر چلی گئی اور میں داؤد بھاؤ کے پاس تھا لیکن وطن آتے ہی اس دشمن نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا جس سے میں چھپتا پھر رہا تھا۔ ٹیکساری گینگ پاکستان آچکا تھا ہر طرف قتل و غارت گری پھیلا رہے تھے...... ڈیتھ اسکواڈ کے کارندے میری تلاش میں کئی معصوم لوگوں کی جان لے چکے تھے۔ اب ان کا خاتمہ ضروری ہوگیا تھا میں اور انیق نے ان کے ٹھکانے کا کھوج لگایا اور بہت ہوشیاری سے ان کے جشن والے دن رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ ادھر جاماجی سے نورستہ آچکی تھی اور سجاول کو اپنا حتمی فیصلہ سنانا چاہتی تھی۔ ڈیتھ اسکواڈ کا خاتمہ بے حد ضروری تھا۔ میں نے انیق کے ساتھ مل کر ان کے ٹھکانے کو تباہ کر دیا اور خود بھی بمشکل، ہی جان بچا پایا۔ اس مقام پر زبردست بلاسٹ ہوا اور مجھے بھی مردہ سمجھ لیا گیا۔ ٹیکساری گینگ سے بچنے کا ہی ایک طریقہ سمجھ میں آیا کہ میں سب کی نظروں میں مردہ رہوں۔ اپنے چہرے پر سرجری کے ذریعے تبدیلیاں کروا کے میں اجنبی بن گیا تھا۔ سیف کے گھر اور تاجور تک رسائی کے بعد میں مطمئن تھا مگر تاجور کی شادی درارب میں طے پا چکی تھی۔ تاجور کے بغیر میری زندگی ادھوری تھی، میں اسے ساتھ لے آیا تھا مگر اچانک انیق کی آمد ہوئی، اس نے سیف کے حوالے سے غلط باتیں کر کے تاجور کا دل متنفر کر دیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں انیق کی اس حرکت پر مشتعل تھا۔ وہ بیاہ کے داراب ہاؤس جا چکی تھی۔ بالآخر ہم نے انیق کی دشمنی کا کھوج لگایا۔ وہ ہاناوانی کے کالے علم کی زد میں تھا۔ ہاناوانی اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ ہم سب سے لینا چاہتی تھی۔ اس نے سجاول کے ہاتھوں رفیق کا قتل کروایا۔ اب سجاول کی باری تھی۔ ہم پوری شدت سے ہانی وانی کی تلاش میں تھے کیونکہ اس کی خون ریز کارروائیاں شدت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

''یولس کا کچھ پتا چلا ہے؟'' سجاول نے مجھ سے پوچھا۔

میں اسے کیسے بتاتا کہ ساتھ والے کمرے میں اس کی لاش پڑی ہے، جسے خونخوار طوطوں نے مسخ کر ڈالا ہے۔ فی الحال میں نے اس بارے میں لاعلمی ظاہر کرنا مناسب سمجھا۔

''ہاناوانی کہاں ہے؟'' سجاول نے دریافت کیا۔

''نوے پچانوے فیصد امکان یہی ہے کہ وہ یہاں سے فرار ہو چکی ہے۔ بہرحال ہم اسے اس عمارت کے آس پاس ڈھونڈ رہے ہیں۔'' میں نے بلند آواز میں جواب دیا۔

اس دوران میں فخر نے ایک چابی ڈھونڈ کر وہ زنجیر سجاول کی ٹانگ سے علیحدہ کر دی جس نے اسے بھاری بھرکم بیڈ کے ساتھ منسلک کر رکھا تھا۔ سجاول کی آنکھوں کو نظر بھر کے دیکھنا بھی مشکل تھا۔ ان میں سے اب بھی خون کا رساؤ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ انفیکشن بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی۔

اسی دوران میں داؤد بھاؤ بھی لاہور سے پچیس تیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے بھی سجاول کی حالت دیکھی اور ششدر رہ گیا۔ سجاول سن بھی نہیں پا رہا تھا۔ داؤد بھاؤ نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتایا۔ ''یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے بھاؤ! انوکھا ہو رہا ہے۔ سجاول نے اپنے کانوں میں ''سیلیکون'' انڈیل

کرانہیں بند کر دیا ہے۔ سجاول اس بدذات عورت کے شکنجے سے بچنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اس نے ہر وہ کام کیا ہے جو کر سکتا تھا۔''

داؤد بھاؤ کے چہرے پر تاسف کے تاثرات تھے۔ اس سے پہلے میں نے اس سے جب بھی کہا تھا کہ انیق کی موت میں سجاول بے قصور ہے تو داؤد نے میری بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ میرے بار بار کہنے کے باوجود اس کے ذہن میں شک رہا تھا لیکن آج جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا، اس نے یقیناً اسے اپنے خیالات بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''عاشق کہاں ہے؟'' داؤد بھاؤ نے غم زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ ختم ہو گیا تھا بھاؤ..... چھت سے گرتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس کی لاش بھی ساتھ والے کمرے میں پڑی ہے۔''

داؤد ابھی تک پرندوں اور لومڑی والی باتوں پر پوری طرح یقین نہیں کر پا رہا تھا۔ بہرحال وہ اس حوالے سے کسی طرح کی بحث بھی نہیں کر رہا تھا۔

اس نے سجاول کی آنکھوں کو دھیان سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اسے فوری طور پر میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے۔ اس طرح کا انفیکشن، دماغ کا بھی ستیاناس کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ پتا نہیں کہ اس کے کانوں کی کیا صورتِ حال ہے۔ اگر کیمیکل نے کان کے پردے اور اندرونی حصے کو نقصان پہنچا دیا ہے تو پھر اس کے سننے کی صلاحیت بھی ختم ہو سکتی ہے۔''

ہم نے تیزی سے مشورہ کیا۔ کسی سرکاری اسپتال سے تو رجوع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک دو بڑے پرائیویٹ کلینکس کے مالکان داؤد بھاؤ کے ''عقیدت مندوں'' میں شامل تھے۔ سجاول کو فوراً جیل روڈ لاہور کے ایک بڑے کلینک میں شفٹ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ داؤد بھاؤ خود اس گاڑی کے ساتھ روانہ ہوا جس میں سجاول کو لے جایا جا رہا تھا۔ داؤد کے کارندے عاشق جٹ کی لاش بھی اسی جہازی سائز کی جیپ میں موجود تھی۔ روانہ ہوتے وقت سجاول نے کراہتی ہوئی سی آواز میں مجھ سے کہا۔ ''شاہ زیب! خورسنہ اور ذیشان کا دھیان رکھنا۔''

میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ''سجاول! جو ہونا تھا، وہ ہو گیا لیکن اب کسی کی ہوا بھی اُن کو چھو نہیں سکتی۔ اس بارے میں بالکل بے فکر ہو جاؤ۔''

''یونس کا بھی پتا کرو۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ سخت مصیبت میں ہوگا۔''

میں نے اس موقع پر اسے یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ ساری مصیبتوں سے آزاد ہو چکا ہے۔ میں نے بس اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

سجاول روانہ ہو گیا تو ہم یونس پمپ والا کی لاش اور اس کی زخمی بھابی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی بھابی کا نام پروین تھا۔ جس کمرے میں یونس نے ٹرانس کی حالت میں پروین پر مجرمانہ حملے کی کوشش کی تھی، اس میں سی سی ٹی وی کیمرا موجود تھا۔ فخر نے اس کی فوٹیج ٹریس کر لی تھی۔ یہ فوری طور پر ضائع کر دینے والی چیز تھی۔ اس فوٹیج میں یونس اپنی موت سے چند منٹ قبل وحشیانہ انداز میں اپنی بھابی پر حملہ آور نظر آتا تھا۔ وہی عورت جو اس کے لیے قابلِ صد احترام تھی اور جس کی وہ دل سے عزت کرتا تھا، اس کی ہوس ناک گرفت میں تھی۔ وہ اس کے کپڑے پھاڑ رہا تھا، اس کا جسم نوچ رہا تھا۔

اس کے بعد بھی جو کچھ ہوا، وہ سب کچھ سی سی ٹی وی میں ریکارڈ ہو گیا تھا اور یونس کے آخری لمحات کی دردناک تصویر کشی کر رہا تھا۔

پروین نامی اس عورت کی ذہنی کیفیت اب بھی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ وقفے وقفے سے جنونی انداز میں واویلا کرنے لگتی تھی۔ میں نے اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، وہ ذرا نارمل ہوئی تو میں نے اس سے کہا۔ ''بی بی! تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ ورنہ لمبا چوڑا کیس بن جائے گا تم پر..... جو ہونا تھا، وہ ہو گیا ہے، اب اس پر واویلا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

''وہ ایسا نہیں تھا..... وہ ایسا نہیں تھا..... اس پر کسی نے کچھ کر دیا ہوگا۔ ہائے میرا یونس..... ہائے میرا چھوٹا ویر..... میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے مارا ویا۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ اس پر بڑا سخت قسم کا جادو ٹونا تھا..... اس بارے میں تمہیں بعد میں بتائیں گے۔ فی الحال تم اس بارے میں اپنی زبان بالکل بند رکھو۔ ہمیں دوسروں کو یہی بتانا ہے کہ یونس کو ان لوگوں نے مارا ہے جنہوں نے اسے اغوا کیا تھا۔''

''اس کو کس نے اغوا کیا تھا..... یہ کیسے ہو سکتا ہے..... وہ تو خود مجھے گھر سے لے کر آیا تھا۔ کہتا تھا..... بھابی! تم کو ایک پلاٹ دکھانا ہے..... بچوں کے کام آئے گا..... وہ تو.....''

''دیکھو فی الحال یہ سوال جواب نہ کرو، نہیں تو

تمہاری پریشانی بڑھے گی۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

پھر میں نے اسے بتایا کہ اس نے اپنے گھر والوں کو اپنی چوٹوں وغیرہ کے بارے میں کیسے مطمئن کرنا ہے اور یونس کی موت کے حوالے سے کیا رویہ اختیار کرنا ہے۔ وہ اب کچھ کچھ میری بات سمجھنے لگی تھی (اس کا شوہر پاکستان سے باہر تھا) وہ کافی سیانی عورت لگتی تھی۔

داؤد کے کارندے دیوہیکل کتے کی لاش کو بھی ٹھکانے لگا چکے تھے اور فرش وغیرہ کو دھو کر صاف کر دیا تھا۔ پہلوان کی حالت ابھی تک دگرگوں تھی۔ وہ گاہے بگاہے خوف زدہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ جیسے اسے ڈر ہو کہ یہاں سے پرواز کر جانے والے جنونی طوطے ابھی کسی جانب سے نمودار ہوں گے اور ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ بندریا لومی والے حملے کے بعد یہ دوسرا لرزہ خیز منظر تھا جو پچھلے چوبیس گھنٹوں میں ہم نے دیکھا تھا۔ ہم نے وہاں اپنی موجودگی کے تقریباً تمام نشانات مٹا دیے اور پروین کو اس کے گھر کی طرف روانہ کر کے ہوٹل واپس آ گئے۔ ٹرانسمیٹر کا ریسیور ہمارے پاس موجود تھا لیکن اس پر لومی کے سگنل بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

رضوان بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اب صبح کے تقریباً چھ بج چکے تھے۔ وہ زخمی ہونے کے باوجود بالکل چوکس تھا۔ پستول بالکل تیار حالت میں اس نے اپنی قمیص کے نیچے لگا رکھا تھا۔ وہ ہم سے وہ واقعات سننے کے لیے بے تاب تھا جو وہاں ''کالا شاہ کاکو'' کی اس الگ تھلگ عمارت میں پیش آئے تھے۔ پرندوں کے اچانک حملے سے لے کر سجاول کی حالتِ زار تک میں نے سب کچھ اس کے گوش گزار کر دیا۔ یہ جان کر وہ بھی سخت ملول ہوا کہ سجاول کی آنکھیں ضائع ہو چکی ہیں اور اسے مخدوش حالت میں اسپتال پہنچایا گیا ہے۔ یونس پمپ والا کی موت بھی رضوان کے لیے غم ناک ثابت ہوئی۔

رضوان نے مجھے کل شام کا اخبار دکھایا۔ اس میں بھی بندریا لومی والی خبر موجود تھی۔ رپورٹر نے ہوٹل کا نام لکھتے ہوئے بتایا تھا کہ رات کو اس ہوٹل پر ایک انوکھا واقعہ ہوا ہے۔ ایک پالتو مادہ بندر نے ہوٹل میں گھس کر وہاں موجود لوگوں پر حملہ کر دیا..... اس مادہ بندر نے باقاعدہ لباس پہن رکھا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک پالتو بندریا کی تھی۔ وہ مادہ بہت جارحیت پر اتری ہوئی تھی۔ اس نے ہوٹل کے چوکیدار پر حملہ کر کے اسے شدید زخمی کیا، جبکہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ایک دو مہمانوں کو بھی زخم آئے ہیں..... علاقے کے مکین اس پُراسرار واقعے پر خوف زدہ نظر آتے ہیں۔

رضوان نے کہا۔ ''ایک دو ٹی وی چینلز پر بھی اس واقعے کی مختصر خبر چلی ہے۔ عشا کے بعد مسجد سے مولانا حبیب صاحب کا فون بھی آیا تھا، مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ میں کہاں غائب ہو گیا ہوں۔ میں نے بہانہ بنایا ہے کہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں اچانک شیخوپورہ آنا پڑ گیا ہے۔ وہ بھی کچھ چونکے ہوئے ہیں۔''

''کس بات پر؟''

''ہوٹل میں بندریا کے گھسنے والی خبر اُن تک بھی پہنچ چکی ہے۔ انہیں یہ بھی پتا ہے کہ دو دن پہلے رات کو مسجد کے رہائشی پورشن میں بھی کسی کے گھسنے اور شیشہ وغیرہ ٹوٹنے کا واقعہ ہوا ہے۔ اس ہوٹل اور مسجد میں مشکل سے ستر اسی میٹر کا فاصلہ ہوگا۔ مولانا کو اندیشہ ہے کہ کہیں مسجد اور ہوٹل والے واقعے میں ''لنک'' تو نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اندیشہ تو اُن کا بالکل درست ہے اور میرے خیال میں تمہاری طرح مولانا کو بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

رضوان بولا۔ ''میرا تو خیال ہے کہ یہاں چھپ کر بیٹھنے کے بجائے مجھے مسجد ہی چلا جانا چاہیے۔ مولانا صاحب کی حفاظت بھی ہو جائے گی..... اور اپنی طرف سے تو میں چوکس ہو ہی چکا ہوں۔''

داؤد بھاؤ کا کوتاہ قد کارندہ بنارس مجھے کافی کام کا بندہ لگا تھا۔ میں نے اسی وقت داؤد بھاؤ کو فون کیا اور اسے کہا کہ وہ بنارس کو میرے پاس ہوٹل میں بھیجے، میں چاہتا تھا کہ بنارس یہاں مسجد کے آس پاس رضوان کی معاونت کرے۔ داؤد بھاؤ نے کہا کہ آدھے گھنٹے میں بنارس ایک اور بندے سمیت میرے پاس پہنچ جائے گا۔ میں نے داؤد سے پوچھا۔ ''سجاول کی کیا پوزیشن ہے؟''

''پوزیشن کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں تو ضائع ہو ہی چکی ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آنکھیں ایک خطرناک ایسڈ کی وجہ سے ضائع ہوئی ہیں۔ اس کو انفیکشن ہو چکا ہے۔ یہ انفیکشن اس کے برین کو متاثر کر سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس کا بچنا محال ہو جائے گا۔'' داؤد بھاؤ کے لہجے میں گہرا تاسف تھا۔

''اور اس کے کان؟''

''ہاں کانوں کے سلسلے میں ای۔این۔ٹی

اسپیشلسٹ نے امید دلائی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کم از کم ایک کان تو مکمل بحال ہو جائے گا۔“

میں نے کہا۔ ”کیا اس وقت سجاول سے بات کر سکتا ہوں۔“

”اس کو آپریشن تھیٹر لے جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ بہرحال میں کوشش کرتا ہوں۔“ داؤد بھاؤ نے کہا۔

قریباً دو منٹ بعد سجاول کی بھاری بھرکم لیکن نقاہت بھری آواز میرے کانوں میں پڑی۔ ”ہیلو شاہ زیب! کیا بات ہے؟“

”سجاول! مجھے پتا ہے تم اس مصیبت کا مقابلہ بڑے حوصلے سے کرو گے۔ تم بھی جانتے ہو کہ اس لاہور شہر میں داؤد بھاؤ کی کتنی چلتی ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم تمہارے لیے بہترین علاج مہیا کریں گے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

وہ افسردہ لہجے میں بولا۔ ”لیکن ابھی تو سب غلط ہو رہا ہے ناں، تم نے یونس کے بارے میں مجھے اندھیرے میں رکھا۔ وہ وہاں مارا گیا ہے ناں؟“

میں ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا پھر بات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں بعد میں بتانا چاہتا تھا۔ اس کی موت کا صدمہ مجھے بھی کم نہیں ہے سجاول...... اور ہم ان موتوں کو بھولیں گے نہیں۔ بہت جلد اس سارے ظلم کا حساب اس حرام زادی کو دینا پڑے گا۔“

”شاہ زیب! سامنے آنے والے دشمن سے تو دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکتا ہے مگر وہ ایک گہرے اندھیرے میں چھپی ہوئی زنانی ہے۔ ابھی تک تو اس نے ثابت کیا ہے کہ وہ ہم پر حاوی ہے۔ اب تک وہ کتنی جانیں لے چکی ہے۔ اس نے حاذق ذکری صاحب کو مارا، انیق کو مارا، مائی کی خالہ کو مارا، باقر اور یونس کو مارا۔ اور مجھے بھی لاچار کر کے بستر پر پھینک دیا۔ ابھی نہ جانے اسے کیا کچھ کرنا ہے۔“

مجھے پہلی بار سجاول جیسے دبنگ بندے کا لہجہ افسردہ اور شکست خوردہ محسوس ہوا۔ اس کی مایوسی اور لاچاری کو محسوس کر کے میرا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔

”سجاول، یار یہ کیسے لہجے میں بات کر رہے ہو تم؟ حوصلہ پکڑو یار، ابھی یہ لڑائی ختم نہیں ہوئی ہے۔“

”پر میرے لیے تو ختم ہو ہی چکی ہے۔ میں خود کو آدھا مرا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اس کے پتر (رائے زل) کا گلا کاٹ کر جو زخم اسے لگایا تھا، اس کا بدلہ اس نے لے لیا ہے...... اور شاید ابھی اور بھی لے گی۔ میرا دھیان بار بار خورسنہ اور اس کے بچے کی طرف جا رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ خورسنہ نے میرے لیے کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ مجھ سے ویاہ کر کے اس کو خوشی تھوڑی ملی اور دکھ زیادہ...... اور ابھی شاید اور بھی ملنے ہیں۔ تم اس کا خیال رکھنا شاہ زیب۔“

میرا دل بھر آیا۔ میں نے بوجھل آواز میں کہا۔ ”اگر تم میرے سامنے ہوتے تو ضرور میرے اور تمہارے درمیان سخت قسم کی لڑائی ہو جاتی۔ تمہیں شرم نہیں آتی ایسی بات کرتے ہوئے؟ یہ تمہاری نہیں، میری لڑائی تھی۔ اس لڑائی میں، میں نے تمہیں گھسیٹا۔ اب تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو کہ میں ایسے موقع پر خورسنہ اور ذیشان کو تنہا چھوڑ دوں گا۔ یاد رکھو سجاول! میری زندگی میں تو کوئی ان کو کانٹا چبھنے کی تکلیف بھی نہیں دے سکتا اور اگر مر گیا تو بھی ان شاء اللہ ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ کوئی ان پر میلی نظر نہ ڈال سکے گا۔ سچی بات یہ ہے سجاول کہ ایسی مایوسی کی باتیں مجھے سردار سجاول سیالکوٹی کی طرف سے سنائی دیتی اچھی نہیں لگ رہیں...... مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ یہ سب کچھ تم کہہ رہے ہو، ابھی سب کچھ ختم نہیں ہوا ہے سجاول...... ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ اور تم بھی باقی ہو، تمہاری صحت بھی باقی ہے۔“

شاید میں اور بھی کچھ کہتا لیکن اسی دوران میں میڈیکل اسٹاف کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ غالباً سجاول کو آپریشن تھیٹر میں لے جانے کے لیے پہنچ گئے تھے۔ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

☆☆☆

دوپہر سے پہلے ہی رضوان ہوٹل سے واپس مسجد میں چلا گیا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ حوصلے میں تھا اور کسی حد تک پُرجوش بھی۔ گٹھے ہوئے جسم والا کوتاہ قامت بنارس بھی ایک اور تجربہ کار شوٹر سمیت رضوان کی مدد کو پہنچ چکا تھا۔

پہلوان کا مورال اتنا اچھا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی حالت اچھی تھی۔ کئی دیگر لوگوں کی طرح اس کے دل و دماغ میں بھی یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، سب ماورائی ہے اور اس میں خطرناک قسم کے جادو اور ہوائی چیزوں کا عمل دخل ہے۔ جادو ٹونے کی حد تک تو ہم بھی پہلوان کے ہم خیال تھے لیکن یہ جادو ٹونا کسی جنتر منتر یا تعویذ گنڈے کی شکل میں نہیں تھا...... یہ ایک تسلیم شدہ سائنس تھی۔ یہ پیراسائیکالوجی کا وہ شعبہ تھا جو کھوجنے والی نگاہوں کے سامنے حیرت کے نئے جہان کھول رہا تھا۔ یہ ہپناٹسزم کی صلاحیت تھی جو ایک انوکھی عورت کے اندر پہنچ کر

ایک غیر معمولی صورت اختیار کر گئی تھی۔

پہلوان ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر کمرے کی الماری پر چپکانے میں مصروف تھا۔ میں نے قریب جا کر پڑھا تو پتا چلا کہ یہ اشتہار ”ہوائی چیزوں“ کے لیے ہے۔ پہلوان نے لکھا تھا (اور اس میں حسب معمول املے کی غلطیاں بھی شامل تھیں) اس تحریر کے ذریعے ساری ہوائی چیزوں کو اطلاع دی جاوت ہے کہ وہ ہمارے آس پاس سے چلی جاویں ورنہ اپنے نقصان کی خود ذمے ہوویں گی۔ ہم سب پیر صاحب شاناں والے کے ”پیروقار“ ہیں۔ اگر تمہارا ٹاقرا (ٹاکرا) پیر شاناں والے کے مریدوں ...... سے بھی ہو گیا تو وہ تمہارا دھڑن تختہ کر دیویں گے...... پیر شاناں والے کا ایک حقیر وادنیٰ مرید۔“ اس کے نیچے کچھ ناقابلِ فہم الفاظ لکھے تھے۔

میں نے کہا۔ ”یہ کیا معاملہ ہے پہلوان جی؟“

پہلوان نے رازداری کے لہجے میں کہا۔ ”کل یہاں کے ایک پہنچے ہوئے بزرگ پیر شاناں والے سے میری تفصیل سے بات ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ آتشی مخلوق ہے اور عراق کے شہر تہران سے یہاں آئی ہے۔ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو بڑا نقصان پہنچا سکتی ہے۔“

میں نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”پہلوان جی! پہلی بات تو یہ کہ تہران، عراق میں نہیں ایران میں ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر یہ آتشی مخلوق واقعی ایران سے آئی ہے تو پھر آپ کی اردو کیسے سمجھے گی۔ یہ خط فارسی میں ہونا چاہیے تھا۔“

”تم خواہ مخواہ کی مین میخ نہ نکالو۔ اس آتشی مخلوق میں بھی ترجمہ کرنے والے ہوتے ہوویں گے۔“

پہلوان سے بحث طول پکڑ سکتی مگر اسی دوران میں فخر نے پہلوان کو بلا لیا۔ وہ دونوں سجاول کی خبر گیری کے لیے جانا چاہتے تھے۔

میں بالکونی میں بیٹھ گیا اور ہوٹل سے نیچے گزرتی سڑک کو بے خیالی میں گھورنے لگا۔ دھیان بار بار تاجور اور اس کی سلامتی کی طرف جا رہا تھا۔ جب سے مجھے یہ پتا چلا تھا کہ وہ مجھے بچانے کے لیے اپنی مرضی اور خواہش سے جامانگی گئی تھی اور مشکل ترین حالات کا سامنا کیا تھا تو اس کے حوالے سے میری حیرانیوں میں اضافہ ہوا تھا۔ مجھے کبھی لگتا تھا کہ میں آج تک اسے ٹھیک سے سمجھ ہی نہیں سکا ہوں یا شاید وہ اپنے آپ میں ایک گورکھ دھندا تھی، مجھے کا نہ سمجھانے کا۔

اچانک میں نے ایک شخص کو سیڑھیاں چڑھ کر ہوٹل کی لابی میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ سیدھا میری طرف ہی آ رہا تھا۔ وہ گرانڈیل آدم خاں تھا۔ دارج داراب کا وہی لمبے بالوں والا ملازم جو ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتا تھا اور اس کی جی حضوری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔ آدم خاں کے پیچھے ہی پیچھے ایک اور شخص بھی چلا آ رہا تھا۔

”السلام علیکم۔“ اس نے قریب آتے ہی بھاری بھرکم آواز میں کہا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

”وعلیکم السلام۔“ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”آدم خاں تم یہاں کیسے؟“

”بس آپ کو اس ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ سوچا آپ سے مل ہی لیں۔“

دوسرے شخص نے بھی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آدم خاں نے اس شخص کا تعارف کراتے ہوئے مجھے بتایا۔ ”یہ میرا دوست ہے، ڈاکٹر تو نہیں ہے لیکن ڈاکٹری تقریباً ساری ہی جانتا ہے۔ آپ کی ہر بیماری کو دو منٹ میں ٹھیک کر دے گا۔“ پھر اس نے میری طرف اشارہ کیا اور اپنے اس دوست سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”اور یہ ہیں چانڈ کھوکھر صاحب...... پچھلے دنوں جب سعید کھوکھر صاحب کے والد سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گئے تھے تو دارج صاحب کی دیکھ بھال انہوں نے ہی کی تھی۔ معذور مریضوں کی تیمارداری کا بڑا تجربہ ہے ان کو۔“

”شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ دونوں میرے سامنے کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ پتا نہیں کیوں ان دونوں کے انداز سے مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔

میں نے رسمی انداز میں پوچھا۔ ”اب دارج صاحب کا کیا حال ہے؟“

”اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ وہ ٹھیک ہیں۔ اللہ نے ان کو ایک بڑے خطرے سے بچایا ہے۔“

”کس طرح کا خطرہ؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”بڑے لوگوں کے کئی کئی دشمن ہوتے ہیں۔ بس اسی طرح کا ایک خطرہ تھا۔“ اس نے جیسے بات گول کرتے ہوئے کہا۔

سہ پہر کے سائے طویل ہو رہے تھے۔ چھوٹے درجے کے اس ہوٹل میں لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ کھانوں کی خوشبو سے ہی پتا چل جاتا تھا کہ ہوٹل کی طرح کھانوں کا معیار بھی بس گزارے لائق ہی ہے۔

آدم خاں کے ساتھ آنے والا شخص پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ وہ درمیانے جسم کا ایک جواں سال تھا۔ اس نے ابھی تک گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا۔ میں نے آدم خاں سے کہا۔ ''تم نے اپنے اس دوست کا تعارف کرادیا لیکن اسم شریف تو بتایا ہی نہیں؟''

آدم خاں نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر اطمینان سے بولا۔ ''اس کا نام بھی چاند کھوکھر ہے۔''

میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ اس مرتبہ میں نے دھیان سے پینٹ شرٹ والے کو دیکھا۔ اس نے بڑے سکون سے اپنی فرنچ کٹ داڑھی اتار کر سامنے میز پر رکھ دی اور پی کیپ بھی اتار دی۔ وہ چاند کھوکھر ہی تھا (جب میں چاند کھوکھر کا روپ دھار کر داراب ہاؤس میں گھسا تھا میں نے باقاعدہ چاند کھوکھر سے ملاقات کی تھی اور اس سے ضروری معلومات حاصل کی تھیں)

میرا ہاتھ بے ساختہ اپنی قمیص کے نیچے لگے بریٹا پسٹل کی طرف رینگ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پسٹل تک پہنچتا ایک اور منظر نے مجھے بری طرح ٹھٹکا دیا۔ ایک باوردی پولیس انسپکٹر دو سادہ پوش پولیس اہلکاروں کے ساتھ بالکونی کی طرف آرہا تھا۔ سادہ پوش اہلکاروں کا انداز بڑا جارحانہ تھا۔ ان کے ہاتھوں میں پکڑی آٹومیٹک رائفلوں کا رخ سیدھا میری جانب تھا۔

''خبردار!'' انسپکٹر بھی اپنا سرکاری پستول نکالتے ہوئے گرجا۔ ''اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔ تم گھیرے میں ہو۔''

اور تب مجھے صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ نہ صرف ہوٹل کی چھت پر باوردی اور سادہ پوش اہلکار نظر آرہے تھے بلکہ نیچے سڑک پر بھی پولیس والے آدھمکے تھے۔ یہ سب کچھ نہایت خاموشی اور سرعت سے کیا گیا تھا۔ یہی وقت تھا جب انسپکٹر نے مجھے وارننگ دی کہ میں اپنا ہاتھ اپنے پستول سے دور رکھوں ورنہ اسی جگہ شوٹ کر دیا جاؤں گا۔

انسپکٹر مجھ سے فقط سات آٹھ فٹ کی دوری تک پہنچ چکا تھا اور اس کے سرکاری ریوالور کا فاصلہ مجھ سے تین چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ میرے دماغ میں آندھی سی چل رہی تھی۔ یہ سب کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا تھا؟ لگتا یہی تھا کہ دارج داراب یا اس کے وفادار خادم آدم خاں کی ملاقات اس اصلی چاند کھوکھر سے ہوگئی تھی اور نتیجے میں مجھ پر چھاپا مار دیا گیا تھا مگر تب یکا یک مجھے شک پڑا کہ بات اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ میں نے نیچے کھڑے پولیس اہلکاروں میں ایک جانا پہچانا منحوس چہرہ دیکھا۔ میری نظر دھوکا نہیں کھا رہی تھی۔ یہ وہی انسپکٹر قیصر چوہدری تھا جس نے میرے پاکستان میں داخل ہوتے ہی مجھے اپنی پولیس گردی کا شکار کیا تھا اور نتیجے میں میری اس طویل رُوداد کا آغاز ہوا تھا..... میں نے دور ہی سے دیکھ لیا۔ اب اس کے جسم پر ڈی ایس پی کی وردی نظر آرہی تھی۔

میرے سامنے کھڑے پولیس انسپکٹر نے تحکمانہ لہجے میں مجھے اپنے ہاتھ اوپر اٹھانے کے لیے کہا۔ آٹومیٹک رائفلوں کے بیرل میرے سر سے قریب تر پہنچ چکے تھے۔

میں نے ہاتھ اٹھانے میں ذرا پس وپیش کی تو انسپکٹر زہریلے لہجے میں بولا۔ ''کوئی چالاکی نہ دکھانا شاہ زیب! ورنہ اسی جگہ..... اسی وقت مارے جاؤ گے۔''

یہ دوسرا بڑا بم تھا جو دو منٹ کے اندر اندر میرے سر پر پھٹا تھا۔ انسپکٹر نے میرا نام لے کر مجھے پکارا تھا۔ اس نے مجھے شاہ زیب کہا تھا۔ میرے پورے جسم میں نہایت تیز سنسناہٹ دوڑ گئی۔ مطلب یہ تھا کہ راز فاش ہو چکا تھا۔

انسپکٹر نے بڑی احتیاط سے آگے بڑھ کر میری قمیص کے نیچے سے بریٹا پسٹل نکال لیا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر رائفل برداروں کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ ''میرا خیال ہے شاہ زیب صاحب کہ اب تمہیں شرافت سے ہتھکڑی لگوا لینی چاہیے۔'' انسپکٹر نے کہا اور اس کی آواز مجھے کہیں بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

میرا دھیان سیدھا بدبخت ہانا وانی کی طرف گیا اور اس کے ساتھ ساتھ خورسنہ کی طرف بھی۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا اندیشہ تھا کہ ہانا وانی کے ٹرانس میں آکر خورسنہ نے اسے میرے حوالے سے کچھ بتا نہ دیا ہو..... اور اب لگ رہا تھا کہ یہ اندیشہ بالکل درست تھا۔ میرا بھید کئی مہینوں کے بعد بالآخر کھل گیا تھا۔ آٹومیٹک رائفلیں میرے سر سے آن لگی تھیں۔ مزاحمت کا مطلب خودکشی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہوٹل میں اور ہوٹل کے اردگرد موجود افراد چہروں پر حیرت اور خوف لیے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

یہ ایک بکتر بند قسم کی گاڑی تھی۔ مجھے لاہور شہر کی مختلف سڑکوں سے گزار کر کسی عمارت میں پہنچایا گیا۔ گاڑی میں کرخت صورتوں والے چار مسلح پولیس اہلکار موجود تھے اور جیسے خاموشی کی زبان میں مجھ سے کہہ رہے تھے..... ''بڑی لمبی چھلانگیں لگائی ہیں تم نے..... لیکن ایک دن تو

تمہیں پکڑے جانا ہی تھا اور آج پکڑے گئے ہو۔''

قیصر چوہدری..... بلکہ ڈی ایس پی قیصر چوہدری ابھی تک میرے سامنے نہیں آیا تھا لیکن یقینی بات تھی کہ ابھی کچھ دیر میں اپنے اس دیرینہ دشمن سے بھی ملاقات ہونے والی ہے۔

بند گاڑی کسی پورچ نما مقام پر رک چکی تھی لیکن ابھی اس کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ بے شک میرے ہاتھ الٹی ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے تھے لیکن گاڑی میں موجود مسلح اہلکار مجھے یوں گھور رہے تھے جیسے ابھی میں کوئی جادو دکھاؤں گا اور اپنے کھلے ہاتھوں کے ساتھ ان پر پل پڑوں گا۔ آخر گاڑی کے دروازے کھلے اور مجھے مسلح اہلکاروں کی معیت میں ایک کشادہ کمرے کے اندر پہنچا دیا گیا۔

یہاں موٹی توندوں اور نیم گنجے سروں والے کئی پولیس افسر موجود تھے۔ کچھ باوردی اور کچھ سادہ لباس میں تھے۔ ان میں سے میری نگاہ سب سے پہلے قیصر چوہدری پر ہی پڑی۔ اس کی ناک، ایک رخسار اور پیشانی پر پرانی چوٹوں کے گہرے نشان تھے۔ اس کا ایک کندھا بھی خاصا جھکا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی یہ ساری ظاہر اور پوشیدہ چوٹیں میری ہی دی ہوئی تھیں۔ عرصہ پہلے جب میں نے درندہ صفت لالہ نظام کو ہیوی ''ڈمپر'' کے نیچے کچلا تھا تو اس وقت قیصر چوہدری بھی لالے کی کار میں ہی سوار تھا۔

''جی آیاں نوں..... ست بسم اللہ..... نیا جیون مبارک ہو شاہ زیب صاحب۔'' قیصر چوہدری نے زہرخند لہجے میں کہا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے اُن لوگوں کے چہرے دیکھنے لگا۔ ایک سادہ لباس والا آفیسر بولا۔ ''لگتا ہے اس وقت تم یہی سوچ رہے ہو کہ تمہارا بھانڈا پھوٹا کس طرح ہے؟ اپنے بوتھے (چہرے) کی مرمت کرنے میں تو تم نے طوائفوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ ایسا سرخی پاؤڈر لگایا ہے کہ تمہاری ماں بھی تمہیں نہ پہچان سکے۔''

اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتا، اس مکمل گنجے آفیسر کے موبائل فون پر کال آگئی۔ وہ سننے لگا اور گاہے بگاہے اپنا مٹکے سا سر ہلانے لگا۔ ''آلے دوالے اچھی طرح دیکھ لیا ہے؟..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... اب وہ اِدھر نہیں آئیں گے..... پر خفیہ نگرانی کرتے رہو..... اوکے۔''

میں سمجھ گیا کہ یہ گفتگو اسی بارے میں ہے جس بارے میں، میں بھی مسلسل پریشان ہوں۔ ہوٹل پر چھاپا پڑنے سے قریباً ایک گھنٹا پہلے پہلوان حشمت اور فخر ہوٹل سے چلے گئے تھے۔ وہ گرفتاری سے بچ گئے تھے مگر اس کا قوی امکان موجود تھا کہ واپسی پر انہیں گرفتار کرلیا جاتا لیکن اب گنجے آفیسر کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس سلسلے میں فخر کی غیر معمولی ہوشیاری اور چوکسی کام آئی ہے اور وہ خطرہ بھانپ کر پہلوان سمیت کہیں اوجھل ہوگیا ہے۔

میرے پاس موجود دیگر اشیا کی طرح میرا موبائل فون بھی پولیس کے قبضے میں جا چکا تھا۔ قیصر چوہدری نے شعلہ بار نظروں سے مجھے گھورا اور پھر ایک اہلکار سے مخاطب ہوکر بولا۔ ''شاہ زیب صاحب ہتھ چالاکی بہت زیادہ کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ان کو ذرا کرسی کے ساتھ باندھ دو۔''

نائیلون کی سرخ رسی نے مجھے جکڑ لیا۔ قیصر چوہدری نے میرا موبائل نکالتے ہوئے کہا۔ ''اس پر بات کروا اپنے دونوں یاروں سے، ان کو بتاؤ کہ تم نکل بھاگے ہو، ان بیکار کے پھوسڑ پولیس والوں سے..... شاہدرہ میں بارہ دری کے پاس پہنچ گئے ہو، وہ دونوں وہاں آجائیں.....''

''اور میں یہ فون نہ کروں تو؟'' میں نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

جواب میں قیصر چوہدری نے گھما کر میرے منہ پر ٹانگ رسید کی۔ میں کرسی سمیت الٹ کر دور جا گرا۔ میرا نچلا ہونٹ پھٹ گیا اور خون میری سفید قمیص کے گریبان کو رنگین کرنے لگا۔ اہلکاروں نے میری کرسی اٹھا کر سیدھی کی۔ قیصر چوہدری خونی لہجے میں بولا۔ ''اگر بات نہیں مانو گے شاہ زیب صاحب، تو تمہارے جسم کے ایک ایک حصے کو علیحدہ علیحدہ مرنا پڑے گا۔ تمہاری ساری مارشل آرٹ اکٹھی ہوکر گھس جائے گی جہاں سے نکلی تھی.....''

اس نے میرے بال مٹھی میں جکڑ لیے لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید اپنا غصہ اتارتا ایک موٹے تازے اہلکار نے آکر افسران کو سیلیوٹ کیا اور بولا۔ ''بڑے صاحب اور ان کے ساتھی تشریف لے آئے ہیں۔''

قیصر چوہدری نے میرے سر کو زور سے آگے پیچھے ہلانے کے بعد میرے بال چھوڑ دیے اور اہلکار سے بولا۔ ''اس کی قمیص اتار دو اور اس کا منہ بھی صاف کرو۔''

میری خون آلود قمیص کے بٹن کھول کر اسے جسم سے علیحدہ کر دیا گیا اور اسی قمیص سے میرے خون آلود ہونٹ اور ٹھوڑی کو اچھی طرح صاف کر دیا گیا۔ ایک اہلکار کہیں سے کسی ساتھی کی قمیص لے آیا لیکن اسے پہنایا جانا مشکل تھا کیونکہ خون آلود قمیص تو پھاڑ کر اتار لی گئی تھی مگر دوسری قمیص، رسی کی بندشیں کھولے بغیر پہنائی نہیں جاسکتی تھی۔

جلدی سے دو لگژری کرسیاں لا کر کمرے میں رکھ دی گئیں۔ قیصر چوہدری اور دو دیگر افسران کے علاوہ باقی سب لوگ باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد کوریڈور کی طرف ایڑیوں کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ جو دو افراد کمرے میں داخل ہوئے، انہیں دیکھ کر میں ایک بار پھر دنگ رہ گیا۔ وہ دونوں ہی کسی تعارف کے محتاج نہیں تھے اور ان میں سے ایک تو ملک کا جانا پہچانا ''سیاست زادہ'' تھا۔ یہ اس فیملی کا چشم و چراغ تھا، جو براہِ راست تو حکومت کم کم ہی کرتی تھی لیکن اصل میں حکومت انہی کی ہوتی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو حکومتیں بنانے اور توڑنے پر قادر تھے۔ یہ بادشاہ نہیں بادشاہ گر تھے۔ یہ خوب صورت بارعب شخصیت کا مالک شکیل داراب تھا۔ تاجور کا جنونی شوہر دارج اسی شکیل کا فرسٹ کزن تھا۔ شکیل کے ساتھ جو دوسرا شخص اندر داخل ہوا وہ کھڑکھڑ کرتی سفید شلوار قمیص والا ایک دبنگ شخص تھا۔ مجھے اسے پہچاننے میں تھوڑی سی دشواری تو ہوئی لیکن ناکامی نہیں ہوئی۔ یہ لالہ نظام کا سگا بھائی لالہ وریام تھا۔ یہ لوگ بڑی تمکنت سے میرے سامنے براجمان ہو گئے۔

شکیل داراب کی خوب صورت آنکھوں میں میرے لیے نفرت اور زہریلے تمسخر کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہاں یہی وہ شخص تھا جس کے اَن گنت جرائم کی فہرست میں ایک جرم یہ بھی شامل تھا کہ اس نے اپنی ہی ایک ٹیچر کو غلط نگاہ سے دیکھا..... اس سے محبت کا دعوے دار ہوا اور پھر نوعمری میں ہی اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے اپنی اس ٹیچر کو طلاق دلوا کر اپنی دسترس میں کر لیا۔ اسی شکیل داراب نے تاجور کو اس نیت سے جاما جی پہنچایا تھا کہ وہ مجھ سے مل کر مجھے زبان کھولنے پر مجبور کرے گی اور پھر وہیں پر رائے زل جیسے کسی ہوس کار کی داشتہ بن کر رہ جائے۔ ہاں اس شخص نے قدم قدم پر مجھے زخم دیے تھے اور آج ایک بار پھر وہ خطرناک ارادوں کے ساتھ میرے رُوبرو بیٹھا تھا۔ اس کمرے میں سے اب قیصر چوہدری کے سوا باقی سب باہر جا چکے تھے۔

شکیل داراب نے کہا۔ ''لالہ وریام کو ہمیشہ یہ شک رہا ہے کہ ان کے بھائی صاحب کو جو حادثہ پیش آیا، اس کے پیچھے تم ہی تھے۔ کیا تم اپنے منہ سے اس کا اقرار کرنا پسند کرو گے؟''

''میرے اقرار کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہو گا؟'' میں نے بھی اطمینان سے جواب دیا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہی ہے۔ مرنا تو تم نے ہر صورت ہے اور دردناک موت ہی مرنا ہے لیکن چلو تم سے ایک سودا کر لیتے ہیں۔ اگر تم اقرار کر لو گے تو تمہاری سزا صرف تم تک ہی محدود رکھیں گے۔ تمہارا چچازاد ولید یہاں جیل میں ہے، ہم اس کی جان بخشی کر دیں گے..... اور تمہارے سنگی ساتھیوں پر بھی ہاتھ ہولا رکھیں گے۔''

''اس شاندار رحم دلی کے لیے بہت شکریہ۔ لیکن جو کام میں نے کیا ہی نہیں، اس کا اقرار کیسے کر لوں؟''

''بڑے خاص قسم کے چکنے گھڑے ہو تم۔ لیکن گھڑا کتنا بھی چکا ہو، موٹا ریگ مال تو اسے کھدیڑ ہی دیتا ہے..... اور میرا خیال ہے کہ تم پر بڑا سخت قسم کا ریگ مال لگنے والا ہے.....''

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' میں نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

شکیل اپنی لگژری نشست پر پہلو بدل کر بولا۔ ''ویسے تمہارے ذہن میں یہ سوال نہیں آیا کہ تمہاری اس کاسمیٹک سرجری کے باوجود ہم نے تمہیں پہچان کیسے لیا؟''

''مجھے لگتا ہے کہ میرے پہچانے جانے میں تمہاری عقل مندی سے زیادہ کسی کی مخبری کا عمل دخل ہے۔ ایک بلا تھی جو جاما جی سے میرے پیچھے لگی تھی، وہ یہاں بھی پہنچی ہوئی ہے۔''

''ٹھیک نشانہ لگایا ہے تم نے۔'' شکیل بولا۔ ''میں اس بلا کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن تم خود بھی تو ایک بڑی بلا ہو، پھر وہ بلا تم پر حاوی کیسے ہو گئی؟''

''ایک طرف تم کہہ رہے ہو کہ تم اُسے اچھی طرح جانتے ہو، دوسری طرف سوال بھی پوچھ رہے ہو..... وہ عام عورت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی کی دوست ہے۔ کیا پتا کل وہ کس کی دشمن ہو جائے، کیا پتا کل تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اباجی کا ٹیٹوا دبا کر انہیں فوت کر ڈالو، یا پھر اپنی بیوی کو ننگا کر کے بازار میں نچوانا شروع کر دو۔''

''بکواس بند کرو۔'' شکیل دہاڑا اور اس کا گورا چہرہ سرخ انگارا ہو گیا۔

قیصر چوہدری نے اٹھ کر مجھے پیٹنا شروع کر دیا۔ دس پندرہ سیکنڈ بعد شکیل داراب نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور خود کو پُرسکون کرنے کے لیے قیمتی سگریٹ سلگایا۔ میں اب بھی اطمینان سے بیٹھا تھا اور میرا یہی اطمینان ان لوگوں کو مزید مشتعل کر رہا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر ڈی ایس پی قیصر کا پارا ایک بار پھر چڑھ گیا۔ وہ کسی شیش ناگ کی طرح پھنکار کر اپنی کرسی سے اٹھا، لیکن شکیل نے اسے دوبارہ روک لیا۔

PakiBooks.Site

لالہ وریام نے اپنی مٹھی میں دبے ہوئے سگریٹ سے ایک طویل کش لیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''اچھا..... مجھے ایک بات بتاؤ لالے دی جان! جب وہ زنانی تمہاری اصلیت جان ہی چکی تھی تو پھر اس نے تمہاری مخبری کرنے کے بجائے خود ہی تمہارا قیمہ کیوں نہ کر دیا؟''

شکیل نے کہا۔ ''اس کا جواب تمہیں میں دیتا ہوں لالہ! مخبری اس زنانی نے نہیں کی کسی اور نے کی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ یہ بہت دکھری قسم کی زنانی ہے۔ میں جادو ٹونے پر یقین نہیں رکھتا لیکن وہ ایک خاص قسم کا جادو ٹونا ہے جس کو سائنس بھی مانتی ہے۔ اس عورت ہاناوانی کی آنکھوں میں جادو ہے لالہ وریام! یہ قیصر چوہدری جس بندے کو سوچھتر مار کر بھی بولنے پر مجبور نہیں کر سکتا، وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے اسے چند منٹ میں اپنے ڈھب پر لا سکتی ہے۔ اسی طرح اس نے سجاول کی غیر ملکی بیوی کو بولنے پر مجبور کیا۔ اس نے نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنے اندر کی ہر بات اگل دی۔ ان ہی باتوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ شاہ زیب ابھی مرا نہیں، بس اس نے اپنی شکل بدلی ہوئی ہے۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ وقاص کے نام سے ہمارے اردگرد موجود ہے لیکن اس سے پہلے کہ ہاناوانی خود شاہ زیب تک پہنچتی، ہم شاہ زیب تک پہنچ گئے۔''

''پر وہ کس طرح شکیل صاحب؟'' لالہ وریام نے اپنی لمبی سیاہ مونچھوں کو مل دے کر پوچھا۔

''ہاناوانی کے بندوں میں زیادہ تر تو ملائیشین ہیں پر کچھ کرائے کے مقامی ٹٹو بھی ہیں۔ ان میں سے ایک مقامی ملازمہ اس وقت ہاناوانی کے آس پاس موجود تھی جب وہ سجاول کی بیوی سے اس کے اندر کی باتیں اگلوا رہی تھی۔ یہ شاہ زیب والی بات ملازمہ کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ اتفاقاً وہ ملازمہ کچھ عرصہ پہلے پولیس کی ناؤٹ بھی رہی ہے۔ اس نے یہ اہم خبر قیصر چوہدری تک پہنچا دی..... پچھلے چوبیس گھنٹوں سے اس خبر نے پورے پولیس ڈپارٹمنٹ میں تھرتھلی ڈالی ہوئی تھی۔''

لالہ وریام بولا۔ ''عورت کی شکل ہی نظر نہ آ رہی ہو تو اس کے ساتھ کچھ بھی کرنے کا کیا سواد ہے۔''

''کیا مطلب؟'' شکیل نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ اس ''ہیرے موتی'' نے اپنی شکل ہی بدلی ہوئی ہے، اس کو مارنے کا مزہ تو تب ہے ناں جب یہ اپنی اصلی شکل میں ہو۔'' وریام کا اشارہ میری طرف تھا۔

''تو یہ کون سا مشکل کام ہے لالہ جی۔ کوئی بھی کاسمیٹک سرجن اسے دس بیس گھنٹوں میں اس کی اصل شکل میں واپس لا سکتا ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے شکیل صاحب پہلے اس کے اصلی بوتھے کے درشن کراؤ، پھر باقی کا کام ہوگا۔''

باقی کا کام..... لالے وریام نے اس لہجے میں کہا تھا کہ میں بے ساختہ چونک گیا۔ شکیل کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ کھیل گئی، وہ بولا۔ ''معاف کرنا شاہ زیب! ..... لالے وریام اور قیصر وغیرہ نے تمہارے بارے میں کچھ نیا سوچا ہے۔ لیکن ابھی یہ پوری طرح فائنل نہیں ہوا۔ ایک دو دن میں بات صاف ہو جائے گی۔ تب تک تم چھری کے نیچے سانس لے سکتے ہو۔''

''میری سمجھ میں تمہاری بک بک بالکل نہیں آ رہی ہے۔'' میں نے بیزاری سے کہا۔

قیصر چوہدری ایک بار پھر مشتعل ہوا اور مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کی۔ وہ میری طرف آنا چاہتا تھا لیکن شکیل بولا۔ ''یار! اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو۔ میرے سامنے اس کی درگت بناؤ گے تو اسے شرم آئے نہ آئے مجھے ضرور آئے گی۔ کبھی ہم بھی یہ بھی تھے آشنا..... اسے یاد ہو کہ نہ یاد ہو.....''

کچھ دیر تک مجھ سے سوال جواب کرنے کے بعد شکیل جانے کے لیے تیار نظر آیا، تاہم اٹھنے سے پہلے بولا۔ ''شاہ زیب خان بہادر صاحب! ہم سوچ رہے ہیں کہ جس طرح ہاناوانی نے قسم کھا رکھی تھی کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں مارے گی بلکہ تم لوگ خود ہی ایک دوسرے کو مارو گے..... ہمارا بھی دل یہی چاہتا ہے کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ گندے نہ کریں۔ یہ کام کسی اور کے لیے چھوڑ دیں۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں مرتے ہوئے دیکھ کر بھی ہمیں وہی خوشی ہوگی جو خود مار کر ہوتی..... کیا خیال ہے لالہ جی؟'' شکیل داراب نے خوب صورت چمکیلی مسکراہٹ کے ساتھ لالہ وریام کی طرف دیکھا۔

لالہ وریام بولا۔ ''یہ سب کچھ میں نے آپ پر چھوڑ دیا ہوا ہے میرے سرکار! بس اب اس کو چھیتی سے مرنا چاہیے۔''

''چھیتی اور جلدی کا کام تو شیطان کا ہوتا ہے لالہ..... اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کو مارنے میں شیطان اپنی ٹانگ اڑائے۔ ذرا آرام آرام سے چلتے ہیں۔ بس یہ گارنٹی تم لوگوں کو دیتا ہوں کہ یہ مر ضرور جائے گا اور اس بار

بالکل اصلی مرے گا۔''

وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔ شکیل نے قیصر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اس کو کھلاؤ پلاؤ۔ تھوڑی سی صحت بنا دو اس کی لیکن اس کی طرف سے بہت ہوشیار بھی رہو۔ تمہیں پتا ہی ہے یہ شاہ زیب ہی نہیں ایسٹرن بھی ہے۔''

قیصر چوہدری نے شدومد سے اثبات میں سر ہلایا۔ شکیل داراب اور لالہ وریام جانے کے لیے مڑے لیکن قدم اٹھانے سے پہلے شکیل داراب میرے قریب آیا اور جھک کر میرے کان میں ہولے سے بولا۔ ''ویسے تم اب مر بھی جاؤ تو کیا فرق پڑتا ہے، تمہاری امنگ ترنگ تو ختم ہو ہی چکی ہے۔''

پھر میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔ اس کی بات دل پر ایک شدید گھونسے کی طرح لگی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ وہ تاجور کی بات کر رہا تھا۔ تاجور جو اس کے کزن دارج کی منکوحہ بن چکی تھی۔

قیصر چوہدری ایک بار پھر مجھے مجبور کرنے لگا کہ میں اپنے موبائل فون سے فخر اور پہلوان حشمت کو فون کروں اور ان کو اپنے پاس بلاؤں، میں یہ بات کسی صورت نہیں مان سکتا تھا۔ وہ ایک بار پھر گالی گلوچ اور مار پیٹ پر اتر آیا..... تاہم اسی دوران میں اس کے موبائل فون پر اطلاع آئی کہ میرا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے۔

میرے لیے یہ ایک مایوس کن خبر تھی۔ پتا نہیں کہ کون پکڑا گیا تھا، فخر یا پہلوان حشمت؟ بہرحال جب پکڑا جانے والا میرے سامنے لایا گیا تو میرے دونوں اندازے غلط ثابت ہوئے۔ یہ رضوان بٹی تھا۔ اس کے چہرے پر چوٹوں کے نشان اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ گرفت میں آنے سے پہلے اس نے اچھی خاصی مزاحمت کی ہے۔ اس کا ایک پہلوتو لوسی والے حملے میں پہلے ہی زخمی ہو چکا تھا۔ رضوان کے ہاتھ بھی الٹی ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے تھے، تاہم اسے میری طرح کرسی سے باندھنے کی زحمت نہیں کی گئی۔

☆☆☆

جس عمارت میں مجھے اور رضوان کو رکھا گیا تھا، یہ پولیس کا کوئی خفیہ ٹارچر سیل لگتا تھا۔ تاہم یہ کافی کشادہ تھا۔ یہاں رکھوالی کے کتوں کی موجودگی بھی ظاہر ہوتی تھی۔ یہ خطرناک کتوں کی پوری ایک ٹولی تھی جو عمارت کے کسی حصے میں مسلسل شور مچاتی رہتی تھی۔ آج ہمیں یہاں دوسرا روز تھا۔ ہمارے کمرے میں فقط ایک دروازہ اور ایک کھڑکی تھی۔ دروازہ لوہے کا تھا، کھڑکی میں مضبوط آہنی گرل تھی، جسے ہماری مہمان نوازی کے لیے مزید مضبوط کر دیا گیا تھا اور کھانا اندر پہنچانے کے لیے ایک چھوٹا سا رخنہ بھی بنا دیا گیا تھا۔ یہ دونوں کام غالباً کل ہی کیے گئے تھے۔ کھڑکی کے سامنے پولیس کا ایک سادہ پوش آٹومیٹک رائفل تانے چوکس کھڑا رہتا تھا۔ ہم دونوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئی تھیں تاہم ان کا کھلنا یا نہ کھلنا ایک برابر ہی تھا کیونکہ یہ کمرا ہمارے لیے ایک مضبوط کال کوٹھڑی جیسا تھا۔

کمرے کی کھڑکی سے ایک لابی سی دکھائی دیتی تھی۔ اس لابی میں ایک ٹی وی موجود تھا لیکن ہمیں بس اس کی آواز ہی سنائی دیتی تھی۔ ٹی وی پر میرے بارے میں بھی تہلکہ خیز نیوز موجود تھی۔ اب بھی ایک نیوز کاسٹر اپنے فیلڈ رپورٹر سے سوال جواب کر رہا تھا۔

فیلڈ رپورٹر کی آواز ابھری۔ ''جی، میں اس وقت اسی ہوٹل کے سامنے کھڑا ہوں جہاں سے کل مشہور و معروف شاہ زیب عرف ایسٹرن کو گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ بے حد ڈرامائی صورتِ حال ہے۔ کچھ لوگ ابھی تک اس پر یقین نہیں کر پا رہے۔ شاہ زیب چند ماہ پہلے گلبرگ میں ہونے والے دھماکے میں ''مر گیا'' تھا۔ ڈی این اے ٹیسٹ میں اس کی تصدیق بھی ظاہر کی گئی تھی۔ شاہ زیب کی ''تدفین'' مراد پور کے قبرستان میں بہت سے لوگوں کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ اس کی ''موت'' کی خبر کو یورپ وغیرہ میں بھی بڑی تشہیر ملی تھی، لیکن اب وہی شاہ زیب اس مقامی ہوٹل سے گرفتار ہوا ہے۔''

نیوز کاسٹر نے پوچھا۔ ''شاہ زیب کی گرفتاری کا سہرا ڈی ایس پی قیصر چوہدری کے سر باندھا جا رہا ہے۔ کیا پولیس ذرائع نے کچھ بتایا ہے کہ یہ گرفتاری کس طرح عمل میں آئی؟''

''نہیں جی، ابھی تک پولیس ڈپارٹمنٹ اور دیگر متعلقہ افراد نے اس حوالے سے مکمل خاموشی اختیار کر رکھی ہے لیکن کہا یہی جا رہا ہے کہ یہ گرفتاری کسی زبردست مخبری کے ذریعے عمل میں آ سکی ہے۔''

نیوز کاسٹر بولا۔ ''کیا اس موقع پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص پکڑا گیا ہے، وہ واقعی شاہ زیب عرف ایسٹرن ہے؟''

''جی ہاں، اس بارے میں تب تک شبہات موجود رہیں گے جب تک اسے میڈیا کے سامنے نہیں لایا جاتا۔ کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ شاہ

Pakbooks Site

زیب نے اپنے چہرے میں کچھ تبدیلیاں کردار کھی ہیں جس کی وجہ سے اسے پہچانا جانا آسان نہیں ہے۔ بہرحال کل شام کے بعد سامنے والی مسجد سے جو ایک گرفتاری ہوئی ہے وہ بھی اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ پکڑا جانے والا شاہ زیب عرف ایسٹرن ہی ہے۔ یہ گرفتاری رضوان ٹی نامی نوجوان کی ہے اور واقفِ حال لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ رضوان ماضی میں شاہ زیب کے قریبی ساتھیوں میں سے رہا ہے۔''

نیوز کاسٹر نے سوال کیا۔ ''ہوٹل کی انتظامیہ اور دیگر لوگ کیا کہتے ہیں؟ شاہ زیب کی گرفتاری کس طرح عمل میں آئی۔ کیا اس نے مزاحمت کی..... یا آسانی سے خود کو حوالے کر دیا؟''

فیلڈ رپورٹر بولا۔ ''ہوٹل کا مالک اور ملازمین بہت ڈرے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے کوئی بھی بات کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ ایک ملازم کا یہ کہنا ہے کہ ہوٹل میں اور اس کے اردگرد پچھلے کچھ روز سے عجیب واقعات پیش آ رہے تھے۔ ہوٹل کے اندر مادہ بندر کے گھسنے اور حملہ کرنے کا واقعہ تو میڈیا پر بھی رپورٹ ہو چکا ہے۔ اس سے پہلے قریبی مسجد کے اندر بھی رہائشی پوریشن میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور شیشے وغیرہ ٹوٹے۔ پھر سامنے والے بازار میں اندھا دھند فائرنگ ہوئی اور ایک شخص جان سے چلا گیا۔ بہرحال اس ہوٹل میں کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہ زیب جیسا مشہور و معروف شخص جو کئی مقدمات میں مطلوب بھی ہے، یہاں اس جگہ زندہ سلامت پایا جا رہا ہے۔ جہاں تک آپ کا یہ سوال ہے کہ گرفتاری کے وقت پولیس اور ملزم میں کسی طرح کی کھینچا تانی یا ایگریشن نظر آئی تو اس کا جواب شاید نفی میں ہے۔ پولیس نے اپنے ڈی ایس پی کی قیادت میں بڑی رازداری اور ہوشیاری سے ملزم کے گرد گھیرا ڈالا اور اسے کسی طرح کی مزاحمت کا موقع نہیں دیا.....''

فیلڈ رپورٹر شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اسٹوڈیو میں موجود نیوز کاسٹر نے ''شکریہ عرفان خان'' کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر فوراً ہی اس کی آواز ابھری۔ ''ناظرین! ہمیں ابھی ابھی دارالاسلام، برونائی سے ہمارے خصوصی نمائندے باسط احمد نے جوائن کیا ہے..... جی باسط احمد! برونائی اور جاما جی وغیرہ سے مسٹر شاہ زیب کا گہرا تعلق رہا ہے۔ وہاں اس خبر کو کس طرح سنا گیا ہے؟''

نمائندے نے کہا۔ ''آپ بجا کہتے ہیں، قریبی جزیرے جاما جی کے لوگوں میں شاہ زیب المعروف ایسٹرن کے لیے ایک پُرجوش اپنائیت پائی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ مسٹر شاہ زیب کو ہیرو کا درجہ دیتے ہیں۔ جب چند ماہ پہلے مسٹر شاہ زیب کی ''موت'' کی خبر یہاں پہنچی تھی تو سیکڑوں لوگ غم زدہ ہو کر جاما جی کی سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ اس دکھ کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا تھا۔ اب اس تازہ خبر کو ایک نہایت حیرت آمیز مسرت کے ساتھ سنا گیا ہے اور اگر آپ سچ پوچھیں تو بات صرف جاما جی ہی کی نہیں مکس مارشل آرٹ کے چیمپئن کی حیثیت سے لوگ یورپ میں بھی شاہ زیب کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس خبر سے ایم ایم اے کے حلقوں میں ایک سنسنی پھیل گئی ہے۔ بہت سے لوگ جلد از جلد اس خبر کی مکمل تصدیق چاہتے ہیں۔''

نیوز کاسٹر نے کہا۔ ''کچھ اس طرح کی خبریں آئی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وہاں کے لوگوں میں کسی طرح کی تشویش بھی پائی جا رہی ہے.....؟''

''آپ نے درست کہا ہے۔ اس تشویش کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ اطلاع کہ مسٹر شاہ زیب کو مقامی پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ اس تشویش کی دوسری وجہ زیادہ سنگین ہے۔ یہ بات اب ثابت ہو چکی ہے کہ جاما جی کے اہم ترین سیاسی خانوادے کی سربراہ میڈم ہاناوانی اس وقت پاکستان میں ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے قتل کا انتقام لینے کے لیے اندھی ہو رہی ہے۔ مسٹر شاہ زیب سے بڑھ کر اس کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ وہ کسی بھی وقت مسٹر شاہ زیب کو نقصان پہنچا سکتی ہے..... جاما جی میں لوگوں کا خیال ہے کہ مقامی حکومت کو مسٹر شاہ زیب اور ان کے قریبی ساتھیوں کی حفاظت کا پورا انتظام کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے آج صبح جاما جی کے نوجوان فرمانروا محمد ابراہیم نے ایک بیان بھی دیا ہے۔''

یہ گفتگو ختم ہوتے ہی اشتہار چلنا شروع ہو گئے۔ پھر کسی پولیس اہلکار نے ٹی وی بند کر دیا۔ رضوان سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اس کے ذہن میں بھی بہت سے سوال اُدھم مچا رہے تھے۔

وہ اپنے زخمی رخسار کو سہلاتے ہوئے بولا۔ ''یقیناً ہاناوانی بھی آپ کی تلاش میں ہوگی۔ کیا وہ یہاں تک پہنچ سکتی ہے؟''

''وہ کہاں تک نہیں پہنچ سکتی؟ تم نے دیکھا ہی ہے کہ وہ اس اکیسویں صدی میں بھی کیسے کیسے طلسم دکھا رہی ہے۔ جانوروں تک کو استعمال میں لا رہی ہے۔''

''وہ جو پرندوں والی بات آپ نے بتائی ہے وہ بھی

کل شام کے ایک اخبار میں چھپی ہے اور کہا گیا ہے کہ لاہور میں ایک ایسے شخص کی تدفین ہوئی ہے جس پر چھوٹے طوطوں نے جھنڈ کی صورت میں حملہ کیا اور اسے مار ڈالا۔ بہرحال ابھی تک اس خبر کو اتنی پذیرائی نہیں ملی لیکن مسئلہ یہ ہے جناب! کہ اس طرح تو ہاناوانی کسی بھی جگہ کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''یہ تو ہے..... اور مجھے سب سے زیادہ اندیشہ تاجور کی طرف سے ہے۔ اسے اور اس کے گھر والوں کو ابھی تک صورتِ حال کی اصل سنگینی کا احساس نہیں۔''

''اب یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں ہمارے ساتھ؟'' رضوان نے اُلجھن زدہ لہجے میں کہا۔ اس کے تاثرات سے لگتا تھا کہ وہ ہر قسم کی صورتِ حال کے لیے تیار ہے۔

میں رضوان کو کیا جواب دیتا۔ ابھی میں خود بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میرے دیرینہ دشمن آناً فاناً میرے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان میں قیصر چوہدری کے علاوہ لالہ وریام اور شکیل داراب بھی شامل تھا۔ میرے کانوں میں رہ رہ کر شکیل کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس نے کہا تھا ہاناوانی کی طرح ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ گندے نہ کریں۔ یہ کام کسی اور پر چھوڑ دیں۔''

اس بات سے اس کا کیا مطلب تھا؟ اس کے ذہن میں کیا کوئی اور خوفناک خیال پل رہا تھا؟ یا پھر اس نے مجھے صرف اُلجھن میں ہی ڈالا تھا۔ میرے پردۂ تصور پر اپنے جاما جی کے دوستوں کی تصویریں ابھریں۔ یقیناً وہ خوش بھی تھے اور پریشان بھی۔ ابراہیم، زینب، قسطینا، فارس جان، ڈاکٹر ماریہ اور بہت سے دیگر افراد۔ یقینی بات تھی کہ بہت سے وسوسوں کے باوجود، میرے حیات ہونے کی خبر نے ان کو شاد کیا تھا۔ میں تصور کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ ان کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو ہیں۔

رضوان کی آواز نے مجھے ایک بار پھر خیالوں سے چونکایا۔ وہ بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے، ہاناوانی اب کیا کر سکتی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ وہ پولیس کے کسی اعلیٰ افسر کو اپنے شکنجے میں جکڑ لے اور وہ افسر خود یہاں پہنچ کر ہمیں یہاں سے نکالے.....''

''میں نے کہا ہے نا کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس کے پاس بے شمار آپشنز ہیں۔ وہ ہم تک پہنچنے کے لیے پولیس ڈپارٹمنٹ یا انتظامیہ کے کسی بھی بندے کو استعمال کر سکتی ہے، لیکن لگتا ایسے ہی ہے کہ ابھی وہ فوری طور پر حرکت میں نہیں آئے گی۔ وہ ہم سے بچ کر فیکٹری والی کوٹھی سے فرار ہوئی ہے۔ ویسے بھی پاکستان میں اس کے پاس وہ افرادی قوت تو نہیں ہے جو جاما جی میں تھی۔ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ کارندے ہوں گے۔''

''فخر صاحب اور پہلوان حشمت کے بارے میں آپ کی سوچ کیا کہتی ہے؟''

''مجھے فخر کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمیں چھڑانے کی کوشش کرے گا..... یا کم از کم اس بارے میں سوچ بچار تو ضرور کر رہا ہوگا لیکن اسے یہ راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اس وقت ہم پولیس کے زبردست سیکیورٹی حصار میں ہیں۔''

''لیکن جناب! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں فخر صاحب کو داؤد بھاؤ کا تعاون بھی حاصل ہو جائے۔''

''داؤد بھاؤ اتنا معصوم نہیں ہے۔ اسے پتا ہے... فی الحال ہم لوہے کے جال میں پہنچ چکے ہیں۔''

رضوان کچھ دیر تک خاموش رہا۔ اس کے خوبرو چہرے پر تفکر کی پرچھائیاں تھیں مگر آنکھوں میں حوصلے کی چمک بھی لشکارا مارتی تھی۔ کہنے لگا۔ ''میں نے سن رکھا ہے کہ یہ ڈی ایس پی قیصر لوگوں کو ''پولیس مقابلے'' میں بھی مار دیتا ہے۔ کہیں ہمارے بارے میں بھی تو اس کے ایسے ہی ''نیک ارادے'' نہیں؟''

''شروع میں مجھے بھی یہی لگا تھا مگر ایک دو باتیں اس نے ایسی کہی ہیں جن سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ لوگ کچھ اور سوچ رہے ہیں۔''

اسی دوران میں دروازے کے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی پھر چند افراد ہمارے کمرے کی گرل دار کھڑکی کے سامنے نظر آئے۔ ان میں سانولے چہرے والا سخت گیر قیصر چوہدری بھی شامل تھا۔ وہ اس وقت سادہ شلوار قمیص میں تھا۔ اس کے ساتھ پینٹ شرٹ میں ملبوس نیم سفید بالوں والا ایک نفیس سا شخص بھی تھا جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا یہ ایک معروف کاسمیٹک سرجن تھا۔ اس کا نام ظفر جمالی تھا۔ سرجن نے مجھے کھڑکی کے نزدیک آنے کے لیے کہا..... اور پھر دھیان سے میرے چہرے کا معائنہ کرنے لگا (تاہم اس معائنے کے دوران میں اس نے کھڑکی سے ایک محفوظ فاصلہ رکھا ہوا تھا اور یہی محفوظ فاصلہ دوسرے افراد نے بھی رکھا ہوا تھا۔ جیسے میں ایک خون آشام جانور ہوں اور پنجرے میں سے اپنا پنجہ باہر نکال کر حملہ آور ہو سکتا ہوں۔

سرجن جمالی نے پوچھا۔ ''یہ کاسمیٹک سرجری کب

PakiBooks.com

ہوئی اور کس نے کی ہے؟''

میں نے کہا۔ ''سات آٹھ مہینے پہلے ہوئی ہے اور تمہارے ایک باپ نے کی ہے۔''

سرجن کا چہرہ زرد اور قیصر چوہدری کا سرخ ہو گیا۔ قیصر چوہدری نے ایک بار پھر مغلظات بکیں اور مجھے دھمکایا کہ وہ میرا ایسا حشر کرے گا کہ میری لاش بھی شرماتی پھرے گی۔

میں نے بھی جواباً بڑے اطمینان سے قیصر چوہدری کی ماں بہن ایک کی۔ میں اس کو طیش دلا رہا تھا کہ شاید وہ جذبات میں آجائے اور ہمارے کمرے میں کودنے کی کوشش کرے۔ بہرحال وہ اتنا کچا نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد حالات ذرا پُرسکون ہوئے تو سرجن جمالی نے مجھ سے میری کاسمیٹک سرجری کے بارے میں کچھ مزید سوالات پوچھے پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''مسٹر شاہ زیب! کیا تم اس سرجری کو ریورس کرنا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''ڈاکٹر! تم نے سن ہی لیا ہے۔ یہ لوگ اب ہمیں مار کر ہی یہاں سے نکالیں گے تو پھر جب لاش ہی بننا ہے تو شکل اصلی ہو یا نقلی؟ کیا فرق پڑتا ہے؟ موت کے فرشتے کو تو کاسمیٹک سرجری دھوکا نہیں دے سکتی۔''

''پھر بھی اگر تم چاہو تو تمہارے چہرے کی یہ تبدیلیاں ختم کی جاسکتی ہیں۔'' سرجن نے جواب طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

ویسے میں اب خود بھی اس روپ کو برقرار رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا کچھ فائدہ بھی نہیں تھا۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ طے یہ ہوا کہ سرجن جمالی اور اس کا اسسٹنٹ وغیرہ تب اس کمرے میں داخل ہوں گے جب میں اور رضوان اپنے ہاتھ الٹی ہتھکڑیوں میں جکڑوا لیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس کے سوا کوئی آپشن ہی نہیں تھا۔ ہتھکڑیاں ان لوگوں کے پاس موجود تھیں، پہلے میں کھڑکی کے پاس آیا اور رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے الٹی ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اس کے بعد یہی عمل رضوان کے ساتھ کیا گیا۔ چوکس رائفل بردار اب بھی ہمارے سامنے موجود تھے۔

ہتھکڑیاں لگنے کے باوجود جب دیر تک سرجن صاحب اندر نہیں آئے تو اُلجھن ہونے لگی۔ میں نے ایک موٹے تازے باوردی اے ایس آئی سے پوچھا۔ ''اب کیا مسئلہ ہے؟''

وہ چند لمحے تذبذب میں رہنے کے بعد بولا۔ ''ڈاکٹر صاحب اب بھی اندر آنے سے ڈر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بندے بہت خطرناک ہیں۔ انہیں بیڑی بھی پہنائی جائے۔''

''تو سوچ کیا رہے ہو، پہنا دو وہ بھی بلکہ تین چار بڑی رائفلیں، راکٹ لانچر اور توپیں بھی منگوا لو۔ جب ہم بھاگنے لگیں تو چلا دینا۔''

اے ایس آئی نے میرا پیغام ڈی ایس پی قیصر تک پہنچایا۔ کچھ دیر بعد میرے اور رضوان کے پاؤں دو بیڑیوں میں جکڑ دیے گئے۔

تب سرجن صاحب اندر آئے۔ دو میڈیکل باکس ان کے پاس تھے۔ الیکٹرک لیمپ کی تیز روشنی میں انہوں نے میرے چہرے کا تفصیلی معائنہ کیا۔ آخر میں فرمایا۔ ''REVERSION کا طریقہ کار تھوڑا سا لمبا ہوتا ہے اور اس کے لیے اضافی مہارت بھی چاہیے ہوتی ہے۔ بہرطور میں کوشش کرتا ہوں، تمہارے چہرے کی تین چوتھائی تبدیلیاں تو شاید اگلے 48 گھنٹے میں ختم ہو جائیں، جو تھوڑی بہت رہ جائیں گی، انہیں پھر دیکھ لیا جائے گا۔''

''اگر میں زندہ رہا تو۔'' میں نے سرجن کا فقرہ مکمل کیا۔

قیصر چوہدری نے آتشیں نظروں سے مجھے گھورا کہ میں فی الحال اپنی زبان بند رکھوں۔ تھوڑی سی ٹریٹمنٹ کے بعد سرجن نے میرے چہرے کے مختلف حصوں پر ENZYME کے انجکشن لگائے اور بتایا کہ ان جگہوں سے وہ جراحی تحلیل ہو جائے گی جو میری اسکن کے نیچے داخل کی گئی تھی..... اس نے کچھ مزید باتیں بھی بتائیں۔

سرجن کے جانے کے بعد مجھے اور رضوان کو ایک بار پھر مقفل کر دیا گیا اور مقفل کرنے کے بعد ہمارے ہاتھوں اور پاؤں کی بندشیں کھول دی گئیں۔ یہ کام کھڑکی کی گرل کے راستے کیا گیا۔

☆☆☆

اس نہایت محفوظ لاک اَپ میں یہ ہمارا چوتھا روز تھا۔ باہر لابی نما جگہ پر سے ٹی وی ہٹا لیا گیا تھا لہٰذا اب ہمیں باہر کی صورتِ حال کا کچھ علم نہیں تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ میرے زندہ ہونے کی خبر کو کافی تشہیر ملی ہوگی۔ سرجن جمالی نے اس لاک اَپ میں ایک وزٹ مزید کیا تھا۔ وہ پولیس کا خاص الخاص بندہ تھا اسی لیے یہاں لایا گیا تھا۔ اس نے میرے چہرے کو کچھ اور ٹریٹ کیا تھا..... بہرحال چہرے کی مکمل بحالی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ ایک رات مجھے اور رضوان کو کچھ نامانوس آوازیں آئی تھیں۔ مجھے اور رضوان کو یہ آوازیں کسی جانور کی ہی لگی تھیں، اور یہ سنسنی خیز شک بھی ہوا تھا کہ شاید یہ لوسی کی آوازیں ہیں۔ تاہم اس کی تصدیق نہیں ہو پائی تھی کیونکہ پھر یہ آوازیں رکھوالی کے کتوں کے بے پناہ شور میں دب گئی تھیں۔

پہلے روز کے بعد شکیل داراب اور لالہ دریام کی شکل دوبارہ نظر نہیں آئی تھی، تاہم ڈی ایس پی قیصر چوہدری وقتاً فوقتاً اپنا منحوس تھوبڑا دکھا رہا تھا۔

پھر ایک روز وہ ہوا جس کی ہمیں ہرگز ہرگز توقع نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے۔ ہمارے دشمنوں شکیل داراب وغیرہ نے بھی ہمارے ایک اور بڑے دشمن کو ہمارے سامنے لا کھڑا کیا۔

یہ شام کا وقت تھا۔ میں رضوان کے پہلو کے زخم کی ڈریسنگ بدل رہا تھا۔ درست علاج نہ ہونے سے پسلیوں کے اس زخم میں انفیکشن ہو گیا تھا اور رضوان بخار بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ وہی زخم تھا جو لوسی نے جنون کی حالت میں اپنے تیز پنجوں سے بنایا تھا۔ اچانک کمرے کے آہنی دروازے کے قریب آہٹیں سنائی دیں۔ پھر قیصر چوہدری کھڑکی میں نمودار ہوا۔ ''تمہارے کچھ دوست تم سے ملنے آئے ہیں لیکن پہلے تمہیں ہتھکڑی لگوانا پڑے گی۔'' اس نے کہا۔

''کون ہیں؟'' میں نے دریافت کیا۔

''یہ تو سرپرائز ہے تمہارے لیے۔ بولو، ملنا چاہتے ہو یا واپس بھیج دوں؟''

میں نے کہا۔ ''معاملہ صرف ملاقات کا ہی نہیں لگتا ہے۔ ملاقات تو اس کھڑکی کے راستے بھی ہو سکتی تھی۔ بہرحال، تم ہتھکڑی لگانا چاہتے ہو تو لگا لو۔''

دو منٹ بعد میرے اور رضوان کے ہاتھ الٹی ہتھکڑی میں جکڑے جا چکے تھے۔ مسلح پولیس اہلکار اندر آگئے۔ رائفلوں کے نرغے میں ہمیں ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں چاروں طرف ایک گیلری تھی جس میں چند صوفے بھی رکھے گئے تھے۔ یہاں دو طویل میزیں بھی دکھائی دے رہی تھیں، بظاہر یہ کھانے کی میزیں ہی لگتی تھیں۔ مجھے اور رضوان کو اسٹیل کی دو کرسیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس موقع پر رضوان نے کچھ مزاحمت کرنا چاہی لیکن میں نے منع کیا۔ حقیقت یہی تھی کہ فی الحال تو ہم مکمل طور پر ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھے۔ ایسے میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

انگارے

تب ہال نما کمرے کا دروازہ کھلا اور چند افراد اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے۔ یہ چست لباس اور گنجے سروں والے ٹیکساری گینگ کے وہی شیطان تھے جن سے ایک دنیا پناہ مانگتی تھی۔ یہ بدنام زمانہ مجرم ایول کے جرثومے سے پیدا ہونے والے وہی ہم شکل جانور تھے۔ شراب نوشی، آبروریزی اور خون آشامی جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ خون پیتے تھے، کچا گوشت کھاتے تھے اور جب مستی میں آتے تھے تو جانوروں کو ذبح کرنے کے بجائے انہیں وحشت میں زندہ ہی بھنبھوڑ ڈالتے تھے، ان کی یہ خصلت بھیڑیوں سے ملتی تھی۔

میں نے دیکھا رضوان کا چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ وہ گنجے شیطان تعداد میں دس کے قریب تھے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے غیظ و غضب اور نفرت کی بجلی لشکارے مار رہی تھی۔ ہاں میں نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ فخر کے ساتھ مل کر میں نے ان کی کمر توڑ ڈالی تھی لیکن وہ جاں بلب ضرور تھے، مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے تھے..... اور آج رات میں بے دست و پا اُن کے سامنے موجود تھا..... بلکہ ان کے سامنے پھینک دیا گیا تھا۔

میں نے اوپر گیلری کی طرف دیکھا، وہاں قیصر چوہدری کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

میرے کانوں میں شکیل داراب کے الفاظ گونجنے لگے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ خود سے میرے گندے خون میں ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا..... اب اس کی بات اور بات کی سنگینی پوری طرح میری سمجھ میں آرہی تھی۔

تب گیلری میں ایک اور جانی پہچانی شکل نظر آئی اور میری رگوں میں خون کھول کر رہ گیا۔ یہ بچے کھچے ٹیکساری گینگ کا سربراہ جان ڈیرک تھا۔ وہ وہیل چیئر پر تھا، اس کا ایک کارندہ چیئر دھکیلتا ہوا گیلری میں داخل ہوا تھا۔ گیلری میں سے ہی جان ڈیرک مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''نئی زندگی مبارک ہو شاہ زیب..... بہت خوشی ہوئی ہے تم سے مل کر۔'' جان ڈیرک کی آواز میں نقاہت تھی، اس کے باوجود لہجے میں شدید قسم کی زہرناکی بھی جھلک رہی تھی۔ وہ کافی کمزور نظر آتا تھا۔

میں نے کہا۔ ''جان! خوشی تو مجھے بھی بہت ہوتی اگر تم ایک بہادر دشمن کی طرح کھلے میدان میں میرے سامنے آتے۔''

وہ بولا۔ ''اب تم کس منہ سے یہ بات کہہ رہے ہو، تم نے ہم پر چھپ کر وار کیا ہے۔ ایک گندی سازش کی ہے۔

PakiBooks.site

اس خارش زدہ سؤر والس وائے کو آزاد کرا کے گینگ میں گروپنگ کرائی ہے۔ اب تو جو کیا ہے، وہ بھگتنا پڑے گا۔''

''تم بکواس کر رہے ہو جان ڈیرک، اس کو سازش نہیں پلاننگ کہتے ہیں۔ تم نے بھی ایسی سیکڑوں منصوبہ بندیاں کی ہیں۔ یہ سب کچھ تو گینگ وار میں چلتا ہی ہے۔''

''تو پھر یہ بھی چلتا ہے جو تمہارے ساتھ ہونے جا رہا ہے۔'' وہ اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کو سہلا کر بولا۔ ''تم نے ٹیکساری کمپنی کے حصے بخرے کیے ہیں، اب تمہارے بھی حصے بخرے ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے جسم کے ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ موت ملے گی۔'' ساتھ ہی اس نے انگلش کی غلیظ گالی بکی۔

رضوان دہاڑا۔ ''حرام زادے! دھمکیاں مت دے، تو نے جو کرنا ہے کر گزر۔ ہم تجھ سے رحم کی بھیک نہیں مانگیں گے۔ ہاں اگر تو قریب آیا تو تیرے اس منحوس منہ پر تھوکیں گے ضرور۔''

جان ڈیرک نے گیلری میں بیٹھے بیٹھے، ایک شیطان زادے کو اشارہ کیا۔ وہ عقب سے آیا اور اس نے اپنا ایک فٹ لمبا تیز دھار چھرا رضوان کے جسم میں گھونپ دیا۔ یہ چھرا رضوان کی کہنی سے اوپر دائیں بازو میں لگا اور آر پار ہو گیا۔ خون کا فوارہ ابل پڑا۔ ایک شیطان زادے نے فوراً شراب کا ایک خالی جام آگے کیا۔ ابلتا ہوا خون اس میں گرنے لگا۔ جام ایک تہائی بھر گیا تو خون کا رساؤ کم ہو گیا۔ رضوان کراہ رہا تھا لیکن اس نے اپنی آواز بلند نہیں ہونے دی تھی۔

جان ڈیرک کے اشارے پر شیطان زادہ مسکرایا اور دو گھونٹ میں یہ خون اندر انڈیل لیا۔ گیلری میں سے ڈیرک نے پوچھا۔ ''لڑکا تو ہینڈسم ہے۔ کیسا ذائقہ ہے اس کا؟''

گنجے نے بلند آواز میں ہنس کر کہا۔ ''مزیدار...... اور گرم بھی۔''

''ہاں گرم تو ہونا ہی تھا لیکن کوئی بات نہیں، ساری گرمی نکل جائے گی۔'' ڈیرک نے جواب دیا۔

''ایک جام اور؟'' گنجے نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ خون آلود چھرا ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

''نہیں ابھی کچھ صبر کرو۔'' ڈیرک نے اسے منع کیا پھر ذرا توقف سے بولا۔ ''ہو سکتا ہے اس کے کچھ اور دوست بھی ہمیں میزبانی کا شرف بخش دیں۔ ذرا بہتر ماحول بن جائے گا۔''

میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگ گئیں۔ جان ڈیرک کی بات کا مطلب یہی تھا کہ یہ لوگ ابھی فخر اور پہلوان کی تلاش سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔

ہمیں جن کرسیوں پر باندھا گیا تھا، وہ آرام دہ کاؤچ کی کرسیوں کی طرح کافی لگژری ٹائپ تھیں۔ انہیں اسٹریچ کر کے نیم دراز بھی ہوا جا سکتا تھا۔ ان کرسیوں کے ساتھ ہمیں باندھنے کے لیے رسی وغیرہ استعمال نہیں کی گئی تھی بلکہ چمڑے کی بیلٹس تھیں جن پر موٹے بکل لگے ہوئے تھے۔

کچھ دیر گیلری میں بیٹھنے کے بعد اور ہم پر طنز کے تیر چلانے کے بعد جان ڈیرک واپس چلا گیا۔ قیصر چوہدری بھی ساتھ ہی گیا۔ رضوان کے زخمی بازو سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ ڈیتھ اسکواڈ کے صفاچٹ چہروں والے ہم شکل شیطان اب باہر جا چکے تھے۔ صرف ایک وہاں موجود تھا۔ اس نے سرخ رنگ کا چست لباس اپنے جسم پر یوں منڈھا ہوا تھا کہ وہ جسم کو چھپانے کے بجائے بے حجابی سے نمایاں کر رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں جیسے شعلے سے لپکتے محسوس ہوتے تھے۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارا انچارج ٹام کہاں ہے؟''

وہ مشینی انداز میں بولا۔ ''وہ مارا گیا۔ اس کے بعد جو انچارج بنا، وہ بھی آپسی لڑائی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہمارا بہت کچھ ختم ہو گیا۔ اب تم کو بھی ختم ہونا ہے۔ کیونکہ تمہاری بدبختی نے تمہیں یہاں گھیر لیا ہے۔''

وہ گفتگو کے دوران میں بھی شراب پی رہا تھا۔ یہ لوگ شراب پانی کی طرح چڑھاتے تھے۔ وہ عجیب نظروں سے رضوان کو گھورنے لگا۔ پھر اس کے قریب چلا آیا۔ اس کے سلکی بالوں میں انگلی چلا کر بولا۔ ''خوب صورت ہو، تمہارے گھر کی عورتیں بھی خوب صورت ہوں گی۔''

رضوان نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ بالکل بدمزہ نہیں ہوا بلکہ اس نے تھوک کو صاف کرنے کی کوشش بھی نہیں کی پھر وہ مجھ پر جھک کر بولا۔ ''کوئی ہے تو بتاؤ۔ تیرہ چودہ سال سے لے کر چالیس پینتالیس تک بھی چلے گی۔'' رضوان نے پھر اس پر تھوک دیا۔

اس مرتبہ تھوک اس کے منہ کے بجائے اس کی پشت پر گرا۔ اس نے بڑی نرمی کے ساتھ اسے رضوان کے زخمی بازو کی آستین کے ساتھ پونچھ دیا۔ پھر اچانک رضوان کے زخمی بازو کو اتنی بے دردی سے دبایا کہ وہ چلا اٹھا۔ شیطان زادے نے بازو کے زخم کے اندر انگلی گھسائی اور اسے مچھلی کی طرح تڑپنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا کرتے ہو رینگی؟'' ایک آواز نے اسے مزید بے رحمی سے روک دیا۔

یہ آواز ایک لڑکی کی تھی۔ اس نے بھی سرخ رنگ کا نہایت چست لباس پہن رکھا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ گینگ کے اس ڈیتھ اسکواڈ میں فی میلز بھی موجود ہیں۔ یہ درحقیقت ان شیطان زادوں کی بہنیں ہی تھیں جو ''ٹیسٹ ٹیوب'' طریقہ کار کے ذریعے تولد ہوئی تھیں، اپنی خوفناک خصلتوں میں یہ شیطان زادوں سے کم نہیں تھیں۔ انہی کی طرح سخت جان، بے رحم اور عیار...... یہ بھی ہر وقت نشے میں مدہوش رہتی تھیں۔ مارنے اور مرنے کے لیے ہر وقت تیار۔ ایک موقع پر ہم نے ان کو شتوگڑیوں کا نام دیا تھا لیکن ان کی بے پناہ کارکردگی کے سامنے یہ نام شاید چھوٹا تھا۔ یہ تو بلائیں تھیں اور ان کے اندر عفریتوں کی روح تھی۔

اندر آنے والی کو میں نے پہچان لیا۔ اس کو ریڈ کیٹ کہا جاتا تھا۔ یہ فی میل ونگ کی انچارج تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اب ان فی میلز میں سے بھی بس دو چار ہی زندہ بچی ہوں گی۔ کیونکہ اب تک ہمیں بس یہی ایک نظر آئی تھی اور اس کے چہرے پر بھی چند ماہ پرانے زخم کا گہرا نشان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ میرے اردگرد گھومی اور مجھ پر طنز و تشنیع کے چند تیر چلائے۔ اس کے لب و لہجے میں میرے لیے نفرت اور زہر کے سوا اور کچھ نہیں تھا پھر وہ رضوان کے زخم کی طرف متوجہ ہوئی۔ رینگی نام کے اس شیطان زادے کو ڈانٹ کر بولی۔ ''اس کا زیادہ خون بہہ گیا تو یہ بے ہوش ہو جائے گا۔ چلو ڈریسنگ کرواؤ اس کی۔''

رینگی اپنی ٹانگوں کو کھجاتا اور ڈولتا ہوا باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک کمپاؤنڈر نما شخص اندر داخل ہوا اور رضوان کے خونچکاں زخم کی ڈریسنگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ یہ پولیس کا کوئی اپنا آدمی تھا۔ میں اس بات پر تھوڑا سا حیران تھا کہ یہ نہایت خطرناک شیطان زادی جو صرف زخم ادھیڑنا اور خون بہانا جانتی ہے، زخم کی ڈریسنگ کرنے کا کہہ رہی ہے، بہرطور چند گھنٹے بعد میری اس ''حیرانی'' کا جواب مل گیا۔

ریڈ کیٹ نامی یہ شیطان زادی ہمارے اردگرد چکرا رہی تھی۔ کسی وقت وہ جدید قسم کے سیل فون پر مدھم آواز میں کسی سے باتیں بھی کرنے لگتی تھی۔ شاید جان ڈیرک سے ہدایات لے رہی ہو۔ میں اس ''آفت'' کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ مار دھاڑ اور گن شوٹنگ میں یہ اپنی مثال آپ تھی۔ ایک موقع پر اس اکیلی نے کوپن ہیگن کی ساری پولیس کو ننگی کا ناچ نچا دیا تھا۔ دو اہلکاروں کو ہلاک اور پانچ کو شدید زخمی کر کے ایک مغوی ''سائنٹسٹ'' سمیت بھاگ نکلی تھی۔ ایسے ہی کئی کارنامے اس کے کھاتے میں موجود تھے۔ اسے یونہی ڈیتھ اسکواڈ کے فی میل ونگ کا انچارج نہیں بنایا گیا تھا لیکن اب وہ فی میل ونگ رہا تھا اور نہ وہ چارج...... مجھے اچھی طرح پتا چل رہا تھا کہ ڈیتھ اسکواڈ کے یہ جو آٹھ دس شیطان زندہ بچے ہیں، یہ ان کی کمان کر رہی ہے۔

میرے ساتھ جب بھی اس کی نگاہ ٹکرائی، مجھے اس میں بجلیاں کوندتی ہی نظر آئیں۔ یہ نگاہ جیسے خاموشی کی زبان میں کہہ رہی تھی...... ایسٹرن کنگ تم نے اپنی چال بازی سے ہمیں برباد کیا...... ہمارے ٹھکانے اُجاڑ دیے، ہمارے جانبازوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر زمین کے اندر اتار دیا۔ ہماری ساکھ مٹی میں ملا ڈالی۔ اب جو کچھ ہو گیا، اس کو بدلا تو نہیں جا سکتا لیکن تم سے ایک یادگار انتقام تو لیا جا سکتا ہے اور یہ ہم لیں گے۔ تم دیکھنا ہم تمہیں کیسی اذیت والی موت دیتے ہیں۔

رات کے کھانے کے لیے صرف ہمارے ''ہاتھ'' کھول دیے گئے تاکہ ہم وہیں بیٹھے بیٹھے کھانا کھا سکیں۔ بعدازاں ان جدید کرسیوں کو اس طرح اسٹریچ کر دیا گیا کہ انہوں نے تقریباً بیڈ کی شکل اختیار کر لی۔ اب ہم ان کرسیوں پر بندھے ہوئے آرام کر سکتے تھے۔ ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا۔ کیا ہونے والا ہے؟ شکیل داراب نے بڑی عیاری سے ہمیں زخم خوردہ ٹیکساری گینگ کے حوالے کر دیا تھا۔ اب ڈیتھ اسکواڈ کے یہ شیطان صفت ہرکارے ہمیں اسی جگہ مار کر ناپید کر سکتے تھے۔ کوئی قیامت تک ہماری لاشوں کا سراغ نہ پا سکتا۔ پولیس کے لیے یہ نہایت آسان تھا کہ میں اور میرا ساتھی حراست سے فرار ہو گئے ہیں۔ ایسے ڈرامے کے لیے ایک آدھ پولیس اہلکار کو زخمی کرنا یا مار دینا بھی شکیل اور ڈی ایس پی قیصر چوہدری کے لیے چنداں مشکل نہیں تھا۔

رات کسی وقت مجھے اونگھ آ گئی۔ کسی آواز کے سبب میں ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ اس ہال کمرے میں اندھیرا تھا۔ بس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے سے ہی اشیا کے ہیولے نظر آتے تھے۔ نسوانی آواز پھر ابھری۔ ''او سویٹ بوائے۔ کم آن...... کم آن۔''

یہ فی میل ونگ کی خونخوار انچارج ریڈ کیٹ کی آواز تھی۔ وہ کرسی سے بندھے ہوئے نیم دراز رضوان پر سوار تھی۔ وحشت کے عالم میں اس نے رضوان کی قمیص پھاڑ

PakiBooks.site

ڈالی تھی اور اس کے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ الکحل کے نشے میں دھت، وہ اپنے سرکش جسم کے ساتھ رضوان کو انگیخت کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ اس کی دست درازی حد سے بڑھی تو رضوان نے اس کے منہ پر بھی تھوک دیا۔ جواب میں اسے وحشی لڑکی کے کئی طمانچے کھانے پڑے۔ وہ رضوان کو پیٹنے لگی۔ مجھے معلوم تھا، وہ کتنی سخت جان فائٹر ہے۔ اس کی ضرب میں بجلی کوندتی تھی۔ رضوان پہلے ہی زخمی تھا۔ اس تشدد نے اسے کراہنے اور پھر چلّانے پر مجبور کر دیا۔

اس کا باپ بدنام زمانہ ''ایول'' تھا۔ یہ اس کی ٹیسٹ ٹیوب اولاد تھی۔ میں نے اس کو اس کے باپ کے نام کی گالی دی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ برہم ہو کر میری طرف متوجہ ہو جائے...... مگر وہ تو کسی خون آشام جونک کی طرح رضوان سے چمٹی ہوئی تھی۔ وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ ان لمحوں میں مجھے رضوان کی جان خطرے میں نظر آئی لیکن پھر ایک بلند آواز نے ریڈ کیٹ نام کی اس بلا کو ٹھٹکا دیا۔

یہ کسی اور کی نہیں جان ڈیرک کی آواز تھی۔ یہ آواز گیلری کی طرف سے آئی تھی۔ گیلری میں اب روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس روشنی میں جان ڈیرک کی وہیل چیئر کا اسٹیل چمکتا دکھائی دیا۔ پھر جان ڈیرک کا کمزور چہرہ بھی نظر آیا۔ اس نے کرخت آواز میں ریڈ کیٹ کو ڈانٹا۔ ''یہ کیا کر رہی ہو...... سنبھالو خود کو...... پیچھے ہٹو...... پیچھے ہٹو۔''

ہانپی ہوئی لال بھبھوکا ریڈ کیٹ نے مڑ کر گیلری کی جانب دیکھا۔ چند لمحوں کے لیے تو یوں محسوس ہوا کہ وہ ڈیرک کی بات ماننے سے بھی انکار کر دے گی۔ لیکن پھر اس نے عجیب سی آواز میں ہنکارا بھرا اور رضوان کے سینے پر سے اتر آئی۔ اترتے ہوئے اس نے اپنے ناخنوں سے رضون کے سینے پر ایسا کھرونچا ڈالا تھا کہ وہ درد سے چلّا اٹھا۔

جان ڈیرک نے اس شیطان زادی کو کچھ مزید ڈانٹ ڈپٹ کی اور ہال کمرے سے واپس بھیج دیا۔ وہ فی میل ونگ کی نامی گرامی کمانڈر تھی۔ اگر کسی اور نے اس کو یوں ڈانٹا ہوتا تو شاید وہ اس کو دن میں تارے دکھا دیتی...... لیکن جان ڈیرک جو کچھ بھی تھا بچے کھچے گینگ کا سربراہ تھا۔

اگلے روز صبح کے وقت ہمیں تھوڑی دیر کے لیے ان جدید طرز کی کرسیوں سے کھولا گیا۔ ہمارے ہاتھ بدستور الٹی ہتھکڑیوں میں جکڑے رہے۔ ناشتا وغیرہ کرانے کے بعد ہمیں دوبارہ انہیں کرسیوں سے باندھ دیا گیا۔ دوپہر سے تھوڑی دیر قبل شیطان زادے رنگی نے مکروہ انداز میں ہنستے ہوئے ہمیں یہ خبر سنائی کہ ہمارا ایک اور ساتھی یہاں مہمان بننے والا ہے۔ میرا دل بے طرح دھڑک اٹھا۔ عین ممکن تھا کہ یہ فخر یا پہلوان میں سے کوئی ایک ہو لیکن یہ ان کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا تھا اور پھر قریباً آدھے گھنٹے بعد جس بندے کو لا کر تیسری کرسی پر باندھا گیا، اسے دیکھ کر میں ششدر ہوا۔ یہ میرا چچا زاد ولید تھا۔ وہی ولید جو قیصر چوہدری پر جھوٹے قاتلانہ حملے کی پاداش میں جیل لایا گیا تھا اور پچھلے کئی سال سے جیل میں ہی سڑ رہا تھا۔ اس سے میری آخری ملاقات کوئی ایک سال پہلے ہوئی تھی۔ وہ تب بھی کمزور تھا لیکن اب اور بھی کمزور نظر آ رہا تھا۔ اس نے چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھ لی تھی۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مجھے پہچاننے میں اسے دشواری نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ میری اصلی شکل ENZYMES کے استعمال کے بعد ستر اسّی فیصد بحال ہو چکی تھی۔ صرف چہرے کے مختلف حصوں پر سرخی موجود تھی۔

''السلام علیکم شاہ زیب بھائی۔''

''وعلیکم السلام۔ تمہیں جیل سے لائے ہیں؟''

''ہاں بھائی...... اور مجھے لگ رہا ہے کہ یہاں حالات جیل سے کہیں زیادہ سنگین اور خطرناک ہیں۔''

''یہ دنیا تو جگہ ہی خطروں کی ہے ولید۔'' میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولا۔ ''ہم تو آپ کو کھو چکے تھے۔ مراد پور کے قبرستان میں ''دفنا'' چکے تھے آپ کو...... کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ کو پھر زندہ سلامت دیکھیں گے۔ آپ کو نئی زندگی مبارک ہو۔'' (میرے زندہ ہونے کی خبر اسے ٹی وی کے ذریعے ملی تھی)

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ابھی تو مجھے مرا ہوا ہی سمجھو تو بہتر ہے۔ ہاں اگر کسی طرح یہاں سے بچ گئے تو پھر مبارک دے لینا۔''

وہ گم صم سا ہو گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ''کیا یہ...... پولیس والوں کی ہی کوئی بلڈنگ ہے؟''

''لگ تو یہی رہا ہے ولید...... لیکن پولیس والوں نے ہمیں اپنے پاس نہیں رکھا بلکہ کسی اور کے حوالے کر دیا ہے اور ان لوگوں سے بھی خیر کی کوئی توقع نہیں۔''

''زیادہ سے زیادہ مار ہی دیں گے ناں...... اب کوئی ڈر نہیں رہا مرنے کا...... اپنی شادی سے ذرا پہلے بہن جل مری...... ماں جی کو جلا کر کوئلہ بنا دیا گیا۔ گھر اُجڑ گیا۔ زندگی

تباہ ہو گئی۔ اب جی کر کرنا بھی کیا ہے؟'' وہ آزردہ لہجے میں بولا۔

میرے ذہن میں قیصر چوہدری کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے کل ادا کیے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں فخر اور پہلوان حشمت سے فون پر رابطہ کروں اور انہیں بتاؤں کہ میں پولیس کی حراست سے فرار ہو کر دریائے راوی کی بارہ دری میں پہنچ گیا ہوں۔ اگر میں یہ کر گزروں تو میرے چچا زاد ولید اور باقی قریبیوں پر ہاتھ ہولا رکھا جائے گا۔ میں نے یہ بات نہیں مانی تھی اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ ولید کو جیل سے نکال کر اس مقتل میں پہنچا دیا گیا تھا۔ شکیل داراب جیسے ''بادشاہ گر'' کے لیے کیا ممکن نہیں تھا۔

ولید جانتا تھا کہ اس کے والد، یعنی میرے چچا حفیظ، ان خطرات کے بھنور سے نکل کر بیرون ملک پہنچ گئے ہیں لیکن اسے یہ پتا نہیں تھا کہ یہ کام بھی میری کوشش سے ہی ہوا ہے۔ وہ مجھ سے بہت سے سوال جواب کرنا چاہتا تھا لیکن یہاں اس حال میں یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہماری ساری باتیں سنی جا رہی ہوں۔

☆☆☆

اور یہ رات کا وقت تھا۔ ہم تینوں کو کرسیوں سے کھول کر طویل میزوں پر باندھ دیا گیا تھا۔ باندھنے کے لیے اسٹریپس استعمال کی گئی تھیں اور یہ اتنی مہارت سے باندھی گئی تھیں کہ ہم بمشکل اپنے جسم کے کسی حصے کو حرکت دے سکتے تھے۔ ہمارے جسموں پر بس ایک ایک نیکر نما جامہ تھا۔ صرف رضوان کے جسم پر ایک اضافی قمیص موجود تھی شاید یہ اس کے زخمی جسم کو ڈھانپنے کے لیے رہنے دی گئی تھی۔

ہمارے اردگرد جو کچھ ہو رہا تھا اور جس طرح کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج یہاں کچھ انوکھا ہونے والا ہے۔ شاید اس ڈرامے کا ڈراپ سین جو دو تین دن سے جاری ہے۔ وہی بے ہنگم موسیقی ہال میں گونج رہی تھی جو ہم ایک دو مرتبہ پہلے بھی سن چکے تھے۔ ڈ۔تھ اسکواڈ کے وحشی ارکان کی طرح اس موسیقی میں بھی ہیجان اور وحشت کی لہریں تھیں۔ ڈرم کی دھا دھم کے درمیان ایسی کریہہ انسانی آوازیں بلند ہوتی تھیں جیسے کسی کو نیزوں میں پرو دیا جا رہا ہو۔

ایک چوڑی میز پر میں اور رضوان ساتھ ساتھ بندھے ہوئے تھے جبکہ دوسری میز پر ولید کو جکڑا گیا تھا۔ رضوان نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ''اوپر گیلری میں لوگ آ گئے ہیں۔''

میں نے بمشکل گردن گھما کر دیکھا۔ بارعب شکیل داراب اور چوہدری ٹائپ لالہ وریام آرام دہ صوفوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے عقب میں ڈی ایس پی قیصر کی جھلک بھی دکھائی دی، وہ سادہ لباس میں تھا۔ چار پانچ اور افراد بھی تھے۔

''لگتا ہے کہ تماشا شروع ہونے والا ہے۔'' رضوان نے طویل سانس بھر کر کہا۔ شاید وہ کچھ اور بھی کہتا مگر اس کی آواز بے ہنگم شور میں دب گئی۔ دس بارہ شیطان زادے اچھلتے کودتے اور رقص کرتے ہال کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں شراب ہلکورے لے رہی تھی لیکن اس شراب کے پیمانے غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ شاید آدھی بوتل ایک پیمانے میں ہی سما سکتی تھی۔ تین چار ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں شراب کے علاوہ چمکیلے تیز دھار خنجر بھی تھے۔

میں جانتا تھا کہ یہ لوگ انسانی خون رغبت سے پیتے ہیں اور بعض اوقات اسے اپنی شراب میں شامل کر لیتے ہیں۔

''میرا خیال ہے کہ موم بتیاں آ رہی ہیں۔'' رضوان نے سرگوشی کی۔

میں نے دیکھا، جان ڈیرک کے دو ملازم طشتریوں میں روشن بہت سی شمعیں لے کر اندر داخل ہو رہے تھے۔

ایک دم میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور میری نگاہوں کے سامنے کچھ عرصہ پہلے دیکھا ہوا ایک منظر گھوم گیا۔ گلبرگ والی جس کوٹھی میں دھماکا ہوا تھا اور بہت سے دیگر لوگوں کی طرح میں نے بھی ''وفات'' پائی تھی، وہاں دھماکے سے پہلے ایک جشن بھی ہوا تھا۔ ہم نے ان ہی ابلیس زادوں کو ایک بہت بڑا کیک کاٹتے اور پُرلطف قہقہے بلند کرتے دیکھا تھا۔ وہ کیک ایک جوان عورت کی شکل میں تھا۔ وہ عورت کے جسم کے مختلف حصوں کو چھری سے کاٹتے تھے، کیک کے اندر لگے ہوئے کسی اسپیکر میں سے رونے چلّانے کی بلند آوازیں سنائی دیتی تھیں اور شیطان زادے مخمور ہو کر رقص کرتے تھے، نعرے لگاتے تھے۔

ایک دم میرے جسم کے ہر مسام سے پسینہ بہہ نکلا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ آج یہاں بھی کوئی ایسا ہی سنگین تماشا ہونے والا ہے۔

یقیناً رضوان نے وہ منظر نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ مسلسل اُلجھن میں تھا۔ کہنے لگا۔ ''کہیں یہ ان کے باس کی سالگرہ تو نہیں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''سالگرہ کسی کی بھی ہو..... لیکن..... کیک شاید ہم ہی ہیں۔''

میرے لہجے کی گمبھیرتا کو محسوس کر کے رضوان نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''آپ کا مطلب ہے کہ..... بُرا وقت بالکل قریب آ گیا ہے؟''

''بُرا وقت تو بینکاک سے ہی ہمارے آس پاس رہا ہے۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔ کہنے کو کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ امید کی کوئی کرن دکھائی دے رہی ہوتی تو شاید اس کے بارے میں بات بھی کرتے۔ جان ڈیرک سے بھی کوئی بات کرنا بیکار لگ رہا تھا۔ محسوس ہوتا تھا کہ وہ اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرنے پر پوری طرح تُلا ہوا ہے۔

پھر بھی رضوان کے کہنے پر میں نے اسے بلند آواز سے مخاطب کیا۔ موسیقی کی سماعت شکن آواز تھوڑی دیر کے لیے بند کر دی گئی۔ ''کیا کہنا چاہتے ہو ایسٹرن کنگ اپنے اس خادم سے۔'' ڈیرک کے لہجے میں زہر تھا۔

''کیا کوئی بارگیننگ ہو سکتی ہے؟'' میں نے صاف سیدھی بات کی۔

وہ زہرناک انداز میں ہنسا اور بولا۔ ''کیوں مسٹر شکیل داراب! اس شخص سے کوئی بارگیننگ ہو سکتی ہے؟''

شکیل بولا۔ ''میرے خیال میں ایسے وقت پر بارگیننگ نہیں ہوتی بلکہ آخری خواہش پوچھی جاتی ہے..... لیکن مجھے لگتا ہے کہ اب کم از کم ایسٹرن کی تو کوئی خواہش ہے ہی نہیں۔ یہ بس ویسے ہی بیکار میں زندہ رہنا چاہتا ہے۔''

میرے سینے میں پھر ایک گھونسا سا لگا۔ شکیل کا اشارہ تاجور والے معاملے کی طرف تھا۔ وہ ان کے خاندان کی ''بہو'' بن چکی تھی ورنہ اس موقع پر پتا نہیں کہ وہ اس کے حوالے سے کیا کیا بکواس کرتا۔

میرے اور جان ڈیرک کے درمیان دو تین منٹ مزید گفتگو ہوئی۔ میں اس خطرناک ترین موقع کو کسی بھی طرح ٹالنا چاہتا تھا۔ میں نے شکیل اور ڈیرک کو یہ اشارہ بھی دے دیا کہ میں اپنے دونوں مفرور ساتھیوں کے بارے میں بھی ان کے ساتھ کچھ تعاون کر سکتا ہوں (حالانکہ یہ صرف ایک اشارہ ہی تھا) میں جانتا تھا کہ یہ لوگ ٹس سے مس نہیں ہوں گے..... اور وہ نہیں ہوئے۔ وہ اس رات کو انتقام کی ایک یادگار رات بنانے کے لیے پوری طرح تُلے ہوئے تھے۔ میں کئی مرتبہ ان کے جان لیوا شکنجے میں آتے آتے بچ گیا تھا..... میں جانتا تھا کہ قیصر، لالہ وریام اور شکیل کو میرے زندہ بچ جانے کا بہت قلق ہے..... اور آج انہوں نے مجھے میرے ان بدترین دشمنوں کے حوالے کر دیا تھا جو سفا کی میں اپنی مثال آپ تھے۔

رضوان کے اردگرد میز پر شمعیں روشن کر دی گئی تھیں۔ پھر اس کے جسم پر کچھ ایسے رنگ انڈیلے گئے جن کی وجہ سے وہ واقعی ایک خوش رنگ کیک کے مانند دکھائی دینے لگا۔ وہ ہراساں نظروں سے کبھی میری طرف دیکھتا تھا اور کبھی سرخ لباس والے ابلیس زادوں کی طرف۔ ان کی شعلہ بار نگاہوں میں وحشت ہی وحشت تھی۔ رضوان کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے لیکن میں کافی حد تک جانتا تھا۔ میری بے چینی عروج پر پہنچ گئی۔ میں مسلسل ان چرمی پٹیوں سے زور آزمائی کر رہا تھا جنہوں نے مجھے سرتاپا جکڑا ہوا تھا مگر انہیں توڑنا شاید کسی کے بس میں بھی نہیں تھا۔

موسیقی کا شور فلک شگاف ہو چکا تھا۔ سرخ لباسوں والے انسان نما حیوان مختلف نعرے بھی بلند کر رہے تھے جو کم از کم میرے لیے تو ناقابلِ فہم ہی تھے۔

پتا نہیں کیوں ان لمحوں میں مجھے رضوان پر بے پناہ ترس آیا۔ ہم نے سب سے پہلے اسے ملنگی ڈیرے کے پُراسرار تہ خانوں میں دیکھا تھا جہاں وہ سائیکو ڈاکٹر ارم کی چیرہ دستیوں کا شکار تھا۔ وہ وہاں سے نکلا تو ڈاکٹر ارم نے اسے اس کی شادی شدہ بہن کے ذریعے بلیک میل کرنا شروع کیا اور واپس اپنے پاس آنے پر مجبور کر دیا۔ تب رضوان کے اندر بغاوت اور مزاحمت کے جراثیم پیدا ہوئے اور تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق وہ بدلتا چلا گیا۔ اب وہ ایک حوصلہ مند اور پُرعزم نوجوان کے روپ میں ڈھل چکا تھا۔ وہ ایک نئے ڈھب سے زندگی گزارنے کا خواہش مند تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ سپنے تھے..... لیکن..... انسان کے منصوبوں اور قدرت کے ارادوں میں مطابقت اکثر کم کم ہی ہوتی ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ موت کے دہانے پر ہے..... اور شاید انتقام کی اس تاریخی رات میں وہ ہم سے پہلے زندگی کی سرحد پار کرنے والا ہے۔ اس نے بجھی بجھی سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔ جیسے پوچھ رہا ہو..... کیا یہ واقعی آخری لمحے ہیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں اب بھی کہیں آس امید کی کرنیں موجود تھیں۔ جیسے اسے اب بھی یقین ہو کہ میں بہت کچھ کر سکتا ہوں..... میں اس طرح اسے مرنے نہیں دوں گا۔

میں اسے حوصلہ دینا چاہتا تھا لیکن کیسے دیتا۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تیز دھار خنجروں والے شیطان اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ پھر ایک نے اس کی بائیں کلائی اس بری طرح کاٹی کہ خنجر کی دھار ہڈی سے ٹکرا گئی۔ تازہ جوان خون ابلا لیکن فرش پر گرنے سے پہلے ہی اسے ایک پیمانے میں جمع کیا جانے لگا۔ ایک پیمانہ بھر گیا تو دوسرا آگے کر دیا گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا رضوان کے چہرے پر کرب تھا اور اس کا رنگ زرد ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے خون کا رساؤ کچھ کم ہوا تو کلائی کو ایک رومال سے باندھ دیا گیا۔

''دشمن کا خون..... پیاس بجھانے کے لیے۔'' ایک شیطان زادے نے نعرہ لگایا۔

''ہاں، دشمن کا خون..... پیاس بجھانے کے لیے۔'' باقیوں نے بیک زبان اس نعرے کو دہرایا۔

دونوں پیمانوں کا خون سارے پیمانوں میں شامل کر دیا گیا۔ شیطان زادوں کے ہاتھوں میں پکڑی زرد وہسکی کا رنگ اب سرخی مائل ہو چکا تھا۔

ایک بار پھر نعرہ بلند ہوا۔ ''دشمن کا خون..... نشے کو دوآتشہ کرنے کے لیے۔''

ڈیتھ اسکواڈ کے ارکان نے اس دوسرے نعرے کا جواب بھی کورس کی شکل میں دیا اور پھر خون آمیز شراب اپنے گلے میں انڈیلنے لگے۔ انہوں نے سیکنڈوں میں جام خالی کر دیے۔ وہ چلتی پھرتی سفاکیت تھے..... وہ مجسم برائی تھے۔ عیاری، قتل و غارت، آبروریزی، بے رحمی ان کے خون میں شامل تھی اور جان ڈیرک جیسے عالمی بدمعاش نے ان کی یہ ''صلاحیتیں'' بڑی محنت سے پروان چڑھائی تھیں۔ ان میں سے کچھ تو اتنے ہم شکل تھے کہ ان کو علیٰحدہ سے پہچاننا بھی دشوار تھا۔

تب مجھے کُتّوں کا شور سنائی دیا..... اور پھر ایک نیا منظر آنکھوں کے سامنے آیا۔ ایک کافی بڑا آہنی پنجرہ دکھائی دیا۔ اس کے نیچے پہیے تھے۔ چند افراد اس پنجرے کو دھکیلتے ہوئے اندر لائے تھے۔ پنجرے میں دیوہیکل کتے بند تھے۔ میں نے ان کو گنا، وہ تعداد میں پانچ تھے۔

میرے چچازاد ولید کو کُتّوں اور گھوڑوں کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔ وہ ڈری ڈری سرگوشی میں بولا۔ ''یہ ڈیئر ہاؤنڈ ہیں۔ شکار کے لیے بھی ستعمال ہوتے ہیں۔ بڑی اسپیڈ ہوتی ہے ان کی۔''

''مجھے لگتا ہے کہ یہ بہت بھوکے بھی ہیں.....'' میں نے جوابی سرگوشی کی۔

''یہ بھوکے نہ بھی ہوں تب بھی دو جانور، گدھے جتنے بڑے چوپائے کو گرا لیتے ہیں اور منٹوں میں چیر پھاڑ دیتے ہیں۔''

ہم اس کوٹھی میں کُتّوں کی آوازیں تو مسلسل سنتے رہے تھے لیکن یہ ہرگز پتا نہیں تھا کہ یہ اتنی خطرناک نسل کے جانور ہوں گے۔

اچانک ایک شیطان زادہ آگے بڑھا، یہ وہی بھوری آنکھوں والا ریگی تھا۔ اس نے کسی ماہر قصاب کی طرح رضوان کی قمیص سامنے سے خنجر کی مدد سے چاک کر دی۔ (رات والی دست درازی میں یہ قمیص پہلے ہی کافی حد تک چاک ہو چکی تھی) رضوان کا کسرتی لیکن زخمی جسم لائٹس میں دمک اٹھا۔ رضوان نے اگلے لمحے میں جو پکار بلند کی وہ بڑی دردناک تھی۔ ریگی نے کسی چابک دست قصاب ہی کی طرح رضوان کے ایک بازو سے گوشت کا پارچہ الگ کر دیا تھا۔ اگر عام زبان میں بیان کیا جائے تو یہ رضوان کے بازو کی مچھلی کا گوشت تھا۔

رضوان بری طرح تڑپا لیکن چرمی پٹیوں نے اسے بے طرح جکڑ رکھا تھا۔ ریگی نے خون آلود انسانی گوشت کا یہ پارچہ ہوا میں لہرایا اور پھر بے پروائی سے کُتّوں والے پنجرے میں پھینک دیا۔ دو دیوہیکل کتے اس پر جھپٹے۔ ان میں سے ایک نے پلک جھپکتے میں گوشت کا یہ ٹکڑا نگل لیا۔

ریگی نے گوشت کا دوسرا ٹکڑا رضوان کی بائیں ٹانگ سے اتارا۔ بے حد ضبط رکھنے کے باوجود رضوان بری طرح چلّایا۔ شیطان زادوں نے پُرلطف قہقہے بلند کیے۔ یہ سب کچھ دھواں دھار موسیقی میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔ یہ عینہٖ وہی مناظر تھے جو کچھ عرصہ پہلے میں نے گلبرگ کی ایک عمارت میں دیکھے تھے، وہاں انسانی شکل کا ایک کیک تھا اور یہاں واقعی ایک انسان تھا۔ یہ دوسرا ٹکڑا ڈیئر ہاؤنڈز کے سامنے پھینک دیا گیا جو ایک لقمے میں ان کے خوفناک جبڑوں میں اوجھل ہو گیا۔

خون کے ضائع ہونے سے رضوان پہلے ہی نیم جان تھا، اب بالکل ہی زرد رُو ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی اذیت دیکھنا میرے بس سے باہر ہو رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر پوری جسمانی طاقت اپنے بازوؤں میں جمع کی اور خود کو چرمی پٹیوں سے نجات دلانا چاہی۔ مگر نتیجہ وہی رہا جو پہلے تھا۔ ولید نے ہراساں نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ جیسے خاموشی کی زبان میں پوچھ رہا تھا۔ ''کیا اس کے بعد ہماری باری ہے؟''

بدقسمتی کی انتہا تھی کہ ولید کے اس سوال کا جواب اثبات میں تھا۔

چند سیکنڈ کے لیے موسیقی تھمی اور گیلری میں سے جان ڈیرک کی منحوس آواز ابھری۔ اس نے امریکن لہجے کی انگلش میں کہا۔ ”میں ایک بار پھر اپنے الفاظ دہراتا ہوں..... تم نے ٹیکساری کمپنی کے حصے بخرے کیے ہیں۔ اب تمہارے بھی حصے بخرے ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے جسم کے ہر ہر حصے کو علیٰحدہ علیٰحدہ موت ملے گی۔“

”ٹھیک ہے۔ تمہاری دشمنی مجھ سے ہے لیکن ان دونوں کا اس لڑائی میں کبھی کوئی کردار نہیں رہا..... یہ ولید کئی سال سے جیل میں پڑا ہوا ہے..... اور یہ رضوان کبھی تمہارے کسی نقصان میں شامل نہیں رہا۔“

شکیل داراب نے بلند آواز میں کہا۔ ”ایک مرتبہ تم نے خود ہی کہا تھا شاہ زیب! کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ آج گھن پس رہا ہے تو رو کیوں رہے ہو؟“

”دیکھو شکیل! ہر ظلم کا ایک ردِعمل ہوتا ہے۔ ان دونوں کو بے جواز مارو گے تو تمہیں کسی نہ کسی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔ ان کو چھوڑ دو۔“

”اب تو یہ سب کچھ جان ڈیرک صاحب کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم تو صرف مہمانوں کی حیثیت سے یہاں بیٹھے ہیں۔ اگر تمہیں ہمارے سامنے اس طرح مرتے ہوئے شرم آتی ہے تو ہم چلے جاتے ہیں..... کیوں لالہ وریام؟“ شکیل داراب نے مسکراتی نظروں سے وریام کی طرف دیکھا۔

اس نے اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو بل دے کر زیرِلب کوئی گالی بکی۔

اس سے پیشتر کہ میں کچھ اور کہتا، ایک دم موسیقی کی آواز پھر کان پھاڑنے لگی۔ یقیناً یہ جان ڈیرک کے اشارے پر ہی ہوا تھا۔ مطلب یہی تھا کہ میری اپیل رد کی جا چکی ہے۔ لاچاری سی لاچاری تھی۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ کبھی کبھی انسان کا حوصلہ، ہمت، دلیری اور سخت جانی سب کچھ بے معنی ہو جاتا ہے۔ حالات اسے اسیر کر کے ناچیز بنا دیتے ہیں۔ جاماجی والے قید و بند کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ میں بے بسی کے نرغے میں تھا اور مجھے کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔

اب یہی لگ رہا تھا کہ اگلے تین چار منٹ میں رضوان کے جسم کا بیشتر گوشت اس کے جسم سے علیٰحدہ ہو چکا ہوگا اور وہ دم توڑ چکا ہوگا۔ موسیقی کی دھما دھم مزید وحشت ناک ہو گئی تھی، در و دیوار لرزتے محسوس ہوتے تھے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے اردگرد روشن درجنوں شمعوں کے شعلے بھی تھرتھرا رہے ہیں، رضوان کی کراہیں اور آہیں سینہ چھلنی کر رہی تھیں۔ اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید تھا اور آنکھیں بے پناہ نقاہت کے سبب بند ہو چکی تھیں۔ تب سفاک ریگی اپنے خون آلود خنجر کے ساتھ ایک بار پھر رضوان کی طرف بڑھا۔ دیوہیکل کتے پنجرے کے اندر بے قراری سے اپنی دموں کو گردش دے رہے تھے۔

یہ بے کسی کی انتہا تھی اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی انتہا ایک دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ بہت گہرے جان لیوا حبس میں بجلی کڑکتی ہے اور آسمان سے چھاجوں پانی برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی کچھ ہوا۔ ایک ایسی ہی بجلی کڑکی۔ مجھے اپنی نگاہوں پر بھروسا نہیں ہوا۔ شاید کسی کو بھی نہیں ہوا ہوگا۔ کچھ دیر کے لیے سب سکتہ زدہ رہ گئے تھے۔ آٹومیٹک رائفل کا ایک برسٹ چلا۔ ہال کمرے کا ایک دروازہ دھماکے سے کھلا اور میں نے قسطینا کو دیکھا۔ جان ہتھیلی پر رکھنے والی وہی نڈر قسطینا جس کو ایک روز میں جاماجی میں چھوڑ آیا تھا۔ ہاں وہی جنگجو جس نے خطرناک ترین حالات میں اپنے لوگوں کی کمان کی تھی اور اپنے دشمن کو شکست فاش دی تھی۔ وہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی۔ اس کے عقب میں کمانڈر فارس جان، ناوان اور ان کے جانباز لپکتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں جدید آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔

میرے دل نے پکار کر کہا۔ ”میرے اپنے آ گئے ہیں۔ میرے غم خوار آ گئے ہیں، اب میں اکیلا نہیں رہا۔“

وہ کب آئے؟ کیسے آئے..... کیسے یہاں تک پہنچے؟ یہ سب کچھ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اب سوچنا صرف یہ تھا کہ موت کو جُل کیسے دینا ہے۔ پانسا کیسے پلٹنا ہے۔ چاروں طرف شعلے لپک رہے تھے اور رائفلوں کی ساعت شکن تڑتڑ تھی۔ قسطینا گیلری کی جانب فائرنگ کرتی ہوئی الٹے قدموں میری طرف آئی۔ اس کے دو ساتھی شوٹر بھی دائیں بائیں تھے۔ میں نے دیکھا قوی ہیکل لالہ وریام نے سینے پر گولی کھائی اور گیلری سے سر کے بل نیچے فرش پر گرا۔

”ان کو نکالو یہاں سے۔“ قسطینا چلّائی۔ اس کا اشارہ ہماری میزوں کی طرف تھا۔

اور تب مجھے پتا چلا کہ ہماری میزوں کے نیچے بھی پہیے موجود ہیں۔ قسطینا اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں اوٹ میں لیا اور دونوں طویل میزوں کو اسٹریچرز کی طرح دھکیلتے ہوئے ہال کمرے سے باہر پہنچا دیا۔

اسی دوران میں ایک گولی قسطینا کے سینے پر عین دل کے مقام پر لگی۔ گولی کے دھچکے سے میں نے اسے لڑکھڑاتے دیکھا تاہم اگلی ہی ساعت میں وہ سنبھل گئی اور جوابی فائر کیے۔ تب مجھے پتا چلا کہ اس نے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی ہے۔

”قسطینا، ذرا سنبھل کے۔“ میں پکارا۔

ابھی میرا فقرہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک اور برسٹ آیا۔ اس برسٹ نے میری دائیں جانب کھڑے، قسطینا کے ساتھی کا سر پاش پاش کر دیا۔

شیطان زادے پوری وحشت میں تھے۔ وہ نہ صرف اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ بلکہ چیلوں کی طرح قسطینا اور فارس جان کے ساتھیوں پر جھپٹ بھی رہے تھے۔ زندگی کی طرح موت بھی ان کے لیے شاید ایک تماشے کی طرح تھی۔ ایک شیطان زادے نے ایک چٹگھاڑ کے ساتھ دراز قد فارس جان پر جست لگائی لیکن راستے میں ہی ناوان کی چلائی ہوئی گولیوں کا شکار ہوا۔

”قسطینا مجھے کھولو۔“ میں نے پکار کر کہا۔

قسطینا نے اپنی پینٹ کی بیلٹ سے اُڑسا ہوا آرمی ڈیگر نکالا..... اور اس کی تیز دھار سے چند سیکنڈ میں میری چرمی اسٹریپس کاٹ ڈالیں۔

”تم پیچھے چلے جاؤ شاہ زائب۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔

میں نے جواب دینے کے بجائے اس کے ہاتھ سے خنجر جھپٹ لیا اور اس کے مرنے والے ساتھی کی ٹرپل ٹو رائفل اٹھالی۔

دونوں طرف سے پوزیشنیں لے کر اندھا دھند فائرنگ کی جا رہی تھی۔ میں نے سب سے پہلے رضوان کی اسٹریپس (چرمی پٹیاں) کاٹ کر اسے میز سے علیٰحدہ کیا۔ وہ خونچکاں اور نیم بے ہوش تھا۔ فارس جان نے اسے کندھے پر اٹھایا اور تیزی سے پیچھے لے گیا۔ اس دوران میں ناوان نے ولید کی اسٹریپس کاٹ ڈالی تھیں۔ ”اس کو بھی پیچھے لے جاؤ۔“ قسطینا نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

تب میں نے پہلی بار نوٹ کیا کہ قسطینا کے ساتھیوں میں داؤد بھاؤ کے چند اہم شوٹر بھی شامل تھے۔ ان میں سے کچھ نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ داؤد بھاؤ کے کوتاہ قد ساتھی بنارس کو میں نے اس کے قد کاٹھ اور آواز کی وجہ سے ہی پہچانا۔ اس نے بھی اپنا چہرہ ایک بڑے رومال میں چھپا رکھا تھا۔ اندر گھسنے والوں کی تعداد پندرہ بیس سے کم نہیں تھی۔

قسطینا اور اس کے ساتھیوں کا حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ ڈیتھ اسکواڈ والے انتہائی چوکس اور خونریزی میں تاک ہونے کے باوجود اپنا بھرپور دفاع نہ کر سکے۔ قسطینا اور اس کے بپھرے ہوئے ساتھی دیوانہ وار آگے بڑھے تھے اور مناسب ترین جگہوں پر پوزیشنیں لے لی تھیں۔ ایک کھڑکی میں سے مجھے ہال کمرے کا منظر نظر آ رہا تھا۔ وہاں کم و بیش چار سرخ پوشوں کی لاشیں پڑی تھیں..... یہاں ایک لاش دبنگ مونچھوں والے لالہ وریام کی بھی تھی۔ اس کے اردگرد گولیوں کے بہت سے خول اور شیشے بکھرے ہوئے تھے۔

میں نے ایک ستون کی اوٹ میں کھڑی قسطینا کو مخاطب کیا اور پکار کر کہا۔ ”ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔ ان کو کمک مل جائے گی۔“

اس سے پہلے کہ قسطینا جواب میں کچھ کہتی، ایک اوٹ سے انچارج ”ریڈ کیٹ“ نمودار ہوئی اور بلا کی رفتار سے قسطینا پر جھپٹی۔ اس نے قسطینا کو عقب سے دبوچا اور گھما کر فرش پر دے مارا لیکن وہ بھی قسطینا تھی۔ جاماجی کی گرین فورس کی کمانڈر..... جونہی وہ اوندھے منہ فرش پر گری، اس نے اپنی رائفل کے دستے سے ”کیٹ“ کے سر پر ضرب لگائی اور تڑپ کر اس کے نیچے سے نکل گئی۔

یہی وقت تھا جب میں نے قیصر چوہدری کو دیکھا۔ اس نے اپنا ایک زخمی بازو دوسرے ہاتھ سے تھام رکھا تھا اور بھاگنے کی کوشش میں تھا۔ میں اس کے پیچھے لپکا اور پندرہ بیس قدم دور اسے جالیا۔ اس کے منہ سے شراب کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ اس نے گالی بکی اور خود کو چھڑانے کی دیوانہ وار کوشش کی۔ میں نے عین اس کے چہرے پر اپنے سر کی ٹکر رسید کی۔ وہ کئی قدم دور جا گرا۔ کوتاہ قد بنارس اور اس کے ایک تناور ساتھی نے قیصر چوہدری کو دبوچ لیا۔ پنجرے میں بند کتوں کا شور فلک شگاف تھا۔ ان میں ایک دو کو یقیناً گولی چاٹ چکی تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ قسطینا اور کیٹ برسرِ پیکار تھیں لیکن پھر ایک آواز بلند ہوئی۔ میں ٹھیک سے پہچان نہیں سکا مگر گمان غالب یہی تھا کہ یہ جان ڈیرک کی آواز ہے۔ یکایک کیٹ نے بے پناہ زور لگا کر خود کو قسطینا سے چھڑایا اور اندھا دھند کوریڈور کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ ریکارڈڈ میوزک اب بھی پورے زور شور سے گونج رہا تھا۔ قسطینا، آگے بڑھنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے بازو سے پکڑ

PakBooks.Site

کر روک لیا، اس کے کان کے قریب منہ کیا اور چلّا کر کہا۔
''قسطینا! وہ پیچھے ہٹ رہے ہیں، لیکن ہم بھی یہاں رک نہیں سکتے۔ ہمیں فوراً نکلنا ہے، تم لوگ کس پر ہو؟''
''ہماری گاڑیاں باہر کھڑی ہیں۔'' وہ بھی زور سے بولی۔
''تو پھر نکلو۔''
قسطینا نے فارس جان کو آواز دی۔ فارس جان نے قیصر چوہدری کی گردن اپنے مضبوط بازو میں جکڑی ہوئی تھی اور رائفل اس کے سر سے لگا رکھی تھی۔ لگتا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے اسے شوٹ کر ڈالے گا۔ ''نہیں فارس! اسے ساتھ لے کر جانا ہے۔ اسے گھسیٹ لاؤ اِدھر۔'' میں نے کہا۔
ہال کمرے کی گیلری کی طرف سے اِکّا دُکّا فائر اب بھی ہو رہے تھے۔ ہم برق رفتاری سے پورچ کی جانب آئے۔ نیم بے ہوش رضوان کو نادان نے اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ رضوان کے نیم عریاں جسم پر ابھی تک کیک کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ قیصر چوہدری کسی نیم جان نیولے کی طرح فارس جان کے ساتھ گھسٹتا چلا آ رہا تھا۔ اس کی گردن فارس کے آہنی بازو کے شکنجے میں تھی۔
پورچ کے قریب دو بڑی جیپیں اور ایک کار موجود تھی۔ ان گاڑیوں کے قریب بھی قسطینا اور داؤد بھاؤ کے تین چار مسلح ساتھی موجود تھے اور اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں بھی تھوڑی بہت فائرنگ ہوئی ہے۔ یقینی بات تھی کہ ان گاڑیوں کی نمبر پلیٹیں جعلی ہیں۔ غالب امکان یہی تھا کہ یہ گاڑیاں داؤد بھاؤ کی فراہم کردہ ہوں گی۔ ہم آناً فاناً ان گاڑیوں میں گھسے..... اور بڑی سرعت کے ساتھ سڑک کی طرف بڑھے۔ قیصر چوہدری، یرغمالی کے طور پر ہمارے ساتھ تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر راستے میں ہمیں روکنے کی کوشش کی گئی تو شکیل داراب کا یہ انتہائی چہیتا افسر ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔
یہ رات کے قریباً بارہ بجے کا عمل تھا۔ لاہور میں ہلکی بوندا باندی تھی اور سڑکیں تقریباً سنسان نظر آ رہی تھیں۔ مجھے پہلی بار پتا چل رہا تھا کہ ہم لاہور کے مضافاتی علاقے کی ایک ذیلی سڑک پر ہیں جس لینڈ کروزر جیپ میں، میں سوار تھا اس میں قسطینا کے علاوہ فارس بھی تھا۔ زخمی قیصر چوہدری بے ہوشی کی ایکٹنگ کر رہا تھا مگر فارس نے رائفل بدستور اس کے سر سے لگا رکھی تھی اور ایک لمحے کے لیے بھی اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔
میں نے قسطینا سے پوچھا۔ ''ہمیں کہاں جانا ہے؟''
قسطینا نے کوتاہ قد بنارس کی طرف دیکھا، وہ بولا۔
''نہر کے ساتھ ساتھ جائیں گے تاج پورہ کی طرف ایک کوٹھی ہے۔''
اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قسطینا اور فارس وغیرہ کو یہ تمام تر سہولتیں داؤد بھاؤ نے ہی فراہم کی ہیں۔
میں نے بنارس سے پوچھا۔ ''یہ گاڑیاں بھی بھاؤ نے دی ہیں؟''
وہ بولا۔ ''ایک گاڑی میڈم کی ہے۔ دو بھاؤ نے دی ہیں۔''
اس سے پہلے کہ میں قسطینا سے کچھ مزید پوچھتا، گاڑی ڈرائیو کرنے والا بنارس کا ساتھی بنارس سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''استاد جی، آگے کوئی ناکا نظر آ رہا ہے۔''
بنارس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔
میں نے کہا۔ ''رکنا کسی صورت نہیں۔'' پھر میں نے فارس جان سے مخاطب ہو کر انگلش میں کہا۔ ''فارس، یہ حرامی ڈی ایس پی ان لوگوں میں سے ہے جو اس محکمے کے نام پر دھبا ہیں۔ اس کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا ہے ہم نے۔ اگر ضرورت پڑے تو دو چار اور گولیاں مار دینی ہیں اس کی توند میں۔''
قسطینا کے اشارے پر ڈرائیور نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔ عقب میں آنے والی دونوں گاڑیوں کی رفتار بھی بڑھ گئی۔ ہیڈ لائٹس میں اس ناکے پر پولیس کی موبائل دکھائی دے رہی تھی۔ دو چار مسلح پولیس اہلکار بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے اپنی انگلی ٹریپل ٹو رائفل کی لبلبی پر رکھ لی..... مگر اس ناکے پر خیریت گزری۔ جہازی سائز کی لگژری گاڑیاں دیکھ کر اہلکاروں کو ہمت نہیں ہوئی کہ ہمیں روک سکیں۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ ابھی پولیس کے وائرلیس سسٹم پر کسی طرح کا ہنگامی پیغام نہیں چلا ہے۔
بارش کچھ تیز ہوئی تھی۔ خوش قسمتی سے اگلے آدھ گھنٹے میں ہمیں کہیں بھی روکا نہیں گیا لیکن اس دوران میں ایک اور ایسا واقعہ ہو گیا جس کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ قیصر چوہدری، کمانڈر فارس جان کی گرفت میں تھا۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی مگر وہ ظاہر یوں کر رہا تھا جیسے شدید زخمی ہے اور کسی بھی وقت بے ہوش ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک بازو نیچے لٹک رہا تھا۔ نجانے وہ بازو اس نے کب دروازے کے اندرونی ہینڈل تک پہنچا دیا۔ دفعتاً اس نے بڑی سرعت سے حرکت کی، جیپ کا دروازہ اچانک کھلا اور قیصر چوہدری نے چلتی جیپ سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ فارس جان نے اسے

دبوچے رکھنے کی کوشش کی مگر اس کی قمیص پھٹ گئی اور وہ سڑک پر جا گرا۔ فارس کی انگلی بے ساختہ رائفل کے ٹریگر پر دب گئی۔ دھماکے سے شعلہ نکلا اور یہ سنگل شاٹ قیصر چوہدری کے زیریں جسم میں کہیں لگا۔ جیپ کی رفتار سو کلومیٹر سے زیادہ ہی تھی۔ قیصر چوہدری کے جسم نے کئی لڑھکنیاں کھائیں اور تاریکی میں اوجھل ہو گیا۔ اس اثنا میں ہماری تینوں گاڑیاں پچاس ساٹھ میٹر آگے نکل چکی تھیں۔ رکتے رکتے وہ کچھ اور آگے نکل گئیں۔ یہ سب کچھ تین چار سیکنڈ میں ہوا۔
''اوہ گاڈ، یہ کیا ہوا شاہ زائب۔'' قسطینا نے کہا۔
''مجھے تو لگتا ہے کہ مر گیا ہوگا باسٹرڈ۔'' فارس جان اپنی پشتو نما انگلش میں بولا۔
''اس کو اٹھانا ہے؟'' قسطینا نے پوچھا۔
میں نے عقب میں دیکھا۔ سیدھی کشادہ سڑک پر دور گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس نظر آ رہی تھیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ عام گاڑیاں ہیں یا کوئی ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔ ویسے بھی اب ہم منزل کے قریب تھے۔ میں نے جیپ کے ڈرائیور سے کہا۔ ''گاڑی چلاؤ۔''
وہ جیسے پہلے ہی تیار تھا۔ اس نے کلچ چھوڑا۔ گاڑی کے پہیے چرچرائے اور وہ ایک دھچکے سے آگے بڑھی۔ باقی دونوں گاڑیاں بھی ہمارے پیچھے چل پڑیں..... اور پھر رفتار پکڑتی چلی گئیں۔

☆☆☆

یہ بھی واہگہ بارڈر کی طرف ایک کشادہ عمارت تھی۔ اس کی پیشانی پر راوی فارم ہاؤس کا بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔ عمارت کے عقب میں ایک وسیع رقبہ تھا جس پر پھلواریاں تھیں۔ مچھلیوں کے چھوٹے بڑے تالاب تھے اور مرغی خانے کے آثار بھی نظر آتے تھے۔ تاہم یہ سب کچھ کافی فاصلے پر تھا۔ یہ عمارت باہر کے برعکس اندر سے نہایت آراستہ و پیراستہ تھی۔ تینوں گاڑیاں زمین دوز گیراجوں کے اندر بند ہو گئیں۔ ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی داؤد بھاؤ نے یہاں ایک قابل ڈاکٹر کا انتظام کر دیا تھا۔ اس طرح کے لوگ داؤد بھاؤ کے لیے نہایت قابلِ بھروسا ہوتے تھے۔ وہ اپنی جان تو دے سکتے تھے مگر بھاؤ سے بے وفائی نہیں کر سکتے تھے۔ اس عمارت کے ایک کمرے میں تقریباً اسپتال جیسی سہولتیں ہی موجود تھیں۔ رضوان کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ اس کا بہت سا خون ضائع ہو چکا تھا اور وہ غشی کی حالت میں تھا۔ قسطینا اور فارس کے ساتھ آئے ہوئے افراد میں سے ایک کا خون رضوان کو میچ کر گیا۔ بنارس کا خون گروپ بھی وہی تھا۔ رضوان کو فوری طبی امداد فراہم کی جانے لگی۔ قریباً آدھ گھنٹے بعد ڈاکٹر نے نوید سنائی کہ اس کا بی پی اوپر آ گیا ہے اور اب اسے کوئی فوری خطرہ نہیں ہے..... اسی دوران میں مجھے اور ولید کو ہمارے ناپ کے لباس بھی مہیا کیے جا چکے تھے۔
روشن کمرے میں، میں نے پہلی بار قسطینا کو دھیان سے دیکھا۔ وہ اسی طرح شاداب اور چوکس نظر آتی تھی۔ پینٹ شرٹ کے ساتھ بوائے کٹ بال..... یقیناً وہ ان عورتوں میں سے تھی، شادی کے بعد جن کی دلکشی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ دراز قد فارس جان کے پہلو میں کھڑی وہ اس کا صحیح ''میچ'' لگتی تھی۔
اس کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ اس نے بے باکی کے ساتھ مجھے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ ''ہم تمہیں کھو چکے تھے شاہ زائب! تمہیں نئی زندگی مبارک ہو۔'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔
''اس نئی زندگی کو پھر نئی زندگی بھی تم نے ہی دی ہے۔ ورنہ شاید اب تک ہمارے جسموں کے ٹکڑے ان ڈیئر ہاؤنڈز کے معدوں میں پہنچ چکے ہوتے۔'' میں نے کہا۔
فارس جان بھی نم نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور قسطینا کے ساتھ ساتھ اسے بھی گلے سے لگا لیا۔ ''ابھی تک یقین نہیں آ رہا فارس کہ تم لوگ یہاں موجود ہو۔ تمہارا آنا اور ایسے نازک وقت پر آنا کسی کرشمے سے کم نہیں ہے۔''
میں نے دونوں کی کمر تھپتھپائی اور پوچھا۔ ''کیا ابراہیم اور زینب بھی آئے ہیں؟''
قسطینا نے مجھ سے علیحدہ ہوتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے اور بولی۔ ''ابراہیم تو نہیں، لیکن زینب آئی ہے۔ تمہارے زندہ ہونے کی اطلاع کے بعد وہ دیوانی سی ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ ایک دو دن میں وہ تم سے مل سکے گی۔''
قسطینا اور فارس دونوں دھیان سے میرا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ ناک اور ٹھوڑی کے قریب تھوڑی سی ''کاسمیٹک فلنگ'' باقی تھی۔ باقی چہرہ نارمل ہو چکا تھا۔
پھر ایکا ایکی قسطینا کے چہرے پر غم کے گہرے سائے لہرا گئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''یہ انیق کے ساتھ کیا ہو گیا ہے شاہ زائب! یہ کوئی عمر تھی مرنے کی..... اور پھر جس طرح کے حالات اس کے ساتھ ہوئے، وہ اور بھی دکھ دینے والے ہیں..... کاش..... تم لوگ وقت پر سمجھ سکتے

کہ اس کے ساتھ کیا ہورہا ہے۔''

فارس جان نے کہا۔ ''اور اب تو ام کو سجاول صیب کے بارے میں بھی داؤد بھاؤ سے کافی بُرا خبر ملا ہے۔''

''ہاں فارس! تم جانتے ہی ہو، وہ بدذات کیا قسم اٹھائے بیٹھی ہے۔ وہ ایک ایک کر کے ہمیں اپنے ہی پیاروں سے مروانا چاہتی ہے۔ سجاول نے اس کے شکنجے سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں کی قربانی دی ہے۔ اس سے پہلے سجاول کے دو قریبی ساتھی بھی اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔''

اسی دوران میں قسطینا کے نمبر پر داؤد بھاؤ کی کال آگئی۔ قسطینا صرف انگلش سمجھ سکتی تھی اور داؤد بھاؤ اتنی انگلش تو بول ہی سکتا تھا کہ قسطینا اور فارس جان کو اپنا مافی الضمیر سمجھا سکتا...... انیق اسے پڑھا لکھا گینگسٹر کہا کرتا تھا۔

قسطینا نے مختصر الفاظ میں داؤد بھاؤ کو اب تک کی تہلکہ خیز صورتِ حال سے آگاہ کیا پھر سیل فون میری طرف بڑھا دیا۔

داؤد کی پاٹ دار آواز ابھری۔ ''مبارک ہو۔ تمہارا وہاں سے بچ نکلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پورے شہر کی پولیس میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ہر جگہ تمہیں ڈھونڈا جا رہا ہے۔ قسطینا اور اس کے ساتھیوں کی انٹری نے بھی انتظامیہ کو ششدر کر رکھا ہے۔ بے شک یہ جان پر کھیلنے والے لوگ ہیں۔''

''بھاؤ! اس میں آپ کی کوششیں بھی تو شامل ہیں۔''

داؤد بھاؤ میری بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے لیے ایک اور اہم خبر ہے۔ قیصر چوہدری کا کام تمام ہو گیا ہے۔ مارا گیا ہے وہ۔'' بھاؤ کے لہجے میں اطمینان کی جھلک تھی۔ یہ ایک چونکا دینے والی اطلاع تھی۔

''اس نے زخمی حالت میں خود کو تیز رفتار جیپ میں سے باہر گرایا تھا۔'' میں نے داؤد بھاؤ کو آگاہ کیا۔

''مجھے اس بارے میں ابھی تفصیل معلوم نہیں ہوئی لیکن کچھ دیر پہلے یہ پتا چلا ہے کہ اسپتال میں ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کر دی ہے۔''

''اب کیا ارادے ہیں بھاؤ! آپ کو بے حد محتاط رہنا ہوگا۔ قیصر کی موت کو یہ لوگ ایزی نہیں لیں گے۔''

''مجھے پتا ہے کہ مجھے کب روپوش ہونا ہے اور کب سامنے آنا ہے، تم بے فکر رہو۔ یہ جگہ تم سب کے لیے بے حد محفوظ ہے۔ جب تک خود کوئی غلطی نہیں کرو گے، تم تک پہنچا نہیں جا سکے گا۔ میری رائے ہے کہ ابھی پانچ چھ روز کے لیے بالکل دم سادھ لو۔ شکیل داراب نے اب ہاتھ پاؤں تو مارنے ہیں۔''

''بھاؤ! سجاول کا کیا حال ہے؟''

''پرائیویٹ کلینک میں اس کا بہترین علاج ہو رہا ہے۔ اس کی آنکھیں تو واپس نہیں آسکتیں لیکن ان کا انفیکشن اب ختم ہو گیا ہے۔ اس کا ایک کان بھی سننے کے قابل ہو گیا ہے۔ دوسرے کی ٹریٹ منٹ جاری ہے۔''

''فخر اور پہلوان حشمت کا کچھ پتا چلا؟'' میں نے دریافت کیا۔

''میرے بندے اُن کی تلاش میں ہیں، جیسے ہی کوئی کھوج ملا میں تمہیں انفارم کروں گا۔''

مجھے کچھ ضروری ہدایات دینے کے بعد اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے اور داؤد بھاؤ کے درمیان چونکہ ساری گفتگو اردو میں ہوئی تھی اس لیے قسطینا اور ناوان سمجھ نہیں پائے تھے۔ (ناوان ایک اوان نامی باغی کا بھائی تھا لیکن ابراہیم اور قسطینا کا زبردست وفادار تھا۔ اس نے جاماجی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا تھا) میں نے انہیں مختصراً اس گفتگو کے بارے میں بتایا۔ قسطینا نے کہا۔ ''شاہ زائب! تم نے داؤد بھاؤ سے ہاتاوانی کے بارے میں کچھ پوچھا؟''

''نہیں، یہ میرے ذہن سے نکل گیا۔ دوبارہ فون کروں؟'' میں نے کہا۔

''نہیں، ابھی رہنے دو۔ مجھے پتا ہے وہ اسی شہر میں کہیں ہے۔ ہم زیادہ دیر اس سے دور نہیں رہ سکتے اور نہ وہ رہے گی۔ وہ دیوانی ہو رہی ہے شاہ زائب! ہمیں بھی دیوانوں کی طرح اس سے ٹکرانا ہوگا۔''

اس سے پہلے کہ میں قسطینا اور فارس جان سے ان کی یہاں حیران کن آمد کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتا، بھاؤ کے ساتھی بنارس کی آواز آئی۔ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا تھا۔ ''سرجی، دیکھیں، یہ ٹی وی پر کیا خبر آرہی ہے۔''

ساتھ والے کمرے میں ٹی وی آن تھا۔ میں، قسطینا اور ولید وغیرہ وہاں پہنچے تو خبر واقعی توجہ طلب تھی۔ نیوز کاسٹر قیصر چوہدری کی موت کی سنسنی خیز خبر دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''پولیس ترجمان بھی ابھی اس سلسلے میں کھل کر بات نہیں کر رہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ شاہ زیب عرف ایسٹرن اب پولیس کی حراست میں نہیں ہے۔ پہلے یہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ شاید وہ پولیس مقابلے میں ہلاک کیا جا چکا ہے مگر

اب ایک دوسری رائے بھی سامنے آرہی ہے...... اور وہ یہ ہے کہ شاہ زیب کو پولیس کی حراست سے نکالنے کے لیے رائے ونڈ روڈ کی ایک عمارت پر باقاعدہ ہلا بولا گیا ہے۔ ہلا بولنے والوں میں بھاؤ گینگ کے علاوہ شاہ زیب کے کچھ غیر ملکی دوست بھی شامل ہیں اور یہاں کافی جانی نقصان بھی ہوا ہے۔''

تب نیوز کاسٹر نے اپنے فیلڈ رپورٹر سے رابطہ کیا۔ فیلڈ رپورٹر نے ہانپتی سانسوں کے ساتھ گہری تاریکی میں نیم روشن عمارت کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔ ''ناظرین! یہ ہے وہ بلڈنگ جہاں مبینہ طور پر ایک زبردست پولیس مقابلہ ہوا ہے۔ آس پاس کے لوگوں کا کہنا ہے کہ رات ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ اس عمارت کی جانب سے تابڑتوڑ فائرنگ کی آوازیں قریباً آدھ گھنٹے تک سنائی دیتی رہی ہیں۔''

نیوز کاسٹر نے پوچھا۔ ''ڈی ایس پی قیصر چوہدری صاحب کے بارے میں کیا پتا چلا ہے؟ کیا وہ اسی عمارت میں زخمی ہوئے تھے؟''

''جی پولیس ذرائع ابھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کر رہے۔ میڈیا کو بھی عمارت تک رسائی نہیں دی جا رہی لیکن غالب امکان یہی ہے کہ قیصر چوہدری اسی عمارت میں فائرنگ کے سخت تبادلے کے دوران میں زخمی ہوئے اور پھر حملہ آور ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ راستے میں قیصر چوہدری نے چلتی گاڑی سے کود کر بچ نکلنے کی کوشش کی، نتیجے میں وہ شدید زخمی ہو گئے۔''

''کیا...... قیصر چوہدری نے وہیں سڑک کے کنارے دم توڑ دیا یا پھر انہیں اسپتال پہنچایا گیا؟''

''نہیں جی...... بدقسمتی کی بات ہے کہ وہ شدید زخمی ہو کر وہیں سڑک کے کنارے قریباً آدھے گھنٹا تڑپتے رہے۔ تیز رفتار گاڑیاں ان کے پاس سے گزرتی رہیں لیکن کسی نے رک کر ایک جاں بلب انسان کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بعدازاں جب پولیس موقع پر پہنچی تو قیصر چوہدری اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر چکے تھے۔ اطلاعات کے مطابق ان کے جسم پر گولیوں کے دو زخم بھی ہیں لیکن یقینی بات ہے کہ اگر وہ بروقت اسپتال پہنچ جاتے تو ان کی جان بچائی جا سکتی تھی۔''

نیوز کاسٹر نے کہا۔ ''کچھ ایسی خبریں بھی سننے میں آرہی ہیں کہ اس اندوہناک واقعے میں مشہور سماجی شخصیت لالہ دریام بھی اپنی جان کی بازی ہار گئے ہیں؟''

''جی ہاں، ایسی خبریں بھی مل رہی ہیں لیکن ابھی یہ تصدیق نہیں ہو سکی۔ بہت سے سوال ذہنوں میں ابھر رہے ہیں۔ جیسے ایک یہ سوال کہ اگر شاہ زیب ایسا ہی خطرناک مجرم تھا تو اسے شہر کے کسی محفوظ تھانے میں رکھنے کے بجائے شہر سے باہر اس الگ تھلگ بلڈنگ میں کیوں لے جایا گیا۔ پھر وہ کون غیر ملکی تھے جنہوں نے داؤد گینگ کے ساتھ مل کر شاہ زیب کو چھڑایا...... اور کیا یہ بات بھی سچ ہے کہ اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ غیر ملکی موجود تھے؟''

نیوز کاسٹر نے ناظرین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''جوں جوں خبریں آرہی ہیں، اس معاملے کے کچھ نئے پہلو بھی سامنے آرہے ہیں۔ کچھ لوگ اس واقعے میں فیکسای گینگ کے ملوث ہونے کا شبہ بھی ظاہر کر رہے ہیں۔ بہرحال ہم آپ کو اس سلسلے میں مکمل طور پر آگاہ رکھیں گے......''

نیوز ختم ہو گئی اور دوسری نیوز ٹیلی کاسٹ ہونے لگیں لیکن میرا ذہن وہیں قیصر چوہدری والی نیوز میں اٹکا ہوا تھا۔

میٹھا زہر

☆ اگر دنیا کے سارے اچھے آدمی چالاک اور چالاک آدمی اچھے ہو جائیں تو دنیا بہتر ہو جائے گی۔

☆ جب میرے افسر نے مجھے احمق کہا تو میں نے فوراً تسلیم کر لیا۔ آخر میں اتنا بھی احمق نہیں ہوں کہ اس کی ہر رائے سے اختلاف کروں۔

☆ راز ایک دولت ہے۔ میں دیر تک اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔

☆ یہ کتاب ایسی نہیں کہ ایک طرف ڈال دی جائے بلکہ یہ پوری قوت سے دور پھینک دینے کے قابل ہے۔

☆ ٹیلی ویژن کی ایجاد سے پہلے کسی کو یہ علم نہ تھا کہ سردرد دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے۔

☆ اس فلم میں دس اداکار ہیں جنہیں کمزور کہانی نے قتل کر کے دفن کر دیا ہے۔

☆ اگر اس فلم میں کوئی ہیرو ہے تو اسے چاہیے کہ وہ مصنف کو قتل کر دے۔

☆ میں اپنی بیوی کو پارلیمنٹ کہتا ہوں کیونکہ وہ ہر وقت بل پیش کرتی رہتی ہے اخراجات کے۔

☆ گاڑی جتنی تیز چلا سکتے ہیں چلائیں۔ اسپتال قریب ہے، ایک سائن بورڈ۔

کنزی یونس، کراچی

PakiBooks.Site

نیوز کاسٹر کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے..... وہ سڑک کے کنارے آدھا گھنٹا تڑپتے رہے، تیز رفتار گاڑیاں ان کے پاس سے گزرتی رہیں۔

میں نے ایک طویل سرد آہ بھری، کبھی سڑک کے کنارے ایک اور شخص بھی تو تڑپا تھا۔ تیز رفتار گاڑیاں اس کے پاس سے بھی تو گزرتی رہی تھیں۔ پھر پردیس سے اپنے وطن آنے والے ایک شخص نے سڑک کے کنارے سے اس زخمی کو اٹھایا تھا اور اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچائی تھی۔ اس نیکی کا صلہ اسے کیا ملا تھا؟ ہاں، اس نیکی کا صلہ مجھے کیا ملا تھا؟ وہ میں ہی تو تھا جسے اس جرم بے گناہی میں تھانے میں بند کر دیا گیا تھا اور وہ پولیس افسر قیصر چوہدری ہی تو تھا جس نے مجھے بند کیا تھا، سخت توہین اور گالی گلوچ کا نشانہ بنایا تھا..... معاشرے ایسے ہی بنتے ہیں، روایات ایسے ہی پروان چڑھتی ہیں۔ انسان کے اعمال اکثر لوٹ کر اس کی طرف آتے ہیں۔ جو کچھ برسوں پہلے زخمی عارف کے ساتھ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا، وہ آج رات اس خود سر پولیس افسر قیصر چوہدری کے ساتھ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

داؤد بھاؤ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ عمارت ہمارے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ تھی۔ دور دور تک کسی خطرے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اس فارم ہاؤس میں جو چار پانچ ملازم موجود تھے، وہ درحقیقت داؤد بھاؤ کے خاص الخاص آدمی تھے۔ دیکھنے میں سیدھے سادے مزدور مگر اصل میں گھاگ گینگسٹرز۔

عمارت سے باہر کئی ایکڑ تک ایک قدرتی ماحول تھا۔ یہاں چار دیواری کے ساتھ ساتھ بانس اور پاپولر کے بے شمار پودے لگے ہوئے تھے۔ احاطے کے بیچوں بیچ پھولوں کے تختے تھے جن میں گلاب، موتیا، نرگس، گیندا اور گل لالہ کثرت سے دکھائی دیتے تھے۔ بھینسوں اور بکریوں کے لیے علیحدہ باڑے تھے اور ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ کسی طرح کی بو رہائشی عمارت کی جانب نہیں آتی تھی۔

رات کی بارش کے بعد موسم بہت نکھرا ہوا تھا۔ ایک چمکیلے دن کی پہلی کرنیں کھڑکیوں، دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ قسطینا اور فارس میرے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے، کسی وقت ناوان بھی ایک دو جملے بول دیتا تھا۔ قسطینا کہہ رہی تھی۔ ''ہاناوانی نے رائے زل کے انتقام کے لیے جو قسم کھائی تھی، اس کا تو پہلے ہی بہت چرچا تھا لیکن جب محترم حاذق ذکری کو شہید کیا گیا تو لوگوں کو پورا یقین آ گیا.....''

''جناب حاذق ذکری والے واقعے نے ہمیں بھی بہت صدمہ پہنچایا۔ ایک شاک کی سی کیفیت تھی۔'' میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''بے شک یہ دردناک واقعہ تھا۔ محترم حاذق ذکری کا ایک نہایت قریبی مرید، ہاناوانی کے ٹرانس کا شکار ہوا۔ محترم کے پیٹ میں گہرے گھاؤ لگا کر انہیں ایک تنہا جگہ تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔'' قسطینا نے اس واقعے کو یاد کر کے جھرجھری سی لی پھر ذرا توقف کر کے بولی۔ ''ہمارے دو اہم کمانڈر بھی اسی طرح ہاناوانی کے انتقام کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان غم ناک حالات میں جب ہمیں تمہارے زندہ ہونے کی خبر ملی تو یہ شادیٔ مرگ والی کیفیت تھی۔ یقین کرو شاہ زائب، پورے جاماجی میں اس کی خوشی منائی گئی.....''

''لیکن اس کے پورا (فوراً) بعد ہی دکھ اور پریشانی کا جھونکا بھی آ گیا۔'' فارس جان نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہاں پاکستان سے یہ اطلاع جاماجی میں پہنچا کہ وہ کمینی عورت اب یہاں پاکستان میں ہے، ام سمجھ گیا کہ وہ یہاں کیوں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''لیکن ہاناوانی کے یہاں ہونے کی اطلاع تو میں نے پہلے ہی جاماجی پہنچا دی تھی۔''

''لیکن اس کا تصدیق بعد میں ہوا محترم برادر۔'' فارس اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

اگلے آدھ پون گھنٹے میں قسطینا اور فارس نے اپنی یہاں آمد کے بارے میں جو کچھ بتایا اس کا لب لباب یہ تھا..... قسطینا، فارس جان اور ناوان، زینب سمیت چھ روز پہلے جاماجی سے برونائی اور پھر پاکستان پہنچے۔ ابراہیم بھی آنا چاہتا تھا لیکن جاماجی کا فرمانروا ہونے کی وجہ سے اس پر ذمے داریاں تھیں۔ قسطینا وغیرہ کے ساتھ گرین فورس کے دس دلیر جوان بھی یہاں پہنچے تھے۔ قسطینا اور فارس نے یہاں اپنی آمد بالکل خفیہ رکھی تھی۔ ان کا قیام لاہور ہی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا۔ زینب بھی اپنی ذاتی خادمہ کے ساتھ وہیں ہوٹل میں تھی۔

میں نے قسطینا سے پوچھا۔ ''داؤد بھاؤ کے ساتھ آپ کا رابطہ کیسے ہوا؟''

''یہ رابطہ ہم نے جاماجی سے روانہ ہوتے وقت ہی کر لیا تھا مگر ایسا ہو نہ سکا۔ یہ رابطہ یہاں پاکستان آنے کے بعد اس وقت ہوا جب پولیس تمہیں اور رضوان کو اٹھا کر لے جا

رہی تھی۔ ہم جانتے تھے کہ اگر ہم اس شہر میں کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے داؤد بھاؤ کا لاجسٹک تعاون ضروری ہوگا۔''

فارس جان نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''برادر شاہ زیب! آپ دیکھیں کیسا الٹ پلٹ ہوا ہے۔ ام جب پاکستان کے لیے روانہ ہوئے تھے تو امارا خیال تھا کہ آپ کو اصل خطرہ ہاناوانی کی طرف سے ہے لیکن یہاں آ کر پتا چلا کہ ادھر کا پولیس آپ کا جانی دشمن بنا ہوا ہے..... اور آپ اس کے قبضے میں ہے۔''

''پولیس کے قبضے میں بھی ہم ہاناوانی کی وجہ سے ہی گئے ہیں فارس۔'' میں نے کہا۔ ''دراصل یہ ہاناوانی ہی ہے جس نے خورسنہ کو اپنے ٹرانس میں لے کر میرے زندہ ہونے کا سراغ لگایا..... یہ سراغ ایک مخبر عورت کی وجہ سے پولیس تک بھی پہنچ گیا اور مجھے بالکل غیر متوقع طور پر ہوٹل سے پکڑ لیا گیا۔''

''لیکن یہ ٹیکساری والے بیچ میں کیسے کودے؟'' قسطینا نے اپنے بوائے کٹ بالوں کو پیشانی سے ہٹاتے ہوئے اپنے مخصوص فوجی لہجے میں پوچھا۔

''ٹیکساری والوں کی جان تو نکل چکی ہے یور ہائی نس! بس یہ چند بچے کھچے افراد ہی ہیں۔ ان میں سے بھی کل کئی مارے گئے ہیں۔ ان کو ملوث کرنے کا سہرا شکیل داراب اور اس کے پلیسے دوستوں کے سر ہے، ان کا خیال تھا کہ ڈیتھ اسکواڈ کے لوگ ہمیں زیادہ اذیت ناک موت دے سکیں گے۔''

میں نے ذرا توقف کر کے قسطینا سے پوچھا۔ ''لیکن یور ہائی نس! آپ لوگ ہم تک پہنچے کیسے؟''

''اس کا زیادہ کریڈٹ تو داؤد بھاؤ کو ہی جاتا ہے شاہ زائب! وہ گینگسٹر تو ہے لیکن گریٹ بھی ہے۔ شاید اسے گریٹ گینگسٹر کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔ یہ شہر اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے۔ اس کی نظر میں پانچ ایسے ٹھکانے تھے جہاں تمہارا دشمن ڈی ایس پی (قیصر چوہدری) تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو رکھ سکتا تھا۔ ان میں سے دو تو تھانے تھے اور تین پرائیویٹ جگہیں تھیں۔ داؤد بھاؤ نے ان پانچوں جگہوں کی ''ریکی'' کروائی اور آخر مطلوبہ جگہ ڈھونڈ لی۔''

فارس جان بولا۔ ''امارا خیال تھا کہ داؤد بھاؤ صیب خود بھی امارے اس آپریشن میں شریک ہوگا..... لیکن لگتا ہے کہ وہ پیچھے رہ کر کام کرنے والا آدمی ہے۔''

''ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ بے حد نڈر آدمی ہے لیکن ہمیشہ پیچھے رہ کر اپنے مہروں کو حرکت دیتا ہے۔ اس کے کام کا یہی طریقہ ہے۔''

اسی دوران میں قسطینا نے ہوٹل میں زینب سے ٹیلی فونک رابطہ قائم کیا اور پھر فون مجھے تھما دیا۔ دوسری طرف وہی نازک آواز والی چھوٹی موٹی سی زینب تھی۔ آج میں ایک عرصے بعد اس کی آواز سن رہا تھا۔ اس نے صرف ''بھائی جان'' کہا اور پھر سسکیوں کے ساتھ روتی چلی گئی۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ بول نہیں پا رہی تھی، میں نے کہا۔ ''یہ خوشی کا موقع ہے زینب! اور تم رو رہی ہو۔''

وہ بمشکل بولی۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ کو کھو کر دوبارہ پایا ہے۔ اب دل کانپ رہا ہے..... کہ..... آپ پر پھر کوئی..... مصیبت نہ آ جائے۔''

''مجھے کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ..... آپ بے فکر رہیں یور ہائی نس۔'' میں نے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

وہ پھر سسکیاں بھرنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ ''اور ہمارے دولھا میاں کیسے ہیں؟''

''وہ بالکل ٹھیک ہیں..... اور آپ سے ملنے کے لیے بہت بے قرار بھی۔ ہم کب آپ کو دیکھ سکیں گے۔ میرے لیے تو ایک ایک منٹ کاٹنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''بہت جلد مجھے دیکھ سکو گی..... اور صرف مجھے ہی نہیں، سب کو دیکھو گی۔ اپنے گاؤں کو..... اپنے عزیزوں کو..... سہیلیوں کو۔ بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

زینب کو تسلی تشفی دے کر ہم رضوان کی خبر گیری کے لیے گئے۔ رہائش گاہ کا یہ کمرا بالکل کسی جدید اسپتال کا کمرا لگتا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا۔ ''زخموں کی بینڈیج کی جا چکی ہے۔ بلڈ پریشر نارمل ہے۔ ابھی ٹرنکولائزرز دے رکھی ہیں، اس لیے سو رہے ہیں۔''

''اور جہاں سے گوشت نکالا گیا ہے؟'' قسطینا نے انگلش میں پوچھا۔

''وہاں گہرے گھاؤ ہیں۔ ممکن ہے کہ ان دو جگہوں پر بعد میں پلاسٹک سرجری والی تکنیک اپنانا پڑے۔''

رضوان کی تسلی بخش حالت دیکھ کر ہمیں کچھ اطمینان محسوس ہوا۔ اب بس فخر اور پہلوان حشمت کی طرف سے کچھ فکر تھی۔ میں اور قسطینا ایک روش پر ٹہلتے ہوئے بانس کے طویل درختوں کی طرف چلے گئے۔ قسطینا نے تاجور کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ دل گیر لہجے میں بولی۔ ''شاہ زائب! جب یہ بات کنفرم ہو گئی کہ تم دنیا میں نہیں رہے ہو تو اس نے ایک

PakSociety.com

مشرقی لڑکی کی طرح اپنے آنسو پونچھے اور کسی اور کی ہوگئی۔ اب جب اسے پتا چلا ہوگا کہ تم حیات ہو تو اس پر کیا گزری ہوگی؟''

میں قسطینا کو کیسے بتاتا کہ وہ میری ''زندگی'' میں ہی کسی اور کی ہوگئی تھی۔ اپنی شادی سے پہلے ہی وہ جان گئی تھی کہ میں زندہ ہوں۔

''چپ کیوں ہوگئے ہو؟ تم بھی بہت دکھی ہو ناں؟'' وہ افسردگی سے بولی۔

''اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''کبھی ملاقات ہوئی اُس سے؟'' قسطینا نے ایک رازدار دوست کی طرح مجھ سے پوچھا۔

''ہاں ایک دفعہ ہوئی...... وہ اپنی دنیا میں مگن ہو چکی ہے قسطینا۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''وہ تم سے...... بہت محبت کرتی تھی...... بہت زیادہ۔'' قسطینا نے بھرائی آواز میں کہا پھر ذرا توقف کر کے بولی۔ ''جاماجی میں یہ بات مشہور ہے کہ جب تم لڑائی کے میدان میں تھے تو تاجور نے تمہاری خیر، سلامتی کے لیے ایک بہت بڑی رقم ''ڈونیشن'' میں دی تھی...... بہت خطیر رقم......''

''ہاں یہ بات مرحوم حاذق ذکری نے مجھے اپنے ایک خط میں بتائی تھی۔''

وہ بولی۔ ''یہ وہی رقم تھی جو ایک کتاب کی رائلٹی کے حصے میں سے اسے ملی تھی اور ایک کروڑ اسّی لاکھ کوئی معمولی اماؤنٹ نہیں ہوتا، ایک عام بندہ اپنی پوری زندگی سنوار سکتا ہے لیکن اس نے کھڑے کھڑے یہ رقم حاذق ذکری صاحب کے سپرد کردی۔''

''چلو اچھا ہوا۔ اس نیکی کا صلہ اسے ملا...... اور اب وہ ایک ارب پتی کی بیوی ہے۔''

''تم شاید، اس پر طنز کر رہے ہو لیکن یہ حقیقت ہے شاہ زائب کہ تاجور کی ڈونیٹ کی ہوئی اس رقم سے جنگ کے بے شمار زخمیوں خاص طور سے بچوں کا علاج ہوا اور ان کو نئی زندگی ملی۔ بہرحال جو بات میں تم سے شیئر کرنا چاہ رہی ہوں، وہ یہ ہے کہ تاجور کے حوالے سے کبھی کوئی بدگمانی ذہن میں نہ لانا۔ اسے اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھو۔ وہ بہت...... بہت مختلف لڑکی ہے۔''

میں نے موضوع بدلا اور قسطینا سے جاماجی کے حالات دریافت کرنے لگا...... اور وہ بتانے لگی کہ وہاں نوجوان ابراہیم نے کس خوبی سے اپنے والد ریان فردوس کی کمی پوری کی اور جنگ زدہ جزیرے کو بحال کر رہا ہے۔

یکا یک ولید کی بلند آواز نے ہمیں چونکایا۔ ''شاہ زیب بھائی اِدھر آؤ...... دیکھو...... یہ کیا خبر آرہی ہے۔''

میں نے مڑ کر دیکھا۔ ''فاریہ جان، ناوان، بنارس وغیرہ کے چہروں پر بھی ہیجانی کیفیت تھی۔ ہم مڑے اور تیزی سے کامن روم کی ایل سی ڈی کے سامنے پہنچے۔ یہاں ایک اور سنسنی خیز خبر چل رہی تھی۔ اس خبر کا تعلق دارج داراب سے تھا۔ بتایا جارہا تھا کہ دارج صاحب جو علاج کی غرض سے یہاں لاہور میں مقیم ہیں ایک حادثے سے بال بال بچے ہیں۔ یہ عجیب حادثہ ہے۔ بظاہر اس پر یقین کرنا مشکل ہے مگر شواہد بتا رہے ہیں کہ ایسا کچھ ہو چکا ہے۔ مبینہ طور پر رات کو پرندوں کے ایک جھنڈ نے دارج صاحب کی رہائش گاہ پر حملہ کیا۔ رکھوالی کے ایک کتّے کو مار ڈالا، کھڑکیوں کے شیشے توڑ دیے اور دارج صاحب کے بیڈروم تک گھسنے کی کوشش کی مگر وہاں چونکہ جالیاں لگی ہوئی تھیں اس لیے یہ کوشش ناکام رہی۔ تاہم کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ پرندے نہیں چمگادڑیں تھیں...... کیونکہ اس قسم کے واقعات چمگادڑوں وغیرہ سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ ایک انوکھا اور عجیب واقعہ ہے۔

اس کے بعد دارج کی رہائش گاہ کی ایک فوٹیج دکھائی جانے لگی۔ پالتو کتّے کی لاش نظر آئی۔ کھڑکیوں کے ٹوٹے ہوئے شیشے اور کہیں کہیں کھرونچوں کے نشان بھی نظر آئے۔

نیوز کاسٹر نے ایک ایکسپرٹ کو آن لائن لیا۔ وہ کہنے لگا۔ ''یہ سب کچھ روٹین سے ہٹ کر ہے۔ بالفرض یہ چمگادڑیں بھی ہوں تو اس طرح کا جارحانہ رویّہ وہ شہری آبادیوں میں اختیار نہیں کرتیں۔ لیکن شواہد بتا رہے ہیں کہ یہ جو جاندار بھی ہیں ایک جنونی کیفیت کا شکار ہیں۔ چند روز پہلے بھی لاہور کے مضافات میں اس طرح کا ایک واقعہ رپورٹ ہو چکا ہے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ خوش رنگ طوطوں کے جھنڈ نے کچھ افراد پر حملے کیے اور انہیں نقصان پہنچایا......''

اسی دوران میں دارج کی رہائش گاہ کی ایک تازہ فوٹیج اسکرین پر دکھائی جانے لگی۔ اس میں کوٹھی کا ایک ملازم ہاتھوں میں دو مردہ چمگادڑیں لیے کھڑا تھا۔ ان میں سے ایک چمگادڑ فائر سے ہلاک ہوئی تھی اور دوسری کو غالباً ہلاک ہونے والے کتّے نے اپنے دفاع میں مارا تھا۔ نیوز کاسٹر نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ ''جی ناظرین! ابھی جو بات ہم کہہ رہے تھے، اس کا ایک واضح ثبوت سامنے آگیا ہے۔ پرندوں والی جو بات کی جا رہی تھی وہ کم از کم موجودہ واقعے میں تو غلط ثابت ہوئی ہے۔ یہاں ان خونی چمگادڑوں نے حملہ کیا ہے۔ آپ ذرا ان کا سائز ملاحظہ فرمائیں۔''

ایکسپرٹ نے کہا۔ ''آپ نے بجا کہا۔ ان کا شمار بڑی چمگادڑوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے اکثر باغات میں یہ پائی جاتی ہیں لیکن میں ایک بار پھر کہوں گا کہ ان کا اس طرح غول کی صورت میں شہری آبادی میں حملہ آور ہونا بالکل...... بالکل غیر معمولی بات ہے۔'' ایکسپرٹ کے لہجے سے حیرت ٹپک پڑ رہی تھی۔

نیوز ختم ہوئی تو ہم دوسرے کمرے میں چلے آئے۔ قسطینا نے کہا۔ ''یہ شہر اور یہاں کے لوگ ہاناوانی کو نہیں جانتے اس لیے وہ ششدر ہیں لیکن ہمارے لیے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ بدباطن عورت اس سے بھی بڑے عجوبے وجود میں لاسکتی ہے۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ حملہ تاجور پر تھا اور ہاناوانی کی طرف سے تھا۔''

بات ختم کر کے قسطینا سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھنے لگی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

قسطینا بپھرے لہجے میں بولی۔ ''ہمیں حرکت میں آنا ہوگا شاہ زائب! وہ ہاناوانی کے نشانے پر آگئی ہے۔ ہم نے کچھ نہ کیا تو اس کو خدانخواستہ کوئی بڑا نقصان اٹھانا پڑ جائے گا۔''

''تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''تم کیوں کچھ نہیں کر سکتے؟'' قسطینا نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

میں اسے کیسے بتاتا کہ میں اب دارج کی رہائش گاہ پر نہ جانے کی قسم کھا چکا ہوں اور تاجور کو بھی یقین دلا چکا ہوں کہ میں اپنا ''برا'' چہرہ اس کو نہیں دکھاؤں گا۔

مجھے خاموش دیکھ کر قسطینا نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے اور بولی۔ ''اگر تم نہیں جانا چاہتے شاہ زائب تو میں خود چلی جاؤں گی۔ میں خود ملوں گی اس سے۔ اسے بتاؤں گی کہ اس کے اردگرد کیا کچھ منڈلا رہا ہے۔''

''اس کا شوہر بہت کرخت مزاج ہے قسطینا! وہ آپ کی اس جسارت کے بدلے میں تاجور کی زندگی اور مشکل کردے گا۔''

قسطینا کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی۔ ''شاہ زائب! تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ...... تاجور اپنے گھر میں خوش نہیں ہے؟''

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں ایسی غلطی کم ہی کرتا تھا لیکن پتا نہیں کیوں بے دھیانی میں بے ساختہ یہ بات میرے منہ سے نکل گئی تھی۔

میں نے بات کو سنبھالنے کی کوشش کی اور قسطینا کو بتایا کہ بیماری کی وجہ سے وہ چڑچڑا ہو گیا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی ہائپر ہو جاتا ہے۔

قسطینا گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر عزم سے بولی۔ ''کچھ بھی ہے شاہ زائب! اگر تم اُسے خطرے سے آگاہ نہیں کرو گے تو میں کروں گی۔ مجھے ایسی خاموشی منظور نہیں جس سے تاجور جیسی لڑکی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔''

میں چپ رہا لیکن دل ہی دل میں قسطینا کے فیصلے کو سراہ رہا تھا۔

اسی دوران میں اس ڈاکٹر کی شکل نظر آئی جو رضوان کا علاج کر رہا تھا۔ اس نے آکر مجھ سے کہا۔ ''شاہ زیب صاحب! مریض آپ کو یاد کر رہا ہے۔ وہ اب پوری طرح ہوش میں ہے۔''

میں رضوان کے کمرے میں پہنچا تو وہ دبیز تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اس کا چہرہ اب بھی ہلدی کی طرح زرد تھا مگر آنکھوں میں حوصلے کی چمک تھی۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔ ''شاہ زیب بھائی! آپ نے فخریا پہلوان سے فون پر رابطے کی کوشش کی ہے؟''

''ان دونوں کے نمبر مسلسل خاموش ہیں رضوان۔ ان دونوں کی طرف سے بھی ابھی تک کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔ میرا اور تمہارا موبائل پولیس نے قبضے میں لے لیا تھا۔''

وہ بولا۔ ''میرے پاس پہلوان جی کا ایک اور نمبر ہے، آپ اس پر کوشش کر کے دیکھیں۔'' رضوان نے مجھے نمبر دیا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کوشش کی۔ بیل جانا شروع ہوگئی اور پھر تھوڑی دیر بعد پہلوان کی ڈری ڈری آواز آئی۔ ''کون بولت ہے؟''

میں نے اندازہ لگایا کہ پہلوان کسی کھلی جگہ پر ہے۔ پرندے چہچہا رہے تھے۔ کوّوں کی کائیں کائیں بھی سنائی دے رہی تھی۔ کہیں دور کوئی ٹریکٹر چل رہا تھا۔ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ پہلوان پولیس کی حراست میں ہو۔

میں نے کہا۔ ''میں شاہ زیب بول رہا ہوں۔''

پہلوان جیسے چلّا اٹھا۔ ''تم ٹھیک تو ہو ناں، پولیس نے تم پر تشدد تو نا ہیں کیا اور رضوان بھی تمہارے ساتھ ہی ہے ناں؟''

''بالکل میرے ساتھ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور آپ کس جنگل میں ہو؟''

''جنگل میں؟''

"ہاں جب لوگ پولیس سے بھاگ کر مفرور ہوتے ہیں تو پہاڑ میں یا جنگل میں ہی تو چھپتے ہیں۔ یہ پوٹھوہار کا سارا علاقہ قدرت نے آپ اور فخر جیسے مفروروں کے لیے ہی تو بنا رکھا ہے۔"

میرے لب و لہجے سے پہلوان کو یقین ہو گیا کہ ہم بالکل خیریت سے ہیں، وہ جوش سے بولا۔ "تم کو خدا کا واسطہ ہے شاہ زیب! اپنی اس خیریت کی اطلاع ذرا جلدی سے اس فخر کو بھی دو۔ ورنہ مجھ کو پکا یقین ہے کہ شام تک اس نے پولیس کے کسی بڑے افسر کو اغوا کر لینا ہے اور اس کے بدلے تمہاری رہائی کا..... وہ..... کر دینا ہے۔"

"مطالبہ۔" میں نے پہلوان کے لیے درست لفظ ڈھونڈا۔

"بالکل مطالبہ، اور شاید تم جانت نا ہیں ہو، میں 23 مارچ کو پیدا ہوا تھا۔ مجھ کو پاکستان سے اور پاکستان کے قانون سے بہت زیادہ محبت ہے۔ اور پولیس مقابلے کا تو میں نے کبھی سوچا بھی نا ہیں۔ اگر مجھ جیسے قانون پسند کو پوٹھوہار کی پہاڑیوں میں چھپنا پڑے تو بڑی شرم کی بات ہے۔"

میں نے کہا۔ "پہلوان جی! فی الحال چھپنا تو ہم کو پڑے گا ہی لیکن اس کے لیے ایک بڑی مناسب سی جگہ میسر آ گئی ہے۔ فخر کہاں ہے، اس سے بات کرائیں۔"

فخر بھی کہیں آس پاس ہی موجود تھا۔ وہ فون پر آ گیا۔ اس نے بتایا کہ یہ شیخوپورہ سے آگے ایک گاؤں ہے۔ یہاں پہلوان جی کا ہی ایک شاگرد ہے جس کے گھر میں وہ موجود ہیں۔ پہلوان کی طرح فخر تک بھی ابھی یہ خبر نہیں پہنچی تھی کہ ہم پولیس کی کسٹڈی سے نکل چکے ہیں۔ میں نے اسے اس بارے میں بتایا لیکن فون پر ساری تہلکہ خیز تفصیل تو نہیں بتائی جا سکتی تھی۔ فخر یہاں کے راستوں اور جگہوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ میں نے پہلوان کو سمجھایا کہ ہم کہاں ہیں اور ان دونوں کو کس طرح یہاں پہنچنا ہے۔ میں نے اسے پولیس سے محتاط رہنے کی ہدایت بھی کی لیکن پہلوان پولیس سے زیادہ ان پُراسرار واقعات سے خوف زدہ تھا جو ہمارے اردگرد پیش آ رہے تھے۔ اس نے فون پر ہی مجھے ایک دو وظیفے بھی بتا دیے..... اور یہ بھی بتایا کہ ہوائی چیزیں کن کن شکلوں میں ظاہر ہو سکتی ہیں، وہ بولا۔ "یہ ہوائی چیزیں ہمارے آس پاس موجود کسی بھی بندے کا روپ دھار سکت ہیں۔"

میں نے کہا۔ "یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے۔ اب مجھے کیا پتا کہ میں جس سے فون پر بات کر رہا ہوں، وہ پہلوان حشمت ہے یا کوئی ہوائی چیز؟"

"تم مذاق کرت ہو۔ مذاق کرنے والوں کو یہ چیز کبھی معاف ناہیں کرتیں..... میں آ کر تمہیں سب سمجھاوت ہوں۔"

پہلوان سے بات ختم کر کے میں ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہاں خون آشام چمگادڑوں کا ذکر پھر ہو رہا تھا۔ ایک نیوز پرسن کا خیال تھا کہ قریب ہی باغ جناح میں مچھر کی مکھیوں اور چمگادڑوں کی بہتات ہو گئی ہے اور یہ چمگادڑیں وہیں سے اُڑ کر حملہ آور ہوئی ہیں۔ باقی سب افواہیں ہیں۔

میں نے جب اس خبر کا انگلش ترجمہ کر کے قسطینا کو بتایا تو وہ بولی۔ "لوگ یہاں اس معاملے کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لے رہے، جتنی سنجیدگی سے انہیں لینا چاہیے۔"

فارس جان مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "ام کو لوگوں کو یقین دلانا پڑے گا کہ یہاں بہت کچھ انوکھا ہو رہا ہے۔ مزید بھی ہو سکتا ہے..... اور اس کے پیچھے ایک ایسا عورت کا ہاتھ ہے جو ہپناٹزم کا ماہر ہے بلکہ اس فیلڈ میں کچھ زیادہ ہی آگے نکلا ہوا ہے۔ وہ انسانوں اور جانوروں کے ذہنوں کو ناقابلِ یقین طریقے سے کنٹرول کر سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے فارس جان؟ یہ چمگادڑیں کسی ٹرانس میں تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایک سو ایک پی صد۔ میں نے وہاں جا جی میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہ ہانا وانی جس کھلی قبر میں راتیں گزارتا تھا وہاں قبرستان کے درختوں پر دن کے وقت بے شمار چمگادڑیں الٹا لٹکا نظر آتا تھا اور یہ بات مشہور تھا کہ یہ چمگادڑیں بھی ہانا وانی کے معمولوں میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ قبریں کھودنے والے بجو..... سانپ..... نیولے اور پتا نہیں کیا کیا الا بلا وہ اپنے گرد جمع کر لیتا تھا۔ یہ عورت خوف کا علامت تھا شاہ زیب بھائی..... اور اب بھی خوف کا علامت ہے۔ خوام کو جلد از جلد اس کا سدِباب کرنا ہوگا ورنہ یہ اپنا مشن پورا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

میں نے کھڑکیوں سے باہر دیکھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ صاف نیلا آسمان خوب روشن تھا۔ بس کہیں کہیں کسی پرندے کے آثار نظر آتے تھے۔ بہت عرصے بعد میں نے آسمان کو اتنے غور سے دیکھا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ "اس دیکھنے میں" ایک طرح کی تشویش بھی شامل تھی۔

خونریزی اور بربریت کے خلاف
صف آرا نوجوان کی کھلی جنگ
باقی واقعات آیندہ ماہ پڑھیے

"کرکٹ، ہاکی، والی بال، کبڈی اور لاتعداد اپنے کھیلوں کے بعد آج یہ ملک فٹ بال میں بھی اپنا نام بنا رہا ہے، تم لوگ کر کیا رہے ہو آخر؟ ہلدی حکومت کروڑوں روپے خرچ کرتی ہے تم لوگوں پر..... تمہاری ہوس روپے سے پوری نہیں ہوتی تو ڈالرز دیتے ہیں کیونکہ ڈالر دینے والے بھی نہیں چاہتے کہ یہ ملک کھیلوں میں نام روشن کرے مگر ہر چوٹ کے بعد یہ پھر سنبھل جاتے ہیں آخر کیا جادو ہے ان کے پاس؟ اور کیا فائدہ ایسے کروڑوں اور ڈالرز کا؟ کیا

شکست

اعتزاز سلیم وصلی

محبت کو ایک شجر تصور کرو تو پھر اس سے شاخیں نکلتی محسوس ہوتی ہیں... ایک سوکھی ہوئی تو دوسری پتوں میں ڈوبی ہوئی... دونوں کے مختلف روپ سامنے آتے ہیں... اسی طرح انسانوں کے مختلف کردار ہیں... اس کے پاس ذہن ہے اور روح بھی ہے... ہر دیس اور ہر زمانے کے انسانوں کو یہ چیزیں ملی ہیں... تاکہ وہ محبت اور نفرت کر سکے... بہادر یا بزدل بنے... نیک یا بدباطن... بے لوث یا مفاد پرست بن سکے... ان اطوار کو اپنانے سے فتح ملتی ہے یا پھر شکستوں کا محاذ مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے... ایک ایسے ہی میدان میں رونما ہونے والی کہانی... جہاں بیک وقت ہار اور جیت کا کھیل جاری تھا... زندگی اور موت دائو پر لگی تھی...

تلخ حقائق کی آئینہ دار..... تھرل سے بھرپور شاہکار.....

PakiBooks.site

ہم کوئی نئی ٹیم تلاش کرلیں؟''

انگلش میں چلانے والے اس شخص کا چہرہ ویڈیو کال پر شو ہو رہا تھا۔ اس کی آواز کا لہجہ اور چہرے کے نقوش چیخ چیخ کر اس کے ایشیائی ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔ اس نے پہلی بار باس کے چہرے پر بوکھلاہٹ دیکھی۔ وہ باس جو ہمیشہ ان کے لیے خوف اور دہشت کی علامت تھا، آج ایک غیر ملکی کے سامنے بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔

''نن نہیں سر، ہم پوری کوشش کریں گے یہ فٹ بال میچ رکوانے کی۔'' باس نے ہکلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''یہ کوشش بھی اسی طرح ہوگی جیسی اس سے پہلے کی گئی تھی؟ کیا ملا ہمیں وہ دھماکے کر کے جو ہم نے اس ملک کے دل پر کیے تھے؟ کچھ بھی نہیں، میچ پھر بھی ہوئے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ گھر سے نکلے۔ میدانوں کا رخ کیا اور پورے جذبے سے میچ دیکھے۔ تم وقتی طور پر خوف پھیلا دیتے ہو مگر ان کے چہرے پر پھیلنے والا ہراس، غیر محفوظ ہونے کا ڈر کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اگر پہلے جیسی ناکام کوشش کرنی ہے تو میں صاف بتا رہا ہوں، اس بار ناکامی کا مطلب موت ہے۔''

لیپ ٹاپ پر ظاہر ہونے والی اس کی شکل پر موجود سفاکی نے باس کے جسم میں سنسنی دوڑا دی تھی۔ وہ جانتا تھا کروڑوں روپے خرچ کرنے والے یہ لوگ، جب چاہیں اسے کسی چیونٹی کی طرح مسل دیں گے۔

''اس بار ناکامی نہیں ہوگی پیسہ آپ کا اور کام ہمارا۔'' باس نے اس بار اعتماد سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تمہارے تین مختلف اکاؤنٹس میں رقم منتقل کر دی جائے گی اور ہاں ایک بات غور سے سن لو۔'' کمرے میں موجود تینوں افراد کی سانس رک گئی۔ ''میچ رکوانا نہیں..... ایک ایسا دھماکا ہونا چاہیے کہ اگلے دس سال تک اس ملک میں کسی بھی کھیل کی کوئی انٹرنیشنل ٹیم نہیں آنی چاہیے۔'' اس نے گہری سانس لی اور بولا۔ ''آنے والی ٹیم کے پورے اسکواڈ سمیت کوچ، آفیشلز اور میدان میں موجود کوئی تماشائی زندہ نہ بچے، ڈیٹس آل۔'' اس کے ساتھ ہی ویڈیو کال بند ہوگئی۔

باس نے ماتھے پر آنے والا پسینہ رومال سے صاف کیا اور غصیلی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ''سن لیا سب؟ موت کا حکم جاری ہو جائے گا اگر اس بار ناکامی ہوئی..... پانی کی طرح پیسہ بہا رہے ہیں یہ لوگ اور رزلٹ کچھ نہیں دے رہے ہم..... کتنی مشکلوں سے میں نے اعتماد بنایا تھا، اب وہ ٹوٹ گیا تو یا تو مارے جائیں گے پھر ساری عمر جان بچاتے بھاگتے پھریں گے۔'' اس کا لہجہ اب دونوں پر اُتر رہا تھا۔ ''ایچ ون اور ایچ ٹو، ہمارے پاس صرف دس دن کا وقت ہے، چودہ اگست والے دن میچ اور ہمیں وہ پورا اسٹیڈیم اڑانا ہے، کچھ بھی کرو..... کسی بھی.....''

''ہم پوری کوشش کریں گے جناب۔'' ایچ ٹو کی خوشامدی آواز کمرے میں گونجی۔ ایچ ون حسبِ معمول خاموش تھا۔

''کوشش..... کیا کوشش۔'' اس بار باس کے منہ سے نکلنے والی غلیظ گالیوں نے کمرے میں شور مچایا۔ ''کوشش نہیں۔ کام کرو کام، خرید لو سب کو، ایک ایک سیکیورٹی گارڈ پر لاکھوں خرچ کرو، بکتے نہیں تو خاندان اڑا دو ان کا۔''

''اس میچ سمیت اسٹیڈیم کے ہر حصے پر سخت سیکیورٹی متعین ہے۔ یہ کام انتہائی مشکل ہے۔ ہمیں ایسا منصوبہ بنانا ہوگا جو مکمل طور پر ان سب کو بے بس کر سکے۔'' ایچ ون نے گفتگو میں پہلی بار حصہ لیا۔ باس نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایچ ون اس مشن کی ساری ذمے داری میں تمہیں سونپتا ہوں، ایچ ٹو تمہارے انڈر کام کرے گا اور ناکامی کا مطلب صرف اور صرف موت ہوگا۔''

ایچ ون کے چہرے کے تاثرات اسی طرح سپاٹ رہے مگر ایچ ٹو کے منہ کا زاویہ بگڑ گیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے ایچ ون کی طرف دیکھا جو باس کے ساتھ آنے والے دنوں کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ دھیمی آواز اور پُرسکون لہجے میں بولتا یہ شخص ہمیشہ اپنی ذہانت اور برتری ثابت کر دیتا تھا۔ باس ان دونوں کو ضروری ہدایات دے کر بنگلے سے روانہ ہوگیا۔

''مبارک ہو، ایک اور اہم مشن تم نے اپنی چیچہ گیری سے حاصل کرلیا۔'' ایچ ٹو کی بات سن کر وہ مسکرایا۔

''میں تمہیں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا، ہاں کل شام تک اگر مجھے پوری سیکیورٹی کی تفصیل نہ ملی تو میں باس سے کہہ کر کوئی نیا ماتحت ضرور ڈھونڈ لوں گا۔'' اس کے مخصوص لہجے نے ایچ ٹو کے تن بدن میں آگ لگا دی مگر باس کے ڈر سے وہ خاموش رہا۔

''اوکے۔'' وہ یہ کہہ لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد ایچ ون نے سگریٹ نکالی اور ایک نقشہ نکال کر بیٹھ گیا جہاں اسٹیڈیم پر سرخ نشان لگا ہوا تھا۔

☆☆☆

ٹھیک اسی وقت اسپورٹس کمیٹی کے سربراہ میڈیا کے سامنے فخر سے بیٹھے بول رہے تھے۔ ''ہمیں یہ بتاتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اٹلی جیسے ملک کی انڈر ٹوئنٹی فٹ بال ٹیم تین میچوں کے لیے ہمارے ملک پہنچ رہی ہے۔ ہمارے ملک میں فٹ بال کی بہتری کے لیے ایک اہم قدم ہے۔ ہم اس وقت بین الاقوامی سطح پر دنیا کی بہترین ڈیڑھ سو ٹیموں میں بھی شامل نہیں حالانکہ یہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ دیکھے اور کھیلے جانے والا کھیل ہے۔ انشاء اللہ فٹ بال میں بھی ہمارا مستقبل روشن ہے۔''

☆☆☆

''میں تمہیں کسی کا نہیں ہونے دوں گا، میرا وعدہ ہے تم سے۔'' اس نے مہناز کا ہاتھ پکڑ کر محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''لگتا ہے وحید صاحب آج کل انڈین فلمیں بہت شوق سے دیکھ رہے ہیں، ویسے یہ کس ہیرو کا ڈائیلاگ تھا؟''

اس نے شرارتی نظروں سے وحید کی آنکھوں میں دیکھا۔

''سلمان خان کا۔'' وہ مسکرایا۔

''اچھا میں تو سمجھی میرے ہیرو کا ہے۔'' اس کی سیاہ آنکھوں میں موجود محبت دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

''تمہیں مجھ سے کتنا پیار ہے مہناز؟''

''ہوگا کوئی چار پانچ کلو۔''

''میں بتاؤں مجھے کتنا ہے؟''

''بتائیں ذرا.....'' وہ جواب جانتی تھی مگر ہر لڑکی کی طرح اس کی فطرت میں بھی شامل تھی تسکین..... جو ہر روز اظہار چاہتی تھی۔

''مجھے بس یہ خبر ہے کہ میں تم بن مر جاؤں گا، ادھورا ہوں تم بن، نامکمل ہوں مہناز۔ تم میرا سب کچھ ہو، سب کچھ۔'' اسی وقت باہر سے کسی کے بولنے کی آواز آئی۔

''لگتا ہے بھائی آگئے، میں جا رہی ہوں، تم بھی جاؤ۔'' وہ گھبرا گئی۔ چھت سے چھت ملی ہوئی تھی۔ وحید چھوٹی سی دیوار سے کود کر دوسری جانب آگیا اور سیڑھیوں سے اترتی مہناز کی طرف مسکراتے ہوئے ہوا میں ہاتھ ہلایا۔ وہ بھاگتی ہوئی نیچے اُتر گئی۔ وحید بھی مسکراتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا کہ فٹ بال سے کھیلتا ہوا ولید نظر آیا۔ اس نے دبی آواز میں ولید کو پکارا۔

''ابو کہاں ہیں؟'' ولید نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے نیچے اترنے لگا مگر عقیل احمد کی نظروں سے بچ نہ سکا۔

''وحید۔'' انہوں نے پکارا۔

''جی ابو۔'' وہ پاس آکر بولا۔

''کیا کر رہے تھے چھت پر؟''

''کچھ نہیں، اوپر انٹرنیٹ کے سگنل اچھے آرہے تھے اس لیے گیا تھا۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

''اور یہ وائی فائی کس لیے لگوایا ہے میں نے جب جناب نے سم پر ہی انٹرنیٹ استعمال کرنا ہے۔'' وہ اسے گھورنے لگے۔

''میں نے سوچا ایم بی ضائع ہو رہے ہیں۔'' اس کا اگلا جھوٹ بھی کسی کام کا نہ رہا۔ اگلا آدھا گھنٹا شدید بے عزتی کروانے کے بعد جب وہ غصے سے بھرا کمرے میں آیا تو ولید پانی لیے کھڑا تھا۔

''یہ لے میرے بھائی، امی کہتی تھیں بے عزتی کے بعد ٹھنڈا پانی پینے سے بے عزتی کم محسوس ہوتی ہے۔'' وحید نے اس بوتھی پر اسے گھورا مگر بولا کچھ نہیں اور پانی کا گلاس چڑھا گیا۔ ''ویسے آپ آپی مہناز سے شادی کر لیں، کتنے دن اور چھپ چھپ کر ملیں گے۔'' ولید اس سے پانچ سال چھوٹا تھا مگر اس کے ہر راز سے واقف تھا۔

''آہستہ بول بندر..... ابو نے سن لیا تو گھر سے نکال دیں گے۔''

''عشق میں اتنی مشکلیں تو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔'' وہ شرارتی لہجے میں بھائی کو چھیڑنے لگا۔

''بس یہ تعلیم مکمل ہونے دے، میں اسے تیری بھابی بنا کر گھر لاؤں گا۔'' وہ مستقبل کے سہانے سپنے دیکھ رہا تھا مگر انسان ہمیشہ وقت، قسمت اور قدرت کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ مستقبل میں کیا ہوگا..... وحید اگر جان لیتا تو کبھی چین کی نیند نہ سو سکتا۔

☆☆☆

عقیل احمد کے دو بیٹے تھے۔ بائیس سال کا وحید احمد اور سترہ سال کا ولید احمد۔ ولید فرسٹ ایئر میں جبکہ وحید کمپیوٹر میں ماسٹرز کر رہا تھا۔ عقیل کی بیوی سکینہ دس سال پہلے بلڈ کینسر سے لڑتے ہوئے جان گنوا بیٹھی۔ عقیل ایک سخت مزاج باپ تھا اور بیوی کے مرنے کے بعد اس نے اولاد کی تربیت سخت ماحول میں کی تھی۔ عقیل ایک کالج کا پرنسپل اور

PakSociety.Site

اصولوں پر قائم رہنے والا شخص تھا۔ ان کے گھر میں کھانے پکانے اور دیگر گھریلو کاموں کی تمام ذمے داری عقیل کی بہن شہناز اور اس کی بیٹی مہناز نے اٹھا رکھی تھی۔ بچے جوان ہوئے تو عقیل نے شہناز کو منع کر دیا۔ اب مہناز ضروری کام کے سلسلے میں ہی گھر آتی تھی۔ مہناز اور وحید ہم عمر تھے۔ بچپن سے ساتھ کھیل کر جوان ہوئے۔ کب وہ ایک دوسرے کے لیے لازم ہو گئے، دونوں بے خبر تھے مگر محبت کا اظہار کرنے سے کبھی نہ ہچکچائے۔ عقیل اور شہناز ان باتوں سے بے خبر نہ تھے مگر مناسب وقت کے انتظار میں تھے کہ اچانک وہ ہوا جس کے متعلق کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔

وہ جنوری کی ایک سرد شام تھی جب دھند نے ہر چیز کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ عقیل کسی ضروری کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے مہناز کے گھر میں بھی کوئی نہ تھا۔ شہناز اور اس کا شوہر عبداللہ کسی تقریب میں شرکت کرنے کی وجہ سے گھر سے باہر تھے اور مہناز کا بھائی شہباز بھی گھر میں نہ تھا۔ وحید حسبِ معمول دیوار پھلانگ کر ان کی چھت پر آیا اور نیچے مہناز کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ جانتی تھی وحید ضرور آئے گا۔ پھر بھی اسے چھیڑنے کے لیے بولی۔ ''کیا لینے آئے ہو؟''

''بتاؤں تمہیں؟'' وہ آگے بڑھا۔

''نہیں، مجھے نہیں پوچھنا۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وحید آگے بڑھا اور مہناز کو بانہوں میں بھر لیا۔ سانسوں کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ جوانی کے جذبات بھڑکتے اچانک کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ وہ دونوں چونک کر الگ ہوئے۔ سامنے شہباز کھڑا تھا۔ اس کی مٹھیاں بند تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اچانک اس نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ مہناز کے منہ پر مارا۔ ''بے شرم۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے مہناز کو مارنا شروع کر دیا۔ وحید مزید چپ رہتا تو شاید وہ مہناز کی ہڈیاں توڑ دیتا۔

''اس کا قصور نہیں شہباز بھائی۔'' وہ مہناز اور شہباز کے درمیان آ گیا۔

''کتے نکل جا ہمارے گھر سے، تو اپنے ہی گھر کی عزت پر ڈاکا ڈال رہا تھا کمینے۔'' شہباز نے اسے دھکا دیا۔ وہ وحید سے قد اور جسامت میں زیادہ تھا لیکن گالی سن کر وحید کے اندر غصہ بھر گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر شہباز کا گریبان پکڑ لیا۔

''گالی مت دو شہباز، اور ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔''

''جھوٹ مت بول کمینے۔'' شہباز کے منہ سے گالیوں کا طوفان اُبل پڑا۔ شہباز نے اس مارنے کی کوشش کی مگر وحید بھی کم نہ تھا۔ اگلے کچھ منٹ میں کمرے کا کافی سامان ٹوٹ گیا۔ وحید کا سر پھٹ چکا تھا اور شہباز کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ مہناز خوف سے چلا رہی تھی۔ اب وہ دونوں کمرے سے باہر برآمدے میں لڑ رہے تھے۔ اچانک کوئی بھاگتا ہوا ان کے درمیان آ گیا۔ یہ عبداللہ تھے۔

''شہباز، وحید یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ان کی آواز سن کر دونوں رک گئے۔

''ابو اسے نکالیں گھر سے، اس نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔'' شہباز نے ناک سے خون صاف کرتے ہوئے باپ کو سب بتا دیا۔ عبداللہ نے سرد نظروں سے وحید کو دیکھا اور گھر سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ چپ چاپ چلا گیا۔ اپنے گھر جانے کے بجائے قریب ہی موجود ڈاکٹر سے سر پر پٹی اور دیگر خراشوں پر مرہم لگانے کے بعد وہ کچھ دیر باہر گھومتا رہا۔ وہ جانتا تھا اب ان دونوں گھروں میں طوفان آئے گا۔ شہباز بھی عقیل احمد جیسا سخت مزاج تھا۔ عمر میں وحید سے کوئی دو تین سال بڑا ہو گا۔ دو گھنٹے بعد وحید گھر آیا تو ولید دروازے پر ملا۔ ''ابو کے سامنے ابھی مت جاؤ بھائی۔''

''کیوں؟''

''بہت غصے میں ہیں، آپ کو ماریں گے۔'' ولید کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

''تم کیوں رو رہے ہو پاگل، مار تو مجھے پڑنی ہے۔'' ولید روتے ہوئے اس سے لپٹ گیا۔

''وہ آپ کو گھر سے نکالنے والے ہیں، انہوں نے آپ کا سامان بھی باندھ کر رکھ دیا ہے۔'' اس نے دھماکا کیا۔

''کیا......؟'' وہ کانپ کر رہ گیا۔ عقیل سخت تھا مگر یوں اسے گھر سے نکالنے پر اُتر آئے گا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے ولید کو خود سے الگ کیا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ برآمدے میں کرسی پر بیٹھے عقیل احمد کا چہرہ سپاٹ تھا۔ یہ طوفان گزر جانے کے بعد کی خاموشی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ اندر بڑھا اور اس کا سامان اٹھا کر لایا۔ ایک بیگ میں اس کے کپڑے اور جوتے تھے۔ یہی تھا کل اثاثہ اس کا...... اس گھر میں اس کا مکمل حصہ۔

''ابو، میری بات تو سنیں......'' اس نے عقیل کو پکارا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا وحید، میرے گھر سے نکل جاؤ اور تمہیں اپنی ماں کی قسم میرے جنازے میں بھی شرکت مت کرنا۔'' وحید کے کندھے جھک گئے۔ اس نے چپ چاپ سامان اٹھایا اور باہر کی جانب چل دیا۔ ولید اس سے لپٹ گیا۔

''بھائی نہ جاؤ۔ پلیز بھائی۔'' اس نے ماتھا چوم کر ولید کو خود سے الگ کیا اور باہر کی جانب چل دیا۔ وہ جانتا تھا باپ کا فیصلہ ساری زندگی تبدیل نہیں ہو گا۔

☆☆☆

ایچ ٹو، ایچ ون کے سامنے بیٹھا اسے معلومات دے رہا تھا۔ ''اسٹیڈیم میں داخل ہونے سے پہلے ہر شخص کی کم از کم تین بار تلاشی ہو گی، چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی چھپا کر لے جانا ناممکن ہے۔ اس بار سیکیورٹی اتنی سخت ہے کہ سیل فون پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے، اس اسٹیڈیم میں کئی ہزار تماشائی بٹھانے کا انتظام ہے۔ اس کے لیے ایک ایسے طاقت ور بم کی ضرورت ہے جو پورے اسٹیڈیم کو اڑا کر رکھ دے۔'' ایچ ٹو نے بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے طاقت ور بم کا ان چند دنوں میں بندوبست کرنا مشکل ہے۔ ہم مختلف جگہوں پر چار یا پانچ بم لگا سکتے ہیں جو ایک وقت میں ہر چیز کو تباہ کر دیں۔'' ایچ ٹو نے اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ طریقہ زیادہ بہتر رہے گا مگر یہ بم لگائے گا کون؟ وقت کیا ہو گا اور سیکیورٹی کو کس طرح مفلوج کریں گے؟''

''میچ شروع ہو گا سہ پہر تین بجے اور تماشائیوں کی آمد گیارہ بجے سے شروع ہو جائے گی۔ بم ہمیں تیرہ اگست کی رات یا چودہ اگست کی صبح فکس کرنے ہوں گے اور رہی بات سیکیورٹی کی تو میدان میں موجود تمام سیکیورٹی کیمرے اور کمپیوٹر سے کنٹرول ہونے والی ہر چیز کم از کم ایک گھنٹے کے لیے ہیک کر لی جائے گی۔''

''اور انسان کیسے ہیک کریں گے؟'' ایچ ٹو نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''انسانوں کو ہیک کرنے کا آسان طریقہ ہے پیسہ، ایک ایک سیکیورٹی گارڈ خریدا جائے گا جو بکتا نہیں، اس کو مجبور کریں گے اور یہ کام ایک دو دن میں شروع کرنا ہے۔''

ایچ ٹو سے مزید باتیں ڈسکس کرنے کے بعد ایچ ون نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے جاتے ہی وہ اپنے کمرے میں آیا اور بیڈ پر پڑا بیگ اٹھا کر ضروری سامان نکالنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کا حلیہ مکمل تبدیل ہو چکا تھا۔ چہرے پر نظر کا نفیس چشمہ لگائے، پینٹ شرٹ میں ملبوس، نہیں سے بھی کچھ دیر پہلے والا شخص نہیں لگ رہا تھا جو ہزاروں لوگوں کی جان لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ جیب سے سیل نکال کر اس نے نئی سم لگائی اور ایک نمبر ملایا۔ دوسری جانب سے آواز سنائی دیتے ہی وہ بولا۔ ''تیار ہو؟''

''جی سر۔'' یہ ایک لڑکی کی آواز تھی۔

''اوکے! باقی دونوں کو بھی تیار رکھو اور وین بھی۔'' اس نے مزید ہدایات دیں اور کمرے سے باہر آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں اس کی منزل ایک ہوٹل تھا جس کے گیٹ پر ایک مشہور ٹی وی چینل کا لیبل لگائے ایک لڑکی اور اس کے ساتھ ایک کیمرا مین کھڑا تھا۔ نوجوان کے ہاتھ سے کیمرا لے کر اس نے اپنی گاڑی لے جانے کا اشارہ کیا اور لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''امید ہے ہمیں دیر نہیں ہوئی روبی۔''

''نو سر۔'' روبی نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

''گڈ......'' وین فٹ بال اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گئی جہاں آزادی کپ کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ اسٹیڈیم سے آدھا کلومیٹر دور ہی انہیں روک لیا گیا۔ روبی باہر نکلی اور اپنا کارڈ دکھا کر بولی۔

''روبینہ ناز فرام......'' اور ایک مشہور پرائیویٹ چینل کا نام بتایا۔ ''یہ میرے ساتھ اسد ہیں کیمرا مین۔'' اس نے ایچ ون کی طرف اشارہ کیا۔ ایچ ون نے اپنا کارڈ نکال کر دکھایا۔ سیکیورٹی انچارج نے ان کی مکمل تلاشی لی اور ضروری ہدایات کے بعد کہا۔

''ویسے ابھی تو نو دن باقی ہیں، آپ لوگ کیا کرنے تشریف لائے ہیں؟''

''ہم یہاں تیاریوں کا جائزہ لیں گے اور اسٹیڈیم کی سیکیورٹی کی تفصیل لوگوں کو بتائیں گے کہ یہ جگہ میچ دیکھنے کے لیے بالکل محفوظ ہے۔'' روبی مسکرائی۔ سیکیورٹی انچارج نے انہیں اسٹیڈیم میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ ان کو چالیس منٹ کا وقت دیا گیا تھا۔ ایچ ون اس دوران عقابی نظروں سے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ روبی سمیت وہاں موجود ہر شخص اس بات سے بے خبر تھا کہ خاص خصوصیات کا حامل ایچ ون کے ہاتھ میں موجود کیمرا اسٹیڈیم سے باہر بھی موجود ہر چیز ریکارڈ کر رہا تھا۔ میدان میں جاتے ہی روبی نے مائیک منہ سے لگا لیا اور نان اسٹاپ بولنا شروع کر دیا۔

''جی ناظرین ہم اس وقت فٹ بال اسٹیڈیم میں موجود ہیں۔ اس اسٹیڈیم میں شائقین کی دلچسپی کی خاطر

تماشائیوں کی گنجائش بڑھا دی گئی ہے۔ سیکیورٹی کی بات کریں تو ہر طرف ہمیں سیکیورٹی کیمرے گردش کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اسٹیڈیم سے باہر آدھا کلو میٹر دور سے چیکنگ شروع ہو گی اور کم از کم تین جگہوں پر لوگوں کی تلاشی لی جائے گی۔'' ایچ ون اس دوران اسٹیڈیم کا کونا کونا اپنے کیمرے میں محفوظ کر رہا تھا۔ روبی کی رپورٹنگ جاری تھی۔

''ہمارے ساتھ اسٹیڈیم کے سیکیورٹی انچارج موجود ہیں، ان سے ہم کچھ سوالات پوچھیں گے۔'' اس کے ساتھ ہی کیمرے کا رخ سیکیورٹی انچارج کی طرف ہو گیا۔ ''سر آپ کے خیال میں تمام انتظام مکمل ہیں اور سیکیورٹی فول پروف ہے؟''

''کافی حد تک ہم اس میدان کو محفوظ بنا چکے ہیں لیکن چودہ اگست سے دو دن پہلے ہم تمام انتظامات کا جائزہ نئے سرے سے لیں گے، اس کے علاوہ ہر قسم کی ہنگامی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے ہم تیار ہیں۔'' سیکیورٹی انچارج نے مزید تفصیل بتائی۔

''سننے میں آ رہا ہے اسٹیڈیم کی فضا سے بھی نگرانی کی جائے گی؟''

''جی بالکل، ابھی اس بارے میں معاملات طے ہو رہے ہیں ہم اپنے شہریوں کو محفوظ ماحول فراہم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔'' ان کو دیا گیا وقت پورا ہو چکا تھا۔ روبی اور ایچ ون واپس چل دیے۔

''کیا خیال ہے اتنے سے کام ہو جائے گا؟'' وین میں بیٹھتے ہی روبی نے پوچھا۔

''کافی حد تک۔'' وہ مسکرایا۔ ایک گھنٹے بعد وہ واپس اپنے اصلی حلیے میں اپنے ایک بنگلے میں بیٹھا ریکارڈ کی گئی ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ہر چند سیکنڈ بعد وہ اسٹاپ کر کے میدان کے ہر کونے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ساتھ ہی نقشے پر اس نے اسٹیڈیم کے مختلف حصوں پر نشان لگانے شروع کر دیے۔ جہاں جہاں سرخ نشان لگا رہا تھا، وہاں سیکڑوں لوگوں کی جان لینے کا سامان فکس ہونا تھا۔

☆☆☆

بائیس سال کا وہ نوجوان گھر سے نکالے جانے کے بعد ایک دوست کے پاس ٹھہرا۔ قیصر کے بار بار پوچھنے کے باوجود وحید نے اسے کچھ نہ بتایا۔ آخر تنگ آ کر وہ جھلاہٹ سے بولا۔ ''تیرے پاس دو دن رہنے کی جگہ ہے یا میں جاؤں کسی کے پاس؟'' قیصر چپ کر گیا۔ اس کے بعد اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ یہ دوسرے دن صبح کی بات ہے جب وہ صبح اٹھا تو بیٹھک کے پاس ہی قیصر کے باپ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ''یہ کون ہے قیصر؟''

''ابو، دوست ہے میرا۔''

''یہاں کیا کرنے آیا ہے اور سامان کیوں ساتھ میں لایا ہے کہیں اور رہنے کا بندوبست کیوں نہیں کر رہا، سر پہ چٹیا بھی لگی ہے کوئی غنڈا تو نہیں؟'' ان کا چبھتا لہجہ قیصر سے زیادہ اسے محسوس ہو رہا تھا۔

''بس دو دن کے لیے آیا ہے پھر چلا جائے گا۔''

''دیکھو قیصر ہمارا گھر کوئی ہوٹل نہیں ہے اور اپنے دوست کو بھی بتا دو جو مفت خوروں کی طرح منہ اٹھائے کل سے روٹیاں توڑ رہا ہے۔'' رات کو قیصر کے اصرار پر اس نے صرف آدھی روٹی کھائی تھی۔ توہین کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اٹھا اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آیا۔ اسی دوران قیصر اسے دیکھ کر پیچھے لپکا۔

''وحید کہاں جا رہے ہو؟'' اس کی نظریں شرمندگی سے جھکی ہوئی تھیں۔

''سوری یار قیصر میں نے تمہیں بلاوجہ تکلیف دی، اب چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ مڑا اور باہر نکل گیا۔ قیصر نے پکارا مگر وہ رکا نہیں۔ جیب میں موجود چند سو روپے اس کی کل دولت تھے۔ وہ بس پر سوار ہوا اور شہر چلا آیا۔ بازار میں کافی دیر آوارہ گھومنے کے بعد شام ہوتے ہی ایک پارک میں چلا آیا۔ وہاں ایک بینچ پر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ پیٹ خالی تھا مگر پیسے بچانے کی خاطر اس نے پورا دن صرف ایک سموسے پر گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے دو دن اس کے یونہی آوارگی کرتے گزرے تھے۔

تیسری رات وہ پارک میں سو رہا تھا تو ایک شخص اس کے پاس آیا۔ ''کہاں سے ہو؟'' قریب بیٹھ کر اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

''تم سے مطلب؟'' بڑوں کا احترام کرنے والے وحید کو بھوک اور بے ٹھکانا ہونے کے احساس نے کب بدتمیز بنا دیا تھا، وہ خود بے خبر تھا۔

''میں دو دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں، شکل و صورت اور لباس سے تو کسی اچھے گھر کے لگتے ہو؟''

''نہیں ہے میرا کوئی گھر، نہ میں کسی کا ہوں۔'' وہ چلایا۔ اجنبی مسکرا دیا۔

''چڑچڑے ہو رہے ہو شاید گھر سے نکال دیے گئے ہو، خیر آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

''کہاں؟'' نرم لہجہ اسے کمزور کر رہا تھا۔ ''اور تم جو کون؟''

''میں تم جیسے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کی مدد کرتا ہوں، آؤ میرے ساتھ، رہائش، جاب اور دنیا کی ہر سہولت دوں گا۔'' اجنبی کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وحید کا دل اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ بھوک تو تہذیب کے آداب بھلا دیتی ہے یہاں صرف ایک اجنبی پر بھروسا کرنا تھا۔ ویسے بھی دو دن فٹ پاتھ پر بکنے والے گھٹیا سموسے کھا کر اس کا معدہ اتنا خراب ہو چکا تھا کہ مزید کسی قسم کی مزاحمت کی اس کے اندر ہمت نہ تھی۔ وہ چپ چاپ اس اجنبی کے ساتھ چل دیا۔ اجنبی کے پاس مہنگی کار تھی۔ اس نے اپنا نام زبیر بتایا۔ وہ اسے ایک پوش علاقے میں لے آیا جہاں ایک بڑی سی کوٹھی ان کی منزل تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے وحید کی طرف دیکھا۔

''اتنے بڑے گھر میں آپ اکیلے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں کچھ عرصہ پہلے میری بیوی کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تب سے اکیلا ہوں میں۔'' وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ ایک صوفے پر بٹھا کر وہ اندر گیا اور فریج سے کولڈ ڈرنک نکال کر اسے دی۔

''آپ نے کوئی نوکر نہیں رکھا نہ کوئی چوکیدار؟'' کولڈ ڈرنک کو ایک سانس میں چڑھا کر وحید نے دماغ میں آنے والے سوال کو الفاظ کی شکل دی۔

''میں اپنے کام خود کرنا پسند کرتا ہوں، رہی بات چوکیداری کی تو وہ گھر کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور میرا گھر اپنی حفاظت خود کرتا ہے۔'' اس نے پراسرار لہجے میں جواب دیا۔

وہ شخص اسے عجیب لگ رہا تھا۔ فریج سے کھانا نکال کر اس نے اوون میں گرم کیا اور وحید کے سامنے رکھا۔ ''لو پیٹ بھر کر کھا لو۔'' وہ بھوکا تھا۔ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ پیٹ بھرتے ہی نیند نے گھیر لیا اور وہ نرم صوفے پر گہری نیند سو گیا۔ آنکھ کھلی تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ آنکھ بلاوجہ نہیں کھلی تھی۔ ایک ہاتھ اس کے چہرے پر گھوم رہا تھا۔ ہاتھ کی حرکت نے جسم کے نچلے حصے کی جانب سفر شروع کر دیا۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔

''ی...... یہ کک کیا کر رہے ہیں زبیر صاحب؟'' اس نے زبیر کو پیچھے دھکیلا۔

''تجھے سب دوں گا پر میرا کہنا مان لے۔'' وہ دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔ وحید نے اسے دھکا دیا مگر اس کے جسم میں کہیں زیادہ طاقت تھی۔ وحید نے پوری قوت سے دھکیلا اور بھاگنے کی کوشش کی مگر اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ زبیر دوبارہ اس پر سوار ہو گیا۔ وحید خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر چلائے۔ لیکن کچھ ہاتھ میں نہ آیا۔ اچانک اسے لگا جیسے زبیر کو کسی نے اوپر سے ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک اور اجنبی شخص تھا۔ اس کی شکل حیرت انگیز طور پر زبیر سے ملتی جلتی تھی۔ نجانے وہ کب اور کیسے یہاں پہنچ گیا۔

''ذلیل تو شیطان ہے۔'' اجنبی چیخا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں موجود خنجر کے کئی وار کر کے زبیر کا پیٹ پھاڑ دیا۔ زبیر کی چیخوں سے کمرا گونج رہا تھا۔ چند منٹ بعد ہی اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ وحید حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

''کون ہو تم اور کہاں سے لایا ہے یہ شیطان تمہیں؟'' اجنبی اس کی جانب مڑا۔ اس کے لب و لہجے اور تاثرات سے کہیں یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کچھ منٹ پہلے ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے جس کا گرم خون کمرے میں موجود قالین کو بھگو رہا تھا۔ وحید نے ہکلاتے ہوئے اسے اپنے بارے میں سب بتا دیا۔

''آپ کون ہیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''بھائی ہوں میں اس کا، بابا نے ساری جائداد اس کے نام کر دی تھی اور میں آج کل پیسوں کی خاطر لوگوں کو مارتا پھر رہا ہوں۔'' وہ ابھی تک غصے میں تھا۔

''زبیر کئی نوجوانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا چکا ہے۔ میں نے پیسے مانگے تھے اس سے، نہیں دے رہا تھا۔ کمینے نے سیف میں سب کچھ رکھا ہے جو پاسورڈ سے کھلتا ہے۔'' وہ بے بسی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

''مم...... میں کھول سکتا ہوں، ایسے پاسورڈ توڑے جا سکتے ہیں۔'' اس کی بات سن کر وہ لپک کر اس کے پاس آیا۔

''کک کیسے؟ جلدی بتاؤ؟''

''میں نے کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کی ہے، کچھ جنرل پاسورڈز ہوتے ہیں جو آسانی سے ان سیف کو کھول سکتے ہیں۔ مجھے بس سیف دیکھنا ہو گا۔''

''میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں دکھاتا ہوں۔'' وہ اسے لے کر زبیر کے بیڈ روم کی جانب بڑھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''وحید اور آپ کا؟''

PakiBooks.site

"ناصر۔" اس نے بتایا پھر بولا۔ "یہ دیکھو۔" بیڈروم میں لگی ایک الماری کے ساتھ ہی جدید قسم کا سیف لگا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سیف کی سائڈ پر لکھا اس کا ماڈل دیکھا۔

"یہ کھل سکتا ہے آسانی سے، آپ کے پاس سیل فون ہے؟" ناصر نے جدید ماڈل کا سیل نکال کر دیا۔ کچھ دیر اسکرین پر انگلیاں چلانے کے بعد وحید نے آئی ٹی کی ایک ویب سائٹ کھولی جس کی ممبر شپ اس نے چند دن پہلے ہی حاصل کی تھی۔ اس ویب سائٹ کا علم بہت کم لوگوں کو تھا اور اس کی ممبر شپ مہنگی تھی۔ لاگ ان ہوتے ہی اس نے سیف کا ماڈل لکھ کر سرچ کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے جنرل پاسورڈز کی ایک لسٹ تھی۔ پہلا پاسورڈ غلط نکلا مگر دوسرا پاسورڈ ملاتے ہی سیف کھل گیا۔ یہاں نوٹوں کی گڈیاں ایک قطار میں پڑی تھیں۔

ناصر خوشی سے اچھل پڑا۔ "یس..... تم تو کام کے آدمی نکلے۔" اس نے قریب ہی الماری سے ایک بیگ نکالا اور پیسے اس میں بھرنے شروع کر دیے۔ یہ لاکھوں روپے تھے۔ "آؤ میرے ساتھ۔" سارے پیسے نکالنے کے بعد ناصر نے اسے اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد دونوں اس کوٹھی میں ایک لاش چھوڑ کر لاکھوں روپے لے کر فرار ہو رہے تھے۔

☆☆☆

میٹنگ روم میں وہ تینوں موجود تھے۔ سامنے لگی بڑی اسکرین پر ایچ ون کی، کی گئی ریکارڈنگ چل رہی تھی اور ساتھ ساتھ وہ بتا رہا تھا۔ "میدان کے باہر سخت چیکنگ ضرور ہوگی مگر صرف چودہ اگست کے دن، اس سے پہلے ایک دن ہم اپنا کام مکمل کریں گے یعنی ٹائم بم لگانے کا۔ ایک بم پارکنگ میں ایک کار میں ہوگا۔ یہ سب سے پہلے بلاسٹ ہوگا۔ باقی بم ٹھیک دو منٹ بعد ہوں گے۔ تین بم اسٹیڈیم میں موجود تمام لوگوں کے درمیان تین مختلف جگہوں پر ہوں گے۔" اس نے مزید تفصیلات بتائی۔

"پارکنگ والا بم سب سے پہلے بلاسٹ کرنے کی کوئی اہم وجہ؟" باس نے پوچھا۔

"جی سر، دو منٹ میں سب کی توجہ ادھر ہوگی اس دوران ٹیمیں بھی اسٹیڈیم سے باہر آنے کی کوشش کریں گی اور افراتفری میں ہماری عوام ہمیشہ زیادہ نقصان کروا بیٹھتی ہے۔" آخری الفاظ تلخ مگر سچ تھے۔

"دو منٹ میں کافی لوگ اسٹیڈیم سے باہر بھی بھاگ سکتے ہیں؟" ایچ ٹو نے سوال اٹھایا۔

"نہیں، ایک بم مین گیٹ کے پاس ہوگا، پورا اسٹیڈیم اڑے گا تو کوئی زندہ نہیں بچے گا۔" باس نے تفریحی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اب آگیا اصل کام۔" ایچ ون نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔ "اسٹیڈیم کی چیکنگ صبح سات بجے دوبارہ ہوگی اور ان کا ہیڈ ہمارا آدمی ہوگا۔" اس کی بات سن کر ایچ ٹو چونک گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"کیسے؟"

"سیکیورٹی انچارج دانش سعید کی فیملی میں شامل ہے اس کی بیوی سدرہ اور اس کی اکلوتی بیٹی شاہین، شاہین ہمارا اگلا ٹارگٹ ہے، اسے کل اغوا کیا جائے گا۔ وہ صبح آٹھ بجے اپنی ماں کے ساتھ ہی کالج جاتی ہے اس کی ماں اسی کالج میں پڑھاتی ہے۔ سدرہ کو اغوا نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ اپنے شوہر کو اصول توڑنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ شاہین ہمارے قبضے میں رہے گی اور جو کام ہم کہیں گے وہی دانش کرے گا۔" ایچ ون نے بات مکمل کر کے ایچ ٹو کی طرف دیکھا جس نے ایک اور سوال تیار کیا ہوا تھا۔

"فرض کیا، تمہارا یہ پلان کامیاب ہو جائے تو ہم دانش سے کون کون سے کام لے سکتے ہیں؟"

"تیرہ اگست کی رات اسٹیڈیم کے اندر بم فکس کرنے دو افراد جائیں گے۔ ان کی انٹری سے لے کر ان کی حفاظت کو یقینی بنانا دانش کا کام ہوگا۔ چودہ اگست کی صبح جو ٹیم میدان کی دوبارہ چیکنگ کرے گی، اس کا لیڈر ہمارا آدمی ہوگا، اس کی وضاحت میں باس سے کر چکا ہوں، اس ٹیم کے لیڈر کے اکاؤنٹ میں ایک کروڑ جمع کروایا جا چکا ہے، وہ ان حصوں کی خود چیکنگ کرے گا جہاں پر بم فکس ہیں۔ اسے خریدا جا چکا ہے اور دانش اس بات سے باخبر ہو کر بھی خاموش رہے گا۔"

"تمہارا پلان اچھا ہے ایچ ون، غلطی کی گنجائش نہیں..... احتیاط سے سب کام مکمل کرو، جتنے پیسے خرچ ہوتے ہیں کرو پر اس بار سرکار کو خوش ہونا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ باس اور ایچ ٹو کے رخصت ہوتے ہی ایچ ون اپنے کمرے میں آگیا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور دوسری سم ڈال کر کال ملائی۔

"دلاور، اپنے دو ساتھیوں کو تیار رکھو کل لڑکی تمہارے پاس ہونی چاہیے۔" مزید ہدایات دے کر اس نے کال بند کر دی۔ دلاور بھروسے کا آدمی تھا۔ وہ یہ کام آسانی سے کر لیتا۔ اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر

ہونٹوں سے لگائی اور مستقبل کی سوچوں میں کھو گیا۔

☆☆☆

گاڑی آج سدرہ کو خود ڈرائیو کرنی پڑی۔ ڈرائیور دو دن پہلے ایک ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گیا تھا۔ سدرہ کے ساتھ سیکیورٹی گارڈ جبکہ پچھلی سیٹ پر شاہین آ بیٹھی۔ "مما، پاپا ایک ماہ سے گھر نہیں آئے، میں یاد کر رہی ہوں انہیں۔" اس نے بیٹھتے ہی شکوہ کیا۔

"آجائیں گے مصروف ہیں۔ فٹ بال ٹیم آ رہی ہے ناں اس کی سیکیورٹی کی تمام ذمے داری انہی کے ذمے ہے۔" سدرہ نے توجہ سامنے مرکوز رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور یہ ڈرائیور صاحب کب ٹھیک ہوں گے؟" اس نے ایک اور سوال پوچھا۔

"پتا نہیں، ایک دو ہفتے کا ریسٹ تو کرنا پڑے گا بے چارے کو کافی چوٹیں آئی ہیں۔" وہ مین شہر سے کچھ پیچھے تھے کہ اچانک ایک بائیک ان کے سامنے آ کر رکی۔ بائیک پر سوار شخص نے دھول سے بچنے والا ماسک چہرے پر لگا رکھا تھا۔ سدرہ نے یکدم بریک لگایا اور غصے کی شدت سے چلائی۔ "اندھے ہو گیا؟" مگر تب تک سامنے والا "اندھا" اپنا کام کر چکا تھا۔ سائلنسر لگے پسٹل سے نکلنے والی گولی خاموش بیٹھے سیکیورٹی گارڈ کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر گئی۔ اگلی گولی سدرہ کے بازو میں لگی۔ شاہین اور سدرہ کے حلق سے نکلنے والی چیخوں سے ویرانہ گونج اٹھا۔ شاہین چلا رہی تھی۔

"مما..... مما۔" اسی دوران ایک اور گاڑی ان کے پاس رکی۔ سامنے والے فرنٹ ڈور سے ایک شخص تیزی سے اُتر کر ان کی گاڑی کی جانب بڑھا۔ اس نے بھی چہرے پر نقاب چڑھا رکھا تھا۔ ان کی گاڑی کا شیشہ توڑ کر اس نے اندر ہاتھ ڈالا اور ڈور ان لاک کر دیا۔ اس کی مدد کے لیے ایک اور شخص بھی آ پہنچا۔ ان دونوں نے مل کر شاہین کو باہر گھسیٹ لیا۔ بائیک پر سوار شخص اپنا کام مکمل کر کے غائب ہو چکا تھا۔ سدرہ چلا رہی تھی مگر درد اسے بے حال کر رہا تھا۔ شاہین خوف کی شدت سے بے ہوش ہو گئی۔ انہوں نے شاہین کو گاڑی میں ڈالا اور گاڑی دوڑا لی۔ سدرہ نے دروازہ کھول کر باہر آنا چاہا مگر تب تک اس کی برداشت جواب دے گئی۔ بے ہوش ہو کر گرنے سے پہلے اس کی زبان سے آخری بار نکلا۔ "شاہین....."

بے ہوش شاہین کو وہ دونوں شہر سے کافی دور ایک فارم ہاؤس میں لے آئے۔ ایک کمرے میں بند کر کے ان کے لیڈر دلاور نے کال ملائی۔ "ایچ ون سر۔" دوسری جانب سے آواز سنائی دیتے ہی وہ بولا۔ "کام ہو گیا، فارم ہاؤس پر لڑکی موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں، کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں، ان کے سیکیورٹی گارڈ کو مارنا پڑا باقی سب کام ٹھیک ہوا ہے۔ میڈم زخمی ہوئی ہیں مگر امید ہے بچ جائیں گی۔" میڈم کا لفظ سدرہ کے لیے تھا۔

"گڈ، میں ایک گھنٹے تک آ رہا ہوں۔" کال بند ہو گئی۔ دلاور کے ساتھ موجود جہانگیر نے اس کی طرف مسکرا کے دیکھا۔ "باس کا دل تو نہیں آ گیا لڑکی پر؟"

"نہیں، یہ لمبا کھیل ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے۔" اس نے جواب دیا اور دوبارہ کال ملائی۔ "ہاں شبیر، میڈم کا کیا حال ہے؟"

"زندہ ہیں اور اسپتال میں ہیں۔ دانش سعید بھی جلد پہنچ جائے گا یہاں۔"

"او کے ٹھیک ہے۔ تمہارا کام ختم، اب نکلو وہاں سے۔" شبیر نے "او کے" کہہ کر کال بند کر دی۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد ایچ ون وہاں موجود تھا۔

"دلاور تم شہر جاؤ۔" اس نے پتا سمجھایا۔ "وہاں ایک فلیٹ ہے، اس فلیٹ میں بیٹھ کر تمہیں دانش سعید کو کال کرنی ہے اور جو تمہیں سمجھایا ہے، وہ سب کہہ دینا۔" اس نے مزید ہدایات دیں۔ "باقی ساری باتیں اسکائپ پر کی جائیں گی۔"

دلاور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد دانش اسکائپ پر موجود اپنی بیٹی کو ویڈیو کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ شاہین بالکل بے لباس تھی۔ دانش ایک باپ تھا۔ اس کے کندھے جھک گئے۔ وہ بے بسی سے چلا اٹھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا سامنے آؤ، کتے۔"

لیپ ٹاپ کے پیچھے موجود شخص بولا۔ "سر جی..... اتنا غصہ کیوں کرتے ہیں ابھی تو شروعات ہیں۔ ہم نے آپ کی بیٹی کی جوانی سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ یہ "ان ٹچ" ہے جب تک آپ ہمارا کام نہیں کر دیتے۔"

"کیا کام؟" اس کی آواز میں شکست نمایاں تھی۔ ایچ ون کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آپ کی بیٹی اگلے چھ دن ہمارے پاس ہے اس دوران آپ نے اسے چھڑانے کی کوئی کوشش کی تو میں ایک

ایک آدمی کو اس کمرے میں بھیجتا رہوں گا اور وہ جو کرے گا آپ خود سمجھ جاؤ۔ تیرہ اگست کی رات ہمارے دو آدمی آپ کے پاس مہمان آئیں گے۔ فٹ بال اسٹیڈیم میں، وہ وہاں آزادی سے گھوم پھر کر جو کریں کوئی دخل نہ دے، سیکیورٹی کیمرے اور کمپیوٹرز کا کام میں تم سے نہیں لے رہا، وہ میں خود کرلوں گا۔ دوسرے دن بم ڈسپوزل اسکواڈ اور اس ٹیم کا لیڈر جو پورے گراؤنڈ کی سیکیورٹی کا دوبارہ جائزہ لے گا، اس کو اپنی مرضی کا کام کرنے دیا جائے گا، اوکے؟'' ایچ ون نے مطالبے سامنے رکھے۔

''تم کرنا کیا چاہتے ہو؟''

''وہ تمہارا سر درد نہیں۔''

''میں یہ کام نہیں کرسکتا وہاں میرے علاوہ بھی کئی لوگ سیکیورٹی میں شامل ہیں۔''

''ٹھیک ہے یہاں میرے علاوہ بھی کئی لوگ موجود ہیں جو شاہین کے ساتھ رات گزار کر خوشی محسوس کریں گے۔'' اس کے لہجے میں موجود سفاکیت محسوس کر کے دانش نے ہارے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گا۔''

''کوشش نہیں کرنی ہے، آپ اپنی بیٹی کو یقیناً محفوظ دیکھنا چاہیں گے۔''

''اوکے۔'' اس کے ساتھ ہی کال بند ہوگئی۔ ایچ ون نے دلاور کو کال ملائی۔

''آدھے گھنٹے بعد میں یہاں سے نکل رہا ہوں۔ امید ہے دانش کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا لیکن ہمیں شاہین کو دوسرے شہر منتقل کر دینا چاہیے اور یہ کام آج ہی کردو۔'' اس نے دلاور کو تمام باتیں سمجھائیں اور خود باہر آگیا۔

☆☆☆

گھر سے نکلنے والے کیسے در بدر بھٹکتے ہیں اور اپنا گھر کیا چیز ہوتی ہے یہ وحید کو ان چند دنوں میں سمجھ آگیا تھا۔ ناصر اسے اپنے ساتھ لے کر شہر سے دور کچی بستیوں میں لے آیا جہاں جرائم پیشہ لوگ آباد تھے۔ ایک کچے مکان کے کمرے میں چارپائی پر بٹھا کر ناصر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ ''تم ابھی نوجوان ہو، تمہارے آگے ایک لمبی زندگی ہے اور جو زندگی میں گزار رہا ہوں، اس کا کوئی مستقبل نہیں، مجھے تو میرے بھائی کی ناانصافیوں نے انجانی منزلوں کا مسافر بنا دیا ہے، تم چاہو تو میں تمہیں ان پیسوں میں سے آدھے پیسے دے کر رخصت کر دیتا ہوں، اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرلو اور اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو باس تمہیں ضرور پسند کرے گا، تم کام کے آدمی ہو۔''

''یہ باس کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہے ایک نامعلوم شخص، ان کچی بستی والوں سے کئی طرح کے کام لیتا ہے اور بدلے میں ان کا حصہ یہیں پہنچا دیتا ہے، اس بستی کا حاکم سمجھ لو بہت پیسے والا آدمی ہے، ہمارے کئی لوگ اس کی خاطر جیل جاتے ہیں اور وہ ان کے خاندان کو ہر ماہ مخصوص رقم دیتا ہے، کوئی اس کے غیر قانونی کام کی ذمے داری قبول کر کے چند سال جیل گزار آتا ہے تو کوئی اس کی خاطر مخالف لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور مار کر..... اس کا نام کوئی نہیں جانتا بس باس ہے وہ، دو ماہ بعد آتا ہے یہاں..... شکل نہیں دیکھی کسی نے، نقاب پہنے رکھتا ہے۔'' ناصر نے باس کے بارے میں مزید تفصیل بتائی۔

وحید کے اندر بغاوت جنم لے چکی تھی۔ وہ چند دن پہلے ایک جنسی دیوانے کے ہاتھوں مرنے سے بمشکل بچا تھا۔ نجانے کیسے اس میں فیصلہ کرنے کی طاقت آگئی۔ ''میں یہیں رہنا چاہتا ہوں، تم لوگوں کے ساتھ کام کروں گا۔'' اس کے لہجے کی مضبوطی کا اندازہ ناصر لگا چکا تھا۔

''گڈ، باس چند دنوں بعد آنے والا ہے۔ تمہیں اس سے ملواؤں گا، خوش ہوگا تم سے مل کر، تب تک یہاں رہو گھومو پھرو، کھاؤ پیو اور موج کرو۔'' وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔

اگلے چند دنوں میں وحید نے پوری بستی دیکھ لی۔ یہاں شراب پانی کی طرح ملتی تھی اور ہر آدمی کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی ہتھیار تھا۔ اس نے ناصر سے فرمائش کر کے پسٹل، رائفل، کلاشنکوف اور کئی ہتھیار چلانا سیکھ لیے۔ یہ کام سیکھنے میں اسے مشکل سے ایک ماہ لگا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جس کام کو سیکھنے کا ارادہ کرلیں، اس میں مہارت حاصل کر کے چھوڑتے ہیں۔ وحید کو دیکھ کر اکثر وہ کہتا تھا۔ ''باس تمہارا دیوانہ ہو جائے گا، تم جیسے آدمیوں کی اسے ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔'' اور یہی ہوا۔ باس جس دن بستی میں آیا ایسے لگا جیسے ملک کا وزیراعظم ہو۔ بستی والے اسے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ چہرے پر نقاب چڑھائے وہ لمبا تڑنگا شخص اکثر لوگوں سے ہاتھ ملاتا ہوا ایک مکان کی جانب بڑھ گیا۔ رات بارہ بجے کے قریب جب ٹھنڈی ہوا موسم کو خوشگوار بنا رہی تھی، وحید کو اس کے سامنے لایا گیا۔

''تو تم ہو وحید، بھئی بڑی تعریفیں سنی ہیں تمہاری، ذرا ہم بھی تمہاری مہارت کو آزمانا چاہیں گے، ہیکنگ کے بارے میں کتنا علم رکھتے ہو؟ ہمیں اس کام میں ماہر ایک شخص

کی تلاش ہے۔'' اس کی آواز بھاری اور رعب دار تھی۔ وحید متاثر ہوا۔

''کچھ بنیادی چیزوں کا پتا ہے باقی سب چیزیں سیکھنے سے آئیں گی ویسے میں باقاعدہ کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرتا رہا ہوں۔ انٹرنیٹ کا ماہر تو نہیں لیکن اتنا استعمال ضرور جانتا ہوں کہ عام شخص کو متاثر کرسکوں۔'' اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

''مجھے تمہارا اعتماد پسند آیا۔ ایک ای میل ایڈریس دے رہا ہوں، اسے ہیک کر کے دکھاؤ۔'' اس نے ای میل ایڈریس لکھوایا اور وحید کے سامنے اپنا لیپ ٹاپ رکھ دیا جو کہ ہائی اسپیڈ انٹرنیٹ ڈیوائس سے منسلک تھا۔

وحید نے لمحہ بھر کے لیے ای میل کی طرف دیکھا۔ یہ کسی کمپنی کا اکاؤنٹ تھا۔ بمشکل تین سے چار منٹ لگے ہوں گے۔ وحید نے اس کے سامنے لیپ ٹاپ رکھ دیا جہاں ای میل کا سارا ڈیٹا ظاہر ہو رہا تھا۔ باس نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''گڈ، میرے ساتھ کام کرو گے؟'' اس نے آفر قبول کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ دو دن بعد وہ بستی سے باس کے ساتھ ہی روانہ ہو چکا تھا۔

اگلا ایک ماہ تبدیلیوں کا دور تھا۔ وحید جس راستے پر چل نکلا تھا وہ خطرناک تھا مگر گھر سے نکالے جانے کے بعد اس کے اندر جو بغاوت اٹھی تھی، وہ سب کچھ ساتھ بہا کر لے گئی۔ بہت جلد اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ جرم کی دنیا کا ایک خطرناک گروپ تھا جو پاکستان میں ہونے والے اکثر جرائم میں ملوث تھا۔ ہیکنگ، بلیک میلنگ، ٹارگٹ کلنگ اور اس طرح کے کئی جرائم سے لے کر اسلحے کی اسمگلنگ تک کا کام باس اور اس کا ساتھی ایچ ون کرتے تھے۔

وحید نے تیزی سے یہ سب کام سیکھے اور کروڑوں روپے کمائے۔ بہت جلد ترقی کر کے اس نے ایچ ون کی جگہ سنبھال لی۔ پہلے سے موجود ایچ ون اب ایچ ٹو تھا۔ اس کا اصلی نام کچھ اور تھا مگر سب اسے ایچ ٹو ہی کہتے تھے۔ وحید کے ساتھ اس کی نہیں بنتی تھی لیکن باس کی وجہ سے وہ اسے برداشت کر رہا تھا۔ باس کی اصل شکل دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ یہ ملک کی ایک مشہور شخصیت تھی جس کا بزنس پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ پتا نہیں کب ان کے گروپ کا رابطہ پڑوسی ملک سے ہوگیا۔ باس اور اس کے ساتھی پیسوں کے لالچ میں ان کا کام کرنے لگے۔ وحید اپنا ماضی تقریباً بھول چکا تھا۔ عقیل احمد، ولید اور مہناز کی شکلیں رفتہ رفتہ اس کے خیالوں میں مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ وہ انجانے سفر پر تھا اور اسے خبر تھی کہ وہ جو کر رہا ہے، غلط ہے لیکن ذہن کی بغاوت اس کو پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت نہیں دے رہی تھی۔

☆☆☆

دانش سعید اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ بیڈ پر لیٹی سدرہ پریشان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''تھوڑا آرام کرلیں دانش، کتنے دنوں سے اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''میری بیٹی ان کے پاس ہے سدرہ، میری جان ہے وہ۔'' وہ بے بس نظر آرہا تھا۔

''آجائے گی واپس، آپ ان کا کام کر دیجیے گا۔'' اس نے نظر جھکالی تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''ایسے کیسے کر دوں؟ ہزاروں انسانوں کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں آئندہ کوئی ٹیم نہیں آئے گی اگر کچھ غلط ہوگیا تو.....''

''ہماری بیٹی ہے وہ دانش، منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوئی تھی، آٹھ سال..... شادی کے آٹھ سال بعد اس کی آمد نے ہماری زندگی مکمل کی اور آپ اس کی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں..... دانش میری بیٹی کو ذرا سی خراش بھی آئی تو میں زندہ نہیں رہوں گی اور میرے قاتل آپ ہوں گے۔'' اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے سدرہ..... شاہین مجھے پیاری نہیں؟ کیا اس کی پیدائش تک کے دن صرف تم نے گن کر گزارے تھے؟ اس کے منہ سے لفظ ''پاپا'' سن کر میں خوشی سے پاگل ہوگیا تھا پر میں اپنی ایک بیٹی کی خاطر سیکڑوں ماؤں کی گود کیسے اجاڑ سکتا ہوں؟'' یہ ایک فرض شناس انسان کے الفاظ تھے جو کوئی بھی سمجھ سکتا تھا مگر سامنے ایک ماں تھی۔ ایک جوان بیٹی کی ماں.....

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں انہیں ٹریس کروں گا، اپنی بیٹی کو ان کی قید سے نکال لاؤں گا۔''

''نہیں کر سکتے آپ ایسا، آپ اغوا ہونے سے نہیں بچا سکے، اب کیا آزاد کروائیں گے۔ آپ کو کیا لگتا ہے وہ اناڑی ہیں؟ ایک ایک منٹ کی خبر ہے ان کے پاس.....'' اسے سمجھ آرہی تھی مگر وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

''میں قربانی دوں گا اپنی بیٹی کی.....'' سدرہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ دانش کے الفاظ ہیں۔ خود دانش گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ

PakBooks.site

گیا۔

''وہ درندے اسے نوچ کھائیں گے۔''

''معصوم بچے ہوں گے اسٹیڈیم میں، وہاں بم لگا دیا گیا تو ان کے جسم کے ٹکڑے بھی نہیں ملیں گے۔''

''اس نے کیا کہا تھا آپ کو؟ وہ ایک نہیں، کئی ہیں اور جوان بیٹی ہے آپ کی..... کتنی اذیت دیں گے اسے؟''

''ہمارے ملک کی عزت پوری دنیا میں بکھر جائے گی اور دشمن یہی چاہتے ہیں۔ کتنی اذیت محسوس کریں گے ہمارے لوگ جب دوسرے ملکوں میں کھیل ہو رہے ہوں گے اور ہم حسرت سے اپنے خالی میدان دیکھیں گے، بچوں کی آنکھوں میں کھلاڑی بننے کے خواب دکھائی دینے سے پہلے ٹوٹ جائیں گے۔ برباد ہو جائے گی کی ہماری کئی دنوں کی محنت۔'' وہ براہِ راست سدرہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ اپنا ملک اور لوگ بچالیں، اپنی بیٹی اور بیوی کو مار ڈالیں..... میں مزید اب یہاں نہیں رہ سکتی۔'' وہ کھڑی ہوئی۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی سدرہ۔'' اس نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''میں ویسے بھی زندہ نہیں رہوں گی یہاں رہوں یا اپنے گھر کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس نے زخمی بازو سے اٹھنے والی درد کی لہروں کو نظر انداز کر دیا اور پاس پڑا سیل فون اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔

''کسے کال کر رہی ہو؟''

''بھائی کو..... میں یہاں نہیں رہ سکتی جہاں میری بیٹی سے زیادہ لوگ اہمیت رکھتے ہیں۔''

''سدرہ.....'' اس نے شکوہ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر سیل فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''میں زندہ نہیں رہوں گی دانش۔''

''میں تیار ہوں، ان کی بات مان لوں گا..... ہماری بیٹی واپس آجائے گی۔'' بے شک اولاد بہت بڑی آزمائش ہے۔ دانش کی فرض شناسی بھی ہار گئی تھی۔ اولاد کی محبت جیت گئی تھی۔ اس نے نرمی سے سدرہ کو بانہوں میں لیا اور بیڈ پر بٹھالیا۔ سدرہ نم آنکھوں سے اپنے ہارے ہوئے شوہر کو دیکھ رہی تھی جو لاکھ مضبوط اعصاب کا مالک سہی..... تھا تو ایک باپ..... اکلوتی بیٹی کا باپ۔

☆☆☆

ہوٹل کے کمرے میں موجود شخص بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود سگار کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ یہ شہر کا مہنگا ترین ہوٹل تھا جہاں زیادہ تر غیر ملکی ہی آکر رہتے تھے۔ شہر میں آج خلافِ توقع بادل چھائے ہوئے تھے اور رم جھم جاری تھی۔ انتظار طویل ہوا تو وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ آج صبح کی فلائٹ سے ہی یہاں آیا تھا اور تھکن محسوس کر رہا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹے بعد بیل بجی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے باس کھڑا تھا، وہ باس جس کا نام سن کر اس کے ماتحت کانپتے تھے، آج خود ماتھے پر پسینہ سجائے اس شخص کے سامنے کھڑا تھا۔

''تم پورے پینتیس منٹ لیٹ ہوئے ہو اور میرا وقت اتنا سستا نہیں کہ میں تمہارے لیے یہاں ضائع کرتا پھروں۔'' باس کو دیکھتے ہی وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

''سس..... سر آپ یہاں ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہیں، میرے بنگلے پر چلیں۔'' باس کے دماغ میں شاید کوئی بہانہ نہیں آرہا تھا۔

''نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں..... آؤ۔'' اندر آکر باس صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''دیکھو افضال اکبر..... ہم پچھلے کئی سالوں سے تم پر اربوں روپے خرچ کر چکے ہیں مگر رزلٹ ہماری توقع سے بہت کم ملا ہے۔ سرکار اس بار نہیں چاہتی کہ ناکامی ہو اس لیے اس مشن کی نگرانی کرنے مجھے بھیجا ہے، اگلے چار دنوں میں ہونے والی ہر بات کی تفصیل تم یہاں مجھے پہنچاؤ گے اور ہاں اس مشن کی کامیابی کے بعد تم جس ملک میں مرضی جانا چاہو، ہم تمہیں بھیجیں گے اور جتنا انعام مانگو گے اتنا ملے گا لیکن ناکامی کی صورت تمہاری موت ہے.....''

افضال خاموشی سے سب سن رہا تھا۔ یہ پڑوسی ملک کی خفیہ ایجنسی کا ایک اہم رکن تھا جو اس کے سامنے موجود تھا۔ ''ہماری تیاری مکمل، ہے اسٹیڈیم اڑے گا اور... مقررہ دن ہی اڑے گا..... کل اٹلی کی ٹیم یہاں پہنچ رہی ہے، اس کی آمد کے بعد ہی سیکیورٹی کی صورتِ حال کا مکمل اندازہ ہو جائے گا۔ پلاننگ مکمل ہے اور سیکیورٹی کو مفلوج کرنے کا بندوبست کر چکے ہیں، اب بس مقررہ دن کا انتظار ہے۔'' افضال نے مزید تفصیل بتائی۔

''گڈ، اگر ہم کامیاب ہوتے ہیں تو اس ملک میں آنے والے کئی سالوں تک کوئی انٹرنیشنل ٹیم نہیں آئے گی۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ ''ان کی ایجنسی کی طرف سے ہوشیار رہنا، بہت چالاک لوگ ہیں، ممکن ہے ہمارے منصوبے کا علم ان کو ہو گیا ہو۔''

''ٹھیک ہے سر..... چودہ اگست کا دن آپ کہاں گزاریں گے؟''

''تمہارے ساتھ اس ملک کی بربادی کا جشن ہم ساتھ منائیں گے۔''

یہ ایسے ہی خواب تھے جو اس ملک پر قبضے کے لیے آج سے کئی سال پہلے دیکھے گئے۔ دشمن تب بھی بزدل تھا، چھپ کر وار کرنے والا اور آج بھی اپنوں سے ہی سازش کروا کے ملک کی عزت اچھالنا چاہتا تھا..... لیکن مستقبل کا حال صرف خدا کے پاس ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ ایسے ناپاک ارادے کامیاب ہوتے یا ناکام، بہت جلد حقیقت سامنے آنے والی تھی.....

☆☆☆

ائرپورٹ پر رات کے دو بجے بے انتہا رش تھا۔ سیکیورٹی فورسز کے نوجوانوں نے پوری عمارت کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ٹھیک دو بج کر پندرہ منٹ پر اٹلی کی ٹیم ائرپورٹ سے ہوٹل کی جانب روانہ ہوئی۔ یہ سب بیس سال یا اس سے کم عمر نوجوان تھے جو اتنی سخت سیکیورٹی دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ان کے ساتھ موجود کوچز اور آفیشلز بھی اردگرد کے ماحول کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ہوٹل کی طرف جانے والے راستوں پر سخت پہرا تھا۔ ہوٹل کے اردگرد بھی سخت سیکیورٹی تھی۔ کھلاڑی شام تک آرام کرتے رہے۔ شام کے وقت کوچ اور ٹیم کے کپتان کو پریس کانفرس کرنی تھی۔ میڈیا کے سامنے پہنچ کر کوچ نے تمام میچوں کے بارے میں اپنی تیاریوں کی تفصیل بیان کی۔ لمبی چوڑی گفتگو کے بعد جب اس سے سیکیورٹی کا پوچھا گیا تو جواب ملا۔

''بہت اچھا لگا، اتنی زبردست سیکیورٹی دیکھ کر..... ہمیں تحفظ کا احساس ہے اور ہمیں پورا بھروسا ہے سیکیورٹی انتظامات پر۔'' ٹیم کے کپتان نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور میچ کے بارے میں میزبان ٹیم کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ تمام ون ڈی چینلز پر آزادی کپ کا شور مچتا رہا۔

☆☆☆

ملک کی خفیہ ایجنسی کے میٹنگ روم میں اس وقت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مضبوط جسامت اور گنجے سر کے مالک احسان احمد خاموش بیٹھے چند کاغذات کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

''ایشان ٹھاکر ہمارے ملک میں کیا کر رہا ہے؟ وہ بھی ایک ایسے وقت میں جب رپورٹس کے مطابق آزادی کپ کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے..... کیا ہم اسے آزاد رکھ سکتے ہیں؟'' انہوں نے سر اٹھا کر سب کی طرف دیکھا۔ باقی افراد کا شمار ایجنسی کے اہم آفیسرز میں ہوتا تھا۔ انہی میں سے ایک نے سر اٹھا کر کہا۔

''وہ پاکستان آکر غائب ہو چکا ہے۔ آخری اطلاع کے مطابق ہوٹل کے کمرے سے وہ افضال اکبر سے ملاقات کرتے ہی غائب ہو گیا تھا۔''

''اور یہ افضال اب تک آزاد کیوں ہے جبکہ اس کے جرائم کی ایک لمبی لسٹ میرے پاس موجود ہے۔ پچھلے سات ماہ میں ہونے والے اکثر دھماکوں اور ٹارگٹ کلنگ کا تعلق اسی سے جڑتا ہے۔'' احسان احمد کے اس سوال کا جواب بھی اسی شخص نے دیا تھا۔

''مجبوری سر..... ہمارے کئی سیاست داں اس کے خاص آدمی ہیں، گرفتار ہونے سے پہلے رہا ہو جائے گا۔''

''میں ایسی مجبوریوں کو نہیں مانتا..... اور اب زیادہ امکان یہی ہے کہ افضال، ایشان ٹھاکر کے ساتھ مل کر دہشت گردی کا کوئی منصوبہ بنا رہا ہے جو کہ یقیناً ملکی حالات کے لیے سازگار نہیں اور خاص طور پر جب ہمارے ملک میں غیر ملکی ٹیموں کی آمد شروع ہو رہی ہے۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ایشان ٹھاکر کی مکمل نگرانی کی جائے، افضال کے گرد شکنجہ کس لیں اور جلد سے جلد رپورٹ حاصل کریں کہ ان کا اگلا نشانہ کیا ہے؟'' انہوں نے مزید احکام جاری کیے۔ ''فٹ بال اسٹیڈیم کی سیکیورٹی کی کیا پوزیشن ہے اور کون کنٹرول کر رہا ہے سب کو؟'' انہوں نے پوچھا۔ اس بار جواب سب سے آخر میں بیٹھے شخص نے دیا۔

''دانش سعید ہیں انچارج پوری سیکیورٹی کے..... مضبوط سیکیورٹی سسٹم ہے اور کئی دنوں سے ہم اس پر کام کرتے رہے ہیں۔''

''گڈ، دانش محنتی آدمی ہے، امید ہے سب سنبھال لے گا۔''

''جی سر اسپیشل سیکیورٹی یونٹس بھی ان کے ساتھ شامل ہے، بہت مشکل ہے اس سارے سسٹم کو توڑنا.....''

''مشکل ہے ضرور ہے مگر یہ ایشان، سازشی ذہن کا مالک ہے۔ پہلے بھی دو بار ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے، یہ کچھ بھی کر سکتا ہے اور دشمن کو کبھی کمزور مت سمجھو خاص طور پر ایسے بزدل دشمن کو جو ہمیشہ چھپ کر وار کرتا ہے۔'' ان کی بات سچ تھی۔ سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اسٹیڈیم کی سیکیورٹی پر نظر رکھیں موجودہ حالات

PAKSOCIETY

میں ہم کسی طرح کا بھی رسک نہیں لے سکتے...... اس کے علاوہ جلد سے جلد ایشان کو ٹریس کریں اس بار یہ واپس نہ جا سکے، یہ خطرناک شخص ہے۔'' بات کے اختتام پر وہ کھڑے ہوئے۔ ''اوور......'' یہ کہہ کر وہ واپس مڑے اور لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔ باقی چاروں نے بھی ان کی پیروی کی تھی......

☆☆☆

ان دونوں کے کندھوں پر بیگ لٹک رہے تھے۔ فٹ بال اسٹیڈیم کے باہر پہلے گیٹ پر ہی انہیں روک لیا گیا۔

''آپ لوگ اندر نہیں جا سکتے۔''

''انچارج دانش سعید سے ملنا ہے، یہ ان کا اجازت نامہ۔'' اس نے ہاتھ میں موجود پاس دکھایا۔

''اوکے۔'' یہ کہہ کر سیکیورٹی گارڈ راستے سے ہٹ گیا۔ اسٹیڈیم میں داخل ہوتے ہی ان میں سے ایک نے سیل فون نکال کر میسج لکھا۔ ''ہم پہنچ گئے۔''

''اوکے۔'' ایچ ون کا جواب ملا۔ ''پانچ منٹ بعد کام شروع کر دینا، میں تب تک سارے سیکیورٹی کیمرے بند کر دیتا ہوں۔'' وہ اپنے بنگلے میں ایک ہائی اسپیڈ کمپیوٹر کے سامنے موجود تھا۔ اگلے پانچ منٹ اس کی انگلیاں مسلسل کی بورڈ پر حرکت کرتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد ان دونوں کو میسج ملا۔

''تمہیں اپنا کام پندرہ منٹ میں مکمل کرنا ہے نقشے پر جہاں جہاں سرخ نشان لگا ہے وہاں بم لگا دو۔''

وہ دونوں تیزی سے حرکت میں آئے۔ ان کے پاس موجود بیگز خاص طور پر بنوائے گئے تھے۔ ان کی خفیہ زپ میں سے ٹائم بم نکال کر وہ تیزی سے مخصوص جگہ فکس کرنے میں لگ گئے۔ اس کام میں ان کو دس منٹ لگے ہوں گے۔ کام مکمل ہوتے ہی انہوں نے دوبارہ میسج کیا ''ڈن۔'' اس کے ساتھ ہی وہ چل دیے۔ پندرہ منٹ بعد جب وہ وہاں سے روانہ ہو رہے تھے کسی نے توجہ نہیں دی۔ جس کار میں آئے تھے، وہ وہیں کھڑی تھی جبکہ ایک دن پہلے سے موجود گاڑی وہاں سے روانہ ہو رہی تھی۔

ان کے جاتے ہی دانش اسٹیڈیم میں داخل ہوا۔ ضمیر پر بوجھ لیے...... ہارا تھکا ہوا ایک باپ۔ اگلا ایک گھنٹا اس نے اسٹیڈیم کے ہر حصے کو غور سے دیکھا۔ اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ مختلف جگہ پر تین ٹائم بم فکس تھے۔ یہ مقررہ وقت پر پھٹ جاتے تو وہاں قیامت آ جاتی۔ اس نے اپنا سیل نکالا۔ ہاتھ میں موجود واکی ٹاکی سے وہ صرف پانچ منٹ میں بم ڈسپوزل اسکواڈ کو بلا کر یہ سارے بم ناکارہ کروا سکتا تھا لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے سدرہ اور شاہین کی صورتیں لہرانے لگیں۔ ''اگر شاہین کو کچھ ہوا تو میں بھی مر جاؤں گی اور میرے قاتل آپ ہوں گے دانش۔'' سدرہ کی آواز کانوں میں گونجی۔ اس کے ساتھ ہی سیکڑوں بچوں کی چیخیں کانوں میں سنائی دینے لگیں۔ وہ بے پناہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن بم دھماکوں میں اڑنے والے انسانی جسم کے چیتھڑے اس جیسے مضبوط شخص کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑ چکے تھے۔ آنکھوں میں نمی لیے وہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کل اس کی ایک بیٹی کی خاطر لاکھوں لوگوں کی جان جانے والی تھی۔

چودہ اگست کی چمکیلی صبح کو سیکیورٹی ٹیم کے ساتھ بم ڈسپوزل اسکواڈ وہاں آ پہنچا۔ دانش جانتا تھا جہاں بم ہے وہاں پیسوں کے لالچ میں بکا ہوا ان کا انچارج خود چیک کرے گا۔ اور ویسا ہی ہوا۔ اس نے ہر اس جگہ کو نظر انداز کر دیا جہاں بم کی موجودگی ممکن تھی۔ ٹیم ''آل کلیئر'' کا اشارہ دے کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔

☆☆☆

گیارہ بجے ہی اسٹیڈیم میں لوگوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ لوگوں کی ایک لمبی قطار گیٹ پر موجود تھی۔ منہ پر سبز جھنڈے بنائے، کھلاڑیوں جیسا فیشن بنائے۔ کوئی اپنے ملک کی شرٹ پہن کر آیا تھا تو کسی نے سفید شرٹ پر ''تھینک یو اٹلی۔'' لکھا ہوا تھا۔ انہی ہزاروں لوگوں میں وحید بھی شامل تھا۔ اسے بم بلاسٹ ہونے سے ٹھیک پانچ منٹ پہلے وہاں سے نکلنا تھا۔ تلاشی کے بعد وہ اسٹیڈیم میں داخل ہوا۔ تماشائیوں کے بیچ دھوپ سے بچنے والا چشمہ لگا کر بیٹھے اس شخص کے بارے میں شاید کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کی وجہ سے سب کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ بڑے سکون سے سب کی آمد دیکھ رہا تھا۔ آج سے چند سال پہلے اس کے اندر اٹھنے والی بغاوت نے اس کی زندگی کا رخ موڑ دیا تھا اور آج وہی بغاوت ایک بہت بڑا نقصان کرنے والی تھی۔ ایک بجے کے قریب پورا اسٹیڈیم بھر چکا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم بیٹھا تھا کہ اچانک ایک آواز سن کر اس کی سانس رک گئی۔ اسے لگا جیسے زمین اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہی ہے۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کی پچھلی سیٹ پر وہ موجود تھی...... مہناز اس کا عشق جس کی وجہ سے آج وہ ایک مجرم تھا۔ مہناز ساتھ بیٹھی ایک لڑکی سے گفتگو میں مصروف تھی۔ پہلے کی نسبت اس کا جسم بھر چکا تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ پہلی محبت انسان پوری زندگی نہیں بھول سکتا...... اور آج وہ اس کے سامنے تھی۔ مہناز کی نظروں کا زاویہ بدلا۔ وحید پر نظر پڑتے ہی چند لمحے لگے اسے پہچاننے میں۔ ''وحید۔'' اس کے لبوں سے نام پھسلا۔ دل کی دھڑکن تھم چکی تھی۔

''وحید۔'' اس بار وہ چیخ پڑی۔ وحید نے اردگرد دیکھا۔ اتنے شور میں کوئی ان کی جانب متوجہ نہ تھا۔ اس نے مہناز کو اشارہ کیا اور سیٹ چھوڑ کر گیٹ کے پاس آ گیا۔ یہاں ابھی بھی لوگوں کی آمد جاری تھی۔ مہناز دوڑتی ہوئی اس کے پیچھے آئی اور بازو تھام کر بولی۔ ''کہاں تھے تم وحید، اتنے سالوں بعد اپنی شکل دکھا رہے ہو۔ ہم نے تمہیں کتنا ڈھونڈا۔ ماموں عقیل کی وفات کے بعد ہر جگہ چھان ماری مگر تم نہیں ملے۔'' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ابو نہیں رہے؟''

''ہاں، تمہارے جانے کے تین ماہ بعد انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔'' وحید کی آنکھوں میں چھپی چند برس کی نمی کا پہلا قطرہ نکلا۔ عقیل نے ماں کے بعد بچوں کی تربیت سخت ماحول میں کی تھی مگر یہ سچ تھا کہ باپ کی محبت بھی ان کی سختیوں کی وجہ سے کم نہیں ہوئی۔ ''ہم نے بہت ڈھونڈا، ابو نے تھانے میں بھی رپورٹ درج کروائی تھی۔ اس دن جو ہوا اچھا نہیں ہوا۔ ولید اور ماموں تو ہنسنا بھول گئے تھے۔ بہت مشکل وقت تھا۔'' مہناز کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی۔

''ولید کیسا ہے؟''

''اچھے ہیں۔''

''اچھے ہیں؟'' اس کی حیرانی میں اضافہ ہوا۔ ''اس دن ہمارے گھروں میں ہنگامے کی خبر پورے محلے میں پھیل گئی۔ ماموں نے بدنامی سے بچانے کے لیے ولید سے میری شادی کر دی۔'' حیرت کا یہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدت رکھتا تھا۔

''ولید کیسے مان گیا؟''

''ماموں نے خودکشی کی دھمکی دی تھی۔'' اس کی نظریں ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔

''آج کیا کرنے آئی ہو یہاں؟'' اس نے پوچھا۔

''ولید ٹیم میں شامل ہیں، آج ان کا میچ ہے، کالج لیول پر اچھا کھیلتے تھے، انہوں نے سلیکٹ کیا ہے۔'' وحید کا سر چکرا گیا۔ جہاں وہ آج ہزاروں لوگوں کے مرنے کا بندوبست کر چکا تھا وہاں ہزاروں میں اس کے دو اپنے شامل تھے۔

''کیوں آئے ہو تم دونوں یہاں؟'' وہ چلایا۔ مہناز حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ ''چلے جاؤ، چلے جاؤ، یہاں آج سب کو مرنا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو وحید؟''

''مجھے کچھ کرنا ہو گا مہناز ورنہ کچھ نہیں بچے گا۔'' وہ دوڑا۔ بھاگتے ہوئے اس نے رسٹ واچ دیکھی۔ اس کے پاس صرف چالیس منٹ بچے تھے۔ وہ اسٹیڈیم سے باہر نکلا۔ گاڑی کا نمبر ڈھونڈنے میں اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دو منٹ بعد وہ اس گاڑی میں موجود تھا جس میں بم لگا تھا۔ یہ طاقتور بم تھا اور اسے سب سے پہلے بلاسٹ ہونا تھا۔ اس نے دیکھا مہناز اس کے پیچھے بھاگی آ رہی تھی۔ قریب آ کر اس نے تیز سانسوں کے درمیان پوچھا۔

''کیا مسئلہ ہے وحید؟ کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں، تم کسی طرح اس اسٹیڈیم سے نکل جاؤ۔''

''میں نہیں جا سکتی، ولید کا میچ ہے۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''جاؤ مرو پھر......'' وہ چیخ پڑا۔

''وحید میں......'' اچانک مہناز کو چکر آیا۔ وحید بجلی کی سی تیزی سے باہر نکلا اور اسے سنبھالا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر اس نے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے مہناز؟''

''میں ماں بننے والی ہوں۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایچ ون...... افضال اکبر کا سب سے چالاک اور ذہین شخص آج بے بس نظر آ رہا تھا۔ وقت کی سوئیاں بھاگ رہی تھیں۔ بم بلاسٹ ہونے میں صرف تیس منٹ باقی تھے۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گیٹ سے باہر لے آیا۔ میجر دانش ان کے قابو میں تھا۔ کوئی سیکیورٹی گارڈ گاڑی کے پاس نہ آیا۔

''مجھے بتاؤ وحید، کیا مسئلہ ہے؟''

''اسٹیڈیم میں بم ہیں مہناز...... تیس منٹ باقی ہیں وہاں کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ اس گاڑی میں بھی بم ہے اگر شہر سے باہر نہ لے گئے تو پھٹ جائے گا اور سب مارے جائیں گے۔'' مہناز کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''اسے تو باہر لے جائیں گے مگر اسٹیڈیم میں موجود بم تو بلاسٹ ہو جائیں گے۔''

''کیا کروں، مجھے بتاؤ۔'' وہ تیزی سے گاڑی شہر سے باہر جانے والے روڈ پر دوڑا رہا تھا۔ ''یہ میں لے جاتی ہوں، تم بچاؤ اپنے بھائی سمیت سب کو۔'' وحید نے

PakiBooks Site

پیچھے مڑ کر دیکھا۔ چند لمحے پہلے نظر آنے والا خوف اب نہیں تھا۔

''تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے؟''

''ہاں ولید نے سکھائی تھی..... روکو گاڑی، میں لے جاتی ہوں، جلدی کرو۔'' وحید نے بریک لگائے۔ اسی دوران سامنے سے آنے والی ایک گاڑی بھی رک گئی۔ وحید نیچے اترا اور مہناز کو ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا کر بولا۔

''پندرہ منٹ لگیں گے یہاں سے باہر جانے میں، فل اسپیڈ سے جانا اور رکنا نہیں، شہر سے باہر نہر ہے اس کے کنارے روک دینا اور وہاں سے بھاگ نکلنا اپنی جان بچانی ہے ہر صورت۔'' مہناز نے اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ سامنے رکنے والی گاڑی سے کوئی برآمد ہوا تھا..... وحید کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا..... ایچ ٹو اس کے سامنے تھا۔

☆☆☆

ٹھیک اسی وقت دوسرے شہر کے ایک بنگلے کے قریب گاڑی آ کر رکی۔ اس میں سوار تینوں افراد نے نقاب چڑھا رکھا تھا۔ گاڑی سے اترتے ہی وہ تینوں پھرتی سے حرکت میں آئے۔ ان کا انداز پروفیشنل تھا۔ ان میں سے لمبے قد کا مالک ایک نوجوان دوڑا اور بھاگ کر بنگلے کے پیچھے موجود دیوار پھلانگی۔ باقی دونوں نے مین گیٹ پر بیل بجائی۔ چوکیدار کے باہر جھانکتے ہی ایک نے اس کی گردن پکڑی اور مخصوص رگ مسل دی۔ وہ اس کی بانہوں میں جھول گیا تھا۔ چوکیدار کو ایک سائڈ پر ڈال کر وہ دونوں اندر کی جانب بڑھے۔ یہاں ایک سیکیورٹی گارڈ موجود تھا جس نے چیخ کر ان کی طرف گن سیدھی کی مگر دیر ہو چکی تھی۔ آنے والوں میں سے ایک کے ہاتھ میں موجود خنجر نکل چکا تھا۔ یہ سیدھا اس کے گن والے ہاتھ پر لگا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ دوسرا تیزی سے دوڑا اور دونوں ٹانگیں جوڑ کر ہوا میں اچھلا۔ جڑی ہوئی ٹانگیں سیکیورٹی گارڈ کے منہ پر لگی تھیں۔ وہ گرا اور خاموش ہو گیا۔ اندر سے بھاگتے قدموں کی آواز آئی۔

''کون ہے وہاں؟'' کوئی چیخا لیکن اتنے میں ان کا تیسرا ساتھی اپنا کام کر چکا تھا۔ یہ دلاور تھا جو اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ ''لڑکی کو ڈھونڈو۔'' ان میں سے ایک چلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے سے شاہین کو لے کر روانہ ہو رہے تھے۔

☆☆☆

''پاس بہت خوش ہوگا تمہاری غداری دیکھ کے۔'' وہ سیدھا وحید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں نہیں مار سکتا سب کو۔'' وہ جیسے تھک گیا تھا۔

''تم سب کو مار سکتے ہو وحید پر اپنے بھائی ولید کو نہیں۔'' وہ ہنسا۔

''تت تمہیں کیسے پتا؟''

''تمہارے آنے سے پہلے ایچ ون میں تھا۔ باس نے تمہیں ٹیم میں شامل کرنے سے پہلے پوری تفصیل اکٹھی کی تھی اور وہ ساری معلومات میں نے باس کو لا کر دی تھیں۔''

''مجھے جانا ہے بچانا ہے سب کو..... بھائی ہے میرا وہاں۔'' وحید اسٹیڈیم کی طرف بھاگنا چاہتا تھا مگر ایچ ٹو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''نہ وحید نہ..... جو زندہ بچا وہی کامیاب ہوگا یا تو تم اور وہ ہزاروں لوگ اور یا پھر میں۔'' اس نے بات ختم کر کے تیزی سے لات چلائی مگر وحید جھکائی دے گیا۔ پھر جیسے بجلی چمکی ہو۔ ایچ ٹو کو خبر نہیں ہوئی اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ وہ اچھل کر پیچھے جا گرا۔ وحید نے اگلا وار اس کی کنپٹی پر کیا۔ بھاری بوٹ کی ضرب نے ایچ ٹو جیسے مضبوط انسان کو بھی ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ وحید، ایچ ٹو کی گاڑی کی طرف بھاگا۔ وہ اسٹارٹ کھڑی تھی۔ ڈیش بورڈ میں پڑا ریوالور دیکھ کر اس کے چہرے پر سفاک مسکراہٹ آ گئی۔ سڑک پر موجود لوگ اسے دیکھ رہے تھے مگر پاس آنے کی ہمت کسی کی نہ تھی۔ اور انہی لوگوں نے ایچ ٹو کے سینے سے بہتا خون دیکھا تھا۔

وحید گاڑی بھگاتا ہوا اسٹیڈیم کی جانب بڑھا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے جب وہ اسٹیڈیم میں داخل ہوا۔ ایک سیکیورٹی گارڈ کے پاس رک کر اس نے کہا۔ ''سر دانش سے ملنا ہے ابھی، ایمرجنسی۔'' اس نے حیرت سے وحید کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

''سر بزی ہیں، آپ نہیں مل سکتے ان سے۔'' اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''ایمرجنسی ہے یہ۔ سب لوگوں کی جان خطرے میں ہے، بم لگا ہوا ہے اس اسٹیڈیم میں۔'' میچ شروع ہو چکا تھا۔ تماشائیوں کے شور سے اسٹیڈیم گونج رہا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ نے کان پر لگائے ائرفون میں انچارج کو اطلاع دی۔

''سر ایک شخص سر دانش سے ملنا چاہتا ہے، کہہ رہا ہے اسٹیڈیم میں بم ہے۔'' دوسری جانب سے ہدایت سنتے ہی

سیکیورٹی گارڈ اس کو بازو سے پکڑ کر ایک جانب لے جانے لگا۔ وحید کی چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ کچھ دور چلتے ہی وہ اچانک مڑا اور سیکیورٹی گارڈ کے ہولسٹر میں لگا ریوالور پھرتی سے کھینچ لیا۔ سیکیورٹی گارڈ کی مزاحمت بیکار گئی۔ کچھ دیر بعد ہی وہ بے ہوش پڑا تھا۔ وحید کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ یہاں خطرے کا الارم بجانے والا ریڈ بٹن لگا ہوا تھا۔ اس کے گرد لگا گلاس سیف لاک تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ریوالور سے فائر کیا۔ چھناکے سے گلاس سیف ٹوٹ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بٹن دبا دیا۔ پانچ سیکنڈ بعد پورا اسٹیڈیم تماشائیوں کے شور کے بجائے۔ ''پاں..... پاں۔'' کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ مین گیٹ پر جیسے قیامت آ گئی ہو۔ بم بلاسٹ ہونے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ وحید کی بے چین نگاہیں کسی اور کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ جلد اسے وہ نظر آ گیا..... ولید۔ سیکیورٹی گارڈز نے اٹلی اور میزبان ٹیموں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وحید بھی باہر کی طرف بھاگا۔ پانچ منٹ میں تمام لوگوں کا باہر آنا ممکن نہیں تھا مگر جس تیزی سے نکل رہے تھے، امید کی جا سکتی تھی کہ لوگ بڑے نقصان سے بچ جائیں گے۔

☆☆☆

کمرے میں موجود افضال اکبر اور ایشان ٹھاکر خاموش بیٹھے نیوز چینل کی ''بریکنگ نیوز'' کا انتظار کر رہے تھے۔ ''پارکنگ میں موجود بم کو اب تک پھٹ جانا چاہیے تھا؟ وقت تو ہو گیا ہے۔''

''میں رابطہ کرتا ہوں ایچ ون سے۔'' افضال نے کوشش کی مگر ایچ ون اور ایچ ٹو دونوں سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ ''کیا مسئلہ ہے.....'' وہ بڑبڑایا۔ اسی دوران نیوز چینل پر سرخ رنگ میں لکھا نظر آیا۔ ''بریکنگ نیوز۔'' اور ساتھ ہی نیوز کاسٹر کی ہیجانی آواز بلند ہوئی۔

''اسٹیڈیم میں دھماکا..... آزادی کپ کے پہلے میچ میں فٹ بال اسٹیڈیم میں بم بلاسٹ ہونے کی خبر ملی ہے، مزید تفصیلات کے لیے ہم اپنے نمائندے سے رابطے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جی ذیشان۔'' ذیشان اس وقت اسٹیڈیم کے گیٹ پر موجود تھا۔ اس کی آواز سنائی دینے لگی۔

''جی حیدر ابھی ابھی اطلاع ملی ہے یہاں ایک ساتھ دو بم بلاسٹ ہوئے ہیں مگر سننے میں آ رہا ہے تب تک خطرے کا الارم بجایا جا چکا تھا اس لیے کسی بڑے نقصان کی اطلاع نہیں۔ کچھ لوگ زخمی ضرور ہوئے ہیں لیکن کسی جانی نقصان کی تا حال کوئی اطلاع نہیں ملی.....''

''میزبان اور مہمان ٹیموں کے کھلاڑیوں کو کہاں لے جایا گیا ہے؟''

''بم بلاسٹ ہونے سے تین چار منٹ پہلے ہی سیکیورٹی گارڈز انہیں سیکیورٹی کے گھیرے میں اسٹیڈیم سے باہر لے کر آئے ہیں، دونوں ٹیمیں محفوظ ہیں۔''

نیوز کاسٹر مزید تفصیلات بتا رہا تھا مگر ایشان نے اس کی طرف توجہ دیے بغیر افضال کی طرف دیکھا۔

''یہ تھا تمہارا پلان؟ کیسے خبر ہوئی لوگوں کو؟ کس نے بجایا خطرے کا الارم؟'' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''پوری پلاننگ ایچ ون کی تھی۔''

''وہ اکیلا ذمے دار نہیں، تم باس ہو اور تمہیں کروڑوں روپے دیے ہیں اس مشن کے لیے۔ افضال میں نے پہلے کہا تھا یہ تمہارا آخری مشن ہے اور ناکامی کی صورت موت ہے۔'' ایشان کا لہجہ سفاک ہو گیا۔ افضال نے باہر نکلنا چاہا مگر وہ اس کے راستے میں آ گیا۔

''میں نے سرکار کی خدمت کی ہے اتنے سال۔'' اس نے کمزور لہجے میں دفاع کیا۔

''تو کیا ہوا؟ پیسے کے لالچ میں کوئی بھی کر دیتا۔'' وہ ہنسا۔ ''تم لوگوں کی اہمیت ایک چیونٹی جتنی ہے ہمارے سامنے جو پیسوں کے لیے اپنا ملک بیچ رہے ہوں، وہ لالچ میں آ کر ہمیں بھی چھوڑ سکتے ہیں۔'' ایشان نے حقیقت بیان کی۔ افضال جیسے ہار گیا۔

''مجھے معاف کر دیں سر۔'' وہ کہیں سے بھی دہشت کا نشان باس نہیں لگ رہا تھا۔

''معافی کا لفظ ہمارے کاموں میں استعمال نہیں ہوتا، تم یہ بات خوب جانتے ہو۔'' ایشان کے ہاتھ میں چاقو نظر آ رہا تھا۔ افضال نے آخری کوشش کی اور پھرتی سے چاقو والے ہاتھ پر پیر کی ضرب لگانا چاہی مگر ناکام رہا۔ پہلا وار اس کے کندھے پر لگا۔ وہ چلایا۔ ایشان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور گردن کاٹ دی۔ کچھ دیر بعد وہ ہوٹل سے روانہ ہو رہا تھا اور افضال کی لاش کمرے کے واش روم میں پڑی تھی۔ یہ دوسرا ہوٹل تھا جو اس نے اپنی آمد کے بعد بدلا۔ اب اسے واپس جانا تھا۔

☆☆☆

''کوئی پاگل ڈرائیور لگتا ہے۔'' آس پاس کھڑے لوگوں میں سے اکثر نے یہ تبصرہ کیا۔ کسی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔ ''ہے کوئی امیر زادی جو شاید

PakiBooks.site

اپنی ڈرائیونگ کا ٹیسٹ لے رہی ہے۔'' لیکن حقیقت کوئی نہیں جانتا تھا۔ مہناز اپنے ساتھ ایک ٹائم بم لے کر گاڑی بھگا رہی تھی۔ فل اسپیڈ میں گاڑی چلاتے ہوئے اسے دس منٹ لگے شہر سے باہر آنے میں۔ اب اس کے پاس مزید دس منٹ تھے۔ راستوں سے واقفیت نہ ہونے کے باعث اسے پریشانی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ تقریباً سات منٹ بعد اس نے گاڑی ایک بالکل سنسان جگہ پر روکی اور خود لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آ گئی۔ اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ یہ جان بچانے کی ایک فطری کوشش تھی جو اسے وہاں سے دور لے جا رہی تھی۔ تین منٹ میں وہ جتنی دور آسکتی تھی..... آ گئی۔ اور اچانک جیسے زمین پھٹ پڑی ہو۔ سماعت شکن دھماکے سے ماحول گونج اٹھا۔ اسے لگا جیسے اسے کسی نے ہوا میں اچھال دیا ہے۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆☆☆

دو دن بعد ائرپورٹ سے باہر دو گاڑیاں آ کر رکیں۔ پہلے آنے والی کار میں موجود ایشان ٹھاکر شاید بے خبر تھا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ ابھی وہ چند قدم آگے ہی بڑھا تھا کہ اچانک اسے چار افراد نے گھیر لیا۔ یہ سب ایجنسی کے لوگ تھے۔ وہ اسے اپنے گھیرے میں لے کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھے..... کہ اچانک فائر ہوا۔ ایشان کے ماتھے میں لگنے والی گولی کافی ثابت ہوئی۔ ایجنسی کے ایک اہلکار نے پھرتی سے ہاتھ میں موجود ریوالور سیدھا کیا اور گولی چلانے والے کے سینے میں سوراخ کر دیا۔ مرتا ہوا وحید مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنا کام مکمل کر دیا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا گرفتاری کے بعد ایشان ٹھاکر سیاسی اور حکومتی دباؤ کی وجہ سے آزاد ہو جاتا لیکن یہ گولی اس کی سزا منتخب کرنے کے لیے کافی تھی۔

☆☆☆

اسٹیڈیم میں ہونے والے بم بلاسٹ کے واقعے کے تین دن بعد سر دانش سعید، احسان احمد کے سامنے کھڑا تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہیں مجبور کیا جا رہا ہے لیکن میں یہ جانتا تھا کہ اسٹیڈیم میں کوئی گڑبڑ ہے، تھوڑی سی انویسٹی گیشن کے بعد اندازہ ہو گیا کہ تم اپنی بیٹی کی وجہ سے مجبور ہو، میں نے اسی وقت اسے آزاد کروانے کا بندوبست کر لیا تھا لیکن ہمیں دیر ہو چکی تھی۔ آزاد کروانے کے بعد جب تمہیں اطلاع دی گئی تب تم نے کیا کیا؟ بم ناکارہ بنائے جا سکتے تھے ان پانچ منٹ میں؟''

''سر میں نے کوشش کی تھی۔ گیٹ کے قریب موجود بم سب سے پہلے ناکارہ بنایا گیا۔ بم ڈسپوزل اسکواڈ کا انچارج ان سے ملا ہوا تھا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ابھی ایک بم ہی ناکارہ کیا گیا تھا کہ خطرے کا الارم بجنے لگا۔ ہم نے مین گیٹس کھول دیے اور لوگ تیزی سے باہر جانے لگے۔ باقی دونوں دھماکوں میں دو افراد کی موت ہوئی ہے جبکہ پانچ کے قریب زخمی ہیں۔ آزادی کپ کینسل کر دیا گیا ہے۔

ایشان ٹھاکر کو وحید نے مار دیا۔ سیکیورٹی کیمروں کی فوٹیج سے صاف پتا چل رہا ہے کہ وحید ہی تھا جس نے الارم بجایا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وحید کا چھوٹا بھائی ولید ٹیم میں شامل تھا۔ پارکنگ کی ایک گاڑی میں بھی بم کی اطلاع تھی لیکن وہ گاڑی ولید کی بیوی مہناز نے ویرانے میں لے جا کر کھڑی کی اور خود اس بلاسٹ میں زخمی ہو گئی۔ اب وہ زخمی حالت میں اسپتال میں موجود ہے۔ افضال اکبر کی لاش ایک گمنام ہوٹل کے واش روم میں ملی ہے جہاں سے شواہد ملے ہیں کہ ایشان ٹھاکر وہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ ممکن ہے اسی نے افضال کو مار دیا ہو۔'' دانش نے مزید تفصیل بتائی۔

''بہرحال مجھے آپ نے مایوس کیا۔ ہماری ڈیوٹی میں قربانی دینی پڑتی ہے، کتنے ہی جوان اپنی ماؤں، بہنوں سے دور ملک کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں جبکہ آپ نے ہزاروں لوگوں کی جان خطرے میں ڈال دی تھی۔'' دانش نے شرمندگی سے سر جھکایا۔

''آپ کو لاسٹ وارننگ ہے۔ آزادی کپ کینسل ہو چکا ہے مگر ہم ایک بڑے نقصان سے بچ گئے ہیں۔ امید ہے چند ماہ بعد غیر ملکی ٹیمیں یہاں آئیں گی اور آپ جیسے لوگ ہی ان کی حفاظت کریں گے، اب آپ جا سکتے ہیں۔'' دانش وہاں سے باہر نکل آیا۔

☆☆☆

مہناز کو دو دن بعد ہوش آیا تو اس نے سب سے پہلے ولید سے پوچھا۔ ''وحید کہاں ہے؟''

''وحید؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں وہ وحید ہی تھا جس نے سب کو بچایا۔'' اس نے اٹکتے الفاظ میں سب کچھ ولید کو بتایا۔ ولید کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

''پتا نہیں بھائی کہاں گیا؟''

دونوں وحید کو یاد کرتے ہوئے بے خبر تھے کہ وہ کبھی نہیں آئے گا۔

کھیل ہی کھیل میں پل پل بدلتے کرداروں کے رنگ ڈھنگ.....

حساب برابر

منظر امام

مغربی سراغرساں کی کہانیاں تو آپ قارئین پڑھتے ہی رہتے ہیں... اس دفعہ منظر امام ایک دیسی سراغرساں کو نہ جانے کہاں سے ڈھونڈ لائے ہیں... جو اپنے کلائنٹ کی تفتیش ہی نہیں کرتے بلکہ اس سے منسلک تمام رشتوں کا ماضی، حال اور مستقبل بھی کھنگال ڈالتے ہیں۔ دلچسپ... پُرمزاح کہانی کے اسرار و رموز..

چاچا شگن اپنی نوعیت کے واحد انسان ہیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ اسکاٹ لینڈ میں ہوتے تو انہیں محکمۂ سراغ رسانی کا سربراہ بنا دیا جاتا۔

آپ انہیں کسی بھی شخص کے بارے میں بتا دیں، وہ اس شخص کے آباؤ اجداد تک کا کھوج لگا کر بتا دیں گے۔ ایک بار میں نے ان سے یوں ہی اپنے ایک دوست کے بھائی کے بارے میں کہہ دیا تھا۔

میرا وہ دوست اپنے بھائی کے بارے میں بہت پریشان تھا۔ کیونکہ اس کی حرکتیں مشکوک ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ رات دیر سے گھر آیا کرتا۔ اپنے کمرے میں بند ہو کر سو جاتا۔

میرا دوست راشد کی طرف سے بہت الجھا ہوا تھا۔

''یار وہ کہیں کسی غیر قانونی کاموں میں تو نہیں پڑ گیا؟''

''تم اس سے بات کر کے دیکھو۔'' میں نے کہا۔

''میں نے بات کی تھی لیکن وہ مجھے ٹال دیتا ہے۔'' حامد نے کہا۔ حامد میرے دوست کا نام تھا جبکہ اس کا بھائی راشد تھا۔

''کیا اس کے پاس پیسے ہوتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، پیسے بھی ہوتے ہیں۔'' حامد نے بتایا۔

PakiBooks.Site

''کہاں سے آتے ہیں، یہ میں نہیں جانتا۔''

''سیدھی سی بات ہے تمہارا بھائی غیر قانونی دھندے کرنے والوں کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس وقت نہیں ہوتا کہ اس کی نگرانی کرسکوں۔'' حامد نے کہا۔ ''صبح کو جاتا ہوں۔ شام کو آتا ہوں۔ اب کیسے پتا چلے؟''

اور اس وقت مجھے چاچا شکن کا خیال آگیا۔ ''یار میرے ایک رشتے دار ہیں۔ ہم انہیں چاچا شکن کہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے جاسوس ہیں۔ پاتال تک کی خبریں لے کر آجاتے ہیں۔ میں ان کو تمہارے بھائی کے پیچھے لگا دیتا ہوں۔''

''یار، اگر وہ کام کے ہیں تو ان سے بات کرلو۔''

''بے چارے غریب آدمی ہیں۔ انہیں بھاگ دوڑ کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوگی۔''

''وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ میں دے دیتا ہوں بلکہ ایسا کرو۔ ابھی مجھ سے دو ہزار روپے لے جاؤ۔'' حامد نے اپنی جیب سے دو ہزار نکال کر مجھے دے دیے۔ ''ان پیسوں سے کام تو شروع ہوجائے گا نا؟''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ چاچا شکن کو تمہارے بھائی کا چہرہ کیسے دکھایا جائے تاکہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائیں۔'' میں نے کہا۔

''وہ گیارہ بجے گھر سے نکلتا ہے۔ تمہارے چاچا ساڑھے دس بجے تک سامنے فٹ پاتھ پر آکر کھڑے ہو جائیں۔ تم بھی آجانا۔ میں کل دیر سے دفتر جاؤں گا جیسے ہی وہ باہر نکلے تم بھی مکان سے باہر آکر اپنے چاچا کو اشارہ کردینا۔''

''ٹھیک ہے، میں کل صبح تمہارے پاس آرہا ہوں۔''

اپنے دوست کے بعد میں چاچا شکن کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اس وقت پان والے سے ادھار پان مانگ رہے تھے جبکہ وہ دینے سے انکار کررہا تھا۔ ''نہیں چاچا، تمہارے پہلے کے اتنے پیسے ہیں۔ پہلے ان کا حساب کرجاؤ، پھر آگے لینا۔''

''ابے تم کیا سمجھتے ہو۔ تمہارے پیسے لے کر بھاگ جاؤں گا۔ سفید پوش آدمی ہوں میں۔''

''چاچا تم سفید پوش رہو یا سیاہ پوش ہو جاؤ، میرا حساب کرجاؤ۔''

اتنی دیر میں چاچا شکن نے مجھے دیکھ لیا۔ ان کی باچھیں کھل اٹھیں۔ ''ارے نصیر میاں، تم اس وقت کیسے آگئے؟''

''چاچا! میں تمہارے لیے ایک کیس لے کر آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی دو ہزار بھی ان کی طرف بڑھا دیے۔ ''یہ رکھ لو یہ تمہارے ایڈوانس ہیں۔''

دو ہزار لیتے ہی چاچا کی تو شان ہی کچھ اور ہوگئی۔ وہ پان والے کی دکان پر پہنچ گئے۔ ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''یہ لو اپنے چھ سو روپے، آدمی دیکھ کر بات کیا کر، اب بنا دے ایک درجن پان یا انھی بھی نخرے کرے گا؟''

پان والا کیا بول سکتا تھا، اس کو تو پیسے مل گئے تھے۔

کچھ دیر بعد میں اور چاچا شکن ایک ہوٹل میں بیٹھے تھے۔ ''ہاں میاں اب بتاؤ، کیا کیس ہے؟''

میں نے ساری تفصیل بتا دی۔ تفصیل سن لینے کے بعد چاچا کسی سوچ میں پڑ گئے پھر بولے۔ ''ہاں میاں، وہ لونڈا کسی چکر میں پڑ گیا ہے۔ تم اپنے دوست کو تسلی دے دو۔ میں تو اس کی جڑیں تک کھود کر لے آؤں گا۔''

''تو پھر کل صبح جو پتا بتایا ہے، وہاں پہنچ جانا۔'' میں نے کہا۔ ''اور جس کی طرف اشارہ کروں بس اس کے پیچھے ہولینا۔''

''ارے تم اس کی فکر ہی مت کرو۔'' چاچا نے کہا۔ ''ایسے ایسے کئی کیس نمٹا چکا ہوں۔''

پروگرام کے مطابق میں دوسری صبح حامد سے ملنے اس کے گھر پہنچ گیا۔ سب کچھ وہی ہوا۔ اس کا بھائی جیسے ہی گھر سے باہر نکلا۔ میں بھی گھر سے باہر آگیا۔ سامنے والے فٹ پاتھ پر چاچا کھڑے ہوئے تھے۔ کمال یہ تھا کہ چاچا نے سیاہ رنگ کا چشمہ بھی لگا رکھا تھا یعنی ان کی جاسوسی شروع ہو چکی تھی۔ میں نے چاچا کو اشارہ کرکے بتا دیا کہ یہی راشد ہے۔ چاچا نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلا دی۔

راشد ایک طرف پیدل جارہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ چاچا بھی اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔

ایک ہفتے بعد چاچا نے ایک رپورٹ لاکر دی۔ وہ ایسی رپورٹ تھی کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی عش عش کھا جائیں۔ انہوں نے لکھا تھا۔ ''سترہ تاریخ کو گیارہ بجے راشد اپنے گھر سے نکلا اور سیدھا چلتا گیا۔ آگے جاکر ایک سگریٹ والے سے سگریٹ خریدی۔ اس کے پاس سو کا نوٹ تھا۔ کھلا ملنے میں دیر ہوئی تو اس نے سگریٹ والے کو دو چار گالیاں سنائیں۔ سگریٹ والا گالیاں کھا کر خاموش رہا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ راشد سے ڈرتا تھا۔ کھلا لے کر راشد پھر آگے بڑھ گیا۔ وہ ایک پارک میں پہنچ گیا۔ اگرچہ اس وقت دھوپ تھی لیکن وہ ایک بینچ پر جاکر بیٹھ گیا اور

سگریٹ پیتا رہا۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی اس کے پاس آگیا۔ (میری بعد کی تحقیق کے مطابق اس کا نام بالے ٹنٹا تھا)

''وہ موبائل چوروں کے ایک گروہ کا سرغنہ ہے اور موبائل چوروں میں اس کا نام بہت عزت سے لیا جاتا ہے۔ اس کا باپ کرم داد بھی ایک کرمنل تھا۔ تین بار جیل جاچکا تھا۔ اسی لیے برادری میں اس کا بہت احترام تھا۔ بالے ٹنٹا کی دو بہنیں ہیں حمیدہ اور فریدہ۔

''حمیدہ دبلی پتلی اسمارٹ سی ہے جبکہ فریدہ ایک موٹی عورت ہے۔ دونوں بہنیں دو، دو بار کی شادی شدہ ہیں۔ حمیدہ کا موجودہ عشق ایک کار چور بالم سے چل رہا ہے۔ جو ہر شام کو اسے گھمانے لے جاتا ہے۔

''بالے نے راشد کو کچھ نوٹ دیے۔ میرے اندازے کے مطابق پانچ ہزار ہوں گے۔ راشد نے وہ نوٹ جیب میں رکھ کر دوسری جیب سے ایک قیمتی موبائل نکال کر بالے کو دے دیا۔ بالا اس سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔

''کچھ دیر بعد بالا، راشد کے شانے پر تھپکی دے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی راشد کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا۔ اس دن اس کی اور کوئی خاص ایکٹیویٹی نہیں رہی۔ اٹھارہ تاریخ۔ میں اس دن بھی اس کے پیچھے رہا۔

''وہ اپنے گھر سے اس دن سوا گیارہ بجے نکلا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ اس نے ایک رکشا کرلیا۔ خوش قسمتی سے مجھے بھی ایک رکشا مل گیا۔ میں اس کا تعاقب کرتا ہوا ملیر ٹینکی پہنچ گیا۔ جہاں ایک ہوٹل کے سامنے ایک لڑکی اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

''میری جاسوسی کے مطابق اس لڑکی کا نام صائمہ ہے۔ وہ ایک ایسے باپ کی بیٹی ہے جو جعلی نوٹ بنانے کا ماہر ہے۔ اس شعبے کے لوگ اس کا بہت احترام کرتے ہیں اور اسے استاد کہتے ہیں۔ استاد اپنی دو بیویوں کو ٹھکانے لگا چکا ہے۔

''صائمہ ایک ذہین اور ہونہار لڑکی ہے۔ اسی لیے اس کا باپ اسے جعلی نوٹ بنانے کے گر سکھا رہا ہے اور وہ خدا کے فضل سے دس کا نوٹ کامیابی سے بنانے لگی ہے۔

''بہرحال صائمہ راشد کے ساتھ رکشے میں بیٹھ گئی۔ رکشا شہر کی طرف آگیا۔ دونوں نے ایک شاندار سے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ مجھے بھی کچھ فاصلے کی میز مل گئی تھی۔ میں نے بھی اپنے لیے مغز فرائی اور روٹیاں منگوائیں۔ کھانا بہت ہی لذیذ تھا۔ اگرچہ پورے آٹھ سو روپے خرچ ہوگئے تھے لیکن دل خوش ہوگیا تھا۔ ایسا سالن یا تو میری پھوپی بنایا کرتی تھیں یا پھر اس ہوٹل میں کھانے کو ملا تھا۔ بہرحال کھانا کھا کر

ہنری خدا کے لیے اب تو اسے ٹپ (TIP) دے دو۔

وہ دونوں باہر نکلے۔ میں نے بھی اپنا بل ادا کیا اور ان کے پیچھے چل پڑا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک نوجوان نے اپنی بائیک ان کے پاس لاکر روک دی۔ وہ شخص دونوں کو جاننے والا تھا۔ اس کا نام سکندر تھا۔ (بعد کی تحقیق) وہ ان دونوں کا سہولت کار تھا۔ سہولت کار نے ان دونوں سے کچھ باتیں کیں۔ اس دوران میں اسی رکشے پر بیٹھا رہا تھا جس پر یہاں تک آیا تھا۔ رکشے والا بھی میرا پوری طرح ساتھ دے رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں سی آئی ڈی کا آدمی ہوں۔ اسی لیے وہ سرشار ہوکر میری بات مان رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ دیر بعد وہ نوجوان جس کا نام سکندر تھا اسی جگہ ایک درخت کے نیچے جاکر کھڑا ہو گیا جبکہ راشد نے اس کی بائیک سنبھال لی۔ وہ لڑکی صائمہ بھی اس کے ساتھ ہی بائیک پر بیٹھ گئی یعنی وہ دونوں کہیں جارہے تھے۔ میں نے رکشے والے سے کہا کہ دونوں کا پیچھا کرو لیکن کچھ اس طرح کہ دونوں کو پتا نہ چلے۔ اس نے کہا کہ صاحب فکر ہی نہ کریں۔ وہ دونوں بائیک پر ایک ایسی روڈ پر آگئے جو عام طور پر ویران رہتی ہے۔ بہت کم لوگ اس پر سفر کرتے ہیں۔ راشد نے ایک طرف بائیک کھڑی کر دی۔ رکشے والے نے بڑی ہوشیاری سے رکشے کو ایک درخت کے پیچھے چھپا دیا۔ وہ دونوں ہمارے رکشے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس لڑکی نے اپنے بیگ سے ایک ٹی ٹی نکال کر راشد کو دے دی۔

''بابو جی، یہ کہانی تو کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے۔'' رکشے والے نے مجھ سے کہا۔

''ہاں، بس چپ چاپ دیکھتے رہو کیا ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

PakiBooks.Site

''کچھ دیر بعد ایک کار اس طرف سے گزری۔ اس لڑکی نے کار والے کو اشارہ کیا۔ اس نے کار روک دی۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر اس کار والے کو لوٹ لیا۔ میں اور رکشے والا یہ تماشا دیکھتے رہے تھے۔ لوٹنے کے بعد دونوں فرار ہو گئے۔ کار والا واویلا ہی کرتا رہ گیا تھا۔ تو پتا چلا کہ راشد کا کام یہی تھا۔ وہ اور لڑکی مل کر گاڑی والوں کو لوٹتے تھے۔ وہ بائیک والا ان کا سہولت کار ہے۔

''اس کے بعد بھی میں نے راشد کا تعاقب کیا تاکہ مکمل رپورٹ دے سکوں۔ اب پتا چل گیا ہے کہ راشد کے تعلقات ایک اور لڑکی سے بھی ہیں جس کا نام جمیلہ ہے۔ اس کا باپ ایک دکاندار ہے۔ ملاوٹ کی چیزیں بیچتا ہے۔ خاص طور پر پسی ہوئی ہلدی اور دھنیے میں بہت ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس لڑکی کا بڑا بھائی بہت بڑا کاری گر سمجھا جاتا ہے۔ وہ چوری کرنے کا ماہر ہے۔ چور لوگ اس سے گر سیکھنے آیا کرتے ہیں۔

''اس پوری تفتیش پر میرے بارہ ہزار روپے خرچ ہو چکے ہیں جس میں سے دو ہزار مجھے مل چکے ہیں۔ دس ہزار اور چاہئیں فقط شگن۔ بقلم خود۔''

تو یہ تھی شگن چاچا کی مکمل رپورٹ۔ جس میں وہ راشد کی جڑیں تک کھود کر لے آئے تھے۔ ایسی رپورٹ تھی کہ خود حامد بھی حیران رہ گیا تھا۔ ''یار تمہارے شگن چاچا تو کمال کے آدمی ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں نے بتایا تھا نا کہ پاتال تک سے کھود کر لے آتے ہیں۔ اب تم اپنے بھائی کے سلسلے میں جو چاہو کرو لیکن شگن چاچا کے دس ہزار روپے دے دو۔ ورنہ وہ میری جان عذاب کر دیں گے۔''

''بھائی، یہ تو ان کا حق ہے۔'' حامد نے کہا۔

میں نے جب شگن چاچا کو دس ہزار جا کر دیے تو وہ خوشی سے بے حال ہو گئے۔ ''ہاں میاں یہ بات ہوئی نا، کھرا سودا۔ تم بس ایسے ہی کیسز میرے پاس لایا کرو۔ پھر میرا کمال دیکھو۔''

''شگن چاچا، ایک بات سمجھ نہیں آئی۔'' میں نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''آپ کو تو راشد کی جاسوسی کے لیے کہا تھا۔ آپ تو پورا شجرہ ہی اٹھا کر لے آئے؟''

''میاں، اپنا تو اسٹائل ایسا ہے۔ میں صرف ایک ہی بندے کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے پورے ماحول تک کو ادھیڑ کر لے آتا ہوں کن لوگوں میں اس کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے اور خود ان لوگوں کا بیک گراؤنڈ کیا ہے۔ یہ سب دیکھتا ہوں تب جا کر رپورٹ بنتی ہے۔''

''کچھ بھی ہو چاچا، میں تو آپ کے فن کا قائل ہو گیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

کچھ دنوں کے بعد خود مجھے شگن چاچا کی خدمات کی ضرورت پڑ گئی۔ معاملہ میری محبت کا تھا۔

رضیہ سے میری دوستی تھی۔ ہم ساتھ جایا کرتے تھے۔ اکثر شاپنگ کے لیے چلے جاتے۔ ہوٹل میں کھانا کھاتے۔ کبھی کبھی سی ویو کی طرف نکل جاتے اور سمندر کو دیکھتے رہتے۔ وہ ایک کالج میں پڑھتی تھی۔ اس کے خواب بہت اونچے تھے وہ کہا کرتی تھی۔ ''نصیر دیکھ لینا۔ میرے سارے خواب تم ہی پورے کرو گے، یہ میرا دل کہتا ہے۔''

ہم رات کو ایک دوسرے کو فون ضرور کرتے تھے اور دیر تک باتیں کرتے رہتے۔ یہ ہمارا روٹین تھا لیکن دو چار دنوں سے اس کا فون نہیں آیا تھا۔ انتظار کرنے کے بعد میں نے فون کیا تو اس کی امی نے فون اٹھایا۔ وہ بھی مجھے بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد میں نے جب رضیہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا۔

''بیٹا وہ تو اپنا موبائل گھر چھوڑ کر گئی ہے۔''

''کہاں گئی ہے آنٹی؟'' میں نے پوچھا۔

''اپنی کسی سہیلی کے پاس گئی ہے، کہہ رہی تھی اسی کی گاڑی میں واپس آجاؤں گی۔'' اس کی امی نے بتایا۔

میرے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔ اس نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔ خیر دوسرے دن جب میں نے دن میں فون کیا تو اس نے بتایا کہ وہ کہیں نکلی ہوئی ہے اور شام تک گھر واپس آئے گی۔ میں نے پوچھا بھی کہ وہ کس جگہ ہے تو اس نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے ٹال دیا۔ اس کی طرف سے مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔

اس سے میری ملاقات ایک ہفتے کے بعد ہوئی تھی۔ کہاں تو اس کا یہ حال تھا کہ میرے بغیر ایک دن نہیں گزارتی تھی اور کہاں یہ کہ ایک ہفتے بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا بھی تو اس نے گول مول سا جواب دیا۔

یہی وہ موقع تھا جب مجھے شگن چاچا کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ ''چاچا یہ میرا اپنا کیس ہے، بالکل ذاتی۔''

''بیٹا تو اس کی فکر مت کر۔ جب میں دوسروں کے کام آسکتا ہوں تو تیرے کام کیوں نہیں آؤں گا لیکن مسئلہ وہی ہے تو تو جانتا ہی ہے کہ میرا کوئی کام نہیں ہے۔''

''ہاں چاچا، تم اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ دو ہزار نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ ''یہ لو لیکن مکمل رپورٹ چاہیے۔''

میں نے چاچا کو ٹاسک دے دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ چاچا کچھ دنوں کے بعد رپورٹ لا کر دے دیں گے۔

توقع کے مطابق چاچا نے ایک ہفتے بعد رپورٹ لکھ کر دے دی۔ ان کی رپورٹ کچھ یوں تھی۔ ''وہ لڑکی جس کا نام رضیہ ہے اور ماں کا نام نسیمہ ہے اور باپ حشمت ہے دو بھائی ہیں ایک کا نام اسلم ہے اور دوسرا اکرم ہے۔ دونوں بھائی جاب کرتے ہیں۔ بڑا بھائی اسلم ایک لڑکی سے شادی کرنے والا ہے۔ منگنی ہو چکی ہے۔ منگیتر کا نام غزالہ ہے۔ اسمارٹ سی لڑکی ہے۔ پانچ فٹ سے زیادہ کا قد ہے۔ پرفیوم کی بہت شوقین ہے بہت مہنگے پرفیوم استعمال کرتی ہے۔

''جہاں تک رضیہ کا معاملہ ہے تو اس کی دوستی تین لڑکوں سے ہے۔ ایک کا نام نصرت ہے۔ دوسرا نوید ہے۔ تیسرے کا نام نصیر ہے۔ نصرت سے اس کی ملاقات اتوار کو ہوا کرتی ہے۔ دونوں مل کر فلم دیکھنے جاتے ہیں۔ پچھلے ہفتے دونوں نے ٹوٹی کرٹس کی فلم دیکھی تھی جس کے دو سین بہت غضب کے ہیں۔ نوید سے وہ منگل کے دن ملتی ہے۔ وہ اسے منگل بازار لے جاتا ہے۔ پچھلی منگل کو اس نے منگل بازار سے ایمیٹیشن جیولری خریدی تھی جس کی قیمت چھ سو روپے تھی۔ پھر ہوٹل چلے گئے تھے۔ اس نوید کو نہاری بہت پسند ہے۔ خاص طور پر مٹی نہاری۔ کبھی کبھی وہ نہاری میں مغز بھی ڈلوا دیا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ نان کے بجائے تافتان کھاتا ہے۔ وہ لڑکی بھی اس کا ساتھ دیتی ہے۔ تیسرے بندے کا نام نصیر ہے جو پانی کے محکمے میں کام کرتا ہے۔ وہ ایک خوش شکل نوجوان ہے۔ کالج کے زمانے میں فٹ بال بھی کھیلا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے تین گول بنا کر ہیٹ ٹرک بھی کی تھی۔ وہ اس لڑکی سے اکثر ملاقات کیا کرتا ہے۔ اس کے لیے کسی دن کی کوئی قید نہیں ہے۔''

میں یہ رپورٹ پڑھ کر تپ سا گیا تھا۔ میرا شبہ درست ہی نکلا۔ رضیہ کچھ لڑکوں سے ملا کرتی تھی۔ میں نے اس کا غصہ چاچا پر اتارا۔ ''چاچا یہ تیسرا نوجوان تو خود میں ہوں۔ تم جس کی رپورٹ لے آئے ہو۔''

''میں نے کہا تھا نا کہ میں جس کی تفتیش کرتا ہوں۔ اس کے پورے ماحول کی بھی کرتا ہوں۔ اس کے جاننے والوں تک کے شجرے لے آتا ہوں۔ نصیر کی پوری تفصیل یہ دوسرے کاغذ پر ہے۔ ذرا یہ بھی دیکھ لو۔'' چاچا نے ایک اور سلپ میری طرف بڑھا دی، اس میں لکھا تھا۔

''نصیر ایک دل پھینک نوجوان ہے۔ رضیہ کے علاوہ اس کی دوستی تین اور لڑکیوں سے ہے۔ ایک لڑکی کا نام ثریا ہے۔ دوسری ماہا ہے۔ تیسری مہناز ہے۔ ثریا تھوڑا لہرا کر چلتی ہے۔ اسی لیے اس کی چال میں ایک خاص قسم کی دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ نصیر اکثر اس سے کہتا ہے کہ تم جب چلتی ہو تو ایسا لگتا ہے کہ دریا میں ہلکی ہلکی موجیں اٹھ رہی ہوں۔''

''چاچا یہ سب کیا ہے؟'' میں نے بھنا کر پوچھا۔ ''تم نے خود میری جاسوسی کیوں کر ڈالی؟''

''برخوردار، بات صرف اتنی ہے کہ شیشے کے گھر میں رہنے والوں کو دوسری طرف پتھر نہیں پھینکنا چاہیے۔ ایک طرف اگر رضیہ کے شب و روز ہیں تو دوسری طرف تمہاری بھی اسی قسم کی زندگی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ رضیہ مجھے نہیں جانتی؟''

''کیا؟'' میں بوکھلا گیا۔ ''رضیہ تم کو جانتی ہے؟''

''بہت اچھی طرح۔ میری شہرت دور دور تک ہے سمجھے۔ جس طرح تم نے رضیہ کے لیے میری خدمات حاصل کی ہیں۔ اسی طرح تمہارے لیے رضیہ نے بھی خدمات حاصل کی تھیں۔ اب یہ والی رپورٹ میں جا کر رضیہ کو دے رہا ہوں۔''

''نہیں چاچا۔'' میں گڑبڑا کر بولا۔ ''ایسا مت کرو، اس کو کچھ مت بتانا۔''

''تو پھر یہ پہلے سوچ لیتے نا کہ اگر تم کسی لڑکی کی چال چلن کی تصدیق کرواتے پھرتے ہو تو لڑکی کو بھی اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی لڑکے کی تصدیق کروا لے۔ پابندی اگر ہو گی تو دونوں کے لیے ہو گی بیٹا۔ اگر آزادی ہوئی تو بھی دونوں کے لیے ہو گی۔ یہ معاشرہ اسی لیے تو یک طرفہ ہو کر رہ گیا ہے کہ مرد اپنا دامن جھاڑ کر نکل لیتے ہیں۔ سنگسار صرف عورت ہی ہوتی ہے۔ تیزاب بھی اسی کے چہرے پر پھینکا جاتا ہے۔ مرد کے چہرے پر نہیں پھینکا جاتا۔ حالانکہ دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر ہوتے ہیں۔''

چاچا یہ بات کہہ کر نکل لیے..... اور میں سوچتا ہی رہ گیا کہ اس عام سے نظر آنے والے چاچا شگن نے کس طرح مجھے ایک سبق دے دیا تھا۔

میں نے اب رضیہ کو جیسی ہے جہاں ہے کی بنیاد پر قبول کر لیا ہے۔ ہماری شادی شدہ زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔ اس نے بھی سب کو چھوڑ دیا ہے اور میں نے بھی.....

Pakistanibooks.site

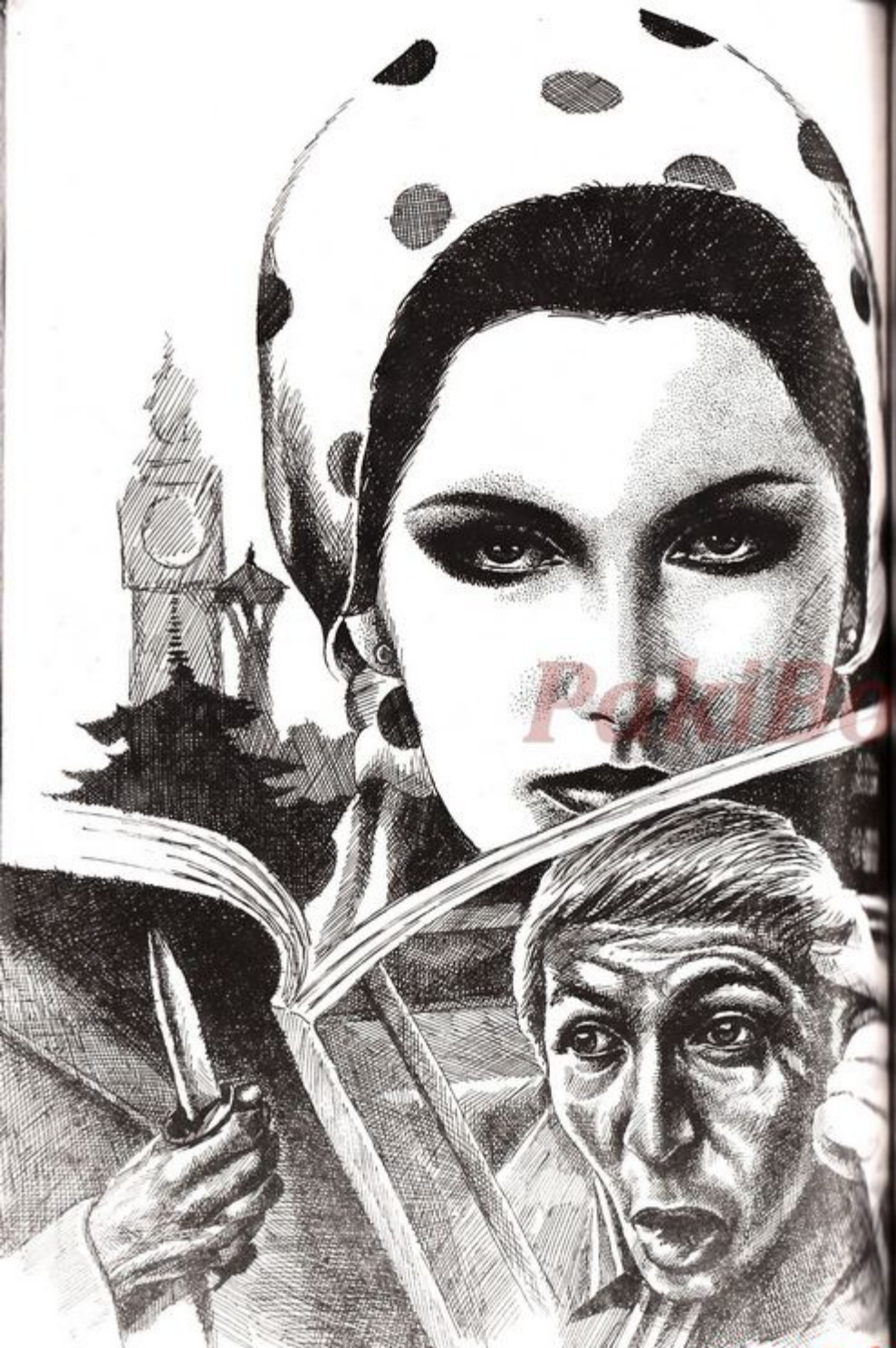

آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھناؤنے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہو رہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جوان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگارنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...

قسط نمبر: 53

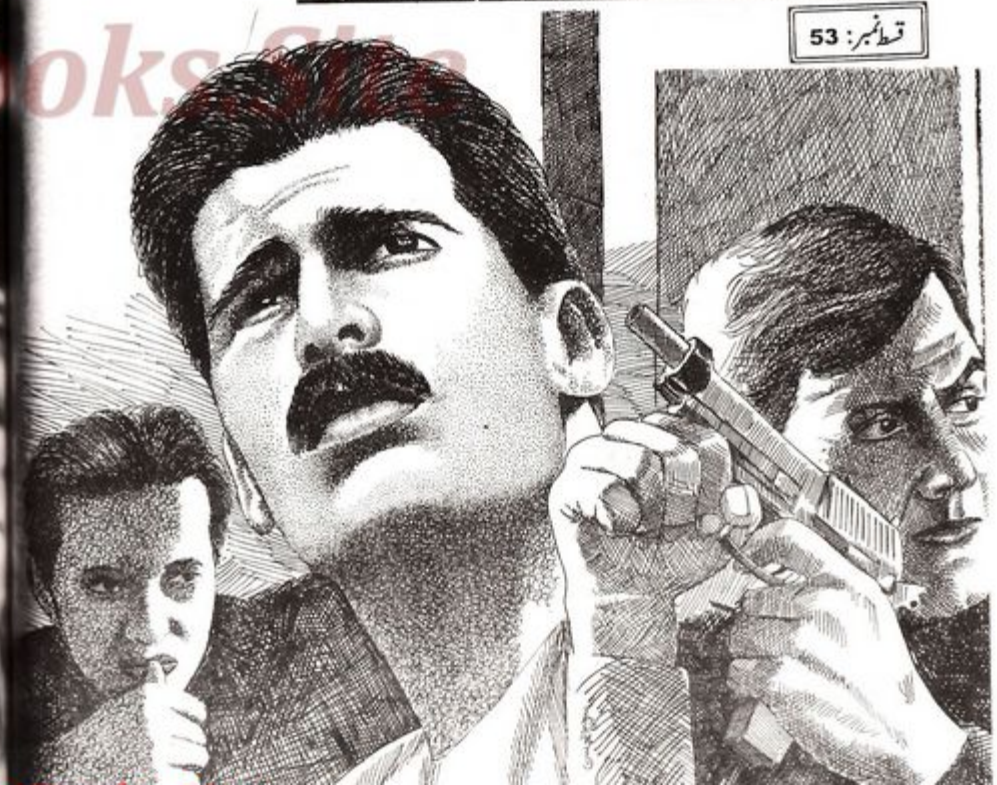

PakiBooks.Site

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

شہزاد احمد خان شہزی نے ہوش سنبھالا تو اسے اپنی ماں کی ایک ہلکی سی جھلک یاد تھی۔ باپ، سوتیلی ماں کے کہنے پر اسے اطفال گھر چھوڑ گیا جو یتیم خانے کی ایک جدید شکل تھی جہاں بوڑھے بچے سب ہی رہتے تھے۔ ان میں ایک لڑکی عابدہ بھی تھی، شہزی کو اس سے انسیت ہوگئی۔ شہزی کی دوستی وہاں ایک بوڑھے سردبابا سے ہوگئی جن کی حقیقت جان کر شہزی کو بے حد حیرت ہوئی کیونکہ وہ بوڑھا لاوارث نہیں بلکہ ایک کروڑپتی شخص تھا۔ اس کے اکلوتے بیٹے نے اپنی بیوی کے کہنے پر سب کچھ اپنے نام کروا کر اسے اطفال گھر میں پھینک دیا تھا۔ اطفال گھر پر رفتہ رفتہ جرائم پیشہ عناصر کا عمل دخل بڑھنے لگتا ہے۔ شہزی کا ایک دوست اول خیر چوہدری ممتاز خان کے حریف گروپ جس کی سربراہ ایک جوان خاتون زہرہ بیگم ہے، سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں وہ چھوٹے استاد کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بڑا استاد کمیل دادا ہے جو زہرہ بانو کا خاص دست راست اور اس کا یکطرفہ چاہنے والا بھی تھا۔ زہرہ بانو درحقیقت ممتاز خان کی سوتیلی بہن ہے۔ دونوں بھائی بہنوں کے بیچ زمین کا تنازع عرصے سے چل رہا تھا۔ کمیل دادا، شہزی سے خار کھانے لگتا ہے۔ اس کی وجہ زہرہ بانو کا شہزی کی طرف خاص التفات ہے۔ بیگم صاحب کے حریف، چوہدری ممتاز خان کو شہزی ہر محاذ پر شکست دیتا چلا آرہا تھا، زہرہ بانو، لئیق شاہ نامی ایک نوجوان سے محبت کرتی تھی جو درحقیقت شہزی کا ہم شکل ہی نہیں، اس کا بچھڑا ہوا بھائی تھا۔ شہزی کی جنگ پھیلتے پھیلتے ملک دشمن عناصر تک پہنچ جاتی ہے۔ ساتھ ہی شہزی کو اپنے ماں باپ کی بھی تلاش تھی۔ وزیر جان جو اس کا سوتیلا باپ ہے، اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ وہ ایک جرائم پیشہ گینگ ''اسپیکٹرم'' کا زونل چیف تھا، جبکہ چوہدری ممتاز خان اس کا حلیف۔ رینجرز فورس کے میجر ریاض ان ملک دشمن عناصر کی کھوج میں تھے لیکن دشمنوں کو سیاسی اور عوامی حمایت حاصل تھی۔ لوہے کو لوہے سے کاٹنے کے لیے شہزی کو اعزازی طور پر بھرتی کرلیا جاتا ہے اور اس کی تربیت بھی پاور کے ایک خاص تربیتی کیمپ میں شروع ہوجاتی ہے، عارفہ علاج کے سلسلے میں امریکا جاتے ہوئے عابدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اسپیکٹرم کا سربراہ لولوش، شہزی کا دشمن بن چکا ہے، وہ جے بی سی (جیوش بزنس کمیونٹی) کی ملی بھگت سے عابدہ کو امریکی سی آئی اے کے چنگل میں پھنسا دیتا ہے۔ اس سازش میں بالواسطہ عارفہ بھی شریک ہوتی ہے۔ باسکل ہولارڈ، ایک یہودی نژاد کٹر مسلم دشمن اور جے بی سی کے خفیہ دنیائے مسلم کے خلاف سازشوں میں ان کا دست راست ہے۔ باسکل ہولارڈ کی فورس ٹائیگر فنگ شہزی کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ باسکل ہولارڈ کی لاڈلی بیٹی انجیلا، لولوش کی بیوی ہے۔ اڈیسہ کمپنی کے شیئرز کے سلسلے میں عارفہ اور سردبابا کے درمیان چپقلش آخری نہج پر پہنچ جاتی ہے، جسے لولوش اپنی ملکیت سمجھتا ہے، ایک نودولتیا سیٹھ نوید سانچے والا مذکورہ شیئرز کے سلسلے میں ایک طرف تو لولوش کا ناٹوٹ ہے اور دوسری طرف وہ عارفہ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ اس دوران شہزی اپنے ماں باپ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ اس کا باپ تاج دین شاہ، درحقیقت وطن عزیز کا ایک گمنام بہادر غازی سپاہی تھا۔ وہ بھارت کی خفیہ ایجنسی کی قید میں تھا۔ بھارتی خفیہ ایجنسی بلیوٹمسی کا ایک افسر کرنل سی جی بھجوانی، شہزی کا خاص ٹارگٹ ہے۔ شہزی کے ہاتھوں بیک وقت اسپیکٹرم اور بلیوٹمسی کو ذلت آمیز شکست ہوتی ہے اور وہ دونوں آپس میں خفیہ گٹھ جوڑ کرلیتے ہیں۔ شہزی، کمیل دادا اور زہرہ بانو کی شادی کرنے کی بات چلانے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں کمیل دادا کا شہزی سے نہ صرف دل صاف ہوجاتا ہے بلکہ وہ بھی اول خیر کی طرح اس کی دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے۔ باسکل ہولارڈ، امریکا میں عابدہ کا کیس دہشت گردی کی عدالت میں منتقل کرنے کی سازش میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ امریکا میں مقیم ایک بین الاقوامی مبصر اور رپورٹر آنسہ خالدہ، عابدہ کے سلسلے میں شہزی کی مدد کرتی ہے۔ وہی شہزی کو مطلع کرتی ہے کہ باسکل ہولارڈ، سی آئی اے میں ٹائیگر فنگ کے دو ایجنٹ اس کو اغوا کرنے کے لیے خفیہ طور پر امریکا سے پاکستان روانہ کرنے والا ہے۔ شہزی ان کے شکنجے میں آجاتا ہے، ٹائیگر فنگ کے مذکورہ دونوں ایجنٹ اسے پاکستان سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاز راں کمپنی اڈیسہ کے شیئرز کے سلسلے میں لولوش برما (رنگون) میں مقیم تھا۔ اس کا دست راست سے جی کوہارا، شہزی کو ٹائیگر فنگ سے چھین لیتا ہے اور اپنی ایک لگژری بوٹ میں قیدی بنالیتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات ایک اور قیدی، بشام پھلکری سے ہوتی ہے جو کبھی اسپیکٹرم کا ایک ریسرچ آفیسر تھا جو بعد میں تنظیم سے کٹ کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ بشام اسے پاکستان میں موئن جودڑو سے برآمد ہونے والے طلسم نور ہیرے کے راز سے آگاہ کرتا ہے جو چوری ہوچکا ہے اور لولوش اور سی جی بھجوانی کے ایک مشترکہ معاہدے کے تحت سے جی کوہارا کی بوٹ میں بلیوٹمسی کے چندرناتھ، شیام اور کورنیلا آتے ہیں۔ وہ شہزی کو آنکھوں پٹی باندھ کر بلیوٹمسی کے ہیڈکوارٹر لے جاتے ہیں، وہاں پہلی بار بلیوٹمسی کے چیف سی جی بھجوانی کو شہزی اپنی نظروں کے سامنے دیکھتا ہے، کیونکہ یہ وہی درندہ صفت شخص تھا جس نے اس کے باپ پر اس قدر تشدد کے پہاڑ توڑے تھے کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ اب پاکستان میں شہزی کے باپ کی حیثیت ڈکلیئر ہوگئی تھی کہ وہ ایک محب وطن گمنام سپاہی تھا، تاج دین شاہ کو ایک تقریب میں اعلیٰ فوجی اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے شہزی کی اہمیت بھی کم نہ تھی، یوں بھجوانی اپنے منصوبے کے مطابق اس کی رہائی کے بدلے پاکستان میں گرفتار شدہ اپنے جاسوس سندر داس کو آزاد کروانا چاہتا تھا۔ ایک موقع پر شہزی، اس بری قصاب، سے جی کوہارا اور اس کے ساتھی بھوک کو بے بس کردیتا ہے، وہاں سوشیلا کے ایل ایڈوانی سے اپنی بہن، بہنوئی اور اس کے دو معصوم بچوں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے شہزی کی ساتھی بن جاتی ہے۔ دونوں ایک خونی معرکے کے بعد وہاں سے فرار ہوجاتے ہیں۔ پولیس ان دونوں کے تعاقب میں تھی مگر شہزی اور سوشی کا سفر جاری رہتا ہے۔ حالات کی مستقل پُرفریبیوں کے باوجود وہ اس چھوٹی سی بستی میں تھے کہ کوہارا اور چندرناتھ حملہ کردیتے ہیں۔ خونی معرکے کے بعد شہزی اور سوشیلا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ شہزی کا پہلا ٹارگٹ صرف سی جی بھجوانی تھا۔ ممبئی ان کی منزل تھی۔ موہن اور ان دونوں کو ایک ریسٹورنٹ میں ملنا تھا مگر اس کی آمد سے پہلے ہی وہاں ایک ہنگامہ ان کا منتظر تھا۔ کچھ لوفر ٹائپ لڑکے ایک رینا نامی لڑکی کو تنگ کررہے تھے۔ شہزی کافی دیر سے یہ برداشت کررہا تھا۔ بالآخر اس کا خون جوش میں آیا اور ان غنڈوں کی اچھی خاصی مرمت کروالی۔ رینا اس کی مشکور تھی۔ اسی اثنا میں رینا کے باڈی گارڈ وہاں آجاتے ہیں اور یہ روح فرسا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ کے ایل ایڈوانی کی پوتی ہے۔ ان کے ساتھ آسمان سے گرے کھجور میں اٹکنے والا معاملہ تھا۔ شہزی، رینا کو اپنے پاکستانی ہونے اور اپنے مقاصد کے بارے میں بتا کر قائل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ رینا، شہزی کی مدد کرتی ہے اور وہ اپنے ٹارگٹ بلیوٹمسی تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہاں کی

خاموشی سے مقابلے کے بعد بلیوٹمسی کے ہیڈکوارٹر میں تباہی مچا دیتا ہے اور سی جی بھجوانی کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ شہزی نے ایک بوڑھے کا روپ دھارا ہوا تھا۔ سی جی بھجوانی، شہزی کے گن کے نشانے پر تھا مگر اسے مار نہیں سکتا کہ شہزی کے ساتھی اول خیر، شکیلہ اور کمیل دادا اس کے قبضے میں تھے اور کالا پانی ''انڈیمان'' پہنچا دیے گئے تھے۔ کالا پانی کا نام سن کر شہزی گنگ رہ جاتا ہے کیونکہ وہاں جانا ناممکنات میں سے تھا۔ اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لیے سی جی بھجوانی کو ٹارچر کرتا ہے۔ بھجوانی مدد کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ اسی اثنا میں کورنیلا فون پر بتاتی ہے کہ تینوں کو ''گل منجارو'' پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ نام سن کر شہزی مزید پریشان ہوجاتا ہے۔ اچانک بلراج سنگھ حملہ آور ہوتا ہے۔ مقابلے میں سی جی بھجوانی مارا جاتا ہے۔ پھر شہزی کی ملاقات نانا شکور سے ہوتی ہے، جو ممبئی کا ایک بڑا اسمگلر تھا۔ نانا شکور شہزی کی مدد کے لیے تیار ہوجاتا ہے اور پھر شہزی، سوشیلا اور نانا شکور کے ہمراہ گل منجارو کی طرف روانہ ہوجاتا ہے۔ نانا شکور کی سربراہی میں رات کی تاریکی میں سفر جاری تھا۔ چٹائی کے گھنے دلدلی جنگل کی حدود شروع ہوچکی تھی کہ اچانک جنگلی وحشی زہریلے تیروں سے حملہ کردیتے ہیں۔ شہزی اپنی گن سے جوابی فائرنگ کرکے کچھ جنگلی وحشیوں کو ختم کردیتا ہے۔ پھر وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں مگر تاریکی کی وجہ سے نانا شکور دلدل میں پھنس کر ہلاک ہوجاتا ہے۔ اس سناٹے میں اب شہزی اور زخمی سوشیلا کا سفر جاری تھا کہ وہ ایک نیم صحرائی علاقے میں پہنچ جاتا ہے جہاں حدِنگاہ کالی چٹانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ سوشیلا کو جیپ میں چھوڑ کر خود ایک قریبی پہاڑی کا رخ کرتا ہے۔ واپسی کے لیے پلٹتا ہے تو ٹھٹک کر رک جاتا ہے کیونکہ ہر طرف سیاہ رنگ کے موٹے اور بڑے ڈنک والے بچھو تھے۔ بچھوؤں سے بچ نکلنے کے لیے وہ اندھا دھند دوڑتا ہے۔ ڈھلوان پر دوڑتے ہوئے لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے اور چٹانی پتھر سے ٹکرا کر بے ہوش ہوجاتا ہے۔ ہوش میں آنے پر خود کو ایک لانچ میں پاتا ہے۔ وہ لانچ میجر کیم کھلا اور اس کی بیٹی سونگ کھلا کی تھی۔ وہ نایاب کالے بچھوؤں کے شکاری تھے اور بچھوؤں کا کاروبار کرتے تھے۔ اچانک سونگ کھلا کی نظر بے ہوش شہزی پر پڑتی ہے اور اسے ان بچھوؤں سے بچالیتی ہے۔ شہزی خود کو ایک ہندو ظاہر کرکے فرضی کہانی سنا کر باپ بیٹی کو اعتماد میں لے لیتا ہے۔ اسی اثنا میں برمی مسلم گروپ کا مجاہد تولا ان پر حملہ کردیتا ہے۔ شہزی کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیم کھلا کو بے گناہ اور مظلوم برمی مسلمانوں کے قتل کا ٹاسک ملا ہوا ہے تو وہ کیم کھلا اور اس کے ساتھیوں کو جہنم واصل کردیتا ہے، پھر مارتھ انڈیمان کے ساحل کا رخ کرتا ہے۔ جہاں گل منجارین سے ٹاکرا ہوجاتا ہے۔ شہزی کمات لگا کر ان کے ایک ساتھی دیال داس کو قابو کرلیتا ہے اور اس کا بھیس بھر کر ان میں شامل ہوجاتا ہے۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ اس سارے چکر میں جنرل کے ایل ایڈوانی کا ہاتھ ہے اور اس کا نائب بلراج سنگھ بھی موجود ہے۔ جنرل ایڈوانی یہاں اپنے خاص مشن کی تکمیل اور ٹھکانے کو مضبوط بنانے کے لیے ڈارک کیسل نام کی عمارت تعمیر کروا رہا تھا جس کے پیچھے بیرونی طاقتیں تھیں۔ ایڈوانی نے اپنے مکروہ مفادات کے لیے گل منجارین سے مل کر جاوا قبیلے کے سردار کو مار کر پورے جاوا قبیلے کو اپنا غلام بنالیا تھا۔ ایڈوانی اور بلراج شہزی کو دیال داس کے بہروپ میں پہچان نہ سکے اور وہ چالاکی سے اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ پھر شہزی منصوبے کے تحت بلراج سنگھ کو جہنم واصل کرتا ہے۔ ایڈوانی ڈارک کیسل سے موٹربوٹ کے ذریعے فرار کی کوشش کرتا ہے۔ شہزی ساتھیوں سمیت ایڈوانی کا پیچھا کرتا ہے اور اسے سمندر بُرد کرکے طلسم نور ہیرا حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے پھر ہندوستانی مچھیروں کے روپ میں پاکستان کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں دونوں ملکوں کے کوسٹ گارڈز سے نمٹتے اپنی سرزمین پاکستان پہنچتے ہی زہرہ بانو سے رابطہ کرتا ہے۔ ملتان جانے سے پہلے لاڑکانہ پہنچ کر بشام کی بیوہ ارم سے ملتا ہے۔ وہاں کا زمیندار شاہ نواز خان جو پہلے بھی ہیرا چوری کرچکا خواب دوبارہ حاصل کرنے کے چکر میں بشام کی بیوہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ شہزی وغیرہ کی آمد پر شاہ نواز خان دھوکے سے بشام کے قتل اور اس کی بیوہ ارم کے اغوا کے جرم کی رپورٹ کرادیتا ہے۔ پولیس اول خیر اور کمیل دادا کو پکڑ کر لے جاتی ہے۔ شہزی کو شاہ نواز خان اپنا قیدی بنا کر لے جاتا ہے۔ اچانک رات کے سناٹے میں خطرناک ڈاکو پریل چانڈیو حویلی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ واپسی میں شاہ نواز کی بیٹی سونہڑیں بھی ساتھ ہوتی ہے جو اس کی محبوبہ ہے۔ جاتے ہوئے پریل، شہزی کو بھی اپنے اڈے پر لے جاتا ہے۔ اسی رات پریل کا نائب لائق ماچھی لانچ میں آکر سازش کرتا ہے اور پریل کو غائب کراکر خود سردار بن بیٹھتا ہے اور سونہڑیں کو تاوان کے لیے قبضے میں کرلیتا ہے۔ شہزی، لائق ماچھی کے ساتھی عارب خان کو قابو کرلیتا ہے۔ شہزی، پریل کو بچالانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ پریل، شہزی کا احسان مند ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شہزی کے ساتھیوں اور سونہڑیں کو چھڑانے کے لیے تھانے پر حملہ کردیتا ہے مگر رینجرز کی اینٹی ڈکیت فورس وہاں پہلے سے موجود تھی۔ مقابلے میں پریل اور اس کے ساتھی مارے جاتے ہیں۔ شہزی اور اس کے ساتھی رینجرز کی تحویل میں چلے جاتے ہیں۔ شہزی، میجر وسیم کو اپنے بارے میں تمام حقائق سے آگاہ کرتا ہے۔ میجر وسیم، شہزی پر اعتماد کرتے ہوئے بھاری نفری کے ساتھ شاہ نواز کے خفیہ ڈیرے پر ریڈ کرکے طلسم نور ہیرا برآمد کرلیتے ہیں۔ اس مہم کے بعد شہزی اپنے ساتھیوں سمیت بیگم ولا کا رخ کرتا ہے جہاں شہزی کے والدین اور زہرہ کی نگاہیں منتظر تھیں۔ پاکستان پہنچ کر شہزی کو پتا چلتا ہے کہ عارفہ، نوید سانچے والا کی قید میں ہے۔ عارفہ کو رہائی دلا کر نوید کو قانون کے شکنجے میں دے دیتا ہے پھر زہرہ کے تعاون اور ماں باپ کی دعاؤں کے سائے میں عابدہ کی رہائی کے لیے کمیل دادا اور شکیلہ کے ساتھ مشن پر امریکا روانہ ہوتا ہے۔ طیارہ ابھی پاکستانی حدود میں تھا کہ شہزی کا ٹاکرا وزیر جان سے ہوتا ہے۔ مگر شہزی، وزیر جان کو چکما دے کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور ایک تھائی لڑکی سانچی سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ وہاں ایک شاپنگ مال میں کچھ دہشت گرد حملہ آور ہوتے ہیں اور لوگوں کو یرغمال بنا کر اپنے قیدی چھڑانا چاہتے ہیں۔ ان کا سرغنہ، شہزی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ جو کاپا کوکا آدمی ہے۔ ایک مقام پر وزیر جان سے پھر ٹکراؤ ہوجاتا ہے۔ تادیر لڑائی کے بعد وزیر جان کو تہِ آب کرکے اپنے ازلی دشمن سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ وزیر جان کے خاتمے کے بعد کاپا کو کے ہرکارے شہزی کو بے ہوش کرکے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ کاپا کو، شہزی کی بہادری کا قائل ہوجاتا ہے اور خالص سونے کا گوتم بدھ کا مجسمہ جو پہلے ہی بنکاک میوزیم سے چرالیا گیا تھا، اب اسے امریکا پہنچانا تھا۔ اور اس کے لیے کاپا کو شہزی کا انتخاب کرتا ہے اور امریکی ایجنٹ روڈلف کے ساتھ امریکا روانہ ہوتا تھا کہ اسپیکٹرم کے ایجنٹوں سے ٹکراؤ ہوجاتا ہے۔ روڈلف ہر قدم پر اس کا ساتھ دیتا ہے۔ روڈلف کی دوست یاسمین اسے مل جاتی ہے۔ وہ ایک بار پھر کوہارا کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور بالآخر ایک طویل ساتھ کے بعد روڈلف مارا جاتا ہے۔

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

''یہ کیسا شور ہے......؟'' یاسمین خانم کے لبوں سے بے اختیار برآمد ہوا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' کہتے ہوئے میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کوٹھری نما کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ یاسمین نے بھی میری تقلید کی۔ پروفیسر جمشید اپنی جگہ بیٹھے ہماری جانب تکتا رہ گیا۔

کھڑکی کا ایک چوبی پٹ پہلے ہی کھلا ہوا تھا، قریب پہنچ کر دوسرا بھی میں نے وا کر دیا۔

باہر دھوپ نکلی ہوئی تھی، ریت اور ہوا کے پُرتپش بگولے فضا میں گردش کر رہے تھے اسی لیے وہاں کا منظر غیر واضح نظر آرہا تھا۔ بادِ سموم بھی چلنے لگی تھی اور اس کے جھلسا دینے والے تھپیڑے چہروں کو چھو رہے تھے۔

تاہم میں نے دیکھا کہ گھروں، مکانوں اور ان کی مختصر گلیوں کے درمیان چھوٹی سی میدانی زمین پر کچھ لوگ جمع تھے۔ وہ سب مقامی ہی نظر آتے تھے۔ تعداد زیادہ نہ تھی، وہاں دو شتربان بھی تھے۔ میں نے بہت غور سے منظر دیکھنے کی کوشش چاہی مگر ناکام رہا پھر فاصلہ بھی کچھ زیادہ تھا۔

ہم کھڑکی سے پلٹ آئے، یاسمین نے کھڑکی بند کر دی تھی۔ کوٹھری میں آکر پروفیسر جمشید نے دریافت کیا کہ یہ کیسا شور تھا۔ یاسمین نے بتا دیا کہ بستی کے چند لوگ آپس میں زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔

ہمارے اب تک کے ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ ایک دور افتادہ اور پسماندہ بستی تھی۔ جن کے باشندوں کی گزر اوقات مویشی، مرغیاں اور بھیڑیں چرانے پر تھی۔ اس کے نخلستان میں کھیتی باڑی کے بھی کچھ آثار نظر آتے تھے۔

بہرحال ادھر میرا ذہن ابھی تک پروفیسر جمشید کے ان الفاظ پر اٹکا ہوا تھا جو اس نے تھوڑی دیر پہلے ہی مجھ سے کہے تھے۔ جس کے مطابق اس نے مجھے یہ عندیہ دیا تھا کہ میں بہت آسانی کے ساتھ اور کسی مشکل میں پڑے بغیر اپنی منزل کی جانب کوچ کر سکتا ہوں۔

ایسے میں مجھے وہ واقعی ایک جھکی پروفیسر محسوس ہوا تھا جو ایک طرف قاہرہ (مصر) میں میری مشکلات کا اظہار کر رہا تھا اور اب دوسری جانب سُوئی کے ناکے سے بڑے آرام سے دھاگا نکال رہا تھا۔

لیکن میرے پوچھنے پر اس نے مجھے اس ''آسانی'' کی وجہ نہیں بتائی۔ میں نے بھی ایک جھکی کی ''بڑ'' پر اسے محمول کر کے چپ سادھ لی۔

ہم کافی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہے کہ اچانک دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی، ہم ایک بار پھر چونکے۔

''یہ کون آگیا؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' یاسمین کہتے ہوئے اٹھی۔

''میں بھی چلتا ہوں۔'' میں بھی کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں ایک بار پھر کوٹھری سے نکلے اور صحن میں آگئے، دروازے کے قریب پہنچے اور میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے وہی کرخت صورت ٹھگنا آدمی اور جوان لڑکا کھڑے تھے۔ یہ اسی شتربان ٹولے سے تعلق رکھتے تھے جو ہمیں بیچ صحرا سے اٹھا کر یہاں لائے تھے اور اب ہمارے مہربان میزبان تھے۔ ان کے ہمراہ بستی کے چند اور افراد بھی کھڑے ہماری جانب عجیب سی نظروں سے گھور رہے تھے۔ بالخصوص وہ ٹھگنا آدمی میری طرف گھورتی نظروں سے تکے جا رہا تھا۔

یاسمین نے مصری عربی میں ان کی آمد کا سبب دریافت کیا۔

ٹھگنے آدمی نے یاسمین سے کچھ کہا اور یاسمین اُلجھی ہوئی سی ایک نگاہ ان پر ڈالنے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''شہزی! یہ ہم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ ہم دونوں سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ان کے ساتھ دوسرے مکان تک چلنا ہو گا۔'' یاسمین نے کہا۔ مجھے کوئی اعتراض نہ تھا لیکن اُلجھن سی ضرور ہوئی تھی کہ آخر ایسی کیا بات ہو گئی جو یہ لوگ صرف یاسمین اور مجھ سے ہی کرنا چاہتے تھے، وہ بھی کسی دوسری جگہ۔

ہم نے پروفیسر جمشید کو یہ بات بتائی، وہ بھی سوچ میں پڑ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے بھی اپنا سر اثبات میں ہلا دیا کہ ہمیں ان کی بات سن لینا چاہیے۔

وہ لوگ مجھے اور یاسمین کو ایک نسبتاً بڑے اور کشادہ مکان میں لے گئے۔

یہاں ایک بلند چھت والا بڑا سا کمرا تھا۔ مجھے ایک بے چینی نے آلیا تھا۔ کسی نامعلوم خدشے سے دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور لگتا کچھ ایسا ہی تھا کہ تھوڑی دیر پہلے سنائی دینے والے شور کو میں اور یاسمین نہیں سمجھ پائے تھے اسی میں کچھ اسرار چھپا تھا جو ہماری نظروں سے پوشیدہ رہا تھا۔

یہاں فرش پر بھی کی بڑی سی چٹائی تھی۔ اس پر بوسیدہ سا قالین بچھا تھا۔ وہ سب تو نیم قوس کی صورت میں بیٹھ گئے، جبکہ مجھے اور یاسمین کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ٹھگنا مجھے کچھ عجیب سا انسان محسوس ہو رہا تھا اور بار بار ہماری طرف کچھ شک بھری نظروں سے تکے جا رہا تھا۔

پھر اس نے ہم سے کچھ کہا۔ میں تو نہ سمجھ سکا البتہ یاسمین نے سمجھ کر فوراً اپنی جانب اشارتاً گردن ہلا کر اسے کوئی جواب دیا اور پھر وہ ٹھگنا آدمی یاسمین سے کھردری آواز میں کچھ کہنے لگا، میری نظریں یاسمین کے چہرے کا جائزہ لینے لگیں، جہاں مجھے پہلے حیرت، پھر یک پریشانی کے تاثرات ابھرتے دکھائی دیے۔ وہ بھی گاہے بہ گاہے اسی کی زبان میں جواب دیتی رہی اور اس کا لہجہ بھی کچھ جوشیلا سا ہونے لگا تھا۔

مجھے نمایاں طور پر محسوس ہوا تھا کہ اس موٹے ٹھگنے اور خاکستری چہرے والے آدمی اور یاسمین کے درمیان کسی نوعیت کی گرما گرم بحث سی چھڑ گئی ہے۔

بالآخر تھوڑی دیر بعد یاسمین نے ایک گہری سانس لی اور اس ٹھگنے عجمی سے کچھ کہا۔

ٹھگنے نے میرے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور اٹھتے ہوئے یاسمین سے کچھ بولا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی کھڑے ہونے کا کہا۔

ہم سب مکان سے باہر آگئے۔ اس کے بعد بستی کے دو افراد بہ شمول وہ جوان لڑکا ہمیں چھوڑنے اس مکان تک آئے جہاں ہم فروکش تھے، لیکن یہ میری خام خیالی تھی کہ وہ ہمیں یہاں تک چھوڑنے آئے تھے، کیونکہ جب ہم مکان کے اندر داخل ہو گئے تو اچانک میں نے دروازے کے باہر کنڈی لگنے کی آواز سنی، میں یہ کہتا ہوا کہ۔ ''یہ باہر سے ہمارے مکان کو کنڈی کو کیوں لگا رہے ہیں؟'' صحن سے ہی واپس دروازے کی طرف پلٹنا چاہا مگر یاسمین نے مجھے روک دیا۔

''ٹھہر جاؤ شہزی۔''

میں رک گیا اور اُلجھی ہوئی سوالیہ نظروں سے یاسمین کی طرف دیکھا۔

''آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ ٹھگنا آدمی تم سے کیا کہہ رہا تھا؟''

''اندر چلو شہزی! پلیز، میں تمہیں سب بتائے دیتی ہوں تفصیل۔ آؤ۔'' وہ یہ کہتے ہوئے کوٹھری کی جانب بڑھی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اسی طرح مجھے اندر لے آئی تھی۔

پروفیسر جمشید کمرے کے کونے میں ایک گاؤ تکیے سے پشت لگائے آنکھیں موندیں سو رہے تھے۔ یاسمین نے باپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور مجھے لیے دوسری کوٹھری میں آگئی۔

وہاں اس نے جو عقدہ کھولا اور اپنے اور اس موٹے ٹھگنے عجمی آدمی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا لب لباب بیان کیا تو اسے سن کر میں بھونچکاں رہ گیا۔

''ی ی...... یہ کیا بکواس ہے......؟ صرف ایک آدمی کے کہنے پر وہ ہمیں مجرم سمجھ رہے ہیں اور...... اور یہ...... بدبخت رذیل کوہارا زندہ کیسے بچ گیا؟ پھر ان کے ہتھے بھی چڑھ گیا؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ بے حد خطرناک ہوگا۔ تم نے انہیں سمجھایا نہیں کہ......'' میں غیظ جوش اور اپنی ہی رو میں یاسمین سے یہ سب کہتا چلا گیا۔

''میں نے تو شہزی، تمہارے سامنے ہی اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔'' یاسمین نے جواب میں کہا۔ ''لیکن سیستانی میری کوئی بات ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔''

''یہ سیستانی اسی موٹے ٹھگنے کا نام ہے؟'' میں نے پوچھا اور یاسمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

قصہ یہ تھا کہ...... سیستانی اور اس کا خاندان، بھتیجا سمنان ہمیں اس مکان میں منتقل کرنے کے بعد اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس کا بڑا بھائی ایک مہربان آدمی ہے، جو اس بستی کا منصرم بھی کہلاتا ہے۔ وہ اسی خاندان کا سربراہ بھی تھا جو ہمیں یہاں لایا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی یہی ٹھگنا سیستانی اور منصرم کا بیٹا سمنان بھی ساتھ تھے۔

اب یہ اتفاق ہی تھا کہ اسی بستی کے چند اور افراد کو اسی صحرا میں ایک اور زخمی ملا جو بے ہوش تھا اور وہ بدبخت کوہارا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کس قدر خطرناک آدمی ہے۔

کوہارا کی قسمت تھی کہ وہ کسی طرح دل جلے مسافروں کے عتاب سے اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر ریگِ زار میں ہماری طرح بھٹک کر اس طرف نکل آیا۔ وہاں اسے اسی بستی کے دو افراد ملے اور وہ اسے ہمارا ساتھی سمجھ کے یہاں اٹھا لائے۔

بقول ان کے کوہارا کی حالت زار اب بھی ناگفتہ بہ تھی۔ تاہم جڑی بوٹیوں کے روایتی طریقوں سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ کسی طرح سیستانی اس سے ملا اور کوہارا کو ہمارے بارے میں بھی اس بات کا علم ہو گیا کہ ہم بھی اسی بستی میں فروکش ہیں، مکار اور شاطر دماغ کوہارا نے سیستانی

PakiBooks.site

اور بستی کے لوگوں کو ہم تینوں کے خلاف یہ پٹی پڑھا دی کہ..... ہم جیکرز ہیں اور جہاز کو ہائی جیک کرنے کے دوران جہاز کریش ہو گیا۔ یوں کوہارا نے خود کو کمانڈو بتایا تھا اور ہمیں خطرناک مجرم۔

سیتانی نے فوراً اپنے بڑے بھائی کو ہمارے بارے میں وہی کچھ بتا دیا جو اس رذیل سے جی کوہارا نے انہیں بتایا تھا۔ یوں ہمیں اس مکان میں ایک طرح سے اب نظر بند کر دیا تھا۔

میں اس مردود کوہارا کی مکاری پر آگ بگولا ہو گیا لیکن اس سے زیادہ طیش مجھے ٹھگنے موٹے سیتانی پر آ رہا تھا جس نے ہم تین افراد کو چھوڑ کر اس اکیلے کوہارا کی بات پر یقین کر لیا تھا اور ہمیں اسی کے ایما پر یہاں نظر بند بھی کر دیا تھا۔

میں غصے اور طیش میں اس مکان کا دروازہ توڑنے لگا تھا۔ یہ تو مجھے یاسمین نے سنبھالا دیا اور سمجھایا کہ شاطر دشمن..... کا اسی چالاکی سے ہی مقابلہ کرنا ہوگا، اس طرح طیش اور جوش میں آنے سے اس کی ہمارے متعلق ہر زہ سرائی کو تقویت ملے گی۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ذلیل کوہارا مسافروں کے نرغے سے کس طرح بچ کر بھاگ نکلا؟'' میں نے آخر میں اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

''وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے شہزی! ایک گینگسٹر دماغ رکھتا ہے وہ۔'' یاسمین بولی۔ ''وہ لولوڈش کا دستِ راست بھی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم لوگ ایک خطرناک آدمی کو پناہ دیے ہوئے ہو، جو کسی بھی وقت تمہارے لیے بھی خطرہ بن سکتا ہے۔''

''تم نے اس موٹے ٹھگنے سے کہا نہیں کہ ہمیں اپنے سردار کے سامنے پیش کرو، ہم خود ہی اس سے بات کر لیں گے؟'' میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

''وہ سب کہہ چکی ہوں میں اس موٹے سیتانی سے۔'' یاسمین نے جواب میں کہا۔ ''یہ ایک خانہ بدوش لوگ ہیں۔ ان کے سردار ان کے بڑے بوڑھے ہی ہوتے ہیں لیکن آخری فیصلہ ان کا منصرم ہی کرتا ہے اور اسی کے کاندھوں پر قبیلے کے امور کا بوجھ ہوتا ہے، لہٰذا ان کا منصرم یہی سیتانی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کل تک ہمیں اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کر دے گا۔''

''ہمیں اس سے پہلے ہی یہاں سے نکلنا ہو گا یاسمین!'' میں نے اس کی بات کو بڑے دھیان اور غور سے سننے کے بعد اچانک فیصلہ کن لہجے میں کہا تو یاسمین کے چہرے پر لحہ بھر کو تفکر کے سائے لرزے۔

''مجھے اس موٹے سیتانی پر بالکل بھی بھروسا نہیں ہے۔ یہ مجھے ابتدا ہی سے بہت غبی اور بدمعاش سا آدمی معلوم ہوتا رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا خبر کوہارا نے اسے لالچ وغیرہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ہو۔ یوں ہمارے لیے یہ سب آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا، والا معاملہ نہ اختیار کر لے۔''

''اس میں کیا شک ہے کہ منحوس کوہارا کی یہاں موجودگی کسی بھی وقت کوئی گل کھلا سکتی ہے۔ شہزی! تم فیصلہ کرو مجھے منظور ہوگا۔'' یاسمین نے کہا۔ میں چند ثانیے سوچتا بن گیا، پھر بولا۔

''ہمیں اب خود ہی اپنی بقا کی خاطر کچھ کرنا ہوگا۔ سیتانی نے ہمیں یہاں نظر بند کر کے اپنے اندر کی کالک دکھا دی ہے۔ لہٰذا اب اس سے یا کسی اور سے بات کرنا فضول اور وقت کا زیاں ہی ہوگا۔ آج رات ہم اس صحرائی بستی سے کوچ کر جائیں گے۔''

ہم نے بعد میں ان ساری باتوں اور اپنے فیصلے سے پروفیسر جمشید کو بھی آگاہ کر دیا۔ وہ بھی بہت پریشان اور تشویش زدہ ہوا۔ حالانکہ یہاں آ کر وہ کیا ہم بھی خاصے مطمئن اور خوش ہو گئے تھے لیکن کیا معلوم تھا کہ کہیں نہ کہیں کوہارا اور سیتانی جیسے شیطان بھی موجود ضرور ہوتے ہیں۔

ہمارے بیچ سب سے پہلا سوال یہی اٹھا تھا کہ ہم اب کدھر کا رخ کریں گے؟ قاہرہ سے ہم ابھی ایک غیر محتاط اندازے کے مطابق ڈھائی تین سو کلومیٹر دور تھے۔ لیکن بقول پروفیسر جمشید کے ہمیں ابھی قاہرہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کی اصل ''منزل'' کے مطابق ہم صحرائے نوبیان سے صرف ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ اس سے پہلے ابوسر اور کرناک نامی دو قصبے تھے۔ یہ دونوں قصبے..... دریائے نیل کے قریب واقع تھے۔ وہیں لکسر کی قدیم تاریخی بستی تھی جہاں بنتِ نیل ثمانہ کا گمشدہ مقبرہ گریٹ ڈارک پیرامائڈ موجود تھا۔ ان دونوں باپ بیٹی کی منزل (اور اب شاید میری بھی) یہی تھی۔

جبکہ کوہارا بھی انہی کے ذریعے وہاں تک پہنچنا چاہتا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ میں خود بھی اب ان دونوں باپ بیٹی کی اس پُراسرار مہم میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

''اس قدر طویل سفر کے لیے ہمیں سواری اور زادِ راہ

کی بھی ضرورت پڑے گی۔ فرار کی اس کوشش میں پہلے ان دونوں اہم چیزوں کا بندوبست کرنا ضروری ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''وہ ہم یہاں سے کر سکتے ہیں۔'' یاسمین نے جیسے تجویز سُجھائی۔ ''ہم دونوں مل کر رات کی تاریکی میں کم از کم دو اونٹوں کا تو بندوبست کر سکتے ہیں، باقی زادِ راہ کے لیے... فی الحال یہی کچھ بہت ہوگا جو ہمارے مکان میں موجود ہے۔''

اس کی تجویز بری نہیں تھی۔ اونٹ چوری کرنے اور فرار کی اسکیم پر بیک وقت عمل کرنے کا پروگرام طے کرنے کے بعد ہم اپنی اپنی جگہ پر تھوڑی دیر کے لیے خاموش بیٹھ گئے۔

میں کوہارا کو جہنم واصل کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی شاید یہ موقع محل کے منافی ہوتا۔ وہ اس وقت ایک بستی میں فروکش تھا پھر اس نے ہمارے خلاف ان لوگوں کو غلط تاثر دے رکھا تھا کہ ہم خطرناک مجرم ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارا سب سے پہلے یہاں سے کوچ کر جانا زیادہ ضروری تھا۔

وقت گزرا..... رات میں کھانا پہنچایا گیا ہمیں جس میں پانی کی دو چھاگلیں بھی تھیں۔ ہم مزید وقت کے آگے سرکنے کا انتظار کرتے رہے۔ ہمارے پاس روشنی کا انتظام، مشعلوں اور سرخی شمع دانوں کی صورت میں تھا۔

جب ہر سُو سناٹا اور گہرا سکوت چھا گیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی کی طرف آیا۔ اسے پورا کھولنے کے بجائے ایک ذرا پٹ کو وا کر کے باہر جھانکا۔

بستی خالی اور ویران سی نظر آتی تھی۔ باہر صحرا کی فضا خنک ہو رہی تھی۔ آسمان صاف اور روشن تھا۔ چاند کا سنہری ارتھ دور صحرائی ٹیلوں کے افق کے اوپر جھکا ہوا نظر آتا تھا۔ بستی کے مکانوں اور مختصر گلیوں میں ہُو کا عالم طاری تھا۔

''کیا یہ موقع ٹھیک رہے گا؟'' یاسمین نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں! لیکن اس سے پہلے دروازہ کھولنے کی تدبیر کرنا ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''ان بدبختوں نے ہمارے مکان کے دروازے کو باہر سے کنڈی لگا دی ہے۔''

''چھت پر تو چڑھنے کی کوشش کی جا سکتی ہے؟'' یاسمین نے تجویز دی۔

''یہی کرنا پڑے گا۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

اچانک ہلکی آوازوں پر ہم دونوں چونکے۔ میں نے کھڑکی کا ایک پٹ ہنوز وا کر رکھا تھا۔ مجھے سامنے سے تین افراد مکان کی طرف آتے دکھائی دیے۔ ان میں صرف ایک کے پاس رائفل تھی نظر آتی تھی جبکہ باقی دو نے لمبے کھانڈے تھامے ہوئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ہنڈا بھی تھما ہوا تھا۔ جس کی پیلی روشنی کا حاطہ دور تک پھیلا محسوس ہوا۔ رائفل بردار شخص سمنان تھا۔ باقی دو اس کے ساتھی تھے۔

''خطرہ!'' میرے ذہن میں ابھرا۔ میں نے یاسمین کو اس کے بارے میں بتایا اور کہا۔ ''میں ان کی نقل و حرکت دیکھتا ہوں، تم جلدی سے روشنیاں گُل کر دو، فقط ایک شمع جلی رہنے دینا۔'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر میں تیزی سے صحن کی طرف لپکا اور دروازے کے قریب پہنچ کر اس کی ایک چوڑی سی جھری سے آنکھ لگا دی۔

مدھم چاندنی میں ان تینوں کے ہیولے اسی طرف کو متحرک تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ نجانے اب یہ کن ارادوں کے ساتھ یہاں آ رہے تھے؟ یہ میں نہیں جانتا تھا اگرچہ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار دیکھ کر ان کے جارحانہ عزائم کا انداز ہوتا تھا۔

میں نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ اگر انہوں نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں بھی اب ان سے کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ میں بھی دروازے سے نہیں ہٹا تھا۔ میرا خیال تھا وہ اندر آئیں گے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ وہیں باہر ہی موٹے لحاف اوڑھے بیٹھ گئے۔

میں سمجھ گیا کہ انہیں پہرے پر بٹھایا گیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کھنچ گئی۔ میں واپس کمرے میں آیا۔ یاسمین منتظر تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ باہر ہمارے مکان کے پہرا بٹھا دیا گیا ہے۔

''اوہ..... اب کیا ہوگا؟ ہم کیسے نکلیں گے؟'' وہ متوحش سی ہوگئی۔

''یہی ہمیں باہر نکالیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میں ان کے ساتھ ایک گیم کھیلنا چاہتا ہوں۔'' اس کے بعد میں نے یاسمین کو اس گیم کا ''اسکرپٹ'' سمجھایا اور پھر یاسمین اور میں دبے پاؤں صحن میں آ گئے۔

میں ایک طرف تاریکی میں چھپ کر مستعد کھڑا ہو گیا۔ یاسمین دروازے کی طرف بڑھی اور اسے کھولنے کی کوشش میں مصروف ہوگئی۔ حسبِ توقع باہر سے کسی نے کرخت آواز میں کچھ کہا تو یاسمین نے ان سے میری ہدایت کے مطابق اپنی آواز اور لہجے میں پریشانی سموتے ہوئے کہا کہ اس کے ساتھی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے، اسے مدد کی

ضرورت ہے۔

عین توقع کے مطابق دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے رائفل بردار سمنان اندر داخل ہوا۔ اس کے بعد اس کے دونوں کھانڈا بردار ساتھی بھی اس کے عقب میں نمودار ہوئے۔

ان کا رخ سامنے کوٹھری کی طرف تھا، میں چوکنے انداز میں تاریکی کی اوٹ سے نکلا اور گربہ قدمی سے سمنان کے عقب میں پہنچ کر ایک زوردار لگ اس کی پشت پر رسید کر دی۔ اس کے حلق سے کراہ آمیز چیخ خارج ہوئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کوٹھری کی دیوار سے ٹکرا کر گرا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ جسے یاسمین نے پھرتی سے لپک کر اُچک لیا۔ باقی دو ساتھی اس اچانک افتاد پر بری طرح چونکے اور اپنے کھانڈے سنبھالے میری جانب پلٹے، میں اب انہیں اتنا موقع کہاں دینے والا تھا۔ میری لات دوسری بار حرکت کرنے کے لیے بالکل تیار تھی، جو ایک کے پہلو پر پڑی، وہ اپنے کھانڈے سمیت کئی قدم پیچھے کو جا گرا۔ جبکہ دوسرے نے مجھ پر اپنا کھانڈا بجانا چاہا تھا کہ میں نے... برق رفتاری سے اس کے کھانڈے کو ایک ہاتھ سے جھپٹ کر وہ اس سے چھین لیا۔

میں کوئی خون خرابہ نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے میں نے مقابل پر اس کا کھیلا سرا آزمانے کے بجائے لٹھ کی طرح گھما کر اس کی کنپٹی پر بجا دیا۔ وہ ایک چیخ مار کے گرا اور پھر نہیں اٹھ پایا۔ سمنان پر یاسمین نے اسی کی رائفل تانے رکھی تھی۔ یوں بھی گر پر پڑنے والی ضرب نے اسے اٹھنے سے معذور ہی کر رکھا تھا جبکہ دوسرا سنبھل کر اٹھا اور اس نے میری طرف جارحانہ انداز میں لپکنا چاہا تھا مگر پھر وہیں ٹھہر گیا۔

اس نے شاید اپنے دونوں ساتھیوں کا حشر دیکھ لیا تھا مگر میں نے اسے نہیں چھوڑا اور کھانڈا لہراتا ہوا اس پر پل پڑا۔ وہ عام سا آدمی تھا، اس نے دروازے کی طرف دوڑ... لگا دی مگر اس سے پہلے ہی میں نے پیچھے سے اسے دبوچ لیا اور ہنسلی کے قریب ہاتھ رکھ کر اس کی رگِ حساس مسل ڈالی، وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔

میں یاسمین کی طرف پلٹا اور قدرے ہانپتے ہوئے اس سے کہا۔

''اس سے پوچھو کوہارا کہاں ہے اور اسے کس مکان میں رکھا ہوا ہے؟''

یاسمین نے سوال کیا مگر سمنان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''یہ جواب نہیں دے رہا ہے، اس کی ٹھکائی کرنا پڑے گی۔'' یاسمین نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔ میں نے طیش میں آ کر سمنان کی گردن دبوچ لی۔ وہ کمر پر لگنے والی چوٹ سے ابھی تک کراہ رہا تھا۔

''اس بدبخت کو سمجھاؤ کہ کوہارا ایک خطرناک آدمی ہے اور اگر ان لوگوں نے کسی لالچ میں آ کر اس کی مدد کرنا چاہی تو وہ کمینہ سب سے پہلے انہیں جان سے مار ڈالے گا۔'' میں نے یاسمین سے چلّا کر کہا۔ اس نے اسی لہجے میں سمنان کو سمجھایا۔

میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ پھر وہ ہانپتے ہوئے یاسمین کو کچھ بتانے لگا جسے سن کر یاسمین کے چہرے کی رنگت زردی پڑنے لگی۔

''کیا ہوا؟ کیا بتایا اِس نے.....؟'' میں نے یاسمین سے پوچھا۔

''وہ موٹا ٹھگنا سیستانی اور اس کا ایک ساتھی دونوں سہ پہر میں ہی کوہارا کو لے کر اونٹوں پر موبارغہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔''

یہ سن کر میں بھی تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ یاسمین نے مزید بتایا کہ میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا، سیستانی کو کوہارا نے بہت سی دولت دینے کا لالچ دیا تھا۔ اس سے کہا تھا کہ ہمیں قیدی بنا کر اسی جگہ پر رکھے اور اسے موبارغہ اس کے ساتھیوں تک پہنچا دے۔ بعد میں وہ ان کے ساتھ یہاں آتا اور ہمیں ایک بار پھر یرغمال بنا کر ثمانہ کے گمشدہ مقبرے کی تلاش میں نکلنا چاہتا تھا۔

میں تو خیر اس کے لیے اس مہم میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا اسی لیے وہ مجھے بلا دیر ہلاک کر سکتا تھا۔ جس کا ایک جاں گسل مظاہرہ تباہ حال طیارے کے ملبے میں دیکھ چکا تھا جب وہ اپنے پستول سے مجھے رسن بستہ حالت میں گولی مار کے تقریباً ہلاک کر ہی چکا تھا۔ مگر میری قسمت تھی کہ میں بچ گیا تھا، کیونکہ اس وقت پستول خالی تھا۔

بہرکیف اندر ہی اندر کوہارا بڑی مکاری سے اس ٹھگنے سیستانی کو اپنے ساتھ ملا کر یہ کھچڑی پکا چکا تھا اور ہم بے خبر تھے۔

ہمارے پاس اب زیادہ وقت نہ تھا۔ یہ بات میں نے یاسمین سے کہی اور اس کے بعد ہم نے تینوں کو دوسری کوٹھری میں لے جا کر بند کر دیا اور باہر سے دروازے کو کنڈی لگا دی۔

انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا، میں پہلے ہی ان کی

PakiPoint.com

بے وقوفانہ حرکت پر بری طرح تلملایا ہوا تھا۔ غصے سے دانت پیستا ہوا میں ان کے کمرے میں پہنچا، کھانڈا میں نے ہاتھ میں پکڑ کر رکھا تھا۔ ایک تو ابھی تک بے ہوش پڑا تھا جبکہ سمنان اور اس کا دوسرا ساتھی مجھے طیش میں دیکھ کر ڈر سے گئے۔

میں نے کھانڈے کی ایک ایک لٹھ گھما کر زور سے انہیں رسید کی اور انگلی کے اشارے سے خاموش رہنے کا کہا۔ وہ بستی کے سیدھے سادے لوگ تھے۔ خوف سے دبک کر اور ضرب سہلاتے ہوئے کونے میں جا بیٹھے۔

اگر یہ ہمیں کوہارا کے کہنے پر بدمعاش سمجھے ہوئے تھے تو یہی سہی۔ میں ان کی کوٹھری کے دروازے کو بند کر کے باہر نکلا اور یاسمین کے ساتھ باہر آ گیا۔

باہر ہر سُو سناٹا طاری تھا۔ ہم دونوں تاریکی کا حصہ بنے اس طرف بڑھے جہاں سرکنڈوں کے ایک کھلے احاطے میں بہت سے اونٹ بندھے ہوئے تھے۔ دو عدد اونٹوں کو ہم خاموشی سے دھیرے دھیرے ہشکارے دیتے ہوئے اس کھلے باڑے سے باہر نکال لائے اور مکان میں آ کر ہم نے جو کچھ بھی زادِ راہ تھا وہ سب سمیٹ لیا۔

پروفیسر جمشید کو یاسمین نے سنبھالا، وہ اس وقت اپنا ہینڈ کیری کھولے ایک بڑی سی ڈائری نکالے ہوئے تھے۔ پھر اس کے اندر سے ایک تہ کیا ہوا بڑا کاغذ نکالا اور اپنی قمیص کی جیب میں ڈال لیا۔

یاسمین نے انہیں سہارا دیا اور ہم مکان سے باہر آ گئے۔ باہر سے اسے کنڈی لگا دی اور اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ (اونٹوں کو ریت پر بٹھا کر ہی ہم ان پر سوار ہوئے تھے)

ایک بار پھر خنک صحرائی رات میں ہمارا سفر شروع ہو چکا تھا۔ ایک اونٹ پر پروفیسر جمشید اور یاسمین سوار تھے۔ باگیں یاسمین نے سنبھال رکھی تھیں۔ ان پر ہودے نہیں تھے، بس کوہان کا ہی سہارا لیے بیٹھے تھے۔

اس وقت رات اپنے درمیانی پہر میں تھی۔ کھلے ریگ زار میں آتے ہی خنکی کا احساس بڑھنے لگا۔ شکر تھا کہ ہمارے پاس لحاف تھے وہ ہم نے چادر کی طرح اوڑھ رکھے تھے۔

دونوں اونٹ آگے پیچھے مناسب رفتار سے آگے بڑھے جا رہے تھے۔ راستہ پروفیسر نے سمجھا رکھا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹی کا اونٹ آگے تھا، میں ان کے پیچھے تھا۔

شکر تھا کہ پروفیسر کو صحرائے نوبیان تک راستہ معلوم تھا، کوشش یہی تھی کہ ہم جلد از جلد اس راستے سے ہٹ کر نوبیان والے راستے پر آ جائیں .... تاکہ مو بارنہ لوٹتے ہوئے کوہارا اور اس کے ساتھیوں سے مڈبھیڑ کا ڈر نہ رہے۔

یہی وجہ تھی کہ ہم نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک بلا تعطل سفر جاری رکھا۔ پروفیسر جمشید آسمان پر ٹمٹماتے تاروں کی چال دیکھ کر راستہ بنا رہے تھے۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا، پروفیسر جمشید کو ان صحراؤں کا خوب تجربہ تھا۔ وہ اپنے پروفیشن کے سلسلے میں یہاں کئی بار آتے جاتے رہے تھے اور اکثر ان کے ساتھ یاسمین خانم بھی ہوتی تھی۔

مزید نصف گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر نے ہمیں شل کر کے رکھ دیا اور ہم ایک جگہ ...ٹھہر گئے۔ اونٹوں کو بٹھا کر ہم ذرا دیر کو ستانے کے لیے وہیں ٹھنڈی خنک ریت پر بیٹھ گئے۔ اب تو دور نزدیک ٹیلوں کے سلسلے بھی مفقود ہو چکے تھے۔

پروفیسر نے بتایا کہ ہم اپنی مطلوبہ سمت تک پہنچ چکے تھے۔

''تو کیا اب ہمیں کوہارا اور اس کے ساتھیوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ وہ مسکرا کر بولے۔

''جب تک وہ مردود زندہ اور یہاں موجود ہے، اس خبیث سے خطرہ تو ہمیں رہے گا لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم فوری ... طور پر ان کی دست بُرد سے بچ چکے ہیں۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کسی خیال کے تحت سنجیدگی سے کہا۔

''کیونکہ راستہ بدلنے کے باوجود بھی، کوہارا جب بستی پہنچے گا تو اسے ہمارے فرار کا علم ہو جائے گا اور وہ ہماری تلاش میں نکل سکتا ہے۔''

''بالکل ٹھیک، میرے کہنے کا مقصد یہی تھا۔'' پروفیسر جمشید نے کہا۔

''خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ہم کوہارا اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں تو بالکل بھی نہیں ہیں۔'' یاسمین نے تشویش زدہ لہجے میں کہا اور میری طرف دیکھ کر، مجھے مخاطب کرتے ہوئے مزید بولی۔

''اور شہزی......! کوہارا تو تم پر بُری طرح ادھار کھائے بیٹھا ہے، مجھے اور پاپا کو تو شاید اس خونی درندے سے فوری طور پر جان کا خوف نہیں ہوگا لیکن...... وہ تمہارا جانی دشمن ہے اور تمہیں دیکھتے ہی وہ......''

مارے ہراس اور تشویش کے وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکی۔ میں اس کی تشویش اور ہراس کی وجہ سمجھ سکتا تھا، ہلکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ ''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم نے دیکھا کہ کوہارا نے دو بار مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور اس سے تو مجھے بھی اپنی موت صاف نظر آنے لگی تھی لیکن...... خدا کا کرم ہوا اور میں بچ گیا، آگے بھی وہی (اللہ) میری مدد فرمائے گا۔''

''انشاء اللہ!'' پروفیسر جمشید نے زیرِ لب دعائیہ کہا اور چلنے کا اشارہ دیا۔

ہم نے تھوڑا بہت کھایا پیا اور پھر چل دیے۔

پروفیسر جمشید کے مطابق ہماری منزل صبح تک متوقع تھی۔ بشرطیکہ اب ہم کہیں نہیں رکتے۔ لیکن اونٹ کے کوہان پر اب تک کے ہی سفر نے ہماری چولیں ہلا دی تھیں۔ میرا تو سارا بدن اکڑنے لگا تھا، یہی حال یاسمین اور پروفیسر کا تھا، مگر ہم یہ صعوبتیں اٹھانے پر مجبور تھے۔ کیونکہ اس لق و دق صحرا میں ہم بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔

لہٰذا اگر ہم ایسے حالات میں کوہارا اور اس کے ساتھیوں کے نرغے میں آ جاتے تو یہ بالکل ایسا ہی ہوتا جیسے ہمیں لنگڑا اور بھوکے صحرائی بھیڑیوں نے نرغے میں لے لیا ہو۔

تھکن ہماری کچھ طرح سے نہیں اتری تھی۔ خود مجھے نیند کے خمار آلود جھٹکے لگ رہے تھے اور میں کئی ایک بار اونٹ سے گرتے گرتے بچا تھا، یہی حال میں نے یاسمین کا بھی دیکھا تھا۔ مگر اصل تشویش ناک واقعہ اس وقت رونما ہوا جب میں نے پروفیسر جمشید کو اونٹ سے گرتے دیکھا۔

یاسمین شاید نیند کے خمار میں تھی اسی لیے اسے اپنے باپ کے اونٹ سے گرنے کا پتا نہ چل سکا لیکن میری نظر پڑ گئی اور میں نے چلّا کر یاسمین کو رکنے کا کہا۔

میں اپنا اونٹ روک چکا تھا اور اسے بیٹھنے کے لیے ہشکارے دینے لگا۔ اونٹ نے ذرا ضد کی تو میں نے اس کی گردن پر ہاتھ مارا، جس پر وہ بڑے بھیانک انداز میں زور سے ''بلبلایا''...... اور غصے میں اپنی لمبی گردن موڑ کر اپنے بڑے سے پُرہیبت جبڑوں سے میرے بازو کو دبوچ لیا۔

میرے لیے اونٹ کی یہ حرکت اچانک اور بالکل غیر متوقع تھی، اس نے مجھے ایک جھٹکا دیا اور خود سے نیچے ریت پر پھینک دیا اور ایک بار پھر کینہ پرور انداز میں بلبلایا اور میری جانب لپکا۔ وہ مجھے اپنے بڑے بڑے پیروں تلے کچل کر رکھ دیتا اگر میں بروقت پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جانب کو نہ لپکتا۔ پھر نجانے اس جانور کو کیا ہوا کہ وہ ایک طرف کو اندھا دھند دوڑ پڑا۔ اس کا رخ اسی جانب تھا جہاں پروفیسر جمشید ریت پر گرا ہوا تھا اور اب سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پروفیسر جمشید کو سخت خطرے میں دیکھ میرے اوسان خطا ہو گئے اور میں حلق کے بل زور سے چلّایا۔ تب تک یاسمین بھی اس طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ وہ خود اس اچانک اور نئی افتاد پر پریشان ہو گئی تھی۔

اپنے باپ کو خطرے میں دیکھ کر اس نے پہلے تو اپنے منہ سے ایک تیز چیخ خارج کی تھی اور پھر اس کے بعد اسے اور تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اس نے اپنے اونٹ کی باگ موڑ دی۔ اس کا اونٹ ہولے سے بلبلایا اور رخ بدل کر دوسرے بھاگتے ہوئے اونٹ کے سامنے آ گیا۔

باپ کو کسی بھی طرح بچانے کی یاسمین کی یہ کوشش بڑی خطرناک تھی۔ بدمست اور غصے میں دوڑتا ہوا اونٹ اس کے اونٹ سے ٹکرا گیا۔ دونوں اونٹ ایک دوسرے سے اُلجھ کر ریت پر گرے۔

مجھے یاسمین کی دلدوز چیخ سنائی دی جو پورے صحرا میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں اٹھ کر اس طرف کو دوڑا۔ دونوں اونٹ بدستور چیخ رہے تھے اور پھر انہوں نے ایک طرف کو دوڑ لگا دی۔ جانور تھے ان سے کسی بھی وقت کچھ بھی بعید تھا۔ سو وہ ہوا اور دونوں اونٹ باپ بیٹی کے اوپر سے دوڑتے ہوئے صحرا کی لق و دق تاریکیوں میں گم ہو گئے۔

میں ہانپتا کانپتا دوڑتا ان کے پاس پہنچا تو پروفیسر جمشید کے چہرے کو ریت میں بری طرح دھنسے ہوئے پایا اور اس کے دھڑ کے نیچے یاسمین پڑی بُری طرح کراہ کر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے پروفیسر جمشید کے بے سدھ وجود کو ایک طرف کیا اور یاسمین کو دیکھا، اسے کوئی خاص چوٹ تو نہیں آئی تھی اور وہ ہوش میں بھی تھی لیکن اس کے بوڑھے باپ پروفیسر جمشید کی حالت ایسی ہی تھی جیسے وہ بس آخری گھڑیوں کا مہمان ہو۔ وہ باپ تھا جانے کیسے موقع پر اس نے اپنی بیٹی کے اوپر آ کر اسے بدمست اونٹوں کے پیروں تلے روندے جانے سے بچا لیا تھا۔

''پپ...... پروفیسر صاحب! آ...... آپ ٹھیک تو ہیں ناں......؟'' میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ آخری سانسوں پر تھے اور ان کا جسم درد و کرب سے اینٹھ رہا تھا۔

''پاپا......!'' یاسمین بھی گھسٹتی ہوئی باپ کے پاس آ گئی۔

''بب...... بیٹا! مم...... میری سانسیں شاید اسی صحرا

PakiBooks.Site

میں نوشتہ لکھی تھیں۔ خدا کی مرضی یہی تھی، تم دونوں میرا غم نہ کرنا......'' پروفیسر جمشید نے درد بھری آواز میں کہا اور اتنا ہی کہا تھا کہ ان کی سانسیں ٹوٹنے لگیں۔ میرے دل کو گھونسا لگا۔ میں نے پھر انہیں سنبھالا دیا اور تسلی دی۔

''پروفیسر صاحب! آپ......کو کچھ نہیں ہوگا......''

''میرے پاس وقت کم رہ گیا ہے، بس! میری بات سن لو۔'' وہ اٹکتے ہوئے بمشکل تمام بولے۔

''کبھی بھی ظالم کے آگے سر مت جھکانا، چاہے وہ تمہیں صدا بہ صحرا ہی کیوں نہ کر دے۔ مم...... میری جیب میں اس گمشدہ مقبرے کا نقشہ موجود ہے، تم تو شاید نہیں مگر میری بیٹی اسے سمجھ لے گی۔ خدا تم دونوں کا حامی و ناصر۔'' آخری جملہ ان کے حلق میں اٹک گیا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، زخمی سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔

''پاپا......'' یاسمین غم زدہ چیخ کے ساتھ اپنے باپ کی لاش سے لپٹ گئی۔ خود میرے اندر دکھ اور کرب کی ایک لہر سی اٹھی تھی، جس نے میرا وجود چھلنی سا کر ڈالا۔ مجھے پروفیسر جمشید کے مرنے کا بے حد دکھ تھا۔ بعض انسانوں کی موت بھی خدا نے کہاں لکھی ہوتی ہے۔ سچ ہی کہا گیا ہے کہ موت کے فرشتے کو اللہ کی طرف سے انسان کی جہاں روح قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے وہ وہیں دم دیتا ہے۔ ایک انچ بھی جگہ نہیں بدلی جاتی۔

یاسمین بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر اسے رونے دیا، جب وہ غم سے ہلکان ہونے لگی تو میں نے ہولے سے اس کے شانے پر اپنا ایک ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف مڑ کر دیکھا، وہ آنسوؤں سے تر بتر تھا۔

''حوصلہ کرو یاسمین! اللہ کو یہی منظور تھا۔'' اس نے سسکی لی اور اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ وہ اب گھٹے گھٹے انداز میں سسکنے لگی۔

صحرا کی یہ غم گسار، کرب ناک رات اپنے آخری پہر میں تھی۔ تاریک آسمان کی سیاہی کچھ پھیکی پھیکی سی پڑ رہی تھی۔

''یاسمین!'' میں نے ہولے سے اُسے پکارا۔ اس کا سسکنا تو بند ہو گیا تھا مگر سر اس کا میرے شانے سے ہی لگا رہا تھا، ایک لمحہ مجھے یوں لگا جیسے وہ کھوئی گئی ہو۔

''اوں...... ہاں!'' وہ جیسے پُرسکون نیند سے بیدار ہوتی آواز میں بولی اور پھر میرے شانے سے سر ہٹا کر میری طرف دیکھا۔ ایسے میں ہم دونوں کے چہرے فقط انگشت برابر کی دوری پر تھے، اس قدر قریب کہ یاسمین کے قدرتی سرخی لیے ادھ کھلے لب میرے ہونٹوں کو چھونے لگے ہوں۔ بس ذرا ایک لمحہ کی محتاج قربت کا ہی تو فاصلہ تھا دو دہنوں کے درمیاں...... اس کی گرم سانسوں کی تھرتھراتی بازگشت میں مجھے ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہونے لگی۔ ایسے ہی لمحوں میں تو جی کرتا ہے کہ سب کچھ بھول جاؤ، پیش گرد کو اور خود کو بھی۔

''پروفیسر صاحب! ایک عظیم انسان تھے۔'' میں نے ہولے سے کہا۔ ''اپنے نیک مقصد کے لیے انہوں نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ ظالم کے آگے سر نہیں جھکایا اور عمر رسیدہ ہونے کے باوصف صعوبتیں جھلیں۔ آفرین ہے ان پر...... اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔''

''آمین۔'' یاسمین کے مرتعش لبوں سے برآمد ہوا۔

ہم نے پروفیسر صاحب کی لاش کو وہیں ریتیلا سا گڑھا تلاش کر کے دفنا دیا اور کیا کرتے۔ ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ہم خود بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ البتہ لاش ہم نے ''امانتاً'' دفنائی تھی۔ کبھی موقع ملے تو انہیں کسی آبادی والے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا۔

پروفیسر جمشید کی لاش دفنانے سے پہلے یاسمین نے ان کی جیب سے وہ کاغذ نکال لیا تھا۔ وہ ڈارک پیرانڈ تک جانے کا نقشہ اور کچھ ضروری نشاندہی کے علاوہ تحریری طور پر رہنمائی بھی درج تھی۔

''میرا خیال ہے ہمیں اب آگے بڑھنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ یاسمین نے ہولے سے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی تھی۔

ہم پیدل ہی آگے بڑھ گئے۔

صحرا کے اس طویل اور تھکا دینے والے سفر میں اب ہم دو رہ گئے تھے۔

ہم آگے بڑھتے رہے۔ ہمارے پاس اب کچھ بھی نہ تھا، نہ کھانے کو نہ پینے کو۔ تاہم مجھے کیکٹس کا ایک گاڑھا سا پودا نظر آیا۔ میں نے اسے کسی طرح توڑ کر اس کے اندر کا پانی چکھا۔ وہ میٹھا تھا۔ وہ ہم دونوں نے اوک میں بھر کے پیا۔ کچھ تھوہر ایسے ہوتے ہیں جن میں میٹھا پانی موجود ہوتا ہے۔ اللہ کی شان، کہ اس تپتے ریگستانوں میں بھی ریت اور کانٹوں کے بطن میں پانی بہار کھا تھا۔

اب کی بار آگے بڑھے تو پھر رکے نہیں، چلتے ہی رہے۔ بے شک ہماری رفتار کم تھی لیکن ہم ٹھہرے کہیں نہیں تھے۔

یہ تو شکر تھا کہ ہمارے ضروری کاغذات محفوظ رہے تھے۔ کیونکہ میری ہی ہدایت پر انہوں نے بھی وہ ایک چرمی پاؤچ میں ڈال کر اپنے جسم سے باندھ لیے تھے۔ بدقسمتی سے اب پروفیسر صاحب تو دنیا میں نہیں رہے تھے مگر یاسمین میرے ساتھ تھی۔

ہم ریت پر قدم مارتے چلتے رہے۔ جلد ہی ایک بار پھر ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہوتا دکھائی دیا۔ بقول یاسمین کہ ٹیلے یا تو کسی قریب آبادی کا اشارہ کرتے ہیں یہاں پھر کسی نخلستان کا۔

ہم ایک ٹیلے کی ڈھلان پر بیٹھ گئے۔ دور مشرق کی سمت سپیدۂ سحر کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کچھ روشنی ہوئی تو ہم پروفیسر صاحب کا تحریر کردہ نقشہ دیکھنے لگے۔

میں تو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ لیکن یاسمین بہ غور اس کا جائزہ لیتی رہی پھر اس نے کاغذی نقشے پر ایک مقام پر اپنی انگلی رکھی اور سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، اس کے پیش گرد نگاہ دوڑائی۔ وہ اپنے باپ کے تجربے سے مستفید ہونے کا ہنر جانتی تھی۔ چند ثانیوں بعد بولی۔

''ایک محتاط اندازے سے ہم ابوسر سے چالیس پینتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ پیدل سفر ہمیں رات سے پہلے وہاں تک پہنچا دے گا۔''

''اوہو...... ابھی پورے دن کا مزید سفر باقی ہے۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''ہاں! شکر ہے کہ ہم درست سمت پر گامزن ہیں۔ بھٹکے نہیں ہیں۔''

''تم ساتھ ہو تو راستہ کیسے بھٹک سکتے ہیں بھلا۔'' میں نے دانستہ مسکرا کر کہا۔ اس کے بھی پژمردہ ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکان چمکی۔ شفق گال جو مسافتوں کی صعوبتوں سے پھیکے سے پڑنے لگے تھے۔ ایک کھلتا رنگ سا پھوٹا۔ یوں وہ بھی قدرے شوخی سے بولی۔

''اور اگر راستہ بھٹک گئے تو......؟''

''تو...... اس کی ذمے داری بھی تم پر۔'' کہتے ہوئے میں نے اس کی دلی کدورت کو رفع کرنے کی غرض سے اس کی ستواں ناک کو چھوا۔

''اور...... تمہاری ذمے داری کیا ہوگی؟''

''تمہاری حفاظت۔'' میں نے کہا اور اس کی کشادہ آنکھوں میں کئی رنگ اُمڈے۔ تب ہی میں نے موضوع بدلا اور تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

''بس! منزل کی دوری مارے ڈال رہی ہے، زیادہ تشویش کو ہارا اور اس کے ساتھیوں کے ٹکراؤ پر ہو رہی ہے۔ اس بے سروسامانی میں ہم ان کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔'' میری بات پر وہ بھی فکرمندی ہو گئی، میں نے اسے حوصلہ دیا اور اس کے بعد ہم آگے بڑھ گئے۔

مشرق میں ابھرتی سپیدی اب سحر سے صبح دم میں بدلنے لگی تھی۔ ہم تیز تیز قدموں سے چلتے رہے۔ ہوا اب بھی خنک تھی، لیکن ہم جانتے تھے زیادہ دیر ایسا نہیں ہو سکتا تھا، سورج کے سر ابھارتے ہی یہی ہوا بادِ سموم میں بدل جائے گی۔ نقشے کا جائزہ لیتے ہوئے یاسمین نے بتایا تھا کہ ایک مقام پر چھوٹے سے نخلستان کی نشاندہی کی گئی ہے، اگر سورج کے سوا نیزے پر آنے سے قبل ہم وہاں پہنچ جاتے تو ہمیں کسی سایہ دار جھنڈ کی چھاؤں میسر آ سکتی تھی۔

لیکن ایک نشان پر وہ اُلجھ گئی تھی۔ بہت دماغ سوزی کے باوجود وہ نشان اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ خود میں نے پہلے تو اس نشان کا سرسری جائزہ لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا نخلستان پہنچ کر آرام سے بیٹھ کر میں خود اسے سمجھنے کی کوشش کروں گا۔

ہم اپنی مقدور بھر کوشش سے تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔ پاؤں ریت میں دھنسے جاتے تھے۔ مگر ہم نے ہمت نہیں ہاری تھی اور مسلسل بڑھتے رہے۔ سورج کا مشرق سے مغرب تک کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

ریگ زار تپنے لگا تھا۔ گرم ہواؤں کے تھپیڑے چہرے کو جھلسائے دے رہے تھے۔ بادِ سموم میں ریت کے ذرّے شامل تھے۔ جس کے باعث منہ کے اندر عجیب سی کرکراہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی۔

یاسمین کے گھنے ریشمی بال ریت میں اَٹ کر بُری طرح الجھے ہو رہے تھے۔ ہمارے چہرے، پلکیں بال ریت سے اٹ گئے تھے۔ ہونٹ تک ریت کے ذرات سے چبھن محسوس کر رہے تھے۔

کئی ایک جگہ پر ان گرم ہواؤں سے دور پرے ریتیلے ٹیلوں پر لہریں بن رہی تھیں۔ یوں جیسے ریت کا نہیں پانی کا سمندر ہو۔ ایک سراب تھا جو ہمیں راستے سے بھٹکانے کے لیے بہتا نظر آ رہا تھا، کیونکہ اسی سراب کے پیچھے انسان بھاگتا ہے اور اپنے راستے سے بھٹک جاتا ہے، کئی بار تو میں بھی پیاس کی شدت تلے اس طرف کو دوڑنے لگا تھا مگر یاسمین نے مجھے روک دیا۔

سورج اب عین سر پر چمک رہا تھا۔ ہم بُری طرح

PakiBooks.site

پہنچنے لگے تھے۔ گرمائش پیروں سے اب دماغ تک پہنچنے لگی تھی اور ہلکان ہوئے جا رہے تھے ہم۔ ستاتے بھی کہاں اور کیسے؟ حدِ نگاہ تک توریت کا سمندر پھیلا ہوا تھا۔

ایک ٹیلے کی ڈھلان پر تھوڑی دیر ہی رکنے کی ہمت کر پائے تھے اور پھر چل پڑے۔ یہ ہماری، بلکہ بالخصوص یاسمین خانم کی ہمت ہی تھی کہ ہم بالآخر اس تپتے ریگ زار میں گرتے پڑتے..... اس نخلستان تک پہنچ ہی گئے جس کی نشاندہی نقشے میں کی گئی تھی۔

کھجور اور ناریل کے درختوں کا برائے نام جھنڈ تھا۔ جو تھے وہ بھی سوکھے پڑے تھے۔ ہماری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

یہ شکر تھا کہ تپتی دھوپ سے تھوڑی دیر کو چھایا فراہم ہو گئی تھی۔ لیکن جب ہم گرتے پڑتے تھوڑا اور آگے بڑھے تو ایک قدرتی جھیل کا بڑا سا ہالہ دکھائی دے گیا۔ اس طرف درخت بھی زیادہ سوکھے نہیں تھے۔

ہم دونوں جھیل کے کنارے پر جا کر گر پڑے۔ خوب سیر ہو کر پانی پیا اور کھجور اور ناریل کے درخت پر میں ہی ذرا استانے کے بعد چڑھ سکا، سب سے پہلے میں نے ناریل توڑ کر نیچے پھینکے، یاسمین بچوں کی طرح اپنی قمیص کا دامن پھیلائے ناریل چنتی رہی، کچھ اس کی جھولی کے باہر بھی گرے۔

ناریل توڑ کر ہم نے اس سے دوبارہ پیاس بجھائی پھر ناریل کھا کر بھوک بھی مٹائی۔

''شہزی! میرا نہانے کو دل کر رہا ہے، بڑی خوب صورت جگہ ہے۔'' یاسمین نے خوشدلی سے کہا۔ خود مجھے بھی تپتے ریگستان میں بنا یہ چھوٹا سا نخلستان کسی لینڈ اسکیپ کا شاہکار نظر آ رہا تھا۔ بہت ہی بھلا منظر دکھتا تھا۔ چاروں طرف پھیلے ہوئے صحرا کے درمیان یہ ہرا بھرا نخلستان، یوں جیسے گہرے سمندر کے بیچ کوئی دلکش سبزہ زار جزیرہ ہو۔

''جی تو میرا بھی چاہ رہا ہے نہانے کو، کم بخت ریت کے ذرات لگتا ہے جسم کے اندر تک گھس گئے ہیں اور نیزے کی انی کی طرح چبھ رہے ہیں۔ لیکن کاغذات اور نقشے والا پاؤچ جسم سے الگ کر کے کنارے پر رکھ دو پہلے، کہیں گیلے ہو کے خراب ہی نہ ہو جائیں۔'' میں نے بھی مسکرا کر کہا اور پھر ہم نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد ہم دونوں کپڑوں سمیت جھیل کے پانی میں کود گئے۔ ہم تھوڑی دیر تک نہاتے رہے۔ یاسمین خوب غوطے لگا رہی تھی۔ اسے شاید تیرنا بھی آتا تھا۔ میں نے بھی انجوائے کیا۔

سورج ہمارے سر پر چمک رہا تھا۔ مگر اب پانی میں اس کی تپش ایک خوشگوار سا احساس دلا رہی تھی۔ نہا کر ہم جھیل سے نکلے اور کنارے پر آ کر ریت پر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

دھوپ اور گرم ہواؤں نے ہمارے کپڑے اور بدن تھوڑی دیر میں خشک کر ڈالے۔ ہم سایہ دار جگہ میں آ کر بیٹھ گئے اور خاموشی سے حدِ نگاہ صحرا کو دیکھتے رہے۔

''میرا خیال ہے سورج ذرا جھک جائے تب ہی آگے بڑھا جائے۔'' یاسمین نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔ ''ورنہ پھر ہمارا حشر برا ہو جائے گا۔''

میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی اور اس کی تائید میں اثبات میں سر ہلایا۔ ''یقین نہیں آتا کہ ہم اس قدر تپتے ہوئے ریگستان میں... دن بھر پیدل سفر کرتے رہے۔'' پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد مجھے یاد آیا۔

''اب ذرا تم نقشہ نکالو، اس نشان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، جو اس نخلستان کے بعد دکھایا گیا ہے۔''

یاسمین نے نقشہ نکالا اور سمجھ میں نہ آنے والے نشان پر انگلی رکھ کے میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''تم ذرا دیکھو۔''

میں نے نقشہ لیا، اس نے نشان سے اپنی انگلی ہٹائی، میں غور سے دیکھنے لگا۔

''ایک نشان والی منزل پر تو ہم پہنچ چکے ہیں، یعنی یہ نخلستان۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن یہ والا نشان کس بات کی نشاندہی کر رہا ہے؟ باقی منزل تک پہنچانے والے نشان تو سمجھ میں آ رہے ہیں۔''

جہاں نخلستان اور آبادی تھی، وہاں ایک چھوٹے سے کھجور یا ناریل کے پیڑ کی نشاندہی کی گئی تھی، مکان کی نشانی چھتری سے ظاہر کی جا رہی تھی۔ گمشدہ اہرام اور اصل منزل والے نشان ابھی آگے تھے۔ تصویر کشی مختصر اور چھوٹی لکیروں کی صورت میں کی گئی تھی۔ لکسر کے مقام کی نشاندہی سب سے آخر میں کی گئی تھی جو ہماری اصل منزل تھی اور وہ نوبیان کے صحرا ..... میں واقع تھی۔ یہاں قریب میں دریائے نیل بھی بہتا تھا۔

نقشے میں اگر درخت دکھانا مقصود تھا تو قلم سے فقط ایک لکیر کھینچ کر اس کے اوپر تین چار اس طرح چھتری نما لکیریں کھینچ دی گئی تھیں... کہ وہ درخت نظر آئے، آبادی دکھانے کے لیے تین چار لکیروں کو ملا کر محرابیں سی بنا دی گئی

تھیں۔ اصل منزل کی تصویر قدرے بڑی تھی۔ جس پر اہرام کی شکل بنائی گئی تھی۔ لیکن اس نخلستان کے بعد والا نشان پیہم کوشش کے باوجود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''یہ نشان تو میرے پلے بالکل بھی نہیں پڑ رہا ہے۔''

بالآخر میں نے نقشہ یہ کہتے ہوئے یاسمین کو لوٹا دیا۔ اس نے بھی مزید تھوڑی دیر سر کھپایا مگر سمجھنے سے قاصر ہی رہی۔

ہم دونوں آرام کرنے کے لیے وہیں درختوں کی چھاؤں میں لیٹ گئے۔ کبھی نیند آ جاتی تو کبھی اچانک آنکھ کھل جاتی تھی۔

ایک موقع پر میری آنکھ لگی تو اچانک مجھے یاسمین نے بری طرح جھنجھوڑ کر جگایا۔

نیند سے اچانک بیدار ہو کر میں ہڑبڑا سا گیا۔ یاسمین کے چہرے پر ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میرے بدن کو چھو رہے تھے اور وہ گردن موڑے صحرا کی وسعتوں کی جانب تکے جا رہی تھی۔

''وہ دیکھو..... شہزی! وہاں..... ریت کے بادل اُڑ رہے ہیں، لگتا ہے کوئی قافلہ تیزی سے اسی طرف کو آ رہا ہے۔'' اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ اس نے سامنے اشارہ کیا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے دل و دماغ میں کون سے خدشات پل رہے تھے۔

میں نے اس کے اشارے کی سمت دیکھا اور میری پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ اس طرف سے ریت کے بگولے اٹھ رہے تھے۔ ممکن تھا کہ یہ سمجھا جائے اس طرف کوئی صحرائی طوفان امڈا چلا آ رہا ہو، لیکن ایسا نہیں تھا۔ غور سے دیکھنے پر یہ پتا چلتا تھا کہ کوئی مختصر سا قافلہ تیزی سے اسی طرف چلا آ رہا ہے۔

''یاسمین! اس طرف آؤ..... جلدی۔'' میں نے فوراً کسی متوقع خدشے تلے اس سے کہا اور بائیں جانب والے جھنڈ کی جانب بڑھا۔ یہاں قدرتی روئیدگی تھی۔ یہ نصف قدِ آدم جھاڑیاں تھیں۔ یہاں کھجور اور ناریل کے درختوں کی بہتات بھی نظر آتی تھی۔

ایک نسبتاً نیچے جھکے ہوئے درخت پر پہلے میں چڑھا اور پھر ایک موٹے تنے پر ٹک کر میں جھکا اور یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اوپر چڑھنے میں مدد دی۔

ہم تھوڑا اور اوپر کو گھنی شاخوں میں چھپ کر گویا ٹک کے بیٹھ گئے۔

ہم اسی سمت تکنے لگے۔ ریت کے بگولے تب تک قریب آ چکے تھے اور میں نے دیکھا وہ ایک چھوٹا سا ٹرک تھا۔ جس کے پیچھے وائرنیکر رکھا ہوا تھا۔ اس کے ڈرائیونگ کیبن میں تین افراد بیٹھے تھے۔ ایک ان میں جوان اور خوبرو لڑکی تھی۔ دو مردوں میں سے ایک پکی عمر کا نظر آتا تھا جبکہ دوسرا جوان تھا۔ صحت دونوں کی قابلِ رشک تھی۔ خوبصورت لڑکی خاصی شوخی اور کھلنڈرے پن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

انہیں دیکھ ہم دونوں نے بے اختیار سکون کی سانس لی تھی۔ کوہارا اور اس کے ساتھیوں کی آمد کا ہمارا خدشہ غلط ثابت ہوا تھا۔

ٹرک دانستہ جھیل کے قریب ہی ذرا کنارے پر آ کر رکا تھا۔ لڑکی نے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے... اپنے تن سے کپڑے اتارنا شروع کر دیے اور برہنگی کی حالت میں خرمستی کے انداز میں چیختی ہوئی جھیل کے پانی میں کود گئی۔

نوجوان نے بھی اپنا لباس اتار دیا اور وہ بھی پانی میں کود چکا تھا۔ اب دونوں لڑکا لڑکی جھیل کے پانیوں میں ''چہلیں'' کرنے لگے۔ لڑکی خوشی سے چلائے جا رہی تھی۔ ادھیڑ عمر کا آدمی کنارے پر ہی کھڑا ان کی طرف دیکھ دیکھ کر اپنا سر جھٹکے ہنسا جا رہا تھا۔ وہ اسے بھی ہاتھ کے اشارے سے بلا رہے تھے مگر وہ ہاتھ جھٹک کر اپنے ٹرک کے پاس چلا گیا۔

اس نے ڈرائیونگ کیبن سے پانی کا ایک ڈبا نکالا اور جھیل کے کنارے آ کر اس میں پانی بھرا پھر ٹرک کے پاس آ کر اس نے بونٹ اٹھایا اور ریڈیٹر میں پانی میں ڈالنے لگا۔

''کیا خیال ہے ان کے ساتھ قسمت آزمانی چاہیے، یا پھر ان کے جانے کا انتظار کیا جائے؟'' میں نے یاسمین کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ میرے ساتھ ہی چپکی بیٹھی تھی۔

''ان سے مدد نہ لینا بے وقوفی ہو گی۔'' یاسمین نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔ ''یہ لوگ بے ضرر لگتے ہیں۔ ہماری اتنی مدد تو ضرور کر دیں گے کہ ہمیں ابوسر تک پہنچا دیں۔''

مختصر سے باہم مشورے کے بعد.... ہم دونوں درخت سے نیچے اتر آئے اور جھیل کی طرف بڑھنے لگے۔

''ہے..... ے..... ے۔''

ہم جھیل کے قریب پہنچے تو اندر پانی میں نہاتے اور چہلیں کرتے ہوئے لڑکی اور لڑکے نے ہمیں دیکھتے ہی شور مچا دیا۔ مقصد شاید اپنے پکی عمر والے ساتھی کو متوجہ کرنا تھا۔

ان دونوں کے کپڑے، زیرِ جامہ سمیت جھیل کے کنارے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی چیخیں سن کر بھی پکی عمر

PakBooks.Site

والا ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا، اس نے شاید ان کی آوازوں کو ''خرمستی'' پر ہی محمول کیا تھا۔

یہ لوگ مجھے یورپین محسوس ہوئے تھے۔ کیونکہ قریب سے دیکھنے پر وہ سرخی مائل سپید گورے دکھائی دیتے تھے۔ تاہم مجھے ان پر جرمن کا شبہ ہوا تھا۔ انہی کی رنگت سرخی مائل تانبے جیسی ہوتی تھی۔ بال بھورے اور سنہرے تھے۔ پکی عمر والے نے کیلس لگی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پہ پی کیپ تھی۔ اس کا لباس کسی مخصوص کمپنی کی وردی کی نشاندہی کر رہا تھا۔

ٹرک کا رنگ مٹیالا تھا مگر اس پر انگریزی کے بڑے بڑے حروف میں ''ای۔ او۔ سی۔'' درج تھا اور ایک چھوٹا سا کمپنی مونوگرام بھی نظر آتا تھا۔

لڑکے نے جرمن لہجے میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ہمیں پکارا۔

''ابے..... کون ہو تم..... لوگ؟''

تب پکی عمر والا بونٹ سے سر ہٹا کر ہماری طرف گھوما۔ اس دوران لڑکی جھیل سے نکل کر کنارے پر آ گئی اور جلدی جلدی کپڑے پہننے لگی۔ اس کا ساتھی لڑکا بھی یہی کرنے لگا۔ یاسمین اور میں نے ان کی طرف سے اپنے منہ پھیر لیے تھے۔ ان کے ہانکنے کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

پکی عمر والا البتہ ہمیں دیکھ کر چونکا تھا۔

''کون..... ؟ کون ہو تم.....؟'' اس نے جرمن لہجے میں شکستہ سی انگریزی بولی۔

''ہم مسافر ہیں، ریت کے طوفان کے سبب اپنے قافلے سے بچھڑ گئے اور یہاں پہنچ گئے۔'' میں نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے تعارفاً مزید کہا۔ ''مجھے شہزاد کہتے ہیں۔''

''میں ہیگرڈ ہوں'' کہتے ہوئے اس نے بھی مسکراتے انداز میں مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

''یہ میری ساتھی مس یاسمین ہیں۔'' میں نے یاسمین کا بھی تعارف کرا دیا اور ذرا گردن موڑ کر لڑکا لڑکی کی طرف دیکھا، جو اب جلدی جلدی اپنا لباس پہن چکے تھے اور اسی طرف ہی آ رہے تھے۔

ہیگرڈ میرے ان کی طرف دیکھنے کا مطلب سمجھ گیا اور ان کا بھی تعارف کراتے ہوئے بولا۔

''یہ میرے کولیگ (دفتری ساتھی) ہیں۔ مس اینا اور بروز دونوں شرارتی ہیں۔ ہم ابوسر اور ... کرناک میں ایجپ شین آئل (مصری تیل) کمپنی کے ایک مشترکہ پراجیکٹ میں ملازم ہیں۔''

ہیگرڈ نے بتایا اور میرا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھل پڑا۔ تب تک وہ دونوں یعنی اینا اور بروز بھی ہمارے قریب آ چکے تھے۔ ہیگرڈ نے ان دونوں کو ہمارے بارے میں بتا دیا۔

لڑکی اور لڑکا چالاک دکھتے تھے۔ اینا نامی لڑکی بولی۔

''ہمارے ٹرک میں اضافی مسافروں کے بیٹھنے کی تو بالکل جگہ نہیں ہے اور۔'' اس کے ساتھی لڑکے بروز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تائیداً کہا۔

''اور کمپنی کی طرف سے ہمیں یوں بھی سختی سے اس بات کی ممانعت ہے کہ ہم کسی اجنبی کو ہرگز سرِ راہ لفٹ نہیں دے سکتے۔''

میرا منہ بن گیا اور میں ہیگرڈ کا چہرہ تکنے لگا۔ اس نے بھی اپنے کاندھے اچکا کر مصنوعی مسکراہٹ تلے کہا۔

''مجبوری ہے۔''

''فائن.....'' یاسمین کو جیسے غصہ آ گیا۔ وہ پہلی بار مخاطب ہوئی تھی اُن سے۔

''چلو شہزی! دفع کرو ان کو۔'' یاسمین نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے بھی غصہ تو آیا مگر ضبط کر گیا۔

اس کے بعد میں اور یاسمین قریبی ایک جھنڈ کے قریب بیٹھ گئے۔

''بڑے ہی کمینے قسم کے لوگ ہیں۔'' یاسمین نے چڑ کر ان کے بارے میں تبصرہ کیا۔

''انسانی ہمدردی کا جذبہ تک ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

''دفع کرو..... اپنا اپنا ظرف ہے۔ کیوں اپنا خون جلاتی ہو۔'' میں نے کہا۔

ہم دونوں بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ اگر یہ ہمیں ابوسر تک لفٹ دے دیتے تو باقی آگے نوبیان (لگسر) کے سفر کا دوسرا بندوبست ہم بہ آسانی کر سکتے تھے۔

ہیگرڈ کنارے پر چلا گیا۔ پھر کپڑے اتار کر وہ بھی جھیل میں کود گیا۔ بروز ٹرک کے پاس کھڑا ہماری طرف دیکھنے لگا جبکہ اینا ڈرائیونگ کیبن کی طرف بڑھ گئی اور اس میں سوار ہو کر جب دوبارہ نمودار ہوئی تو اس کے ہاتھ میں کوئی شے دبی ہوئی تھی۔ وہ کوئی تھیلا سا تھا۔ دونوں اس کے اندر سے نکال کر کچھ کھانے لگے۔ شاید سینڈوچز تھے۔

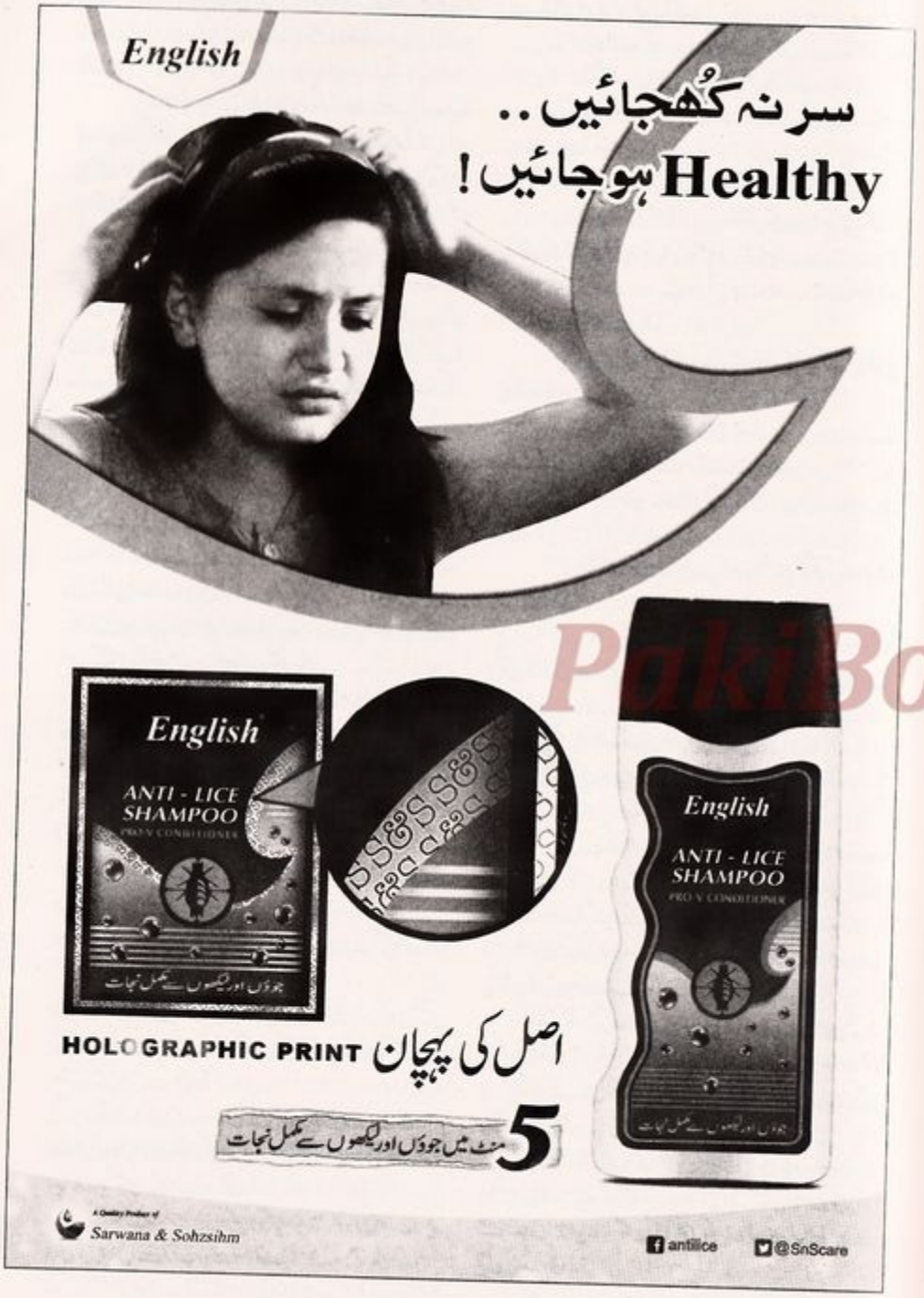

اینا اور بروز ہماری طرف دیکھ کر ایک دوسرے کو ٹہوکا مار کے ہنس بھی رہے تھے۔ یوں جیسے ہمارا مذاق اڑا رہے ہوں۔

یہ لوگ اگر چاہتے تو ہماری مدد کر سکتے تھے۔ ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن میں اتنی گنجائش تھی کہ اس کے اندر میں اور یاسمین سما سکتے تھے۔ کیونکہ اندر ایک برتھ نما سیٹ اضافی تھی۔ وہ شاید انہوں نے باری باری اپنے سونے کے لیے خالی رکھی تھی۔

''میرا خیال ہے میں ان سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' چند ثانیے ہونٹ بھینچے اندر ہی اندر تلملانے کے بعد میں نے یاسمین سے کہا۔ ''ہم ڈرائیونگ کیبن میں نہیں تو ٹرک کے گول کنٹینر والی جگہ کے پاس کہیں خلاء میں تو سما سکتے ہیں۔''

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' یاسمین نے مایوسی سے کہا۔

''کہنے میں کیا حرج ہے۔ ورنہ ابو سر اور کرناک کا سفر تو ابھی بہت باقی پڑا ہے۔ خطرہ الگ سر پر منڈلا رہا ہے۔''

یاسمین نے مجھے ان کی منتیں کرنے کی اجازت دے دی۔ میں اٹھا اور ان کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن وہ دونوں خبیث مجھے اپنی جانب آتا دیکھ کر جلدی سے ٹرک میں سوار ہو گئے۔ ان کے اس کٹھور پن پر مجھے سخت طیش آیا۔

میں نے جھیل کی طرف دیکھا۔ ہیگر ڈ نہا کر نکل رہا تھا۔ اب زیر جامہ پر کپڑے چڑھا رہا تھا۔ میں اس کے قریب جا پہنچا اور اس سے ایک بار پھر مدد کی استدعا چاہی مگر اس نے پھر بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ میں اسے ''سر پلیز، ہیلپ'' کہتا اس کے پیچھے چلتا رہا مگر وہ ٹرک کے پاس پہنچ کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس میں سوار ہو گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

میں غصے سے اس قدر زور سے اپنے دانت بھینچ کر رہ گیا کہ میرے جبڑوں کی ہڈیاں ابھر آئیں۔

''کہاں ناں..... دفع کرو ان رذیلوں کو..... کیوں منتیں کرتے ہو ان ...بے حس لوگوں کی۔'' اچانک یاسمین بھی عقب میں میرے پیچھے آ کر بولی۔

ٹرک اسٹارٹ ہوا اس کے بعد ریورس ہونے لگا۔ ہم دونوں واپس اپنی جگہ کی طرف بڑھے، وہاں بیٹھنے لگے تو اچانک یاسمین کے منہ سے نکلا۔

''ارے..... یہ ان کو کیا ہو گیا.....؟'' وہ اسی سمت دیکھ رہی تھی جہاں سے ٹرک روانہ ہوا تھا۔

''کیا ہوا.....؟'' میں نے بھی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس طرف دیکھ کر کہا۔

''ان کا ٹرک کیوں رک گیا ہے؟ کہیں ان کے ضمیر نے انہیں ملامت تو نہیں کر ڈالی۔'' یاسمین جل کر بولی۔

''نہیں، کوئی اور وجہ لگتی ہے۔'' میں نے بہ غور مذکورہ سمت دیکھا۔

''شاید ان کے ٹرک میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔''

''اچھا ہوا، ان خبیثوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔'' یاسمین نے جیسے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

ہیگر ڈ ٹرک سے نیچے اتر آیا تھا۔ وہ اب بونٹ کھول کر اس میں خرابی تلاشنے لگا۔

اچانک میری نظر ٹرک کے پار دوسری جانب پڑی تو چونک پڑا۔

''یاسمین! وہ دیکھو، اُس طرف..... ریت کے بگولے۔'' میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

''اوہ..... شاید کچھ اور لوگ بھی اس طرف آ رہے ہیں۔''

''کون لوگ ہو سکتے ہیں یہ.....؟'' میں گومگو سے انداز میں بڑبڑایا۔

''پپ..... پتا نہیں.....'' یاسمین کی آواز لرزیدہ سی تھی۔ متوقع خدشات ایک بار پھر ہمارے اندر ناگ کی طرح سر ابھارنے لگے۔

''اس طرف آؤ، جلدی۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور جھنڈ کے پیچھے جا چھپے۔

اب یہاں سے ہم مذکورہ سمت دیکھ سکتے تھے۔

ریت کے بگولوں نے جلد ہی موٹر گاڑیوں کی صورت اختیار کر لی۔ وہ دو عدد مخصوص اور چوڑے ٹائروں والی جیپیں تھیں۔ دونوں ٹرک کے دائیں بائیں قریب پہنچ کر رک گئیں۔

اس کے اندر سے تین مسلح افراد اُترے تو میرا اور یاسمین کا دل دھک سے رہ گیا۔

ایک کو تو میں صاف پہچان گیا تھا وہ مردود و ملعون سے جی کوہارا تھا۔ اس کی ایک آنکھ پر ابھی تک فلیپ چڑھا ہوا تھا اور ایک ٹانگ میں لنگ بھی تھا۔ اس کے کہیں کہیں پٹیاں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ باقی اس کے ساتھی تھے۔

''بالآخر یہ بدبخت لالچی سیستانی کی مدد سے اپنے ساتھیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔'' میں دانت پیس کر غصے سے بڑبڑایا۔ یاسمین بھی منحوس کوہارا کو دیکھ کر خوف سے پیلی پڑنے لگی۔

اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور لرزتی آواز میں بولی۔

''شش..... شہزی.....! وہ..... وہ آ گیا ہے۔''

''حوصلہ رکھو اور دیکھو ہمت مت ہارنا۔ اللہ ہماری مدد کرنے والا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

کوہارا اور اس کے ساتھی ہیگر ڈ سے کچھ پوچھ رہے تھے، جس کے جواب میں ہیگر ڈ نے اپنا رخ موڑ کر اسی جانب اشارہ کیا جہاں ہم موجود تھے۔

پھر ہماری دھڑکتی نظروں نے دیکھا کوہارا اپنے دونوں ہاتھ زور زور سے ہلا کر اسی جانب، اپنے ساتھیوں کو بڑھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''شش..... شہزی! خدا کے لیے بھاگ چلو.....'' یاسمین نے کپکپاتی آواز میں بولی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں..... یاسمین! تم کوہارا سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ ہم بھلا اب کہاں بھاگ کر جا سکتے ہیں؟ ہمیں اس موذی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔'' میں نے قدرے حیران ہو کے کہا۔ مجھے لگتا ہی نہ تھا کہ یہ وہی یاسمین تھی جو اس سے پہلے کاسپا کو اور کوہارا سے درانہ وار بھڑ گئی تھی۔ یا پھر شاید کوہارا کی کچھ زیادہ ہی دہشت اس پر سوار ہو گئی تھی۔

میری بات سن کر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ میں نے دیکھا اب اس کے چہرے پر ایک جوش عزم کی تمتماہٹ ابھری اور پھر وہ اسی لہجے میں بولی۔ ''ٹھیک ہے پھر، میں بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں۔''

''گڈ! یہ ہوئی نا بات..... لیکن ابھی نہیں۔ تم فی الحال تماشا دیکھو، لگتا ہے سے جی کوہارا کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔''

پھر ہم نے دیکھا کہ کوہارا اور ہیگر ڈ کے درمیان کسی بات پر بحث ہونے لگی۔ کوہارا نے کسی بات پر طیش میں آ کے اسے ایک تھپڑ جڑ دیا۔ ہیگر ڈ ریت پر گر پڑا۔ ڈرائیونگ کیبن سے بروز غصے میں چیختا ہوا برآمد ہوا۔ میری تشنگی ہوئی نظریں ان پر جم گئی تھیں، کچھ ایسا لگتا تھا کہ کسی بات پر ان کی آپس میں ٹھن چکی ہے۔

بروز کے ہاتھ میں بھی اب پستول نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ جیسے ہی دروازہ کھول کر نیچے اترا کوہارا کے ایک مسلح ساتھی نے اس پر برسٹ فائر کر دیا۔ بروز وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کھلی بربریت پر یاسمین کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ سی خارج ہو گئی۔ میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس پر پھر کوہارا کی دہشت طاری ہونے لگی تھی۔

بروز کے گرتے ہی اندر بیٹھی لڑکی اینا کی ہسٹریائی چیخ ابھری اور پھر میں نے اسے دوسری طرف کا دروازہ کھول ٹرک سے چھلانگتے دیکھا، وہ ریت پر گری اور پھر چیختی چلاتی صحرا کی وسعتوں کی جانب دوڑی، لیکن کوہارا کے ایک ساتھی نے دوڑ کر اس کا پیچھا کیا اور اسے کسی ہرنی کی طرح دبوچ کر لے آیا۔

ہیگر ڈ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ کر اسی طرح ریت پر پڑا رہ گیا تھا۔ وہ شاید خوف زدہ ہو گیا تھا اور ممکنہ طور پر اسے بھی اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ پھر کوہارا کی دہاڑ سنائی دی۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے دوبارہ تحکمانہ کچھ کہا تھا۔ اس کے تین ساتھی گنز تھامے اسی طرف لپکے جہاں میں اور یاسمین چھپے بیٹھے تھے۔

''ہوشیار.....!'' میں نے یاسمین کے سرسراتی سرگوشی کی اور پھر اسے وہیں محبوس رہنے کی تاکید کر کے اپنی جگہ بدلنے لگا تو اچانک یاسمین نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

''شش..... شہزی! اپنا خیال رکھنا۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور دھیرے سے ہاتھ چھڑا کر ایک طرف کو لپکا۔

میں پہلے والے جھنڈ کے دائیں جانب کی خودرو جھاڑیوں کی آڑ میں چلا گیا تھا اور اب کہنیوں اور سینے کے بل رینگ رہا تھا۔ کوہارا کے تینوں ساتھی قریب آتے ہی اپنا درمیانی فاصلہ بڑھانے لگے۔

ان کی چالاکی پر میں اندر ہی اندر تلملا گیا۔ اس طرح اگر میں ایک پر قابو پا بھی لیتا تو باقی دونوں کا ہدف مجھے ہی بننا پڑتا، ایسا نہ کرتا تو وہ یاسمین تک پہنچ جاتے۔

میں نے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ صورت حال خاصی مخدوش ہو چکی تھی، یہ بدبخت سے جی کوہارا ایک بار پھر ملک الموت کی طرح ہمارے سر پر مسلط ہو گیا تھا۔

تب ہی اچانک میرے ذہن میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ایک خیال ابھرا۔ وہ تینوں لمحہ بہ لمحہ قریب آتے جا رہے تھے۔

ٹرک کی طرف اب کوہارا اور اس کا ایک ساتھی کھڑا تھا۔ اس نے ابھی تک اینا کو دبوچ رکھا تھا اور وہ دونوں اسی طرف ہی لپکے جا رہے تھے۔

میں نے دائیں بائیں دیکھا، سیدھے ہاتھ کی جگہ پر سطح زمین کچھ ابھری ہوئی تھی، میں نے ایک چیخ ماری اور پل کے پل اپنی جگہ چھوڑ کر اسی طرف کو رینگ گیا۔

توقع کے عین مطابق تینوں بُری طرح ٹھٹک کر اسی طرف کو متوجہ ہوئے، ایک نے تو برسٹ بھی فائر کر دیا۔ تاہم اب یوں ہوا کہ وہ یاسمین کی طرف جانے والی کمین گاہ سے

PdfBooks.Site

ہٹ کر لامحالہ یکجا ہو گئے اور مزید قریب آ گئے۔

میں کسی چوکنا چیتے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور ایک پر جا پڑا، دوسرے کے لیے میں نے لات چلا دی۔

تیسرا سنبھلا اور گن کا رخ میری جانب کرتے ہی لمحہ کی بھی دیر لگائے بغیر ٹریگر دبا دیا۔ جس کی مجھے عین توقع تھی اسی سبب میں نے اپنے پہلے والے شکار کو دبوچ رکھا تھا اور خود ایک دم ہٹ کر اسے گولیوں کی بھیانک باڑ کے سامنے کر دیا۔

اس کا جسم چھلنی ہو گیا، اس کی گن پر قبضہ میری اولین ترجیح تھی...... میں نے دوسری جانب تڑپ کر جگہ بدلتے ہی مخصوص پوزیشن میں آ کر اس پر برسٹ فائر کر دیا۔ وہ چیختا ہوا ریت پر گرا، دوسرے ساتھی...... نے لیٹے لیٹے مجھ پر برسٹ فائر کر دیا۔

میں اس سے لمحہ بھر پہلے ہی بجلی کی طرح تڑپ کر اپنی جگہ چھوڑ کر قریب ایک جڑواں تنوں والے درخت کی آڑ میں ہو گیا جسے میں پہلے ہی نظروں میں لیے ہوئے تھا۔

گولیوں کی بوچھاڑ درخت کے جڑواں تنے پر پڑی اور...... ”چٹ...... پٹ...... زنا...... زٹ...... پٹا...... چٹ...... چٹ......“ کی عجیب آوازیں ابھریں۔

آڑ میسر آتے ہی میں نے اس پر فائر کھول دیا۔

میں اپنی بروقت حکمت عملی سے ان تینوں کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ کوہارا کے ایک دم سے تین مسلح ساتھیوں کو ڈھیر کرنے کے بعد...... میرے حوصلے فزوں تر ہو گئے تھے اور میں نے اب کوہارا سے حساب بے باق کرنے کا پکا تہیہ کر لیا تھا۔

اچانک میری نگاہ تیسرے شکار کی ریت میں لتھڑی لاش پر پڑی اور میں بری طرح چونک پڑا۔

وہ چونکہ ہماری ”کمین گاہ“ کے قریب تھا، اسی لیے یاسمین نے ہمت دکھائی اور رینگتی ہوئی اس کی جانب بڑھ کر اس کی گن پر قبضہ جما لیا تھا۔

میں نے سیدھا ہاتھ بلند کر کے مسکراتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کے طور پر انگوٹھا دکھایا اور واپس پلٹ جانے کا بھی اشارہ کر دیا۔

اب میں سامنے جھیل کی طرف کوہارا کو اپنے سر کے بال نوچتے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس تڑابڑی کے دوران لنگڑاتا ہوا تھوڑا آگے بڑھ آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

اسے شاید یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے تینوں ساتھیوں کو میں ایک مربوط حکمتِ عملی سے پل کے پل موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔

وہ ابھی میرے نشانے پر نہیں تھا اور میں اس کے قریب آنے کا بے چینی سے منتظر...... کہ اچانک اسے کیا ہوا کہ وہ واپس پلٹا اور لنگڑاتا ہوا اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے جیپ کے انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔

یہی وہ وقت تھا جب میں نے ہیگرڈ کو غائب پایا۔ وہ شاید موقع پاتے ہی ٹرک کے نیچے کہیں رینگ گیا تھا۔ وہ اب کیا گل کھلا سکتا تھا، یہ وقت بتاتا۔ میں اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر رینگتا ہوا دوبارہ یاسمین کے قریب آ گیا۔

”کوہارا خود...... اپنی موت کو دعوت دینے کے لیے آ رہا ہے۔“ میں نے اس کے قریب آ کر ہانپتی ہوئی سرسراتی سرگوشی کی۔

جیپ اسٹارٹ ہوتے ہی ہماری کمین گاہ کی طرف بڑھی۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے آگے بڑھتی ہوئی جیپ ایک دم رک گئی۔ میری پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

اگلا لمحہ میرے لیے چونکا دینے والا ہی نہیں بلکہ حیران کن بھی ثابت ہوا۔ جیپ اب تیزی سے ریورس ہونے لگی اور دوبارہ اپنی جگہ پر پہنچ کر رک گئی۔

میری پھٹی پھٹی آنکھیں ملعون کوہارا کی اس نئی چال پر نگاہ رکھے ہوئے تھیں کہ اس نے جیپ کے اندر بیٹھے اپنے ساتھی سے بھی کچھ کہا تھا۔

اس نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور دوسری جیپ کی طرف بڑھ گیا اور پھر جب تک میں کوہارا کی اس بزدلانہ حرکت کا مقصد سمجھتا۔ وہ دونوں تیز رفتاری سے جیپ ریورس کرتے ہوئے رکے اور پھر واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔

”شٹ۔“ میرے منہ سے شکست خوردہ انداز میں برآمد ہوا۔

”اوہو...... شہزی! یو آر گریٹ! تم نے اتنے بڑے اور خطرناک دشمن کو ڈرا کے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔“ یاسمین خوشی بولی۔

”ہرگز نہیں، مجھ سے بھیانک غلطی ہو گئی۔“ میں نے گویا ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”وہ ذلیل سمجھ چکا تھا کہ اس کے ساتھیوں کے ہتھیاروں پر میں قبضہ جما چکا ہوں، نیز وہ خود بھی صرف اپنا ایک ساتھی بچا سکا تھا۔“

یاسمین میری بات کا مطلب سمجھ کے خاموش ہو گئی۔

”کاش! میں اس کی چالاکی سمجھ جاتا اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے کے بجائے اس پر ہلا بول دیتا۔“

”شہزی! اگر یہ بات ہے تو مجھے نہیں لگتا کہ کوہارا اس طرح واپس لوٹ سکتا ہے۔“ اچانک یاسمین نے کچھ سوچتے ہوئے مجھ سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارا اتنا بڑا دشمن جس نے اپنے اتنے اہم مقصد کے لیے اس قدر خون خرابا کیا اور اپنی جان بھی کئی بار خطرات میں ڈالی، وہ یوں بے نیل مرام واپس پلٹ جائے گا؟“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”کوہارا اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا کہاں ہے۔ وہ دور کہیں چھپ کر کوئی جال بچھانے کی کوشش ضرور کرے گا...... میں اس سلسلے میں محتاط ہوں، آؤ اب ذرا اُدھر کی خبر لیتے ہیں۔“

ہم دونوں چلتے ہوئے ٹرک کے قریب آ گئے۔ مجھے حیرت تھی کہ ہیگرڈ ہنوز غائب تھا جبکہ اینا خوف و دہشت کے مارے ڈرائیونگ کیبن میں جا سوار ہوئی تھی اور اس نے دروازے بند کر کے لاک کر دیے تھے۔

وہ شاید ہم سے بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔ ہمارے ہاتھوں میں اب ہتھیار بھی تھے، شاید اسی لیے بھی وہ ڈری ہوئی تھی ہم سے...... اس نے کھڑکی کے شیشے بھی چڑھا دیے تھے اور بدستور ہسٹریائی انداز میں روئے اور چیخے بھی جا رہی تھی۔

”بے وقوف لڑکی! دروازہ کھولو۔ ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر ہیگرڈ کہاں ہے؟“ میں نے چلا کر اس سے کہا۔ مگر وہ نہ مانی۔ اس پر دورہ پڑا ہوا تھا۔ اپنے ساتھی لڑکے بروز...... کا حشر دیکھ کر شاید اس کا ذہنی توازن بگڑنے لگا تھا۔

میں نے ہونٹ بھینچ لیے اور پائدان پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھا تو مجھے دوسری طرف کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا نظر آیا، میں جلدی سے اتر کر دوسری طرف کے دروازے کے پائدان پر پاؤں رکھ کر چڑھ گیا اور اندر ہاتھ ڈال کر دروازہ کھول دیا۔ اینا نے اور زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

میں نے غصے سے دانت پیس کر اس کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا۔ خود میرا اپنا دماغ خراب ہو رہا تھا اور یہ فضول کی چیخم دھاڑ مچا کر مزید خراب کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

یاسمین بھی اندر آ گئی اور میں نے یاسمین سے کہا کہ وہ اسے سنبھالے اور سمجھائے تب تک میں ٹرک کی خرابی دیکھ لوں۔ یاسمین، اینا کو پچکارنے لگی اور اسے اپنے سے لگا کر دلاسا اور حوصلہ دینے لگی۔

میں نیچے اتر آیا۔ ایک نظر اطراف میں ڈالی پھر آس پاس قریب میں دیکھا۔ ہیگرڈ مجھے پھر بھی نظر نہ آیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کم بخت کہاں چلا گیا تھا؟ کیا اتنا ہی خوف زدہ ہو گیا تھا کہ موقع ملتے ہی پیدل ہی تپتے صحرا میں نکل گیا تھا؟

میں...... بونٹ کی طرف آیا جو ہنوز کھلا ہوا تھا۔ اس پر جھک کر میں اس کی خرابی تلاشنے لگا۔ اسٹارٹنگ وائر کا کلپ اسپارک کر رہا تھا، وہ ڈھیلا تھا۔

میں نے وہ نکال کر کلپ پھینک دیا اور تار دوبارہ دانتوں سے چھیل کر ڈائریکٹ پاور کنکشن...... ملا دیا اور وہیں سے چلا کر یاسمین کو کہا کہ وہ ٹرک اسٹارٹ کرے۔

اینا اب پُرسکون ہو گئی تھی۔ یاسمین نے شاید اسے کچھ سمجھا دیا تھا۔ تاہم ڈری ہوئی اب بھی نظر آتی تھی۔

یاسمین نے اگنیشن سوئچ میں لگی چابی گھمائی۔ ٹرک کا انجن دو ایک بار غرایا اور پھر اسٹارٹ ہو گیا۔ میں نے جلدی سے بونٹ بند کیا اور آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

پرانی وضع کا ٹرک تھا۔ جس کی گیئر اسٹک کچھ زیادہ ہی لمبی اور تنگ تھی۔ اسے آگے پیچھے گھما کر گیئرز کا اندازہ کیا اور ہلکی ریس دبا کر کلچ چھوڑا تو ٹرک نے ایک جھٹکا کھایا پھر کھانسا اور انجن بند ہو گیا۔ میں نے دوبارہ اسٹارٹ کیا اور اس بار سکون کے ساتھ پیش آیا اور ٹرک آگے بڑھ گیا۔

”تت...... تم لوگ کہاں لے جا رہے ہو مجھے......؟“ اینا نے ڈرے سہمے لہجے میں کہا۔ وہ میرے اور یاسمین کے بیچ میں بیٹھی تھی۔

”تم اب خاموش بیٹھی رہو لڑکی!“ میں نے اسے جھڑک دیا۔ میں پہلے ہی اس پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اگر یہ ہماری پہلے ہی مدد کر دیتے تو حالات یہاں تک خراب نہ ہوتے۔

یاسمین نے مجھے تنبیہ انداز میں کہا۔ ”شہزی...... اس لڑکی سے اس طرح بات نہ کرو، یہ بھی ہماری طرح غیر ملکی سہی لیکن یہاں یہ ایک کمپنی کی ملازم ہے۔ ہمارے لیے قانونی پیچیدگی...... کھڑی کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ دشمن تمہارے تھے، لیکن انہوں نے اس کے ساتھی بروز کو مار ڈالا۔“

یاسمین نے اردو میں بات کی تھی جسے وہ جرمن لڑکی نہ سمجھ سکی۔ میں نے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے رکھی تھیں۔ ٹرک کا انجن غرا زیادہ رہا تھا مگر دوڑ کم رہا تھا۔ وجہ یہی تھی کہ ریت پر اس کے ٹائر دھنسے جا رہے تھے۔ کوئی باقاعدہ راستہ نہ تھا۔

PakiBooks.Site

تب میں نے پُرسکون انداز اور نرم لہجے میں اینا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو اینا! یہ لوگ صحرائی لٹیرے تھے۔ ہم انہیں جانتے ہیں۔ لیکن تمہارے ساتھی ہیگرڈ نے پتا نہیں ان سے کیا کہا اور وہ ہماری تلاش میں اس طرف نکل آئے۔''

اینا اتنی بے وقوف نہیں تھی جتنا کہ میں سمجھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک تشویش اور شک کے آثار نمایاں تھے۔ تاہم ہمت کر کے بولی۔

''تم نے ان کے تینوں ساتھیوں کو کیسے اتنی آسانی سے مار ڈالا؟ یہ لوگ پروفیشنل گینگسٹر نظر آتے تھے۔ ورنہ میرے ساتھی بروز کو اس بیدردی سے کیوں ہلاک کرتے، پتا نہیں اب ہیگرڈ کہاں ہے؟''

''تم جو کچھ سمجھو، لیکن اس وقت خاموش رہو۔'' بالآخر میں نے جھلا کر کہا۔ ''لیکن..... خبردار! اپنی زبان بند رکھنا۔ یہ لوگ واقعی ایک بڑے گینگ سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری ان سے دشمنی ہے۔ لیکن ... تم نے اگر اپنی زبان کہیں بھی کھولی تو ان کے عتاب کا شکار ہو جاؤ گی اور ہم بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

میری دھمکی پر اس نے فوراً جیسے اپنے ہونٹ سی لیے۔ یاسمین مجھے دیکھنے لگی۔ اس نے اب مجھے متنبہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

میں ٹرک چلانے کے دوران اردگرد بھی نظریں دوڑا رہا تھا۔ یاسمین کو بھی میں نے یہی تاکید کر رکھی تھی۔

ریت پر مجھے جیپوں کے ٹائروں کے نشانات نظر آئے۔ میں نے ٹرک روک دیا۔ میرے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے، وہیں سے میں نے انگلی سے ونڈ اسکرین کی طرف اشارہ کیا اور یاسمین سے پوچھا۔

''کیا تم بتا سکتی ہو کہ..... یہ لوگ کہاں گئے ہوں گے؟ یہ راستہ کس طرف جا رہا ہے؟''

یاسمین نے سیٹ سے تھوڑا اچک کر ونڈ اسکرین سے پار سامنے ریت پر بنے کوہارا اور اس کے ساتھی کی جیپوں کے ٹائروں کے نشانات دیکھے، اس کے بعد نقشہ نکال لیا، وہ تھوڑی دیر اسے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد بولی۔

''یہ راستہ کسی آبادی کی طرف تو نہیں جاتا ہے لیکن ٹھیک طرح سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آگے کہیں نکل گئے ہوں گے، ایک بڑا چکر کاٹ کر یہ لوگ ابوسر یا کرناک پہنچ سکتے ہیں۔''

''یہ راستہ ایبچ شگین کالونی تک جاتا ہے جو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔'' اچانک اینا بولی۔ میں اور یاسمین اب انگریزی میں ہی باتیں کر رہے تھے اسی لیے وہ بولی۔

''کیا مطلب؟ یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟ کتنی دور ہے؟'' میں نے اینا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کوئی باقاعدہ آبادی نہیں ہے۔ ہم ادھر ہی رہتے ہیں۔ وہاں مصری اور جرمن آئل کمپنی کا ایک مشترکہ پراجیکٹ ہے، وہاں کے ورکرز اور آفیسرز کی عارضی رہائش کے لیے کالونی سی بنا دی گئی ہے، پلیز تم لوگ مجھے وہاں پہنچا دو۔'' اس نے آخر میں ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور یاسمین سے رہنمائی لے کر موڑ کاٹا پھر راستہ بدل کر اپنی منزل کی جانب گامزن ہو گئے۔

البتہ میں نے بعد میں اینا کو تسلی دی تھی کہ اگر وہ ڈرائیونگ جانتی ہے تو ہمیں اپنی منزل اتارنے کے بعد وہ اپنی راہ لے سکتی ہے۔

وہ چپ ہو گئی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ ٹینکر نصف حد تک آئل سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اسے ان لوڈ کرنے کی غرض سے ابوسر ہی لے جا رہے تھے۔

ٹرک مقدور بھر رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ میری نظریں سامنے ونڈ اسکرین کے پار ریت کے سمندر پر جمی ہوئی تھیں۔ نقشے میں جو نشان ہمیں سمجھ میں نہیں آیا تھا، وہ مقام قریب آنے والا تھا۔ ریت کے ٹیلے جا بجا بکھرے نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں خشک پہاڑیاں بھی نظر آتی تھیں۔ اچانک میں چونکا۔

مجھے تھوڑی دور کوئی شے دکھائی دی تھی۔

''یاسمین! تم دیکھ رہی ہو؟ کیا ہے یہ؟'' میں نے یاسمین کو متوجہ کرنے کی غرض سے کہا۔ وہ آگے جھک کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔

''کوئی چیز الٹی پڑی نظر آتی ہے۔'' یاسمین نے گومگو سے لہجے میں کہا۔

''ہاں! ایسا ہی ہے، کوئی گاڑی الٹی پڑی ہے۔ مجھے یہ انہی کی جیپ لگتی ہے۔'' میں نے کہا اور پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

''محتاط رہنا شہزی! کہیں یہ ان لوگوں کی کوئی چالاکی نہ ہو؟''

''تم ٹھیک کہتی ہو، میرے ذہن میں بھی یہی خیال ابھرا تھا، بے فکر رہو میں محتاط ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور ٹرک کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے یاسمین کو گن پر گرفت رکھنے کی ہدایت بھی کر ڈالی۔ اینا ایک بار پھر سہم گئی۔ لیکن بولی کچھ

دلفریب کہانیوں اور دلنشین سلسلوں سے مرصع ستمبر 2018 کا دل خوش کن شمارہ.....

ماہنامہ پاکیزہ کراچی

شیریں حیدر، رفعت سراج، حیا بخاری کی دلکش سلسلے وار کہانیاں

دردانہ نوشین خان کے زیرک خیالات کا مظہر.....
ایک یادگار متاثر کن منی ناول..... صفہ کی نئی قسط.....

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا پُربصیرت مضمون

عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے نزہت جبیں ضیا کا مکمل ناول..... دل کی بساط پر

شمع ہدایت کے سلسلے میں اختر شجاعت کی تحریر.....
سخاوت..... نامور اسکالر و علمائے دین کی مستند کتابوں سے لی گئی تحقیق کا نچوڑ

پاکیزہ کے مہمان میں ملاقات کیجیے.....
ماضی و حال کے نامور اداکار فہمید احمد خان و
بیگم فہمید احمد سے.....

اسما قادری، ناہید فاطمہ حسنین، نفیسہ سعید کے مشاق قلم کے کرشمے

اس کے علاوہ

پڑھیے ہماری سینئر اور جونیئر رائٹرز کی پُرلطف و دلچسپ تحریریں جن میں ڈاکٹر زاہدہ پروین، سلمیٰ غزل، نظیر فاطمہ، منعم ملک و دیگر شامل ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مستقل متنوع سلسلوں کا دلکش اور دلربا امتزاج صرف آپ کی اعلیٰ ذوقی کی نذر

PakiBooks.site

نہیں۔

میں اسی سمت نظریں جمائے ٹرک دوڑاتا ہوا قریب پہنچا تو مجھے اس کی قدرے عمودی سمت کے پار ایک اور جیپ بھی کھڑی نظر آ گئی۔ میرا دل کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا اور اعصاب یک دم تن گئے۔

یہ دونوں گاڑیاں کوہارا اور اس کے آخری بچے ہوئے ساتھی کی تھیں۔ ایک تو الٹی پڑی تھی، جبکہ دوسری ذرا فاصلے پر اپنے پہیوں پر کھڑی تھی لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ دونوں جیپیں خالی تھیں۔

میں نے دیکھا یاسمین ٹرک سے اتر کر ریت پر جھکی کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی، پھر دوڑتی ہوئی میرے قریب آئی اور اردگرد ہراساں سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مجھ سے سرسراتے لہجے میں بولی تو اس کی آواز میں واضح طور پر لرزش تھی۔

"شش...... شہزی......! وہ لوگ اِدھر ہی کہیں موجود......" ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ برسٹ چلنے کی تڑتڑاہٹ ابھری۔ میرے پیروں کے بالکل قریب ریت کے بادل اُڑے...... میں ایک دم اچھلا اسالٹ انداز کی بیک جمپ لی۔ دوسری بار مجھے گولیوں کے برسٹ چلنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی ایک کریہہ ناک انسانی چیخ ابھری۔

میں اپنی جگہ گر کے سنبھلا تو دیکھا یاسمین پوزیشن لیے گن کا رخ ایک طرف کو کیے ہوئے تھی۔ دوسرا برسٹ اس نے داغا تھا، اس نے بروقت ذہانت اور مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسی جانب جوابی برسٹ داغا تھا جہاں سے مجھے دشمن نے نشانہ بنانے کی کوشش چاہی تھی، زندگی تھی میری جو بچ گیا تھا میں...... یا پھر شاید مجھے زخمی کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ کوہارا کو یاسمین نے دھمکی دے ڈالی تھی کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ باقی کا کھیل وہی تھا، یعنی جو جیتا وہی سکندر......

گن میرے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔ یاسمین گن سنبھالے اس طرف کو دوڑی۔ میں نے گردشی نظروں سے اطراف میں دیکھا اور یاسمین کو کور دیا۔

میں الٹی پڑی جیپ کی آڑ میں چلا گیا تھا۔ اچانک ایک اور برسٹ فائر ہوا اور میں نے ٹرک کو آگ کے کسی گولے کی طرح اڑتے دیکھا۔ تیز سرخی مائل آگ نے ٹرک کو آناً فاناً اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس میں موجود آئل نے آگ پکڑ لی تھی۔

دشمن کی اس بربریت پر میرا دل دکھ سے بھر گیا۔ اس کے اندر اپنا بیٹھی تھی۔ جواب ظاہر ہے جل کر بھسم ہو چکی ہو گی۔

میں نے غیظ و غضب کے عالم میں اپنے دانت اس قدر زور سے بھینچ لیے کہ جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ یہ کوہارا کی ہی ظالمانہ حرکت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اب وہ ہی اکیلا بچا تھا۔

میں نے پل کے پل گولیوں کی بوچھاڑ کی سمت کا تعین کیا اور ابھی اس سمت دوڑا ہی تھا کہ مجھے یاسمین کی گھٹی گھٹی چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں ٹھٹک گیا اور پھر اسی سمت بڑھا۔

جلد ہی مجھے ایک بھیانک منظر دکھا۔ کوہارا نے یاسمین کو گن پوائنٹ پر لے رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے یاسمین کو دبوچ رکھا تھا۔ ایک رائفل اس کے کندھے پر جھول رہی تھی۔ یقیناً اس خبیث نے اسی گن سے ٹرک کے آئل سے بھرے ٹینکر پر برسٹ فائر کیا تھا۔

"بس شہزی! اپنا کھیل روک دو......" کوہارا دہاڑ کر بولا۔ یاسمین کو اس نے اپنے ایک بازو سے دبوچ رکھا تھا اور آہستہ آہستہ جیپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یاسمین خود کو اس مردود کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کوہارا......! کھیل تمہارا ختم ہو چکا ہے۔ وہیں رک جاؤ۔" میں نے غضب آلود لہجے میں اس کی طرف گھور کر کہا۔ جواب میں اس خبیث نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے مجھ پر گولی داغ دی۔

اس کی یہ حرکت غیر متوقع نہیں تو اچانک ضرور تھی۔ گولی نے میرے بائیں بازو کو چھید ڈالا۔ میرے حلق سے کراہ خارج ہو گئی اور گن ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ یاسمین نے چیخ ماری۔ میں گن اٹھانے کے لیے جھکا مگر کوہارا نے دوسرا فائر جھونک دیا۔ دوسری گولی...... میری پنڈلی میں پیوست ہو گئی اور میں گر پڑا۔

یاسمین ہذیانی انداز میں چیخنے لگی اور اس نے مجھے پے در پے زخمی ہوتا دیکھا تو اس پر جنون سوار ہو گیا۔ اس نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر کہ وہ اس وقت کوہارا جیسے خونی درندے کے قبضے میں تھی...... اسے ہاتھوں اور مکوں سے پیٹنے لگی۔ کوہارا نے گرج کر اس کے منہ پر زور کا تھپڑ رسید کر دیا۔

"کتیا! اب اگر تو نے کوئی حرکت کی تو میں اِدھر ہی تیرے یار کے سامنے تجھے ذلیل کر ڈالوں گا۔"

"ت...... ت...... تم نے شہزی پر گولی کیوں چلائی......؟ بے شک مار ڈالو مجھے...... اب...... کوئی پروا نہیں مجھے اپنی زندگی کی۔" وہ جنونانہ لہجے میں کوہارا سے بولی۔ "تم نے میرے منگیتر کو ہلاک کیا، میرا باپ تمہاری وجہ سے اپنی جان سے گیا اور اب...... شہزی...... ہرگز نہیں...... تم کچھ بھی کر لو میرے ساتھ...... وہ زبردست ہونے کے باوجود کوہارا جیسے درندے کو للکارنے لگی تھی۔ یاسمین کا یہ روپ میرے لیے اب نیا نہیں رہا تھا۔ جہاں مجھے خطرے میں پاتی وہ درانہ وار اسی طرح کی حرکت کر ڈالتی تھی۔

میں زخمی ریت پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ میرے بازو اور ٹانگ سے خون بہے جا رہا تھا اور مجھ پر نقاہت سی طاری ہونے لگی تھی۔ گن مجھ سے اب بھی تھوڑے فاصلے پر پڑی تھی۔

کوہارا اس کی بات پر تھوڑا چونکا۔

"کتیا......! ہوش کر...... تیرے یار شہزی کو میں نے ہلاک کرنا ہوتا تو پہلی ہی گولی اس کے بھیجے میں اتارتا۔ اب بھی وہ میرے نشانے پر ہے۔" کوہارا غیظ آلود لہجے میں بولا۔ "لیکن تو نے اب بھی ہٹ دھرمی دکھائی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا اور تجھے بھی مار ڈالوں گا۔ میری طرف سے اب تم دونوں جہنم میں جاؤ۔" کوہارا نے بھی جیسے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

شاید پروفیسر جمشید کی ہلاکت کا سن کر وہ بھی اپنی مہم سے بددل ہو رہا تھا یا پھر یہ اس کا نفسیاتی حربہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوہارا ایک ذرا توقف کے بعد دوبارہ غیر یقینی انداز میں یاسمین سے بولا۔

"کیا...... وہ بڈھا مر گیا؟ مگر کیسے؟" یاسمین نے مختصراً اسے بتایا۔

میری ڈوبتی ہوئی سماعتوں میں دوبارہ کوہارا کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ "تب پھر تو بھی میرے کام کی نہیں رہی...... لگتا ہے تم دونوں رومیو جیولیٹ کی موت میرے ہی ہاتھوں اس صحرا میں لکھی تھی۔"

بڑی سفاکی سے یہ کہتے ہوئے اس نے یاسمین کو ایک طرف دھکا دیا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یاسمین شاید حد درجہ مایوسی کا شکار تھی، اس کی وجہ شاید اس پر پے در پے غموں کا ٹوٹتا پہاڑ تھا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونکا۔ یاسمین چلا کر کوہارا سے بولی۔ "تم اگر شہزی کی جان چھوڑ دو تو میں تمہیں اس گمشدہ مقبرے تک لے جا سکتی ہوں۔"

کوہارا کا پستول والا ہاتھ نیچے ہوا۔ اس کے چہرے پر مسرتوں کی چمک ابھری مگر وہ اپنی بھویں سکیڑ کر غیر یقینی سے لہجے میں بولا۔ "یہ تم کیسے کر سکتی ہو؟ اس کا راستہ تو صرف تمہارے بڈھے باپ کو معلوم تھا؟"

"انہوں نے مجھے ایک نقشہ بنا کر سمجھا دیا تھا۔ میں اور شہزی......"

"بس...... یاسمین! اس سے آگے اس خبیث کو کچھ نہ بتانا......" میں بمشکل بہ آواز بلند بولا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یاسمین اسے یہ بتاتی کہ میں اب خود بھی اس گمشدہ مقبرے کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا۔

یاسمین ایک دم چپ ہو گئی۔ کوہارا کی توجہ صرف اپنے حصولِ مقصد پر تھی۔ اسی سبب وہ میرا اشارہ نہ سمجھ سکا اور فوراً یاسمین کو وہ نقشہ دکھانے کا حکم دیا۔

یاسمین نے وہ نقشہ اپنی کمر سے بندھے پاؤچ سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ کوہارا پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ نقشہ لے کر دیکھنے لگا۔

اس دوران میں یاسمین میری طرف دوڑی چلی آئی۔ کوہارا نے غراہٹ سے مشابہ آواز میں اسے اپنی طرف بلایا۔

"اس کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ اس کی مدد کرو پلیز......!" یاسمین نے کوہارا کو دہائی دی۔

"یہ بہت سخت مٹی کا بنا ہوا ہے...... اتنی آسانی مرنے والا نہیں ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا یہ نقشہ اصلی ہے اور تم اسے سمجھ سکتی ہو؟"

"ہاں! میرے پاپا نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا تھا لیکن شہزی کی جان بخشی کے بغیر میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔"

"بڑا پکا یارانہ ہے تم دونوں کے بیچ۔" وہ خباثت سے مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں جانتا ہوں تمہیں اس کی وفاداری سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا ایرانی شہزادی بلکہ بے وقوف شہزادی...... یہ کسی اور کو دل دیے ہوئے ہے۔"

"اس کی اصل محبت اس وقت کوکوران کے جیل خانے کی ایک تنگ و تاریک اور سیلن زدہ کوٹھری میں اس بے چارے کے انتظار میں اپنی زندگی کی سانسیں گن رہی ہے۔"

عابدہ کے متعلق سے جی کوہارا کے ان الفاظ نے میرے اندر گویا ایک کرب و درد کی ایسی لہر سرایت کر ڈالی جس نے میرے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر ڈالا۔ میں گہری گہری سانسیں لیے گرم ریت پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ شام دھیرے دھیرے تاریکی میں بدل رہی تھی مگر دن بھر سورج کی تپش میں تپتی ریت ہنوز گرم تھی۔

"میں سب جانتی ہوں کوہارا......!" اچانک یاسمین نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "شہزی سے میری ذاتی دوستی کی وجہ یہی ہے کہ یہ ایک عظیم انسان ہے، اپنے اندر [illegible] ہے،

انسانوں کا درد رکھنے والا ہے۔ اپنی محبت میں سچا اور دلیر ہے۔ صرف اپنی محبت کے لیے ہی تو اس نے تم سب کو نگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔" کوہارا سے یہ سب کہتے ہوئے یاسمین کا چہرہ جذبات کے سبب سرخ ہو رہا تھا۔

"اوہو...... تو یہ بات ہے۔" کوہارا کمینے پن سے ہنس کر بولا۔ "ہاہا...... ہاہا...... سب سمجھتا ہوں چالاک شہزادی! تو اچھی طرح جانتی ہے کہ عابدہ کا حصول شہزی کے لیے ناممکنات میں سے ہے اور تو اس کی خالی جگہ پُر کرنے کی خواہش اور انتظار میں ہے۔"

میں نے دیکھا کوہارا کی اس بکواس پر یاسمین کا چہرہ پہلے تو سرخ ہوا، اس کے بعد وہ جوشِ غیظ سے تمتمانے لگا۔

"ایسی گھٹیا سوچ اور کمینگی کی باتیں تمہارے جیسا بے ہودہ آدمی ہی سوچ سکتا ہے جس کی نظروں کے سامنے انسانی خون کی کوئی وقعت ہی نہیں، وہ یہ باتیں کیا سمجھے گا؟"

کوہارا بڑی مکاری سے یاسمین کا دماغ میری طرف سے برین واش کر رہا تھا۔ مگر یاسمین کے جواب نے اس کی مکاری کا پول کھول دیا، لہٰذا وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے تحکمانہ درشتی سے بولا۔ "چل اٹھا اپنے یار کو اور جیپ میں لے جا کر ڈال دے، ہم اسی وقت اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں گے۔"

یاسمین نے میرے زخموں کا جائزہ لیا۔ بازو میں لگنے والی گولی "چھاؤ" ہو کر نکل گئی تھی، البتہ پنڈلی والی گولی ابھی اندر ہی تھی۔ یاسمین کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آئے تھے، لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ اب مجھ سے نگاہیں چُرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوہارا کی فضول گوئی نے شاید اس کے اندر کی عورت کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"یاسمین! تم اس کتے کی باتوں کو دل پر مت لو، پلیز!" میں نے اس کی نسائیت کا بھرم رکھنے کی غرض سے کہا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں اور تم بھی...... کہ یہ خبیث کس مقصد کے لیے ہمارے بیچ جان بوجھ کر ایسی گفتگو کر رہا ہے۔ اس کمینے سے ہر قسم کی کمینگی کی توقع رکھی جا سکتی ہے، تم بس میرے زخموں پر کوئی پٹی باندھنے کی کوشش کرو.... تاکہ خون بہنا کم سے کم ہو۔"

میری بات نے یاسمین کو ایک دم حوصلہ عطا کیا تھا۔ وہ کوہارا کے حکم کی پروا کیے بغیر مجھے سہارا دے کر اٹھانے لگی اور میں لنگڑاتا ہوا اس کے ساتھ جیپ کی طرف بڑھا۔ دوسری الٹی پڑی جیپ اس سے ذرا ہی فاصلے پر تھی، لیکن یہ دیکھ کر میری سمجھ میں اب تک یہ بات نہ آسکی تھی کہ آیا کوہارا اور اس کا واصلِ جہنم ساتھی یہاں ہماری گھات میں ہی بیٹھے تھے تو پھر ان کی ایک جیپ کیسے الٹی پڑی تھی؟ یا پھر ممکن تھا کسی وجہ سے یہ الٹ پڑی ہو اور انہوں نے سوچا ہو کہ ادھر ہی ڈیرا ڈال لیا جائے۔

یاسمین مجھے کوہارا کے قریب سے لے کر جیپ تک آئی اور اندر عقبی سیٹ پر بٹھا دیا۔ میں نے کوہارا کے قریب سے گزرتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کسی سوچ سے زیادہ مخمصے کا شکار تھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اسے اب ان حالات میں کیا کرنا چاہیے؟

یہ حالات کی عجیب انداز میں رونمائی کا ہی شاخسانہ تھا کہ کوئی بھی پروگرام طے شدہ نہیں ہو پا رہا تھا، بس حالات کا دھارا تھا اسی پر بہتے ہوئے فوری پلان اور پیش قدمی کی جا رہی تھی۔

"میری شرٹ پھاڑ کر اس کی پٹی بناؤ۔" میں نے سیٹ پر ٹکتے ہوئے یاسمین سے کہا۔ وہ اب دلجمعی سے اپنا فرض ادا کر رہی تھی اور مجھے اس سے واقعی بہت سہارا ہوا تھا۔

کوہارا...... لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا جیپ کے پاس آیا اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ایک نظر گردن گھما کر اس نے پیچھے مڑ کر ہماری جانب دیکھا اور یاسمین سے بولا۔

"ابوسر اور کرناک کی سرحدیں قریب ہیں۔ آبادی سے ہٹ کر منزل تک پہنچنے کا راستہ بتاؤ۔"

اس کا انداز درشت، تحکمانہ اور قدرے جھلایا ہوا تھا۔ اس پر شاید پروفیسر جمشید کی "بے وقت" موت پر چڑچڑا پن سوار تھا۔ یاسمین سے اسے کچھ زیادہ امید نظر نہیں آتی تھی۔

"اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے۔ پہلے اس کی پٹی کر دوں پھر راستہ بتاتی ہوں۔" یاسمین نے سنجیدگی مگر قدرے تلخی سے کہا۔ کوہارا کے پاس بے بسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ بھیڑیے جیسی غراہٹ سے بولا۔

"جو کرنا ہے جلدی کرو...... لیکن یاد رکھنا...... مجھے اب شہزی سمیت تم دونوں سے کوئی امید نہیں رہی ہے اور جہاں میں خطرہ محسوس کروں گا، دونوں کو گولی مار دوں گا۔"

یاسمین یا میں نے اس کی تہدید کا کوئی جواب نہ دیا۔ یاسمین نے میری شرٹ ..... پھاڑ ڈالی تھی اور اپنا کام نمٹاتی رہی۔ اس نے کپڑے کی لیروں سے پٹی بنا کر میرے دونوں زخموں پر باندھ دی۔ جریانِ خون کم ہوا تو وہ اس سے فارغ ہو کے کوہارا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"پہلے اپنے کسی ٹھکانے کی طرف چلو جہاں سے شہزی کو فرسٹ ایڈ مل سکے۔"

"ہرگز نہیں!" وہ غرا کر بولا۔ "پہلے مجھے منزل تک پہنچاؤ۔"

"میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہوں۔" یاسمین نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "اور...... اس گمشدہ مقبرے کو نقشے کے مطابق ہی تلاش کرنا پڑے گا، وہ کوئی ایسی عمارت نہیں ہے کہ دور سے ہی ہمیں بہ آسانی نظر آ جائے۔"

"زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا ایرانی شہزادی!" کوہارا زہرخند لہجے میں بولا۔ "یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ وہ ایک قدیم اور گمشدہ اہرام ہے اور ثمانہ کا مقبرہ اس کے تہ خانے میں ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اپنے یار کے ساتھ کوئی چالاکی کرنا چاہتی ہو تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ شہزی کا زخمی رہنا ہی میرے مفاد میں ہے۔"

"اس بے چارے کی حالت خون بہہ بہہ کر بہت غیر ہو رہی ہے۔"

"بھاڑ میں جائے یہ۔" کوہارا نے جھلا کر غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔ "جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی ہوگا، اسی لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے جو میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی کرو، ورنہ نقشہ میرے حوالے کر دو، میں خود اس میں سرکھپائی کر کے اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گا۔"

یاسمین سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے کہا۔ "یاسمین! جیسا یہ کہہ رہا ہے ویسا ہی کرو...... میں...... ٹھیک ہوں۔"

"نہیں شہزی! کیا کہہ رہے ہو تم......؟ تمہاری حالت نازک ہو رہی ہے۔ تم اس حالت میں اس دشوار گزار منزل تک کیسے چلو گے؟ وہاں ہمارے ساتھ کیا بیتے، تم..."

"نقشہ میرے حوالے کر دو...... فوراً، ورنہ میں گولی مار دوں گا تمہیں۔"

یاسمین نے نقشہ نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور غصے سے دانت پیس کر بولی۔ "رکھ لو یہ...... لیکن نقشہ سمجھنے کے لیے ویسا ہی تکنیکی دماغ بھی ہونا ضروری ہے۔ یہ کوئی سبق نہیں ہے جسے تم با آسانی رٹ لو گے۔ میری تو یہ چیزیں دیکھی بھالی ہیں۔ مگر تمہیں ایک عرصہ لگ جائے گا اسے سمجھنے میں۔"

یاسمین نے بڑی چالاکی سے اسے چکر دینے کی کوشش چاہی تھی۔ لیکن اس کی بات کچھ ایسی غلط بھی نہ تھی۔ نقشے کی مخصوص اصطلاحات اور زاویوں کو وہی جانچ اور سمجھ سکتا تھا جو اس پروفیشن میں رہا ہو اور یاسمین اپنے باپ اور اس کی مصریات وغیرہ کی مہمات میں ایک عرصہ ساتھ رہی تھی۔

کوہارا چند ثانیے اپنے ہونٹ بھینچے کچھ سوچتا رہا، اس کے بعد نقشہ اس سے جھپٹ کر اپنی شرٹ کی جیب میں اڑس لیا اور جیپ کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" یاسمین نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں گہری تفکر نمایاں تھی۔

"جہنم میں۔" وہ جھلا کر بولا۔ جیپ کی رفتار وہ بڑھاتا جا رہا تھا... مگر ریت کی وجہ سے ریس زیادہ صرف ہو رہی تھی اور رفتار کا حال وہی تھا۔

میں نے یاسمین کا نرم و گداز ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جہاں ہم اس کی بات ماننے پر مجبور تھے وہاں اسے بھی ہمارے ساتھ کمپرومائز کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

جلد ہی جیپ ایک آبادی میں داخل ہو گئی۔ رات جھک آئی تھی اور مجھے اردگرد مکانوں اور عمارتوں کے ہیولے دکھائی دینے لگے تھے۔ بہ قول گزشتہ ابوسر کا یہ علاقہ ایک قصبہ نما شہر ہی کا منظر پیش کرتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کوہارا ہمیں جس ٹھکانے کی طرف لے جا رہا ہوگا، وہاں اس کے اور ساتھی بھی نہ موجود ہوں۔

جیپ ایک گلی میں داخل ہو گئی۔ یہاں زمین خشک اور سخت تھی۔ مقدور بھر سڑکیں نظر آتی تھیں ورنہ بس کچے اور بل کھاتے راستے ہی تھے۔

اس نے جیپ ایک گلی میں موڑ دی۔ ابھی وہ اس میں داخل ہونے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک اس نے بریک لگائے اور جیپ کو ایک دم ریورس کر دیا اور پھر ایک طرف کو دوڑا دیا۔ میں پریشان سا ہو گیا کہ نجانے اب کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے۔

"کیا ہوا؟" بالآخر یاسمین نے اس سے پوچھا۔

"گلی کے اندر پولیس کی گاڑی کھڑی ہے۔ اب ہم اس قصبے میں نہیں رک سکتے۔" وہ بولا۔

"لیکن...... شہزی!"

"بھاڑ میں گیا تمہارا شہزی!"

"ٹھیک ہے پھر ہمیں گولی مار دو اور تم اکیلے اس مہم پر روانہ ہو جاؤ۔" یاسمین نے کہا اور میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ وہ شاید اب سے جی کوہارا کی مجبوری کا اندازہ لگا چکی تھی۔ حالات نے اسے بھی جی دار بنا دیا تھا۔

کوہارا دانت پیس کر اندر کا غبار نکالنا چاہتا تھا لیکن بے بسی سے غرا کر رہ گیا۔

جیپ آبادی سے نکل رہی تھی اور اب درختوں اور باغات...... کے درمیان بنی نیم پختہ سڑک پر دوڑی جا رہی تھی۔ آبادی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

PakiBooks.Site

"آخر بتاتے کیوں نہیں ہو، تم جا کہاں رہے ہو؟" یاسمین نے پوچھا۔

"خاموش بیٹھی رہو بس۔" کوہارا گرج کر بولا۔ میں نے پھر یاسمین کا ہاتھ دھیرے سے دبایا۔ کوہارا ہم پر حاوی ہونے کے باوصف جھلایا ہوا اور پریشان تھا۔

جیپ اب ویران علاقے پر رواں تھی۔ یہ سفر ایک گھنٹا جاری رہا تھا۔ اس دوران شاید میں نقاہت کے مارے بے ہوش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک عجیب اور جھکی جھکی چھت والے کوٹھری نما کمرے میں پایا۔ میں اس جگہ کو اپنے اندازے کے مطابق جھونپڑ کا نام دیتا اگر اس کی دیواریں مٹیالے رنگ کے پتھروں کی نہ ہوتیں۔ کمرے میں کوئی کھڑکی تو کیا کوئی روشن دان تک نہ تھا لیکن حیرت کی بات تھی کہ یہاں کسی گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

میں زمین پر..... ایک کھال نما بستر پر پڑا تھا۔ کمرے میں ہلکی پیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی جو خشک پتھروں کی دیوار پر لرزتی ہوئی سی محسوس ہوتی تھی۔

ہر سو گہرا سکوت طاری تھا۔ ایک عجیب سے سناٹے کا احساس ہوتا تھا، یوں جیسے وقت ٹھہر سا گیا ہو۔ چند ثانیوں کے لیے تو میرا دماغ ماؤف سا ہی رہا تھا لیکن پھر از خود ہی سارے واقعات دل و دماغ میں اپنے پورے سیاق و سباق کے ساتھ بیدار ہوتے چلے گئے اور میں جیسے ایک دم ہڑبڑا سا گیا، یوں میرے منہ سے پہلا لفظ "یاسمین" برآمد ہوا تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تب ہی مجھے اپنے زخموں کا احساس ہوا۔ دیکھا تو ان پر باقاعدہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کوٹھری نما کمرے میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ کمرا بھی زیادہ بڑا نہیں تھا۔

میرا اوپری بدن برہنہ تھا۔ گولی دائیں ٹانگ پر دوسری بائیں بازو پر لگی تھی۔ پٹیاں بھی اسی جگہ بندھی ہوئی تھیں۔ دائیں ٹانگ کی پتلون گھٹنے سے نیچے تک کاٹ کر علیحدہ کر دی گئی تھی۔ زخموں میں سکون تھا، یعنی زیادہ درد کا احساس نہیں ہوتا تھا، نہ ہی اب کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ میرے منہ کا ذائقہ بھی عجیب کڑوا اور کسیلا معلوم ہوتا تھا، لگتا ایسا تھا جیسے کسی نے دوا گھول کر نیم بے ہوشی کے عالم میں مجھے پلائی ہو۔

طبیعت بہر حال کافی بہتر لگ رہی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہاں کیسے پہنچا اور میرا محسن کون تھا؟ میں تو جیپ میں تھا، جسے سے جی کوہارا چلا رہا تھا اور یاسمین میرے ساتھ سیٹ پر مجھے سنبھالے بیٹھی تھی۔

"کوئی ہے..... بھائی.....؟" میں نے ذرا بلند آواز سے پکارا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اِدھر اُدھر گردن موڑ کر دیکھا۔ اسی کمرے سے متصل ایک اور کمرے کا دروازہ بھی نظر آ رہا تھا۔ ایک طاق میں چراغ روشن تھا۔ بادی النظر میں مجھے یہ کسی بستی کا کوئی چھوٹا سا مکان ہی محسوس ہوا۔

مجھے یاسمین کی فکر ستانے لگی۔ کوہارا کی طرف سے یہ تشویش بھی ہو رہی تھی کہ وہ موذی کدھر تھا؟

میں نے چارپائی سے اٹھنے کی کوشش چاہی تھی کہ اچانک مذکورہ دروازے پر کسی کا انسان کا سایہ ابھرا۔ میں رک گیا پھر میں نے ایک چھریرے بدن والے ادھیڑ عمر شخص کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ پتا نہیں کیوں مجھے اس کی صورت قدیمی مصری انسانوں جیسی محسوس ہوئی یا پھر شاید یہ ماحول کا اثر تھا۔ چہرہ لمبوترا، رنگت خاکستری اور قد لمبا تھا۔ اس کی آنکھیں چھوٹی اور ان میں مجھے تیزی کی چمک کا احساس ہوا تھا۔ ناک بھی غیر معمولی طور پر بڑھی ہوئی اور طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے مڑی ہوئی تھی۔ گردن اس کی لمبی تھی۔ جبڑے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس نے لمبا سا چغہ نما لباس پہن رکھا تھا اور سر پر مٹیالے رنگ کا صافہ باندھ رکھا تھا۔

میں نے اسے سلام کیا اور پوچھا وہ کون ہے؟ عربی مصری تو کیا مجھے فارسی بھی نہیں آتی تھی۔ اسی لیے میں نے اردو میں سوال کیا تھا۔ وہ نہیں سمجھا تو میں نے انگریزی کا سہارا لیا۔ تب بھی اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

تب میں نے بین الاقوامی زبان یعنی اشاروں میں اس سے استفسار کیا کہ ہاتھوں سے اسٹیئرنگ، پھر موٹر گاڑی، ایک ہاتھ میں نے ناک پر رکھ کر انگلی سے اپنی ناک پر دستک دی، یہ یاسمین کی طرف اشارہ تھا۔ اس کے بعد میں نے کوہارا کی صورت کا بھی اشارہ دیا اور سب سے آخر میں فرش اور اس آدمی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ تھی اور وہ خود کون ہے وغیرہ؟

شکر تھا کہ وہ اشاروں کی زبان سمجھ رہا تھا۔ اس نے مجھے اسی طرح اشارے سے بتایا کہ وہ دونوں "مرد و عورت" گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا چکے تھے۔ مجھے اس کے اپنے اور اس جگہ کے بارے میں اشارے سمجھ میں نہیں آئے۔ تاہم میں یاسمین کی طرف سے زیادہ فکر مند تھا۔ میرے زخموں سے متعلق اس نے مجھے یہ بتانے کی کوشش چاہی تھی کہ اس نے میری ٹانگ کی گولی نکال دی تھی اور اب میں بہتر تھا، اس نے مجھے دوا بھی

پلا دی تھی۔ وہ ایک اور مٹی کے آبخورے میں کوئی دوا لایا تھا۔ وہ میں نے پی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

میں پریشان نظر آنے لگا تو اس نے مجھے ایک اشارہ کیا۔ میری سمجھ میں یہی آسکا کہ میں کسی بات کی فکر نہ کروں اور وہ ابھی واپس آتا ہے اور کسی کو ساتھ لائے گا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ چلا گیا تو میں نے اسی کمرے کے دروازے کی طرف رخ کیا۔ میرے پاؤں میں لنگ آ چکا تھا۔ تاہم درد میں افاقہ تھا اور کمزوری بھی اتنی زیادہ محسوس نہیں ہوتی تھی، تاہم اس رذیل کوہارا نے مجھے معذور کرنے کی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

میں نے دوسرے کمرے میں قدم رکھا تو چونک پڑا۔ یہ کمرا نسبتاً بڑا تھا اور ویسا ہی تھا جیسا پہلے والا تھا مگر یہاں ہر طرف عجیب الابلا چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ شیشے کے مرتبان، دوائیوں کی شیشیاں، بڑے بڑے سرخ مٹی کے پیالے اور نجانے کیا کیا۔ دوا گھوٹنے والے ڈنڈا کونڈیاں، یہی کچھ نظر آتا تھا جیسے یہ کوئی یہاں کا حکیم یا جراح ٹائپ کی کوئی چیز تھا اور شاید یہ یہاں اکیلا رہتا تھا۔

دیواروں پر بھی قدیم مصریوں کی تصاویر، اہرام اور حنوط شدہ ممیاں، مدقوق انسانوں کی شبیہہ اور نجانے کیا کیا۔ ایک طرف لکڑی کے سالخوردہ شیلف میں کچھ بوسیدہ جلدوں والی کتابیں بھی رکھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کچھ کتابیں ایک کونے میں دھری تین ٹانگوں والی عجیب وضع کی میز پر بھی بکھری ہوئی تھیں۔ پرانی طرز کے قلم دوات بھی رکھے نظر آئے۔ وہیں ایک سہ رخی شمعدان رکھی تھی۔ ایک عجیب اور منحوس سی کہن سالی ٹپک رہی تھی ان در و دیواروں سے.....

یہ سب دیکھ کر مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ ایک مصری وید کے پاس یہی کچھ ہو سکتا تھا۔ تاہم کتابوں کی موجودگی اسے عالم بھی ظاہر کرتی تھی۔ لیکن میں ابھی تک یاسمین اور کوہارا کی جانب سے الجھن کا شکار تھا۔ بالخصوص یاسمین خانم پر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ وہ کہاں چلی گئی تھی؟ کیونکہ وہ مجھے اس طرح اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ میں نے سوچا، کہیں ایسا تو نہیں کہ مردود کوہارا اسے زبردستی اپنے ساتھ کہیں لے گیا ہو؟ اور وہ بے چاری میری جان بخشی کے لیے اس کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئی ہو؟ یہی قیافہ مجھے حقیقت کے قریب لگا تھا۔

اس کمرے میں خارجی دروازہ دکھائی دیا۔ دروازہ کیا تھا ایک سل سی سنگی چوکھٹ پر پڑی نظر آتی تھی۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ اسے چھوا اور ہلانے کی کوشش چاہی مگر وہ سل اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ میں نے اسے دھکا بھی دیا کہ شاید دھکا لگنے سے یہ سل ہٹ جائے۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

میں عجیب مخمصے کا شکار ہو گیا۔ جانے یہ کیا ماجرا تھا۔ میں واپس پلٹا اور ایک بار پھر میز پر رکھی کتابوں اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک میری نظر فرش پر پڑی، جب میں ان مسالوں کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو ایک مٹی کے بڑے بڑے پیالوں میں گندھے ہوئے..... رکھے تھے، وہاں ایک تخت نما نشست کے نیچے ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ میں یہی سمجھا شاید کسی بوسیدہ کتاب کا کوئی ورق نکل کر گر گیا ہو، لیکن غور سے دیکھنے پر وہ کاغذ کسی کتاب کا ورق محسوس نہیں ہوا۔ اس پر کچھ تحریر تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور چونک پڑا۔

اس میں کسی نے جلدی جلدی انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور تحریر کی روشنی تازہ دیکھتی تھی۔ تحریر شکستہ سی تھی مگر پڑھنے میں آ رہی تھی۔

"شہزی! یہ سب میں جلدی میں لکھ رہی ہوں، کوئی بات رہ جائے تو پریشان نہ ہونا۔ میرے اصرار پر کوہارا نے تمہیں ابوسر کی ایک مضافاتی بستی کے وید کے ہاں چھوڑ دیا ہے، یہاں کا میزبان تمہارے لیے یقیناً ایک مہربان مسیحا ثابت ہوگا۔ وہ تمہارا علاج کرے گا۔ میں کوہارا کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہو رہی ہوں۔ یہی ایک حل تھا تمہاری کوہارا جیسے درندے سے جان بچانے کا۔ زندگی رہی تو دوبارہ....."

اس کے بعد عبارت ختم تھی۔ یہ تحریر یاسمین خانم کے علاوہ اور بھلا کس کی ہو سکتی تھی؟ تحریر کے اچانک اور ادھورے اختتام سے لگتا تھا جیسے یاسمین یہ سب چوری چھپے لکھ رہی ہو اور پھر اسے موقع نہ مل سکا تھا اور اس نے یہ پرچہ ایسے ہی چھوڑ دیا تھا یا پھر اس سے گر گیا تھا۔ ایک بات یہ بھی میرے سوچتے ذہن میں ابھری تھی کہ یاسمین یہ رقعہ یا پیغام جو اس نے میرے نام ہی لکھا تھا، وہ یہ اس شخص کو بھی تو دے سکتی تھی جو مجھے خود بھی دے سکتا تھا، پھر یہ رقعہ گرا کیسے تھا؟

بہر کیف میں بے اختیار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میں جانتا تھا کہ یاسمین ایسی بے وقوفی نہیں کر سکتی تھی کہ خود ہی اکیلی کوہارا جیسے خونی آدمی کے ساتھ اس گمشدہ مقبرے کی تلاش میں نکل جاتی۔ یقیناً اس میں کوہارا کی بلیک میلنگ کا دخل ہو سکتا تھا۔ میری جان چھوڑنے کے عوض ہی یاسمین بالآخر اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہوئی تھی اور یاسمین نے یہ ایک خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ کوہارا اپنے منصوبے کی کامیابی کے

PakiBooks.site

بعد یاسمین کو بھلا کب زندہ چھوڑتا۔ یاسمین نے میری زندگی بچانے کی خاطر خود کو خطرے میں ڈال لیا تھا۔ لیکن روڈلف کے وہ الفاظ میرے دل و دماغ میں ہنوز گونج رہے تھے کہ اگر سے جی کوہارا اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا اور وہ تینوں ہتھیار اس کے قبضے میں آ گئے تو میرے لیے امریکا میں بہت سے دشمنوں کے علاوہ صرف ایک لولوش ہی بہت سی مشکلات کھڑی کر سکتا تھا۔

مجھے بے چینی نے آلیا، لیکن اب میں ان دونوں کو کہاں اور کیسے تلاش کر سکتا تھا؟ نقشہ ان کے پاس تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ اگر اس وقت مجھے موقع مل جاتا اور کسی خاطر خواہ سواری کا بھی تو میں کم از کم صحرائے نوبیان اور لگسر کے علاقے تک پہنچنے کی کوشش کر ہی سکتا تھا۔ ثمانہ کا وہ گمشدہ مقبرہ اسی کسی مقام پر تھا۔ ممکن تھا کہ میں یاسمین اور کوہارا سے جا ملتا۔ لیکن مسئلہ اس وقت یہ تھا کہ یہاں سے کیسے نکلا جائے؟ میرا محسن اور مہربان میزبان جانے کہاں چلا گیا تھا؟ یہ سوچ کر ایک کوشش اور کر لینی چاہیے، میں اسی سنگی پتھر کی جانب بڑھا اور اسے پھر اِدھر اُدھر حرکت دینے کی کوشش کرنے لگا کہ کہیں سے یہ ذرا سا ہل جائے تو باقی جگہ میں خود ہی بنا لوں۔ مگر وہ تو واقعی پتھر ہی ثابت ہوا اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ تب میرے ذہن میں ایک خیال آیا، عموماً ایسے دروازوں کے لیور خفیہ رکھے جاتے ہیں اور دیوار کے دائیں یا بائیں جانب ہوتے ہیں۔ یوں میں دروازے کے دائیں بائیں کی دیواروں پر ہاتھ پھیرنے لگا تو اچانک بائیں طرف کی دیوار کے ایک حصے پر مجھے کھوکھلے پن کا احساس ہوا۔ میں نے اسے دبایا تو کمرے میں ہلکی گڑگڑاہٹ کی آواز ابھری، یہ دیکھ کر میرے اندر مسرت کی لہر ابھری تھی کہ پتھر اپنی جگہ سے نصف سے زیادہ سرک چکا تھا مگر یہ کیا.....؟ سامنے باہر کے راستے کے بجائے ایک زینہ نیچے کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اندر تاریکی تھی۔ کمرے ہی کی مستعار پڑتی پیلی روشنی میں یہ زینہ دکھائی دیا تھا مگر نیچے کہاں تک جاتا تھا، نظروں سے اوجھل تھا۔

میں جلدی سے پلٹا اور میز سے سہ رخی شمع اٹھا کر ہاتھ میں پکڑی اور زینے میں جا اُترا۔

شمع کی روشنی میں مجھے تہ خانے کا فرش نظر آ گیا۔ جس کا مطلب تھا کہ زینہ مختصر تھا۔ میرا دل بے طرح دھڑک رہا تھا، جانے یہاں کیسا اسرار چھپا ہوا تھا؟ کہیں میں کسی اہرام میں تو نہیں پھنس گیا تھا؟ اس خوف ناک خیال نے مجھے ایک لمحے کے لیے اندر سے لرزا سا دیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر کچھ اطمینان بھی ہوا کہ میں کون سا یہاں کسی دشمن کی قید میں ہوں۔

میں آہستہ آہستہ زینے طے کرتے ہوئے بالآخر نیچے اتر گیا۔ میرے پاؤں تہ خانے کے اس سیلن زدہ فرش کو چھونے لگے تھے۔

اندر گھپ تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ تاہم کہیں کہیں سے باہر نکلے ہوئے چاند کی کرنیں گمنام رخنوں اور روزنوں سے اندر پڑتی دکھائی دیتی تھیں۔ خدا جانے یہ دراڑیں یا روزن کہاں بنے ہوئے تھے جو نظر نہیں آتے تھے یا پھر اس اہرام کی ''شیپ'' ایسے رخ پر تھی کہ سب طرف بند ہونے کے باوجود یہاں گھٹن یا گرمی کا اتنا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

میں مشعل کی روشنی میں دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ دو ایک قدم آگے بڑھا تھا کہ میں ایک جھکی جھکی محراب کے قریب آ گیا، اچانک بائیں جانب سے مجھے روشنی نظر آئی، جبکہ میرے سامنے ایک چھوٹے سے ہال کمرے کا منظر بھی تھا۔ لیکن میں نے آگے بڑھنے کے بجائے پہلے بائیں جانب کا جائزہ اور دو قدموں بعد مجھے یہاں ایک پٹ والے دروازے کا احساس ہوا۔

باہر پھیلی ہوئی چاندنی کی مقدور بھر کرنیں دروازے کی درز سے ہی آ رہی تھیں۔ شاید نکاسی کا دروازہ یہی تھا، میں نے ہال کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دروازہ پاتے ہی اس پر زور آزمائی کرنے لگا۔ دروازہ موٹی اور مضبوط لکڑی کا تھا، مگر وہ شاید باہر سے بند تھا۔ اپنی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد میں نے یونہی اس کی درز سے اپنی ایک آنکھ چپکا کر باہر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں بُری طرح چونکا.....

باہر ذرا ہی فاصلے سے ریت پر مجھے وہ جیپ کھڑی نظر آئی تھی جس میں کوہارا، میں اور یاسمین سوار تھے۔ میرے حلق میں یہ سوال آنکڑے کی طرح اٹک کر رہ گیا تھا کہ اگر کوہارا اور یاسمین لگسر کی طرف روانہ نہیں ہوئے تھے تو پھر کہاں تھے وہ دونوں..... کیا وہ دونوں بھی ابھی ادھر ہی تھے؟ اگلا سوال یہ تھا کہ یہاں تھے تو پھر مجھے ابھی تک نظر کیوں نہیں آئے تھے؟

تب ہی اچانک مجھے اس ہال کمرے کا خیال آیا اور جانے کیوں میرا دل کسی بھیانک تصور تلے بُری طرح تھرا کر رہ گیا۔

اس ہال میں کچھ تھا.....؟

خونی رشتوں کی خود غرضی اور پرائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

جرم کرنے سے پہلے مجرم بہت مطمئن اور ثابت قدم دکھائی دیتا ہے... لیکن اعصاب کا اصل امتحان جرم کے ارتکاب کے بعد شروع ہوتا ہے... ایک ایسے ہی مجرم کی کتھا جس نے واردات کرنے سے پہلے گردوپیش کے محلِ وقوع سے متعلق مکمل تسلی کر لی تھی...

معمول سے ہٹ کر دکھائی جانے والی حاضر دماغی کا غمازہ.....

جھوٹ کا پول

سلیم انور

یخ ہوا کے جھونکے کھلی ہوئی کھڑکی کے راستے کمرے میں آ رہے تھے لیکن مارتھا نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت نہیں کی۔ وہ اپنے لیپ ٹاپ پر بے سُدھ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنی زندگی کا آخری پُراسرار ناول تحریر کر چکی تھی۔

میرے پارٹنر بارٹ نے ایک خون آلود پیپر ویٹ کی جانب اشارہ کیا اور بولا۔ ''یہی آلۂ قتل لگ رہا ہے، جیرالڈ۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کمرے کا بغور جائزہ لینے لگا۔ مقتولہ کی بائیں کہنی کے پاس کافی کا ایک مگ الٹا پڑا تھا جس کی کافی فرش پر چھلکی پڑی تھی۔ وگرنہ سرامک کی ٹائلوں کا بنا ہوا فرش نہایت صاف ستھرا اور بے داغ تھا۔ میں فرش کا جائزہ لیتا ہوا کھڑکی کے پاس تک چلا گیا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ کہیں بھی جوتوں کی رگڑ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔

میری اُمید اب فارنسک والوں سے بندھ گئی کہ شاید اس معاملے میں انہیں کوئی کامیابی ہو جائے گی۔

اتنے میں یخ ہوا کا ایک جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا تو میں کھڑکی سے پیچھے ہٹ آیا۔ ''بارٹ!'' میں اپنے پارٹنر سے مخاطب ہوا۔ ''جب تک فارنسک کا عملہ کمرے کا جائزہ لے رہا ہے ہم اس اثنا میں اپنی گواہ کی یادداشت کو کریدتے ہیں تاکہ وہ اس شخص کے بارے میں ہمیں کچھ بتا سکے جسے اس نے کھڑکی سے باہر کودتے ہوئے دیکھا تھا۔''

ہماری گواہ مقتولہ کی رائٹر دوست جینی گراہم لیونگ روم میں موجود تھی۔ ہمارے سوال پر اس نے نفی میں اپنا سر ہلا دیا اور بولی۔ ''میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ ایک مرد تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ وہ کوئی عورت تھی جسے تم نے کھڑکی سے باہر کودتے ہوئے دیکھا تھا؟'' بارٹ نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''تم شروع سے سب کچھ بتا دو۔'' میں نے کہا۔

جینی نے اپنی آنکھ سے بہتا ہوا ایک آنسو پونچھا۔ ''ہر منگل کی شب میں اور مارتھا اپنی تحریروں پر بات چیت کرنے کے لیے ملاقات کیا کرتے تھے لیکن آج رات جب میں یہاں پہنچی تو اس نے میری آمد کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی دروازہ کھولا۔ دروازے کی اطلاعی گھنٹی کام نہیں کر رہی تھی اور بارش اتنی زور و شور سے ہو رہی تھی کہ اسے میری دستک سنائی نہیں دی۔ میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا تو وہ لاک نہیں تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر سیدھی اس کے چھوٹے ذاتی کمرے کی جانب چل پڑی۔ ساتھ ہی میں نے اس کا نام پکارا۔ تب ہی میں نے اس فرد کی ایک جھلک سی دیکھی جو کھڑکی سے باہر کود رہا تھا اور پھر..... مجھے مارتھا دکھائی دی۔''

''جس فرد کو تم نے کھڑکی سے باہر کودتے ہوئے دیکھا تھا، وہ کوئی مرد تھا..... یا عورت تھی؟'' میرے پارٹنر بارٹ نے پوچھا۔

''مجھے بس ایک دھندلا سا خاکہ دکھائی دیا تھا۔'' جینی نے جواب دیا۔ ''بھلا کوئی مارتھا کو نقصان کیوں پہنچانا چاہتا تھا؟''

''اچھا سوال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا مارتھا کے بچے ہیں جو اس کے وارث ہوں گے؟ یا کوئی بدمزاج سابقہ شوہر؟''

''اس نے کبھی شادی نہیں کی تھی۔ وہ.....'' ایک منٹ ٹھہریں۔ ''گائلز ٹورلینڈ.....''

''کون؟''

''مارتھا کا بوائے فرینڈ۔ مجھے نہیں معلوم کہ مارتھا نے اس شخص میں کیا دیکھا تھا۔ وہ بہت زیادہ پیتا تھا اور اس سے ہمیشہ رقم کا مطالبہ کرتا رہتا تھا۔''

''اور آج مارتھا نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ان کے درمیان تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔'' داخلی راستے سے ایک آواز ابھری۔ سفید ٹینس شوز اور اوپری لبادہ پہنے ایک عورت کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے ہمراہ ایک باوردی پولیس مین بھی تھا۔

''یہ برتھا ہنٹ ہے، گھر داری کی نگراں۔'' پولیس مین نے بتایا۔ ''یہ ہلمحقہ گیراج کے اوپر رہتی ہے۔''

بارٹ اور میں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ پھر میں جینی گراہم کی جانب گھوم گیا۔ ''تم نے ہمیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ اس مکان میں اور کوئی بھی رہتا ہے؟''

''میں..... میں معذرت چاہتی ہوں۔'' جینی کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ پھر اس کی نگاہیں ہاؤس کیپر برتھا کی جانب اٹھ گئیں۔ ''برتھا، میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے شہر سے باہر گئی ہوئی ہو؟''

''میں جلدی واپس آ گئی تھی۔'' ہاؤس کیپر برتھا نے جواب دیا۔ ''میں رات ساڑھے سات بجے سے کچھ پہلے لوٹ آئی تھی جب طوفان اپنے زوروں پر تھا۔ جب ہی مارتھا نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے مسٹر گائلز سے ناتا توڑ لیا ہے۔''

''تو تم نے مقتولہ کو ساڑھے سات بجے رات کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ اس سے بات بھی کی تھی؟'' بارٹ نے پوچھا۔

''ہاں۔'' برتھا نے اقرار کیا۔ لیکن پھر اچانک اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ ''لیکن میں نے اسے قتل نہیں کیا۔''

''یقیناً تم نے اسے قتل نہیں کیا۔'' جینی نے اسے تسلی دی۔

''مس مارتھا نے من و عن کیا الفاظ ادا کیے تھے؟''

میں نے برتھا سے پوچھا۔

''یہ کہ وہ مسٹر گائلز سے آج سویرے ہی تعلقات ختم کر چکی ہے۔''

''جب آج شب تمہاری ملاقات مس مارتھا سے ہوئی تھی تو اس وقت مکان میں اور کوئی موجود نہیں تھا؟'' میں نے جاننا چاہا۔

''نہیں، میرے علم میں تو کوئی نہیں ہے۔ مارتھا نے یہ ضرور کہا تھا کہ جینی کچھ دیر میں آنے والی ہے اور میری ضرورت نہیں ہوگی۔ لہٰذا میں اپنے کوارٹر میں چلی گئی اور گرم پانی سے نہانے لگی۔ جب سوا آٹھ بجے کے لگ بھگ میں نے باہر جھانکا تو بارش تھم چکی تھی اور بہت سی پولیس کاریں ڈرائیوے میں داخل ہو رہی تھیں۔''

ابھی میں اس سے مسٹر گائلز کے ایڈریس کے بارے میں پوچھنے ہی جا رہا تھا کہ ایک پولیس مین ایک شخص کو ہماری جانب لے آیا۔ اس شخص کے بال بکھرے ہوئے تھے اور منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔

وہ شخص مارتھا کا بوائے فرینڈ گائلز ٹورلینڈ تھا۔

''یہ اتنی ساری پولیس یہاں کیوں ہے؟'' اس نے پوچھا۔ اس کی آواز میں لرزش سی تھی۔

''مارتھا کا قتل ہو گیا ہے۔'' میرے پارٹنر نے بتایا۔

''لیکن شاید تمہیں پہلے ہی سے معلوم ہوگا؟''

''مارتھا کا قتل ہو گیا ہے؟'' گائلز نے یہ دہراتے ہوئے کمرے میں موجود دونوں خواتین کو گھورنا شروع کر دیا۔ ''تم!'' وہ جینی پر چیخا۔ ''اور تم!'' اس نے برتھا سے کہا۔ ''اسے تم میں سے کس نے قتل کیا ہے؟''

ہاؤس کیپر برتھا نے اپنے ہاتھ سختی سے بھینچ لیے۔

''تم نشے میں ہو۔'' جینی غرائی۔

''اگر میں نشے میں ہوں تو کیا ہوا؟ تم نہ صرف مارتھا سے حسد کرتی تھیں بلکہ تم اس پر اپنے آئیڈیاز کو چوری کرنے کا الزام بھی لگا چکی تھیں۔''

''یہ سچ نہیں ہے۔''

پھر گائلز ہاؤس کیپر برتھا کی جانب گھوم گیا۔ ''اور تم چور ہو۔ مارتھا تمہیں چیزیں چراتے ہوئے پکڑ چکی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ خطرناک انداز میں برتھا کی جانب بڑھنے لگا۔

بارٹ اور میں نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا اور اسے پکڑ کر باہر لے گئے۔ ''اسے اسکواڈ کار میں بٹھائے رکھو۔'' میں نے ایک پولیس افسر سے کہا۔ پھر بارٹ سے مخاطب ہوا۔ ''آؤ چل کر دیکھتے ہیں کہ فارنسک والوں نے کیا کھوج نکالا ہے؟''

فارنسک والوں کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ ''چھلکی ہوئی کافی کے علاوہ کمرا بالکل صاف ستھرا ہے۔'' ایک سراغ رساں نے ہمیں بتایا۔ ''اور نہ ہی پیپر ویٹ یا کھڑکی کی چوکھٹ پر کسی کی انگلیوں کے کارآمد نشانات پائے گئے ہیں۔''

''اور باہر کی جانب؟'' بارٹ نے پوچھا۔ ''اتنی بارش ہونے کے بعد وہاں پیروں کے نشانات تو موجود ہونے چاہئیں۔''

''نہیں، کوئی نشان نہیں ہے۔ بارش نے سب کچھ دھو دیا ہے۔''

بارٹ نے تیوریاں چڑھا لیں۔ ''جیرالڈ لگتا ہے کہ ہم بند گلی میں آن پہنچے ہیں جہاں اب کامیابی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔''

''اس کے برعکس میرا خیال ہے میں جانتا ہوں کہ قاتل کون ہے۔''

''کون ہے؟'' بارٹ نے حیرانی سے پوچھا۔

''جینی گراہم!'' میں نے جواب دیا۔

''کیا؟'' بارٹ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

''ہاں! اس کا کہنا ہے کہ جب وہ یہاں پہنچی تو اس وقت بارش ہو رہی تھی اور اس نے کسی کو کمرے کی کھڑکی سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ بہرحال اگر یہ سچ تھا تو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بارش کے پانی کو کھڑکی کے راستے کمرے کے اندر آنا چاہیے تھا۔ لیکن فرش کی ٹائلیں خشک پڑی تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ طوفانی بارش کے دوران کوئی بھی کھڑکی سے باہر نہیں گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جینی جھوٹ بول رہی تھی۔''

جب ہم نے جینی پر سختی کی تو اس نے ہار مان لی اور سب کچھ اگل دیا۔

جینی نے مارتھا کو پیشہ ورانہ رقابت کی آگ میں موقع پاتے ہی قتل کر دیا تھا جو اس کے وجود میں ایک عرصے سے سلگ رہی تھی اور وہ اسے ٹھکانے لگانے کے لیے مناسب موقع کی تاک میں تھی۔ البتہ جب اس نے مارتھا کو قتل کرنے کے بعد اپنی من گھڑت کہانی میں کسی کے کھڑکی کے راستے فرار ہونے کو ثابت کرنے کا بہانہ بنایا اور کمرے کی کھڑکی خود ہی کھول دی تو اس وقت تک بارش تھم چکی تھی اور اس کے جھوٹ کا پول کھل گیا۔

PakBooks.site

دھوکے باز

عکسِ فاطمہ

ایک خوب صورت گھر کا خواب ہر عورت کی آنکھوں میں بسا ہوتا ہے... چاہے وہ عورت مغرب کی ہو یا پھر مشرقی... شوہر... گھر اور پیارے سے بچوں کی تمنا دونوں برّاعظم کی عورتوں کے دلوں میں بسی ہوتی ہے... ایک ایسی ہی مغربی عورت کی کتھا... شادی کے دوسرے دن ہی اس کا شوہر غائب ہو چکا تھا...

ایک شکاری کا زہریلا جال جس میں ہر روز نئی مچھلیاں پھنستی تھیں.....

کافی کی مہک سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ سیرینا نے اپنا بازو ڈیلن کی طرف بڑھایا لیکن وہ بستر پر موجود نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ڈیلن نے اوڑھنے کی چادر تہ کر کے تکیے کے نیچے رکھ دی تھی۔ وہ مسکرا دی۔ ان کی شادی کو پانچ دن ہو گئے تھے لیکن اس نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا اور وہ اسی بات پر اسے چھیڑا کرتی تھی کہ وہ اپنا بستر ٹھیک نہیں کرتا اور اس کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا۔ ''بے بی، ہم ہوٹل میں ہیں اور بستر ٹھیک کرنا ان کی ذمے داری ہے اور جب مجھے معلوم ہوا کہ اب ہمیں یہ بستر استعمال نہیں کرنا تو میں جانے سے پہلے اسے ٹھیک کر دوں گا۔''

اس کا آخری جملہ یاد آتے ہی وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔ چادر سے سینے کو ڈھانپا۔ کمرا نیم تاریک تھا اور سورج کی روشنی بھاری پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ کافی کی خوشبو بہت تیز تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ایک گہرا سانس لیا اور مسکرا دی۔ ڈیلن دوسرے کمرے میں تھا اور ناشتے پر اس کا انتظار کر رہا ہو گا۔ شاید وہ اسے جگانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دو دن سے یہی کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اپنی توانائی برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔

یہ کہتے ہوئے وہ اسے چور نظروں سے دیکھنے لگتا۔ سیرینا کو اس کی یہی ادا پسند تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہوتی جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔ وہ اب تک جتنے مردوں سے ملی، وہ ان میں سب سے زیادہ خوب صورت تھا۔ جب وہ پہلی بار اس سے ملی تو نشے کی حالت میں نہیں تھی، اس وقت وہ ایک کیسینو کے خوب صورتی سے سجے ہوئے ہال میں کھڑی .... تھی جو شہر کے مقبول ترین نائٹ کلب میں واقع تھا۔ اس وقت اس نے انتہائی بے ہودہ لباس پہن رکھا تھا جو اس نے ایک غیر متوقع انعامی رقم سے جیتا تھا۔

اس نے ڈیسک کلرک کے کہنے پر لابی میں لگی ہوئی بہت بڑی سلاٹ مشین کا لیور کھینچا جس کی کوئی فیس نہیں تھی اور پہلی ہی دفعہ میں دس ہزار ڈالر جیت گئی۔ وہ ہمیشہ سے ہی اپنی رقم کے معاملے میں بہت محتاط تھی۔ چنانچہ اس نے ویگاس کے ایک بڑے بینک میں اکاؤنٹ کھولا اور پانچ ہزار ڈالر اس میں جمع کروا دیے۔ اس کا خیال تھا کہ گھر جاتے وقت وہ یہ رقم نکال کر اکاؤنٹ بند کر دے گی۔ بقیہ پانچ ہزار اس نے ذاتی اخراجات کے لیے اپنے پاس رکھ لیے۔ یہ لباس انہی پیسوں سے خریدا گیا تھا تاکہ ایک مختلف صورت نظر آ سکے۔

گزشتہ زندگی کو بھلانے کے لیے وہ رات کو سونے سے پہلے تھوڑی بہت شراب نوشی بھی کرتی تھی۔ اس امید پر کہ اس میں ہمت پیدا ہو سکے یا کم از کم اس کی چھٹیاں اچھی گزر جائیں۔ جب اس نے یہ پروگرام بنایا تو وہ تنہا نہیں تھی بلکہ اس نے اپنے بوائے فرینڈ چارلس کو بھی اس میں شامل کیا تھا جس کے ساتھ اس کی دیرینہ رفاقت تھی لیکن تین ماہ قبل چارلس نے اس سے تعلق ختم کر دیا۔ اس کے باوجود اس نے اپنا پروگرام برقرار رکھا کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ اسے کچھ ثابت کرنا ہے۔ اس نے اس سفر کو آزادی کی چھٹیوں کا نام دیا۔

اسے یہاں آئے ہوئے تیسرا دن تھا لیکن وہ آزادی کے بجائے بے چینی محسوس کر رہی تھی پھر اسے ڈیلن نظر آیا۔ اس وقت وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کیسینو کے کوریڈور میں تنہا رقص کر رہی تھی۔ ڈیلن سنہرے بالوں، چوڑے چانوں اور مضبوط جسم والا ایک پُرکشش شخص تھا جب اس نے سیرینا کو دیکھا تو اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم جیسی خوب صورت عورت کو تنہا رقص نہیں کرنا چاہیے۔''

بہت عرصے بعد کسی نے اس کی خوب صورتی کی تعریف کی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ڈیلن کا ہاتھ تھام لیا اور وہ اسے نائٹ کلب میں لے گیا۔ پھر ان کا سارا وقت رقص کرنے، قہقہے لگانے اور پینے پلانے میں گزر گیا۔ نائٹ کلب بند ہوا تو وہ اسے اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر ان کے درمیان تمام فاصلے مٹ گئے۔ اسے وہ عزت ملی جس کے بارے میں اس نے صرف کتابوں میں پڑھا تھا۔ ناشتے کے دوران ڈیلن نے اسے بتایا کہ وہ بھی آزادی سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہاں آیا ہے گو کہ یہ کوئی خوشی کا موقع نہیں ہے۔ دراصل دو ماہ قبل اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے اور وہ گزشتہ دو سال سے اس کی تیمارداری کر رہا تھا۔

دونوں آزادی کے احساس سے سرشار اور تنہا تھے پھر انہیں لگا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اور ان کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ ڈیلن کو اپنے باپ کی جائداد مل گئی تھی اور اب وہ خود مختار تھا۔ سیرینا کو بھی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد اپنے کام پر واپس جانا تھا۔ شام ہونے تک وہ جان گئے تھے کہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

انہوں نے فوری طور پر شادی کرنے کے لیے ایلوس چیپل کا انتخاب کیا لیکن سیرینا کو وہ پسند نہیں تھا۔ اس کے لیے پہلے سے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی اور نہ ہی مہمانوں کو مدعو کیا گیا۔ اس شادی میں ان دونوں کے سوا کوئی اور موجود نہیں تھا۔ ڈیلن نے سلک سوٹ پہن رکھا تھا اور سیرینا اسی لباس میں تھی جو اس نے انعامی رقم سے خریدا تھا۔

انہوں نے ایک دوسرے کے لیے پھول اور قیمتی انگوٹھیاں خریدیں اور ایک ایسے چھوٹے گرجا (چیپل) کا رخ کیا جو نسبتاً پُرسکون اور سستا تھا۔ اس کی عمارت چھوٹی مگر خوب صورت تھی۔ ایک قائم مقام پادری نے شادی کی رسم ادا کی کیونکہ مستقل پادری چھٹی پر تھا۔ قائم مقام پادری نے ان دونوں کی درجن بھر تصاویر بنائیں جب وہ کاغذی کارروائی مکمل کر رہے تھے۔

سیرینا کے دوستوں کو یقیناً یہ بات پسند نہ آئی کہ اس نے ڈیلن سے ملتے ہی اتنی جلدی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن جب ڈیلن پادری کو ادائیگی کر رہا تھا تو سیرینا نے اپنے دوستوں کو شادی کی تصاویر بھیج دیں تاکہ وہ اس کی خوشی کا اندازہ لگا سکیں۔ پادری نے انہیں اصل تصاویر کے علاوہ ایک ڈسک بھی دی تاکہ وہ ان تصویروں کی مزید کاپیاں بنوا سکیں۔

وہاں سے وہ واپس سیرینا کے ہوٹل آئے تو ڈیسک

PakiBooks.Site

کلرک نے انہیں ہنی مون سوٹ دے دیا جس میں دوسری سہولتوں کے علاوہ شیمپین، مچھلی کا اچار، چاکلیٹ میں ڈوبی ہوئی اسٹرابری اور دو وقت کا مفت کھانا شامل تھا۔

اس نے گاؤن پہنا اور کافی کی مہک سونگھتی ہوئی لیونگ روم تک آئی۔ درمیان میں بڑی میز پر ناشتے کی ڈھکی ہوئی ٹرے رکھی ہوئی تھی لیکن ڈیلن وہاں نہیں تھا۔ اس نے باتھ روم میں دیکھا لیکن وہ بھی خالی تھا پھر اس کی نظر اچانک آئینے پر گئی اور وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی۔ اس کے ہونٹ سوجے ہوئے تھے، گالوں پر نشانات اور بال بے ترتیب ہو رہے تھے۔ گزری ہوئی رات کا خیال آتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی لیکن جیسے ہی اسے کسی کمی کا احساس ہوا تو اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

وہاں ڈیلن کے ذاتی استعمال کی چیزیں مثلاً شیمپو، شیونگ کریم، ٹوتھ پیسٹ اور برش موجود نہیں تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا پھر اس نے سوچا کہ شاید ڈیلن نے انہیں کسی اور جگہ رکھ دیا ہو کیونکہ اس نے ایک دفعہ ان چیزوں کا مذاق بنایا تھا۔ یہی سوچ کر وہ دروازے سے متصل نصف باتھ روم میں چلی گئی۔ وہاں بھی اسے وہ چیزیں نظر نہیں آئیں۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور محبت کرنے والے کبھی ایسا نہیں کرتے۔ اس نے ایک بار پھر پورے سوٹ کا جائزہ لیا۔ الماریاں دیکھیں۔ ان میں اس کی اپنی چیزوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کا نیا لباس ہینگر پر لٹکا ہوا تھا لیکن ڈیلن کا سلک سوٹ وہاں نہیں تھا جبکہ اس نے کہا تھا کہ شادی پر انہوں نے جو لباس پہنے تھے، وہ ہمیشہ ساتھ رہنے چاہئیں۔ لیکن اب وہاں صرف اس کا لباس باقی رہ گیا تھا۔ وہ اپنے کپڑوں، سامان اور سوٹ کیس سمیت جا چکا تھا۔ اس نے جاتے وقت کوئی خط بھی نہیں چھوڑا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ بیڈ روم میں واپس آئی۔ اپنا فون اٹھایا اور اپنی جگہ پر منجمد ہوگئی۔ وہ جاتے جاتے اسے فیکٹری سیٹنگ پر واپس کر گیا تھا اور اس میں موجود تمام معلومات غائب ہوگئی تھیں۔ وہ سوچنے لگی کہ اسے اس کے فون کا پاس ورڈ کیسے معلوم ہوا، پھر اسے یاد آیا کہ وہ جب بھی اپنا فون کھولتی تو وہ غور سے اس کی انگلیوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔

اس کے پاس کلاؤڈ اکاؤنٹ نہیں تھا۔ اس لیے اس کی معلومات ڈاؤن لوڈ نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس کے لیے اسے سروس پرووائڈر کو سائن اپ کرنا ہوتا جو فی الوقت ممکن نہیں تھا پھر اس کی نظر اپنے پرس پر گئی جو کھڑکی کے پاس کرسی پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں اس کا والٹ، ڈرائیونگ لائسنس، کریڈٹ کارڈ اور انشورنس کارڈ سمیت سب چیزیں موجود تھیں۔

اس نے الماری کھول کر فون بک نکالی اور اس کے صفحے پلٹنے لگی۔ اسے اس ہوٹل کے نمبر کی تلاش تھی جہاں شادی سے پہلے ڈیلن ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے موہوم سی امید تھی کہ شاید اس نے ابھی تک وہ ہوٹل نہ چھوڑا ہو۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ مطلوبہ نمبر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

اس نے ہوٹل کا فون استعمال کرنے کا ارادہ کیا اور دوسرے ہوٹل کے ڈیسک کلرک کو فون کر کے ڈیلن تھامس کے بارے میں پوچھا۔

''مجھے افسوس ہے میڈم۔'' کلرک نے کہا۔ ''ہمارے پاس اس نام کا کوئی مہمان نہیں ہے۔''

اس نے کلرک سے پوچھا۔ ''جب ڈیلن نے ایک ہفتے قبل اس ہوٹل میں قیام کیا تو کیا اس نے اسی نام کا کریڈٹ کارڈ استعمال کیا تھا؟''

کلرک کا لہجہ فوراً بدل گیا اور وہ بولا۔ ''میڈم مجھے افسوس ہے کہ ہم اس بارے میں کوئی معلومات نہیں دے سکتے۔''

''وہ لاپتا ہوگیا ہے۔'' سیرینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اوہ میڈم!'' کلرک کے لہجے میں ہمدردی امنڈ آئی۔ ''مجھے افسوس ہے کہ ہم کسی کو بھی قانونی معلومات ٹیلی فون پر نہیں دے سکتے لیکن ہم اس پر پولیس کے ساتھ کام کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں جلد ہی مل جائے گا۔''

اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہوگیا۔ اس نے باتھ روم میں جا کر غسل کیا اور اسی دوران اس کے ذہن میں ایک منصوبہ آ گیا۔ اسے سب سے پہلے پولیس کو فون کرنا چاہیے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ڈیلن اس کا سب کچھ لے گیا ہے لیکن وہ ہوٹل کے فون سے اس پر کوئی الزام عائد نہیں کر سکتی تھی۔ ایک بار پولیس اس معاملے میں پڑ جاتی تو وہ جان سکتی تھی کہ اس کے فون کے ساتھ کیا ہوا، اور یہ کہ اس کے اکاؤنٹس کی کیا پوزیشن ہے۔ کہیں وہ اس پر بھی تو ہاتھ صاف نہیں کر گیا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ والٹ میں موجود پانچ سو

ڈالر کیسے چھوڑ گیا۔ کیا اس نے اس کا لحاظ کیا یا بھول گیا تھا کہ اس کے پاس کچھ نقد رقم بھی ہے۔

وہ کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے تقریباً ناکارہ فون کا ایمرجنسی بٹن دبایا تو اسکرین پر ایک بی بورڈ نمودار ہوگیا اور وہ نو گیارہ سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں ایک سنگین جرم کا شکار ہوگئی ہوں۔''

پولیس پندرہ منٹ بعد آئی۔ ان میں دو مرد آفیسر اور ایک خاتون سراغ رساں تھی۔ اس کا نام انجیلا کاسٹیلو تھا اور وہ جنسی جرائم کے شعبے سے تعلق رکھتی تھی جبکہ سیرینا نے جنسی حملے کی کوئی رپورٹ درج نہیں کروائی تھی۔ اس نے شادی، ممکنہ نقصانات اور اس کی گمشدگی کی شکایت کی تھی لیکن قانونی نقطۂ نگاہ سے اگر اس کی نیت ازدواجی تعلق برقرار رکھنے کی نہیں تھی تو یہ ایک جنسی جرم ہی تھا۔

سیرینا کو الجھن میں مبتلا دیکھ کر انجیلا نے کہا۔ ''آؤ ہم اکیلے میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ تم اپنے آپ کو کہاں آرام دہ محسوس کرو گی؟''

اس کے لیے کوئی بھی جگہ آرام دہ نہیں تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر انجیلا نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''کیا تم لوگ کچھ دیر کے لیے باہر جا سکتے ہو؟''

پھر وہ سیرینا سے بولی۔ ''تم نہیں جانتیں کہ وہ کب گیا؟''

سیرینا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے اس کا حلیہ اور نام بتاؤ۔''

اس وقت تک پولیس والے باہر نہیں گئے تھے۔ سیرینا نے انہیں ڈیلن کا نام اور حلیہ بتاتے ہوئے کہا۔ ''میرے فون میں اس کی تصویریں بھی ہیں۔'' پھر اسے خیال آیا کہ اس کا فون تو صاف ہو چکا ہے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''شاید اخبارات سے مل جائیں۔''

اس نے شادی کا سرٹیفکیٹ اپنے سوٹ کیس میں رکھا ہوا تھا۔ اس نے الماری کھول کر سوٹ کیس نکالا۔ اس میں وہ فولڈر موجود تھا جس میں کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ فولڈر باہر نکال کر دیکھا۔ سرٹیفکیٹ موجود تھا لیکن سوائے ایک کے باقی سب تصویریں غائب تھیں۔ اس ایک تصویر کو پادری نے دلہن کی تصویر کہا تھا جس میں وہ ہاتھ میں پھول پکڑے مسکرا رہی تھی۔

سیرینا تلخ لہجے میں بولی۔ ''وہ سب تصویریں بھی لے گیا۔''

''مجھے دکھاؤ۔'' انجیلا نے دستانے اتارتے ہوئے فولڈر کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس کی نظریں تصویر کے بجائے میرج سرٹیفکیٹ پر تھیں۔ اس نے وہ سرٹیفکیٹ اپنے ساتھیوں کو دکھایا جو ابھی تک کمرے میں موجود تھے۔

''یہ درست سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔'' انجیلا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمیں فنانشل اور پراپرٹی کرائمز والوں کی ضرورت ہوگی۔ میں انہیں فون کرتی ہوں، تم نیچے استقبالیہ پر جاؤ اور ان سے گزشتہ ہفتے اور آج صبح کی اس فلور کی ویڈیو فوٹیج مانگو۔ شاید ان میں اس آدمی کی شکل نظر آ جائے۔'' پھر سیرینا سے کہا۔ ''چلو ہم لیونگ روم میں بیٹھتے ہیں۔''

سیرینا اس کے ساتھ چلتی ہوئی لیونگ روم میں آئی اور ایک کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ وہ غصے کے عالم میں اپنے گھٹنوں پر ہاتھ مل رہی تھی جیسے اس کے پورے جسم میں خارش ہو رہی ہو۔

اگلے چند روز تفتیش میں گزر گئے۔ ڈیلن نے اس کا بینک اکاؤنٹ خالی کر دیا تھا اور اس کا کریڈٹ کارڈ استعمال کر کے ہوٹل کے کیسینو سے ایڈوانس کیش نکال لیا تھا۔ جہاں سیرینا نے اسے اپنے شوہر کے طور پر متعارف کروایا تھا یہی نہیں بلکہ اس نے آن لائن سیکنڈ مورٹیج کے ذریعے سیرینا کے مکان پر قرضہ بھی لے لیا تھا۔

سیرینا کے گھر کی دیکھ بھال کرنے والی عورت نے ایک اجنبی کو اس کے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا لیکن اس کی شکل ڈیلن سے نہیں ملتی تھی۔ ''میں کسی خوب صورت سنہرے بالوں والے شخص کو کیسے بھول سکتی ہوں۔'' اس عورت نے کہا۔ ''وہ اجنبی پستہ قد اور موٹا تھا اور اس کے لباس سے پیاز کی بُو آ رہی تھی۔''

سیرینا نے اپنے فون کو ری سیٹ کرنے کے لیے سیلولر اسٹور پر کام کرنے والے ایک شخص کی مدد حاصل کی اور کلاؤڈ ڈاؤن لوڈنگ کے ذریعے اس کا ڈیٹا بحال ہوگیا۔ البتہ ڈیلن کی تصویریں میموری میں نہیں تھیں جو ظاہر ہے کہ اس نے موقع دیکھ کر صاف کر دی ہوں گی البتہ سیرینا نے اپنے دوستوں کو جو پیغامات بھیجے تھے ان میں ڈیلن کی تصویریں موجود تھیں جن کے بارے میں سیرینا نے سراغ رساں انجیلا کو بتا دیا۔ اس نے فنانشل اینڈ پراپرٹی کرائمز سے تعلق رکھنے والی کیری سے رابطہ کیا اور اس سے سیرینا کے فون کی چھان بین کرنے کی اجازت چاہی کیونکہ اسی فون سے ڈیلن نے بیشتر معلومات تک رسائی حاصل کی تھی جس میں سوشل سیکیورٹی نمبر سے لے کر اس کے پاس ورڈز تک شامل تھے اور جو سیرینا نے اسے دکھا دیے تھے۔

ParkBooks.site

ڈیلن نے جانے سے پہلے صرف اس کے اکاؤنٹس ہی خالی نہیں کیے بلکہ سیکنڈ مارٹیج ، اس کے نام پر نیا کریڈٹ کارڈ اور اس کے ذریعے ایڈوانس رقم نکالنے جیسے جرائم بھی کیے اور یہ سب اس وقت ہوا جب وہ سیرینا کے ساتھ شب بسری کے دوران اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔

انجیلا نے سیرینا کو ہمدردی سے دیکھا لیکن کیری کے چہرے کے تاثرات اس سے مختلف تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ سیرینا کو بھی برابر کا قصوروار سمجھ رہی ہے کہ اس نے ایک اجنبی شخص پر اعتبار کرنے میں اتنی جلدی کیوں کی جو اسے اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا کر اس کا سب کچھ لوٹ کر لے گیا۔ تاہم وہ خاصی مستعد اور مددگار ثابت ہوئی۔ اس نے فوری طور پر سیکنڈ مارٹیج اور نیا کریڈٹ کارڈ منسوخ کروا کر سیرینا کو مزید نقصان سے بچالیا اور تمام بینکوں کو بھی اس کی اطلاع دے دی تاہم ڈیلن جو رقم اس کے اکاؤنٹس سے نکال چکا تھا اس کا ازالہ ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ رقم سیرینا کی تحریری اجازت سے نکالی گئی تھی اور اس کے لیے ڈیلن نے سیرینا کے وہ دستخط استعمال کیے جو اس نے اپنے فون میں اسٹور کر رکھے تھے۔

کیری کے کہنے پر سیرینا نے ایک وکیل سے رابطہ کیا لیکن اس نے کہا کہ اتنے بڑے فراڈ کے بعد تحریری اجازت واپس لینا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ جب یہ فراڈ ہوا تو وہ ڈیلن کے ساتھ ہی تھی۔ ایسی صورت میں شاید بینک الٹا اس پر ہی مقدمہ کردے۔ اس لیے بہتر ہے کہ وہ اس نقصان کو بھول جائے اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرے۔

کیری کے علاوہ ہر شخص سیرینا سے ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا لیکن کیری کو اس کی جذباتی کیفیت سے غرض نہیں تھی اور وہ ہر صورت میں ڈیلن کو قانون کے شکنجے میں لانا چاہ رہی تھی۔

’’یہ شخص ناقابلِ یقین حد تک منظم ہے۔‘‘ ایک دن کیری نے انجیلا کی غیر موجودگی میں کہا۔ ’’اس نے ایک ٹیم بنا رکھی ہے جس میں پادری اور وہ شخص بھی شامل ہے جو تمہارے گھر گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس میں اور لوگ بھی ہوں گے۔ انہوں نے تمہیں نشانہ بنا کر اپنا کھیل کھیلا۔ وہ اس سے پہلے بھی ایسا کر چکے ہیں۔ صرف ویگاس میں ہی نہیں۔‘‘

’’کیا یہ صرف میرے ساتھ ہی ہوا ہے؟‘‘

’’ہاں، لگتا یہی ہے کہ ویگاس میں تم ہی ان کا نشانہ بنی ہو۔‘‘ کیری نے کہا۔ ’’ہم ایسا کوئی ثبوت تلاش نہیں کر سکے جس سے پتا چلے کہ کسی اور کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ میں نے اپنے ایک آدمی کو دیگر ہوٹلز سے معلوم کرنے کے لیے کہا ہے کہ ان کے پاس ایسی کوئی رپورٹ تو نہیں ہوئی لیکن اگر وہ یہ محسوس کریں کہ شہر میں ایسا کوئی گروہ کام کر رہا ہے تو انہیں ہمیں بتانا چاہیے۔‘‘

’’ممکن ہے کہ جس عورت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اس نے رپورٹ ہی نہ کی ہو۔‘‘ سیرینا نے کہا۔ ’’کیونکہ بڑی شرمندگی کی بات ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کون چاہے گا......‘‘

’’کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس شہر میں کتنی عورتیں پہلی دوسری ملاقات کے بعد ہی مردوں کے جال میں پھنس جاتی ہیں۔ یہاں کم از کم پچاس چھوٹے گرجا گھر ہیں اور ان میں سے آدھے گرجا گھروں میں ایسی شادیاں ہو رہی ہیں۔ مجھے جو بات پریشان کر رہی ہے وہ یہ کہ اس کے باوجود ہمیں اس گروہ کا پتا نہ چل سکا۔‘‘

’’اگر وہ مقامی نہیں ہیں تو انہوں نے گرجا کس طرح حاصل کرلیا؟‘‘

’’وہ ایک متبادل پادری تھا جس کی خدمات مستقل پادری کے چھٹیوں پر جانے کی وجہ سے دو ہفتوں کے لیے حاصل کی گئی تھیں۔‘‘ کیری نے کہا۔ ’’اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے بارے میں فراہم کردہ معلومات غلط تھیں لیکن اس کے پس منظر کو سرسری طور پر چیک کیا گیا۔‘‘

’’یعنی وہاں سب لوگ......‘‘

’’اس رات باجا بجانے والی بھی بیمار تھی۔ اسے فوڈ پوائزننگ ہوگئی تھی لہٰذا قائم مقام پادری کو دوسرا انتظام کرنا پڑا۔‘‘

’’تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ بھی اسی کی حرکت تھی؟‘‘ سیرینا نے کہا۔

’’جیسا کہ میں نے کہا یہ ایک منظم کارروائی تھی۔ ہم یہ معاملہ ایف بی آئی کے سپرد کر رہے ہیں، ان کے پاس مالی فراڈ کی تفتیش کرنے کے لیے ماہرین کی ٹیم ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ یہ حرکت کریں ہمیں ان کو پکڑنا ہوگا۔ انہوں نے تمہیں برباد کردیا۔‘‘

سیرینا کا حلق خشک ہوگیا تھا۔ اس نے تین بار تھوک نگلا تب بولنے کے قابل ہوسکی۔ ’’انہوں نے مجھے تباہ نہیں کیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور جلد ہی انہیں تباہ کردوں گی۔‘‘

پولیس اسٹیشن سے واپس آنے کے بعد سیرینا کو دوسرے کمرے میں منتقل ہونا پڑا کیونکہ یہ کمرا عارضی طور پر

PakiBooks.Site

دیا گیا تھا۔ نئے کمرے میں آنے کے بعد سیرینا نے بیگ کھولا اور اپنے کپڑے الماری میں لٹکا دیے۔ اس ...یاں کپڑوں کے نیچے نظر نہ آنے والی زپ پر مرکوز ... زپ کھولنے پر اسے وہ پاؤچ مل گیا جس میں اس نے اپنے اہم کاغذات رکھے تھے۔ اس نے پاؤچ کھول کر ... اس کے نئے بینک اکاؤنٹ کے کاغذات موجود ... یہ اکاؤنٹ اس نے ہوٹل میں آنے کے بعد پہلے دن ... تھا جب اس نے اتفاقاً ایک بڑی انعامی رقم جیتی ... اس نے ڈیلن کو اس اکاؤنٹ کے بارے میں نہیں ... تھا۔ شاید وہ جذبات سے مغلوب ہوکر ایسا کردیتی لیکن ... اس کے دماغ سے نکل گئی۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔ ...دنوں بعد اسے امید کی پہلی کرن نظر آئی تھی۔

اس نے فون اٹھا کر اکاؤنٹ چیک کرنا چاہا لیکن ... خیال آیا کہ اس اکاؤنٹ کے لیے اس کے پاس آن لائن بینکنگ کی سہولت نہیں ہے پھر اس نے فون کرکے بینک سے معلوم کیا اور یہ جان کر مطمئن ہوگئی کہ اس کے پانچ ہزار ... محفوظ تھے اور اب اسے کسی فوری ضرورت کے لیے ہر ... تنخواہ کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

اس نے ایک سرد آہ بھری اور قریب میں رکھی ہوئی ... ڈیلن اس کا سب کچھ نہیں لے گیا تھا۔ اس ... اسے پوری طرح مات نہیں دی تھی۔ وہ بہت زیادہ ذہین ... اسے شکست دی جاسکتی تھی۔ اب اسے صرف یہ ... تھا کہ اسے کیسے شکست دی جائے۔

اسے سب سے پہلا کام یہ کرنا تھا کہ واپس اپنی پرانی ... میں لوٹ جائے۔ جب پولیس نے اپنی کارروائی مکمل کرلی اور اسے قانونی و مالی مشیر اور فراڈ اسپیشلسٹ مل گئے ... ڈیلن کی جانب سے پہنچائے جانے والے نقصانات کی ... کرنے میں اس کی مدد کرسکتے تھے تو وہ لاس ویگاس ... روانہ ہوگئی۔ وہ بہت خوش تھی پہلے سے بھی کہیں زیادہ ... اس کے گھر کی حالت بہت خراب ہوچکی تھی۔ لگتا تھا وہ کسی دوسری عورت کا ہو۔

سیرینا نے فوری طور پر اسے اچھے داموں فروخت کر ... اور ساری رقم بینک میں رکھنے کے بجائے مختلف جگہوں پر ... تاکہ کوئی اس کے بینک اکاؤنٹ میں نقب نہ لگا سکے۔ ... محتاط تھی کہ اس نے سرمایہ کاری کی تفصیلات اپنے فون ... اسٹور نہیں کیں۔ اس نے ڈینور کے وسط میں ایک ... اپارٹمنٹ خریدا جو ایک بڑے ہوٹل کی اوپری منزل ... اس کا خیال تھا کہ اگر کبھی اسے شہر چھوڑنا پڑا تو وہ اس ... کرائے پر دے دے گی۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 900 روپے
امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 10,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 9,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کردیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہوسکتا ہے
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: مرزا ثمر عباس فون نمبر: 0301-2454188
سرکولیشن منیجر ...... سید منیر حسین 0333-3285269
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35804200-35804300

یہ اپارٹمنٹ جدید طرز کا بنا ہوا تھا اور یہاں سے شہر کا بہت خوب صورت نظارہ دیکھنے کو ملتا تھا۔ اس کی دیواریں سفید اور سارا سامان اسٹین لیس اسٹیل کا تھا۔ اس نے پرانا فرنیچر بیچ دیا اور نیا خرید کر لائی۔ پورے اپارٹمنٹ کو ماڈرن آرٹ کی تصویروں سے سجایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی وارڈ روب پر بھی توجہ دی اور جدید شوخ رنگوں کے ملبوسات خریدے۔ اس نے کمپیوٹر کی نائٹ کلاسز میں داخلہ لے لیا اور خاص طور پر انٹرنیٹ کی باریکیاں اور پیچیدگیاں سیکھنے لگی۔

وہ اپنی ملازمت چھوڑنے والی تھی لیکن یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں تھی۔ اس کے دوست اسے آہستہ روی کا مشورہ دے رہے تھے۔ انہوں نے اس وقت بھی شکایت کی جب اس نے اپنا مکان بیچا، بال چھوٹے کروائے اور نئے کپڑے خریدے۔ جب ان کی شکایتیں حد سے بڑھ گئیں تو اس نے انہیں فون کرنا چھوڑ دیا۔ وہ انہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے نئے دوست بنا لیے ہیں لیکن ایسا نہیں کیا۔ اس نے کچھ نئے لوگوں سے جان پہچان بڑھائی جن کے ساتھ وہ اپنے گھر کے قریبی بار میں بیٹھ کر قہقہے لگا سکتی تھی۔ انہیں شراب پیتے دیکھتی لیکن خود شریف بنی بیٹھی رہتی۔

ایک ایک کر کے سب مشیر اس کا ساتھ چھوڑتے گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے زخموں سے نجات حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہی۔ وہ ان کی باتیں سن کر مسکرا دیتی۔ اب وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ پُرعزم اور مضبوط ہو چکی تھی۔ اس نے تمام مشیروں کو فارغ کر دیا۔ اب ڈیلن کو تلاش کرنا اس کی پہلی ترجیح تھی۔

وہ دو سال تک اس معاملے پر توجہ دیتی رہی لیکن پھر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اصل مجرموں تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے ان معلومات کو استعمال کیا جو اسے بااختیار لوگوں سے ملی تھیں لیکن اس کے بدلے اس نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ ایف بی آئی نے ایک مفروضہ قائم کیا تھا کہ یہ گروہ عام طور پر کسی کیسینو کو اپنا نشانہ بناتا ہے لیکن ہمیشہ نہیں۔ عورتوں کے ساتھ شب بسری اور ضرورت پڑنے پر ان سے شادی بھی کر لی جاتی ہے اور پھر گروہ کا سرغنہ انہیں لوٹ کر بھاگ جاتا ہے۔ بہت کم عورتیں اپنے ساتھ ہونے والے فراڈ کی رپورٹ درج کرواتی ہیں کیونکہ سیرینا کے خیال میں انہیں یہ اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔

اب ایف بی آئی اور دیگر متعلقہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ یہ گروہ ویگاس کب واپس آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ جرم کے سرزد ہونے کا انتظار بھی کر رہے تھے لیکن [illegible] نے ایسا نہیں کیا۔ وہ صرف ڈیلن کی شکل سے ہی واقف تھی بلکہ اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ جانتی تھی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ وہ کس طرح چلتا ہے۔ مجمع میں سے گزر جاتا ہے۔ عورتوں کو کس طرح چھوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسے قائم مقام پادری کی شکل بھی یاد تھی لیکن اس کے باوجود وہ ڈیلن کو تلاش نہ کر سکی بلکہ یہ کام دوسرے طریقوں سے ممکن ہو سکا۔

ویگاس جیسے شہر میں جہاں فوری طور پر شادی کے لیے گرجا گھر دستیاب نہیں ہوتے۔ قائم مقام پادری نے ایک ویب سائٹ متعارف کروائی۔ جب شادی کے خواہش مند جوڑے اس ویب سائٹ کے ذریعے پادری سے رابطہ کرتے تو وہ ان کی شادی کا بندوبست کر دیتا۔ اس سے سیرینا کو پادری کی تلاش میں بڑی مدد ملی۔ اس کے علاوہ ایف بی آئی نے ان کے سفر کرنے کے طریقے کا جو اندازہ لگایا تھا، وہ بھی بہت کارآمد رہا لیکن سب سے بڑھ کر ڈیلن کی انا تھی جو اس کی تلاش میں مددگار ثابت ہوئی۔ اس نے فرض کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی شخص سے زیادہ ہوشیار، خوب صورت، ذہین اور بہتر تعلیم یافتہ ہے۔

وہ مختلف شہروں میں مختلف ناموں کے ساتھ جاتا۔ کہیں اس کا نام باب براؤننگ تو کہیں ایڈورڈ کمنگز ہوتا اور جب وہ سیرینا سے ملا تو اس کا نام ڈیلن تھامس تھا اور یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ یہ سب مشہور شاعروں کے نام تھے۔ ڈیلن نے خود یہ بات سیرینا کو بتائی تھی کہ یہ نام اس کے والدین نے رکھا تھا۔ سیرینا کو یقین تھا کہ اگلی بار بھی وہ کسی شاعر کا نام ہی اختیار کرے گا چنانچہ اس نے مشہور شاعروں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی تاکہ جیسے ان میں سے کسی نام کا کوئی شخص کسی ہوٹل میں داخل ہو تو وہ نظروں میں آجائے۔

ایف بی آئی نے اس گروہ کے ایک اور طریق کار کا بھی پتا لگا لیا۔ وہ ہر بار کسی ریاست کے ایک شہر میں جاتے اور کبھی بھی اس دورے میں دوسرے شہر کا رخ نہیں کرتے اور نہ ہی ملحقہ ریاست میں جاتے۔ لہٰذا لاس ویگاس کے بعد وہ واشنگٹن گئے۔ دو سال گزر گئے تھے اور سیرینا جانتی تھی کہ وہ دوبارہ آنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ مغرب سے مشرق کی طرف جاتے تھے لیکن کیلی فورنیا کبھی نہیں گئے جس کے بارے میں ایف بی آئی کو یقین تھا کہ ان کا وہاں مجرمانہ ریکارڈ تھا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ وہاں کے حکام ہوشیار ہیں۔

ایف بی آئی والے اسی زاویے سے تحقیقات کر رہے لیکن انہیں ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی مگر سیرینا کو اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ اس گروہ کو اس کے ہاتھوں پکڑنا ہے اور اس کے لیے اس نے ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا اور جب ایک سنہرے بالوں والا انتہائی خوب صورت جان ڈون، لاس ویگاس کے مہنگے ترین ہوٹل میں داخل ہوا تو وہ جان گئی کہ اس نے ڈیلن کو تلاش کر لیا ہے۔

اس نے کیری یا انجیلا کو نہیں بتایا کہ وہ لاس ویگاس واپس آ رہی ہے۔ ہوائی سفر کے دوران اس نے ہوٹل کی سیکیورٹی ویڈیو فوٹیج بار بار دیکھی۔ اسے ڈیلن کو پہچاننے کے لیے اپنا غیر قانونی سوفٹ ویئر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ڈیلن کے چہرے کو اچھی طرح جانتی تھی اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی ظاہری شکل و صورت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

جبکہ وہ خود کافی بدل گئی تھی۔ وہ پہلے کے مقابلے میں دبلی ہو گئی تھی اور اس کے بال بھی پوری طرح سیاہ اور لمبے ہو گئے تھے۔ اس کا پسندیدہ لباس بھی اس پر فٹ نہیں آ رہا تھا البتہ شادی کی انگوٹھی ابھی تک اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود تھی۔ اس نے ڈیلن کے ہوٹل کے سامنے ساؤتھ لاس ویگاس بلیوارڈ کے ایک بڑے ہوٹل میں کمرا بک کروایا اور ایک بیوٹی سیلون میں جا کر بال چھوٹے کروائے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ڈیلن اسے دیکھتے ہی پہچان لے۔

اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس مرتبہ ڈیلن اپنے کام کا آغاز کس طرح کرے گا گو کہ اس کے ذہن میں ایک تھیوری تھی۔ دو سال پہلے جب اس نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہی جیک پاٹ جیتا اور ایک احمق کی طرح ہوٹل کے عملے کے سامنے بکواس کی کہ وہ آزادی حاصل کرنے کے بعد چھٹیاں منانے آئی ہے تو وہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں آ گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ ایف بی آئی اور کیری کا شک پختہ ہوتا گیا کہ ہوٹل کے عملے میں بھی ڈیلن کا کوئی ساتھی موجود ہے جو سرِ عام اپنی تنہائی کا رونا رونے والی بدنصیب عورتوں پر نظر رکھتا ہے۔

سیرینا نے اپنے ہوٹل کے کمرے میں ایک وائرلیس اسٹیشن نصب کر رکھا تھا۔ اس طرح اسے ہوٹل کے پرانے چرچراتے ہوئے سسٹم کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ چند گھنٹوں سے لابی پر نظریں جمائے ہوئے تھی تب اسے احساس ہوا کہ وہاں آنے والا شخص ڈیلن نہیں بلکہ کوئی اور تھا۔ وہ ایک موٹا اور پستہ قد شخص تھا اور ایک کرسی پر بیٹھا مسلسل فون پر باتیں کر رہا تھا۔ اس کی نظریں ہوٹل کے گفٹ شاپ میں آنے جانے والوں پر تھیں۔ سیرینا نے پہلے کبھی اس شخص کو نہیں دیکھا تھا لیکن اسے پورا یقین تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے دو سال قبل اس کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔

بہرحال وہ چار گھنٹے لابی میں گزارنے کے بعد وہاں سے چلا گیا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص وہاں نہیں آیا جس کا مطلب تھا کہ اس نے مطلوبہ شکار تلاش کر لیا ہے۔ اس نے ویڈیو دوبارہ دیکھی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ اس شخص کی نظریں بہت دیر سے ایک عورت پر تھیں۔ وہ ایک نازک اندام سنہرے بالوں والی عورت کو دیکھ رہا تھا جو تھوڑی سی ناراض نظر آ رہی تھی۔

وہ جب ہوٹل میں داخل ہوئی تو مسکرا رہی تھی۔ اس نے ڈائمنڈ کی چمکتی ہوئی انگوٹھی نکالی اور اسے ڈیسک کلرک کے سامنے لہرایا۔ کلرک پر اس کی مسکراہٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کندھے اچکائے۔ ایک نقشہ نکالا اور اس پر ایک جگہ گول نشان لگا دیا۔ سیرینا یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ سنہرے بالوں والی عورت اس انگوٹھی کو گروی نہیں بلکہ فروخت کرنا چاہ رہی تھی۔

سیرینا نے ہوٹل کے سسٹم کو ہیک کیا اور دیکھا کہ وہ عورت نکول ویرنگٹن ایک سوئٹ میں داخل ہو رہی تھی جو کئی ماہ پہلے بک کروایا گیا تھا اور وہ سمجھ گئی کہ یہی ڈیلن کی اگلی بیوی ہے۔ سیرینا کو چاہیے تھا کہ وہ کیری اور انجیلا کو فون کر کے ہوشیار کر دیتی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس مرحلے پر ان کی مداخلت سب کچھ بگاڑ دیتی۔

اس کے لیے یہ جاننا بہت مشکل تھا کہ اس بار ان لوگوں نے شادی کے لیے کس گرجا کا انتخاب کیا ہے کیونکہ ان کی زیادہ تر ویب سائٹ جامد تھیں اور تمام معاملات ذاتی طور پر طے پاتے تھے۔ لہٰذا وہ یہ اندازہ نہ لگا سکی کہ انہوں نے کسی نئے پادری کا انتخاب کیا ہے یا اس مرتبہ بھی متبادل پادری یہ فرض انجام دے گا۔ وہ جانتی تھی کہ کیری اس پرانے گرجا کی نگرانی کر رہی ہے جہاں سیرینا کی شادی ہوئی تھی لیکن اسے شبہ تھا کہ وہ لوگ دوبارہ وہاں کا رخ کریں۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی سیکیورٹی ویڈیو فوٹیج دیکھتی رہی پھر اس نے نکول ویرنگٹن کو اپنے سوئٹ سے باہر آتے

PakiBooks.Site

دیکھا۔ اس نے بہت ہی خوب صورت سرخ رنگ کا ڈیزائنر گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے کسی مرد کی تلاش میں ہے۔ سیرینا کا خیال تھا کہ وہ ہوٹل سے باہر کسی نائٹ کلب میں جائے گی لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ کمپلیکس کے اندر واقع سب سے مہنگے نائٹ کلب کی طرف جا رہی تھی لیکن ڈیلن اس وقت تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ سیرینا سوچنے لگی کہ کہیں وہ کسی غلط عورت کی نگرانی تو نہیں کر رہی۔

کلب سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا جس کی نگرانی سیرینا چار گھنٹے سے کر رہی تھی۔ اسی دوران اس نے دوسرے اسکرین پر جان ڈون کے ہوٹل کو کھنگالا تو معلوم ہوا کہ اس نے وہاں اپنے آپ کو جوناتھن ڈون کے نام سے رجسٹر کروایا تھا۔ اس نے سیکیورٹی فوٹیج میں دیکھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں چابیوں کے گچھے کو انگلیوں کے گرد گھما رہا تھا۔ اس طرح تصدیق ہوگئی کہ وہی ڈیلن تھا۔

وہ گرے سوٹ میں ملبوس ہوٹل کے استقبالیہ کے آگے سے گزرا۔ عین اسی وقت نکول وہ ریگلٹن نائٹ کلب سے باہر آئی۔ اس نے ڈیلن کو دیکھ کر اس طرح قہقہہ لگایا جیسے برسوں کی جان پہچان ہو، پھر اس نے بے تکلفانہ انداز میں ہاتھ آگے بڑھایا اور وہ دونوں وہیں بغل گیر ہوگئے۔ اس بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ایک سیکیورٹی گارڈ نے ڈیلن کا کندھا تھپتھپایا اور کہا کہ وہ ہوٹل میں کمرا حاصل کرے۔ اس پر دونوں نے قہقہہ لگایا اور نکول کے کمرے کی طرف چلے گئے۔

یہ منظر سیرینا کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ حسد محسوس کر رہی تھی حالانکہ اب وہ اس کا شوہر نہیں تھا بلکہ اپنا نام بدل کر ایک دوسری عورت کو نشانہ بنا رہا تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو عورتوں سے جھوٹی محبت کا ناٹک رچا کر نہ صرف ان سے جسمانی تعلق قائم کرتا ہے بلکہ موقع ملتے ہی ان کا سب کچھ لوٹ کر فرار ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو پکڑنا بہت سنسنی خیز تجربہ ہوگا۔

اس نے ایک بار پھر ویڈیو پر نظریں جما دیں۔ وہ دونوں ہال سے گزر کر نکول کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ دروازے پر رک کر وہ دونوں ایک بار پھر بغل گیر ہوئے اور بوس و کنار میں مشغول ہوگئے پھر اس نے نکول سے کمرے کی چابی لی اور دروازہ کھول کر اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

سیرینا کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے کھڑا ہونا چاہا لیکن ایک خیال کے آتے ہی رک گئی۔ ڈیلن نے بوسہ بازی کے علاوہ بھی کچھ کیا تھا۔ اس نے ویڈیو کو تھوڑا سا واپس کر کے ایک فریم کو غور سے دیکھا۔ جب ڈیلن نے نکول سے چابی لے کر دروازہ کھولا تو وہ اس سے بری طرح لپٹی ہوئی تھی۔ ڈیلن نے اسے زور سے بھینچا اور چپکے سے چابی اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی۔

سیرینا نے ایک بار پھر تصدیق کرنے کے لیے ویڈیو دوبارہ دیکھا۔ بالکل صاف نظر آ رہا تھا کہ اس نے چابی جیب میں ڈالی ہے تاکہ وہ اس کی ڈپلیکیٹ بنوا کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکے۔

صبح چھ بجے روم سروس نے نکول کے دروازے پر دستک دی۔ ڈیلن نے دروازہ کھولا تاکہ ویٹر ناشتے کی ٹرالی لے کر اندر آسکے۔ نکول نے ایک گاؤن پہن رکھا تھا اور اس کے بال بے ترتیب ہو رہے تھے۔ ویٹر نے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھی اور ٹرالی لے کر کمرے سے باہر آگیا۔ جیسے ہی وہ ہال کی جانب مڑا، اس کا پورا چہرہ سیکیورٹی کیمرے کی زد میں آگیا۔ یہ وہی پستہ قد موٹا شخص تھا جسے سیرینا لابی میں دیکھ چکی تھی۔ اسے دیکھ کر سیرینا نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اس فراڈ کے دوسرے کردار سامنے آ رہے تھے اور یہ ویٹر بھی انہی میں سے ایک تھا جو ڈیلن کا ساتھ دے رہے تھے۔

اب اس کے پاس ایک اور ثبوت آگیا تھا جو وہ کیری، انجیلا اور ایف بی آئی والوں کو بتا سکتی تھی اور اس طرح نکول متوقع ذہنی اذیت سے بچ جاتی لیکن سیرینا کا مقصد صرف ایک تھا۔ وہ صرف ایک عورت کو چند گھنٹوں کی ذہنی اذیت سے بچانے کے بجائے ان تمام عورتوں کو محفوظ رکھنا چاہ رہی تھی جو اس گروہ کا نشانہ بن سکتی تھیں۔ وہ درحقیقت ڈیلن کو تباہ کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے دونوں صورتوں میں گرفتار تو ہونا ہی تھا لیکن وہ اس سے پہلے ایک چھوٹا سا حساب چکانا چاہ رہی تھی۔

ڈیلن اور نکول دوپہر ایک بجے ہوٹل کے کمرے سے برآمد ہوئے۔ نکول نے انتہائی خوب صورت سفید جھالروں والا لباس اور اس سے میچ کرتے اونچی ایڑی کے سینڈل پہن رکھے تھے۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ سیرینا کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

وہ دونوں ہوٹل کی تیسری منزل پر گئے۔ جہاں کئی مہنگے ترین اسٹورز تھے۔ سیرینا نے انہیں ایک جیولری اسٹور میں داخل ہوتے دیکھا۔ ایک گھنٹے بعد وہ باہر آئے تو ڈیلن کے ہاتھ میں ایک چھوٹا بیگ تھا جس پر اسٹور کا لوگو بنا ہوا تھا۔ اس نے وہ بیگ نکول کو پکڑا دیا جو اس نے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

وہ لابی سے گزر کر ویلٹ اسٹیشن پر آئے اور ڈیلن نے وہاں سے ایک کار لی۔ وہ سیاہ رنگ کی ایس یو وی کار تھی لیکن سیرینا کوشش کے باوجود اس کا نمبر نہ پڑھ سکی اب اسے ان کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔

ان کی واپسی آٹھ بجے کے قریب ہوئی۔ نکول کار سے باہر آئی۔ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی میں ایک بڑی سی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ وہ لابی میں رکے اور سیرینا کو اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ سمجھ گئی کہ اب یہ دونوں وہاں کے سب سے مہنگے بار میں جا کر شادی کا جشن منائیں گے بالکل اسی طرح جیسے ڈیلن نے ہنی مون سوئٹ میں جانے سے پہلے اس کے ساتھ کیا تھا۔

اس نے اپنا فون اٹھایا اور انتظار کرنے لگی کہ ڈیلن اور نکول ایک بڑا کمرا بک کروانے کی کارروائی پوری کرلیں۔ جیسے ہی وہ بار کی طرف جانے لگے۔ سیرینا نے انجیلا کا نمبر ملایا۔

”میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں ویگاس آئی ہوں۔“ اس نے جھوٹ بولا۔ ”اور میں نے ابھی ابھی ڈیلن کو اپنے ہوٹل میں دیکھا ہے۔“

”اس کے قریب مت جانا۔“ انجیلا نے کہا۔ ”تم اس وقت کہاں ہو؟“

سیرینا نے اسے اپنے ہوٹل کے بارے میں بتایا لیکن یہ نہیں بتایا کہ ڈیلن ایک دوسری عورت سے شادی کر چکا ہے اور وہ اس وقت بار کی طرف جا رہے ہیں۔ انجیلا خود بھی یہ سب معلوم کر سکتی تھی۔

”تم بالکل پریشان مت ہونا۔“ انجیلا نے کہا۔ ”ہم اسے دیکھ لیں گے۔ اب وہ تمہیں مزید نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

”میں جانتی ہوں۔“ سیرینا نے کہا۔ ”تم میرے لیے پریشان مت ہو۔“

اس نے فون بند کر دیا اور سیکیورٹی کیمرے پر نظریں جما دیں۔ اس نے دیکھا کہ ڈیلن اور نکول راہداری میں کھڑے کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ ڈیلن نے کندھے اچکائے اور منہ بنا لیا۔ سیرینا نے اس کا یہ روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نکول اسے لے کر بار کے بجائے وہاں کے سب سے شاندار ریستوران کی طرف بڑھ گئی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس ہنی مون پیکیج سے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہ رہی ہے۔

سیرینا نے ان کے ریستوران میں جانے کا انتظار کیا۔ پھر آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہ جمائی۔ اپنا پرس اٹھایا اور نیچے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اپنا پرس پکڑے ریستوران میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں کونے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نکول کی پشت دیوار کی طرف تھی۔ ڈیلن اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ جونہی سیرینا اس کے پاس پہنچی، اسے دیکھ کر ڈیلن کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھنے ہی والا تھا کہ سیرینا نے اپنے ہاتھ اس کے کوٹ کے اندر ڈال دیے اور اس کا سینہ سہلانے لگی پھر اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے گئی جیسے اسے کاٹنا چاہ رہی ہو۔ اس کے بعد گردن کی باری آئی۔

ڈیلن نے اٹھنا چاہا لیکن سیرینا نے اسے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ ”یہ تم کیا کر رہی ہو؟“ نکول نے پوچھا۔

سیرینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو یہ ہے تمہاری نئی بیوی ڈیلن؟“

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سیرینا بولی۔ ”اوہ معاف کرنا، میرا مطلب ہے جان، میں بھول گئی کہ اس بار تم نے کون سا نام اختیار کیا ہے۔“

نکول کا چہرہ سفید ہوگیا۔ وہ ڈیلن کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے توقع ہو کہ وہ کچھ کہے گا۔ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ بھی ان کی جانب متوجہ ہوگئے۔

”مجھے یہ انگوٹھی دکھاؤ۔“ سیرینا نے کہا جیسے وہ اور نکول پرانی سہیلیاں ہوں۔

”لگتا ہے کہ یہ انگوٹھی تم نے خود خریدی ہے کیونکہ بعض اوقات یہ عورتوں سے ہی انگوٹھی خریدنے کے لیے کہتا ہے جو میرے خیال میں مناسب نہیں۔“

ڈیلن اسے دھکیلتے ہوئے بولا۔ ”خاتون! تم پاگل ہوگئی ہو۔“

”میں جانتی ہوں، میری جان۔“

”تم کون ہو؟“ نکول غصے سے بولی۔

”اوہ سویٹی۔“ سیرینا بولی۔ ”کیا اس نے نہیں بتایا؟ میں اس کی بیوی ہوں۔ کئی سال پہلے ہماری شادی ہوئی تھی۔ اس لیے تمہاری شادی قانونی نہیں ہے۔ تم نے جن کاغذات پر دستخط کیے ہیں انہیں ریاست کا قانون تسلیم نہیں کرے گا۔ چاہے شادی کی تقریب کسی لائسنس یافتہ پادری نے ہی انجام دی ہو جبکہ تمہارے کیس میں ایسا نہیں ہے۔ وہ پادری جعلی تھا۔ ڈیلن، میرا مطلب ہے جان کا بہترین دوست۔“

”کیا......؟“ نکول زور سے چلّائی۔

”اوہ۔“ سیرینا نیچی آواز میں بولی۔ ”تمہاری شادی تو آج ہی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں نے آنے میں

PakiBooks.site

جلدی کردی۔ تمہارے پاس ازدواجی زندگی کا لطف اٹھانے کے لیے چند دن باقی تھے کیونکہ ڈیلن کے خیال میں اس طرح عورتوں کو شادی کے حقیقی اور قانونی ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔''

سیرینا نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھایا اور ڈیلن کی ٹھوڑی مضبوطی سے پکڑلی۔ ڈیلن نے اپنا منہ موڑنے کی کوشش کی لیکن سیرینا نے اس کا سر اپنی جانب موڑ لیا اور اپنا منہ اس کے قریب لائی جیسے اس کا بوسہ لینا چاہ رہی ہو پھر اپنا منہ دوسری جانب پھیرتے ہوئے بولی۔

''میرا شوہر عورتوں کا شیدائی ہے۔ میں ہمیشہ اسے برداشت نہیں کرسکتی۔ اس لیے میں نے اسے ادھر اُدھر پھرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے میرے ساتھ چند روز ہی گزارے تھے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' ڈیلن نے اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر رہی ہو؟''

سیرینا کا دل اور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس قدر غصہ ہوگا۔

ڈیلن نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھایا اور اس پر حملہ کرنے والا ہی تھا کہ ویٹر کے ہاتھ سے شیمپین کی بالٹی گر گئی اور اس کی برف جگہ جگہ بکھر گئی۔ دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ڈیلن کو پکڑ لیا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے سیرینا پر بُری طرح چلا رہا تھا۔

''میں تمہیں چھوڑ چکا ہوں۔ تمہیں یہاں آنے اور فضول باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''یہ تو ابھی شروعات ہے۔ میں تمہارا ہر جگہ پیچھا کروں گی اور تمہاری تمام بیویوں سے ملوں گی۔ ہم سب میں ایک بات مشترکہ ہے اور وہ یہ کہ ہم ایک دھوکے باز کی بیویاں ہیں۔''

نکول اپنا پرس سینے سے لگاتے ہوئے بولی۔ ''تم جانتی ہو کہ یہ دھوکے باز ہے؟''

''اس نے میری ہر چیز دھوکے اور فراڈ سے لے لی۔'' سیرینا نے کہا۔

''تم یہ بات پہلے بتا سکتی تھیں۔'' نکول بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اس طرح یہ شادی رک سکتی تھی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' سیرینا نے کہا۔ ''یہ شادی قانونی نہیں ہے۔ تم اب بھی سنگل ہو۔''

نکول کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ میز پر جھک گئی۔

پھر اس نے سر اٹھایا اور مٹھیاں بھینچتے ہوئے ڈیلن سے بولی۔ ''تم تو کہتے تھے کہ مجھ سے محبت کرتے ہو۔ یو باسٹرڈ، تم۔''

''یہ ہر ایک سے یہی کہتا ہے۔'' ایک نئی آواز اس گفتگو میں شامل ہو گئی۔ یہ کیری تھی۔ اس نے سیرینا کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''سراغ رساں انجیلا نے تمہیں انتظار کرنے کے لیے کہا تھا۔''

''اور میں اس موقع کو گنوا دیتی؟'' سیرینا مسکراتے ہوئے بولی۔

کیری نے اپنی بیلٹ سے ہتھکڑیاں نکالیں اور بڑی پھرتی سے ڈیلن کو پہنا دیں۔

''تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔'' ڈیلن بولا۔ ''میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔''

سیرینا اس کی ڈھٹائی پر حیران رہ گئی لیکن نکول سے برداشت نہ ہوا۔ اس نے ٹانگ اٹھا کر اسے زوردار لات ماری۔ ڈیلن نے ایک طرف ہٹنے کی کوشش کی اور نکول کی نوکدار ایڑی اس کی ران پر لگی اور ڈیلن کی چیخ نکل گئی۔ کیری نے نکول کو وہاں سے ہٹایا اور ایک دوسرا آفیسر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

''میں نے تمہیں انتظار کرنے کے لیے کہا تھا۔'' انجیلا نے شکوہ کیا۔

''میں صرف نکول کو خبردار کرنا چاہ رہی تھی۔'' سیرینا نے جھوٹ بولا۔ ''اس کے باوجود مجھے پولیس اسٹیشن آ کر خوشی ہو گی تاکہ اس پر الزامات عائد کرسکوں۔''

نکول سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں پولیس اور ایف بی آئی نے گروہ کے دوسرے ارکان کو بھی گرفتار کرلیا جن میں پستہ قد موٹا آدمی اور قائم مقام پادری بھی شامل تھا۔ کھیل ختم ہوا اور سیرینا جیت گئی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار شادی کی انگوٹھی پر گیا۔ وہ اسے اتارنا چاہ رہی تھی پھر اس نے اسے غور سے دیکھا۔ بالکل اسی طرح جیسے نکول نے کار سے اترتے ہوئے اپنی انگوٹھی کو دیکھا تھا جیسے وہ کوئی ٹرافی ہو اور اسے انعام میں ملی ہو کہ اس نے ایک مرد کو فتح کرلیا تھا۔

سیرینا نے اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔ اب وہ اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور طاقتور محسوس کر رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے آپ کو مکمل محسوس کیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ یہ انگوٹھی کبھی نہیں اتارے گی تاکہ اسے یاد رہے کہ اس نے کس طرح ایک دھوکے باز کو اس کے انجام تک پہنچایا تھا۔

سو ورق کی پہلی کہانی

انسان کا معاش مضبوط ہو تو لغزشیں... کوتاہیاں اور خامیاں کسی کو نظر نہیں آتیں... وہ دولت کے مضبوط قلعے کی دیواروں میں دب جاتی ہیں... معاش کمزور ہو تو معمولی دکھ اور اذیتیں عفریت کی صورت اختیار کرلیتی ہیں... غربت ہر مثبت عمل اور خوبی کو نفی میں بدل دیتی ہے... دکھوں... تکلیفوں اور اذیتوں کے پہاڑ تلے زندگی گزارنے والے ایک ایسے ہی کردار کی داستانِ کرب... ہر ہر لمحہ وقت کا قیدی تھا... وہ آزادی اور اپنے وقت کے انتظار میں پل پل تڑپ رہا تھا... اور پھر وقت کی پرواز نے پَر پھیلائے اور اس کے ہاتھوں اور قدموں نے اپنے شکار کی جانب بڑھنا شروع کردیا...

شکاری

زویا اعجاز

قتل..... انتقام اور ناانصافی کا کڑا بوجھ اٹھائے ایک بے آسرا کا سفر تمام

اس نیم تاریک کمرے میں شیشے اور یادوں کی کھڑکیاں چوپٹ کھلی تھیں۔

آسمان پر گہری گھٹاؤں کی بدولت صبح کے اوقات میں ہی شام کا سماں معلوم ہو رہا تھا۔ ان گھٹاؤں کی آمد سے قبل تیز گرد آلود جھکڑ چلنے سے بجلی پہلے ہی دغا دے چکی تھی۔ کمرے میں یو پی ایس کی سہولت موجود تھی لیکن مکین کا دل روشنی میں بیٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا جس کی جلی حروف میں شائع ایک خبر نے ہی مزاج

PakiBooks.Site

میں یکدم متلاطم کیفیت برپا کردی تھی۔

''ندی میں جب باڑ آجائے تو پانی اپنے اخراج کا کوئی نہ کوئی رستہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ میرے صبر کی ندی میں بھی آج طغیانی آگئی ہے..... طوفانی طغیانی..... اب تمہیں کوئی دنیاوی طاقت مجھ سے نہیں بچا سکتی..... اذیت کی یہ گٹھری اٹھا کر مجھ سے مزید نہیں جیا جا سکتا۔ تم سے اپنا قرض سود سمیت وصول کرنے کا وقت آگیا ہے۔'' اس کے لہجے میں نفرت کی شدید کھولن تھی۔ ''تمہارے گناہوں کی پوٹلی بہت وزنی ہوگئی ہے۔ اپنے آخری سفر کی تیاری کرلو اب تمہیں بھی وہی کرب محسوس کرنا ہوگا۔ سنا تم نے! تمہارا آخری وقت آگیا ہے۔'' اس نے جھٹکے سے اخبار ایک طرف پھینک دیا۔ تپش اور نفرت اب بھی کسی طور کم ہونے میں نہ آئی تو طیش اور کھولن میں خبر کے 'ماخذ' پر تھوک دیا۔

☆☆☆

شہلا رضوی آج بے پناہ خوش اور سرشار تھی۔

اپنی اسٹڈی ٹیبل پر دو انگلیوں سے طبلہ بجاتے ہوئے وہ سامنے دھرے اخبار کو دیکھ کر مسرت سے نہال ہو رہی تھی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں کسی اہم کامیابی کا سُرور چھلکتا دکھائی دیتا تھا۔ اخبار سے نظریں ہٹاتے ہی ایک خیال نے اس کے ذہن کے دریچوں پر دستک دی۔

''اس کامیابی کی خبر سوشل میڈیا پر بھی کہیں نہ کہیں موجود ہوگی۔'' اپنی کسی کامیابی کو نئے الفاظ، نئے ناموں اور نئے تجزیوں اور مختلف زاویوں سے دیکھنا انسانی مزاج کو یوں بھی بہت بھاتا ہے۔ شہلا نے بھی میز پر رکھا اپنا فون اٹھایا اور نزاکت سے اسکرین پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس کی انگلیوں کی گردش لمحاتی طور پر چہاں بھی تھمتی، آنکھوں میں سُرور کی کیفیت دو آتشہ سی ہونے لگتی۔

''ویلڈن شہلا رضوی! تم نے تو واقعی 'دنیائے خبر' میں تہلکہ مچا دیا ہے۔'' اس نے آنکھیں میچ کر چٹخارا لیا۔ اس کیفیت کا خاتمہ دوسرے موبائل پر آنے والی کال سے ہوا۔

''آہاہ! جہانگیر پراچہ کالنگ۔ آج کے دن کی پانچویں کال..... چلو اس بار فون اٹھا ہی لیتی ہوں ڈیئر!..... تمہاری اس طلبی، بے چینی اور اضطراب کا میں نے کتنا انتظار کیا ہے۔ آج کا دن تو میرے لیے خوش خبریوں کی بہار لے کر آیا ہے۔'' اس نے اسکرین پر جگمگاتے نمبر پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے فون اٹھا لیا۔

''کیسے ہو سوئٹ ہارٹ؟ میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔'' اس کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔ وہ اپنی وارفتگی سے مقابل کو خود سپردگی کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

''آج تو بہت چہک رہی ہو۔'' جہانگیر کی گمبھیر آواز ابھری۔

''خبر ہی ایسی ہے کہ تم بھی یقیناً خوشی سے نہال ہو جاؤ گے۔'' وہ پُرجوش تھی۔

''ہاں! اخبار اور سوشل میڈیا فورمز تو میں نے بھی دیکھ لیے ہیں لیکن ابھی ہمارے سامنے ایک طویل سفر باقی ہے۔ سو ابھی سے اتنی ایکسائٹمنٹ کیوں؟'' وہ متوازن لہجے میں متانت سے کہنے لگا۔

''ڈونٹ بی سلی! ہم دونوں نے اس پراجیکٹ پر اتنی محنت کی ہے۔ اس کامیابی کے لیے سیلی بریشن تو بنتی ہے۔'' شہلا اسے کسی بھی طرح اپنے خول سے نکالنا چاہتی تھی۔ جہانگیر سے اس کی واقفیت کچھ عرصہ قبل ہی ہوئی تھی۔ اس کی شخصیت کا کھردرا پن اور دبنگ انداز خواتین کو بہت جلد اس کا اسیر کر دیا کرتا تھا۔ اس کی آواز اور لہجہ بھی ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ شہلا رضوی تو یوں بھی خاصی دل پھینک اور فلرٹ واقع ہوئی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس قلعے کو تسخیر کرنا چاہتی تھی۔

''او کے! تو میرے دفتر چلی آؤ؟ مجھے کچھ پوائنٹس بھی ڈسکس کرنے ہیں تم سے۔'' اس کی توجیہہ پر شہلا منہ بنا کر رہ گئی لیکن وہ ہار نہیں ماننا چاہتی تھی۔

''آج دفتر کے بجائے گھر میں ملتے ہیں۔ تم ایسا کرو میرے گھر چلے آؤ۔ مجھے بھی کچھ فائلز ڈسکس کرنی ہیں۔'' اس کی تجویز پر جہانگیر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا۔ وہ اس کے پس پردہ مقاصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''نائٹ ایٹ آل! مجھے ابھی دو ضروری میٹنگز میں شرکت کرنی ہے۔ تم دو گھنٹے تک یہیں چلی آؤ۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا اور الوداعی کلمات کے بعد فون بند کر دیا۔

''تمہارا یہی گریز مجھے ضد میں مبتلا کر رہا ہے! لیکن آج میں تمہیں اپنے قدموں میں جھکا کر ہی رہوں گی۔ میں تمہیں مجبور کر دوں گی کہ تم مجھے حاصل کرنے کے لیے تڑپ اٹھو۔'' اس نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے ہونٹ کچلے۔ اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی اور عرفان اجازت طلب کر کے اندر چلا آیا۔

''میڈم جی! میری گھر والی نے تین بجے کی ٹرین سے یہاں آنا ہے۔ میں اس کو لینے جانا چاہتا ہوں۔''

''واٹ ربش! کیا تم بھول گئے ہو کہ میرے پاس

نوکری کی پہلی شرط یہی ہوتی ہے کہ بیوی بچوں کو یہاں نہیں لایا جائے گا۔'' وہ چلائی۔ اپنی پیشکش مسترد ہونے کے بعد جہانگیر پر آنے والا غصہ وہ کسی ملازم پر ہی نکال سکتی تھی۔

''میڈم جی! ڈاکٹر کو چیک کروانا ہے اسے۔ اللہ پاک نے شادی کے اتنے سال بعد بھی اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ہوا ہے۔'' وہ آزردہ ہوا۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن دو دن میں اسے یہاں سے چلتا کر دینا۔'' وہ نخوت سے بولی اور اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔

شہلا رضوی چند لمحوں تک وہیں بیٹھی اپنا ذہن پُرسکون کرتی رہی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد ملحقہ کمرے میں جا کر اپنی وارڈروب کھول کر مختلف ملبوسات کو ناقدانہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کے پاس مشرقی و مغربی ملبوسات کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔

''اونہوں! آج مغربی انداز سے کام نہیں چلے گا۔ جہانگیر کو مشرقیت سے گھائل کرنا ہوگا۔'' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے سرخ اور سیاہ امتزاج کی 'سلیولیس' اور 'بیک لیس' ساڑی نکال کر بستر پر رکھ دی۔ جیولری اور کاسمیٹکس بھی نکال کر ایک جانب رکھتے ہوئے وہ باتھ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

عرفان خان اپنا کوارٹر بند کر کے عجلت میں روانہ ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔

اس نے اپنی مخصوص وردی بدلنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ اس کی بیوی آبائی گھر میں ہی رہتی تھی۔ آج اسے ڈاکٹر کو چیک اپ کروانے کے لیے آنا تھا۔ شہلا رضوی کو اپنے گھر میں زیادہ شور شرابا اور بھیڑ بھاڑ پسند نہیں تھی اس لیے ایک جز وقتی ملازمہ کے علاوہ عرفان ہی مستقل ملازم تھا۔ وہ بیک وقت گارڈ اور بیرونی کاموں کے لیے ملازم کے فرائض سرانجام دیا کرتا تھا۔ مہینے میں دو دن گھر جانے کی سہولت میسر تھی۔ اس دوران ملازمہ کو یہاں کل وقتی قیام اختیار کرنا پڑتا تھا۔ شہلا انہیں بہترین تنخواہ دیتی تھی لیکن اس کا رویہ برداشت کرنا بہت دل گردے کا کام تھا۔

''نہایت ہی کھڑوس عورت ہے..... خدا جانے کس بات کا انتقام لیتی ہے ہم سے۔'' اس نے والٹ جیب میں رکھتے ہوئے سوچا۔ بیرونی دروازے تک پہنچتے ہی اس کی سماعت میں پڑنے والی ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

''کر بھلا..... ہو بھلا.....''

''اللہ بھلا کرے۔'' عرفان نے جان چھڑاتے ہوئے نکلنا چاہا۔

''اللہ تیری ہر مراد پوری کرے..... تیرے بچے جیون..... تجھے گھر کا سکون ملے۔'' ان الفاظ میں جانے کیا گداز تھا کہ عرفان کو پیشہ درانہ تربیت کے اصول بھولتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اس نے بے اختیاری کے عالم میں اوپری جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا اور چند گم مالیت کے نوٹ نکال کر اسے تھمانے چاہے۔

''یہ کیا کرتا ہے مورکھ؟ میں نے تجھ سے یہ کب مانگے؟'' اس نے بدک کر کہا۔ ناگواری اور غصہ اس کے وجود کو ڈھانپ چکے تھے۔ ''پیسہ دے کر کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟ ارے یہ تو مایہ ہے..... مایہ ہے..... سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے۔''

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' عرفان ایک عجیب سا نفسیاتی دباؤ محسوس کر رہا تھا۔

''اللہ والوں کی مدد کر مورکھ! اللہ تیری سب سے بڑی مشکل آسان کرے گا۔'' اس کی بات سنتے ہی عرفان کا تذبذب مکمل طور پر ختم ہوگیا۔ وہ اس کے خشک پپڑی زدہ ہونٹ اور آنکھوں تلے حلقے دیکھ کر مطمئن نظر بھانپ گیا۔

''آپ یہاں تشریف رکھیں..... میں کھانے پینے کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں..... میرے لیے دعا کیجیے بس! اللہ پاک اولاد عطا فرما دے۔ میں اپنی گھر والی کو اسٹیشن سے لینے جا رہا تھا۔ ہم دونوں ہی اولاد کے لیے بہت ترسے ہوئے ہیں۔'' عرفان کی التجا پر اس نے موٹے منکوں والی ایک تسبیح نکالی اور منہ میں بدبداتے ہوئے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ عرفان عقیدت سے اس کے قدموں تلے بچھا جا رہا تھا۔ وہ اسے لان میں موجود ایک سنگی بینچ پر بٹھا کر اپنے کوارٹر کی طرف کھانے پینے کا سامان لینے چل دیا۔

عرفان کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے اپنا چوغہ نما لباس مخصوص جگہ سے تھپتھپا کر 'ہتھیاروں' کی موجودگی محسوس کی اور اپنی جھومتی کیفیت کو خیر باد کہہ کر عقابی نگاہوں سے چاروں سمت کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ٹی وی لاؤنج کے دروازے پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک لہرا گئی۔ دبے قدموں سے لاؤنج کا رخ کرتے ہوئے اس کے انداز میں بلا کی سرشاری اور خود اعتمادی تھی۔ اس نے اندر قدم رکھتے ہی محتاط انداز میں بیرونی سمت کا جائزہ لیا اور لاؤنج کا دروازہ بند کر دیا۔ اگلے ہی پل عرفان ایک ٹرے میں کھانا اور شربت سے بھرا جگ لیے لان میں چلا

PakiBooks.Site

آیا اور اسے غائب پا کر بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔ اس کی توہم پرست طبیعت فوری طور پر تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''ابھی تو میں نے خصوصی طور پر دعا اور پھر تعویذ بھی لکھوانا تھا۔'' اس کے ذہن میں مایوسانہ سوچ ابھری۔ ڈھیلے قدموں سے برتن اندر رکھ کر آنے کے بعد وہ دوبارہ لان میں آیا ہی تھا کہ ایک منظر نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

☆☆☆

ٹی وی لاؤنج میں آتے ہی اس کے اعصاب میں شدید تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

اس گھر میں آمد اور شہلا رضوی کو کسی دردناک انجام سے دوچار کرنے کی خواہش میں اس نے اپنے تخیل میں ان گنت مناظر تراشے تھے۔ ہر منظر ہی پہلے سے بھرپور اور مکمل ہوا کرتا لیکن کچھ روز بعد اسے سابقہ حکمتِ عملی میں کوئی معمولی سا سقم بھی محسوس ہوتا تو اس کے متبادل منصوبہ بندی بنانے میں بالکل بھی تاخیر نہ ہوتی۔ انہی ذہنی بھول بھلیوں میں اس نے اب تک جانے کتنی بار شہلا کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔

شہلا رضوی بستر پر اپنے خون میں لت پت لیٹی ہوتی...... اپنے کسی دفتر کی سیڑھیوں سے اس کا دھکا کھانے کے بعد گردن کا منکا ٹوٹ جانے کے بعد آڑھی ترچھی پڑی شہلا کی تصوراتی دید نے بھی اسے بہت عرصہ تک ایک لذت آمیز سنسنی میں مبتلا رکھا تھا۔ اس منظر میں خلل اس وقت پڑا جب لاشعور نے دفتری عمارت میں کام کرنے والے دیگر افراد کی یکایک آمد اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہی قاتل کی شناخت کر لینے کی جھلک دکھائی۔

کار حادثہ میں اسے کچل دینے کا تصور بھی ایک مدت تک ذہن میں کلبلاتا رہا تھا۔ بارش سے بھیگی سڑک پر اسے شہلا رضوی کسی نہ کسی 'بوائے فرینڈ' کے ساتھ ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھامے اپنی گاڑی کی جانب جاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس کی گاڑی شہلا کو ٹکر مارتی تو اس کے ہاتھوں سے شاپنگ کا سارا سامان اچھل کر ایک جانب گر جاتا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و خوف کے رنگ اترتے اور پھر وہ اپنے دوست کے ساتھ بھرپور ٹکر سے ایک جانب گر کر لہولہان ہو جاتی۔ اسی لمحہ راہگیر وہاں مجمع بنا لیتے اور اسے مجبوراً فرار ہونا پڑتا۔ یہی وہ نکتہ ہوتا تھا جہاں اس کی تخیلاتی پرواز بے چینی اور سست روی کا شکار ہو جاتی۔ اسے شہلا کو قتل کرنا تھا...... یہ تو طے شدہ امر تھا لیکن اس قتل سے لمحہ لمحہ لطف کشید کرنے کی خواہش نے ہی اس عمل کو وقوع پذیر ہونے سے روک رکھا تھا۔ اسے نہایت سکون سے شہلا رضوی کو موت کی وادی میں قدم رکھتے دیکھنا تھا۔ بوقتِ مرگ اس کی آنکھوں اور چہرے کی جوت بجھنے کے تمام مراحل اپنی روح میں سمونے تھے...... اور آج بالآخر یہ لمحہ اسے نصیب ہو ہی گیا تھا۔

لاؤنج عبور کرتے ہوئے یہ تمام خیالات اس کے وجود کی سنسنی کو دوآتشہ کر چکے تھے۔ اس نے بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے اپنی انگلیاں چٹخائیں اور چوغے کے نیچے اپنے ہتھیار کی موجودگی سے تقویت حاصل کرتے ہوئے شہلا کے کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ اس گھر کا جغرافیہ اس کے لیے نامانوس نہیں تھا۔ یہاں کا چپا چپا اسے آج بھی اپنے ہاتھ کی لکیروں کے مانند ازبر تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنے تنے ہوئے عضلات پُرسکون کرنے میں چند لمحے بتا دیے۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سختی تھی۔ جبڑے شدت سے بھنچ چکے تھے۔ انگلیوں میں اینٹھن کی لہر اب ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔ آنکھوں سے پھوٹتی چنگاریوں کی حدت اسے اپنے جسم میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ چہرہ کوئی دیکھ لیتا تو خوف و دہشت سے منجمد رہ جاتا۔ وہاں مختلف رنگوں کا ایک ہی عکس تھا...... نفرت...طیش...انتقام...... قہر۔

اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن ایک آواز نے اس ارادے پر عمل سے فوری طور پر روک دیا۔

☆☆☆

عرفان کی نظر لان کے بینچ پر رکھی تسبیح پر تھی۔ اس کی مایوسی اور بے چینی ایک ہی پل میں دور ہو گئی۔

''لے بھئی! آج تو تیرا ہر کام سیدھا ہو گا۔ بزرگوں کی عنایت ہو گئی ہے تجھ پہ...... بزرگوں نے یہ 'تبرک' تیرے لیے ہی یہاں چھوڑا ہے۔'' اس نے جھپٹ کر لکڑی سے بنی وہ بھاری بھرکم تسبیح عقیدت سے تھام کر اپنے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگائی اور پتلون کی جیب میں رکھ لی۔

''سکینہ کو کہوں گا اس کے ساتھ پانی کی کسی بوتل کو بھی تبرک بنا لے اور پھر وہ پانی کھانا پکانے میں بھی تھوڑا تھوڑا استعمال کیا کرے۔ جب ختم ہونے لگے تو مزید بھر لے بوتل...... تبرک کا اثر ختم تھوڑے ہی ہو گا۔'' اس نے گیٹ سے باہر جاتے ہوئے سوچا۔

سکینہ کی ٹرین کا وقت بھی ہو چکا تھا۔ اب مزید تاخیر مناسب نہیں تھی۔ وہ مرکزی دروازہ بند کرتے ہوئے رکشے یا ٹیکسی کی تلاش میں نظر دوڑانے لگا۔

☆☆☆

کپڑے، جیولری اور کاسمیٹکس کا سامان الگ کرتے ہوئے شہلا رضوی بے حد سرشار تھی۔ اسی وقت موبائل کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔ اسکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھ کر اس کی نظروں میں ہزاروں جگنو چمک اٹھے۔

''آج میں تمہیں بہت شدت سے یاد کر رہی تھی۔ اگر تم خود فون نہ کرتے تو میں خود ہی کوئی نہ کوئی رابطہ کر لیتی۔'' وہ جوش اور مسرت میں ایک جگہ بیٹھنے کے بجائے قالین پر ہی ٹہلنے لگی تھی۔

''میں کچھ دنوں کے لیے پاکستان آرہا ہوں۔'' ایک مسکراتی ہوئی آواز اس کی سماعت میں پڑی۔

''سچ بتاؤ! کیا واقعی یہاں آرہے ہو؟ او مائی گاڈ! میں تو اس گھڑی کا جانے کب سے انتظار کر رہی ہوں...... بلکہ اگلے ہفتے کی ٹکٹ بھی کنفرم کروانے لگی تھی کہ خود ہی تمہارے پاس ایک چکر لگا آؤں۔'' شہلا کو اندازہ ہی نہ تھا کہ جوش اور بے دھیانی میں بلند ہوتی اس کی آواز کمرے کے باہر کھڑے 'قاصدِ موت' کو کس قدر طیش میں مبتلا کر رہی ہے۔

''آپ کے آنے کی ضرورت نہیں! میں کل صبح کی فلائٹ سے آپ کے پاس موجود ہوں گا۔''

''وٹس گریٹ! میں تمہیں ریسیو کرنے خود ائرپورٹ آؤں گی۔'' اس نے فون کے اسپیکر کو بوسہ دے کر الوداعی کلمات کے بعد رابطہ منقطع کیا اور مگن انداز میں گنگناتی ہوئی اٹیچڈ باتھ میں داخل ہوئی تو اپنے عقب میں دروازہ کھلنے اور پُرتپش نگاہوں کی چنگاریوں سے آگاہ نہ ہو سکی۔

☆☆☆

اس کی نظریں کمرے کے چاروں اطراف میں گردش کر رہی تھیں۔ ڈبل بیڈ پر بچھی گلابی چادر شفاف اور سلوٹوں سے مبرا تھی۔ بیڈ کے چوبی کناروں پر منقش لکڑی گرد و غبار سے بالکل صاف تھی۔

''لگتا ہے ملازمہ صفائی ستھرائی کا کام مکمل کر گئی ہے۔ اس لیے شکار کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا مزہ بھی خوب آئے گا۔'' اس نے گردن کھجاتے ہوئے سوچا۔ اس کے طیش کو فوری اخراج کا کوئی رستہ درکار تھا۔ بے ترتیب تنفس کو سنبھالتے ہوئے اس نے بستر پر پڑے کپڑے اٹھا کر ایک جانب پھینکے اور چادر کا گولا بنا کر دوسری جانب لڑھکا دیا۔ سنگھار میز پر رکھی سرخ رنگ کی لپ اسٹک تھام کر اس نے شیشے کے اوپری جانب جلی حروف میں ایک فقرہ لکھ دیا۔

جناب! میں یتیموں اور بیواؤں کے لیے چندہ جمع کر رہا ہوں...... آپ کچھ عطا کرنا چاہیں گے یا میں ابھی آپ کی اہلیہ کو مستحقین میں شامل کر دوں۔

''ہمم...... پرفیکٹ۔'' اس نے ناقدانہ نظروں سے اپنے پیدا شدہ 'بگاڑ' کو دیکھ کر کہا لیکن دل و دماغ اب بھی قابو میں نہیں آرہے تھے۔ اس نے بے اختیار ہو کر دونوں ہاتھوں سے چوغہ اٹھایا اور شہلا رضوی کی برانڈڈ ساڑی کو بدبودار سیال میں بھگو دیا۔ اس عمل سے بے حد اطمینان محسوس کرتے ہوئے اس نے بستر کی پشت سے کمر ٹکالی۔ سماعت میں شہلا کی ہلکی سی گنگناہٹ گونج رہی تھی۔ اس کی آواز کا لوچ اور ترنگ بہت متاثر کن تھا۔

''گنگنا لے تجھے جتنا گنگنانا ہے...... ابھی تیری آواز ہی نابود ہو جائے گی۔'' اس نے اپنی اینٹھتی انگلیوں کو دبایا۔ باتھ روم سے شاور کی آواز بند ہوتے ہی اس کے عضلات تن گئے۔ شکار اب 'شکاری' کے سامنے کسی بھی لمحے آسکتا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے خود کو الماری کے پیچھے چھپا لیا۔

باتھنگ گاؤن میں ملبوس شہلا نے باتھ روم کا دروازہ کھولا اور دائیں جانب رکھی سنگھار میز کا رخ کر لیا۔ غالباً وہ ہاتھوں اور پاؤں پر کوئی لوشن استعمال کرنا چاہتی تھی۔ شیشے پر لکھی عبارت فی الحال اس کی نظروں سے اوجھل ہی تھی۔

''ہیلو ڈیئر لیڈی!'' اس نے الماری کی آڑ سے نکل کر

شہلا کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھا۔ اس کا حلیہ اور انداز دیکھ کر وہ بری طرح بدک گئی تھی تاہم حسب معمول خود کو ناقابلِ یقین رفتار سے پُرسکون کرلیا۔

''کک...... کون ہو تم؟'' وہ پلٹی اور تڑخ کر بولی۔

''پہچان سکتی ہو تو پہچان لو!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''نکلو یہاں سے...... ورنہ میرے گارڈز تمہیں بھون کر رکھ دیں گے۔'' وہ انگلی اٹھائے اسے دھمکانے لگی۔

''کون سے گارڈز؟ وہ احمق جو میرے اس سوانگ سے متاثر ہو کر خود مجھے اندر لایا ہے اور اب اپنی زنانی کو لینے اسٹیشن روانہ ہو چکا ہوگا۔'' اس کی آواز میں نفرت اور سرد مہری محسوس کر کے شہلا کو صورتِ حال کی سنگینی ہولانے لگی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ وا کیے ہی تھے کہ مقابل کے اگلے فقرے نے اس کے حواس باختہ کردیے۔

''میری شناخت پوچھنے کے بعد تمہارا اگلا سوال یقیناً یہی ہوگا کہ میری یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟'' اس نے ایک سیاہ پستول چوغہ سے برآمد کیا اور نال کا رخ آئینے کی جانب کرتے ہوئے سلسلہ کلام پھر سے جوڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے علم تھا کہ تم ایسا ہی کوئی سوال کروگی اس لیے جواب پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔'' شہلا نے پستول کی نال کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں تو خوف کی ایک شدید لہر اس کے بدن میں سرایت کرگئی۔

''کچھ گناہوں کا کفارہ زندگی ادا کرتی ہے۔''

شہلا نے اپنے خشک پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کک...... کون ہو...... تت...... تم...... آخر؟''

''پھر وہی بیکار سوال...... میرے ہاتھ میں ہتھیار ہے...... نشانہ تم ہو...... کمرا بند ہے...... گھر بالکل خالی ہے...... تو اس کا مطلب یہی ہوا ناں کہ میں تمہاری موت ہوں۔''

''میں نے کیا بگاڑا ہے آخر تمہارا؟'' شہلا کا ذہن تیزی سے بچاؤ کی تدابیر سوچ رہا تھا۔

''ایک اور بیکار سوال...... لیکن قصور تمہارا بھی نہیں۔ تم جیسے لوگوں کا یہی تو کمال ہوتا ہے کہ ان کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے۔ وہ اپنی وجہ سے برباد ہوئی زندگیوں کا شمار ہی بھول جایا کرتے ہیں...... اور تم جیسی حرافہ کو تو ویسے ہی اپنے نت نئے معاشقوں میں اُلجھ کر ایسے معاملات کہاں یاد رہتے ہوں گے؟'' اس کی سفاک اور زہریلی آواز سن کر شہلا کی آنکھیں خوف اور وحشت سے بند ہونے لگیں۔

''ارے بھئی! تم تو بہت ہی کمزور نکلیں۔ اس طرح تو مقابلے کا مزہ ہی نہیں آئے گا۔'' اس نے تاسف سے سر ہلایا۔ شہلا اب سپید پڑتی رنگت کے ساتھ قالین پر ہی لڑھک گئی تھی۔ اس کے سانسوں کا زیر و بم بھی مدھم ہونے لگا۔

''تیری اس بے ہوشی کا خاتمہ بھی ابھی ہو جائے گا۔''

اس نے دانت پیستے ہوئے پانی کے جگ کی تلاش میں نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں۔ شہلا کے لیے یہ لمحاتی مہلت کافی تھی۔ وہ دانستہ طور پر حملہ آور کو یہ تاثر دے رہی تھی کہ بزدلی اور دہشت نے اس کے اعصاب مکمل طور پر مفلوج کر دیے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ ابتدائی جھٹکے کے بعد اس نے اندرونی طور پر اپنی کیفیت سنبھال لی تھی اور وحشت ناکی کی آڑ میں اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اپنے سامنے موجود ایک 'یقینی موت' دیکھ کر دفاع اور بچاؤ کی جبلی قوتیں قدرے تاخیر سے سہی لیکن مکمل بیدار ہو چکی تھیں۔ شہلا کے دائیں ہاتھ پر موجود شیشے کی تپائی پر ایک آرائشی کپ موجود تھا جس پر اس کی تصویر پرنٹ شدہ حالت میں کندہ تھی۔ اس نے سرعت سے وہ کپ اٹھایا اور پوری قوت سے اس کے ہاتھ کا نشانہ لے کر اچھال دیا۔ مقابل نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے تیزی سے ایک جانب جست لگا کر وار بچالیا۔

''تیری......'' اس کی زبان سے بے اختیار ایک فحش گالی برآمد ہوئی۔ شہلا کسی بھی طرح اپنے موبائل فون تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھی جسے وہ اسٹڈی سے آتے ہوئے اسی کمرے میں لائی تھی لیکن اب اس کی ایک نہ چل رہی تھی۔ شہلا کی ٹانگ مکمل طور پر اس کے شکنجے میں تھی۔ اس کے گیلے بال تولیے کی گرفت سے آزاد ہو کر بُری طرح اُلجھ اور بکھر چکے تھے۔ گاؤن کھل چکا تھا لیکن اسے زندگی سے زیادہ کسی بھی چیز کی پروا کہاں تھی؟ اس نے اپنی پوری قوت لگا کر دائیں ایڑی گھما کر حملہ آور کی پیشانی اور آنکھوں میں رسید کی اور ایک بار پھر دروازے کی طرف گھسٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

''بس۔ بہت ہوگئی تیری یہ اچھل کود! اب خاموشی سے سیدھی طرح کھڑی ہو جا...... ورنہ......'' اس نے چوغہ سے ایک اور پستول برآمد کیا اور شہلا کی پنڈلیوں کو مسلسل ضربات کے نشانے پر رکھ لیا۔

''اوکے! میں تمہاری ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں...... مجھ پر یہ ٹارچر مت کرو پلیز......'' وہ بلبلا اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں لپکتے شراروں سے شہلا کو اپنا بدن جھلستا

محسوس ہو رہا تھا۔ موت اس سے دو قدم کے فاصلے پر تھی۔ سیاہ پستول کی نال کی دید ایک پل میں دل کی دھڑکنیں معدوم کرتی تو دوسرے ہی لمحے زندگی کی رعنائیوں کا تصور شکست تسلیم کرنے کے لیے انکاری ہونے لگتا۔

وہ بستر پر بائیں ہاتھ کا سہارا لے کر ڈگمگاتی ہوئی اٹھی اور دوسرے ہی پل پوری قوت سے اس کی طرف جھپٹ کر کلائی پر اپنے دانت گاڑ دیے۔ اس کے حلق سے غراہٹ نکلی اور پستول پر گرفت بھی قدرے ڈھیلی ہوگئی۔ شہلا نے ہاتھ مار کر پستول نیچے گرایا اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خطرے کے دائرہ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے پہلے تو قالین پر گرا وہ پستول ٹھوکر سے صوفے کے نیچے لڑھکایا اور اسی کے ساتھ ایک تپائی کو الٹا کر دروازے کی جانب دوڑ لگا دی۔ کامیابی اور زندگی صرف چند قدموں کے فاصلے پر تھی۔ متوقع رہائی اور زندگی بچانے کے جوش میں وہ بائیں سمت سے پیدا ہونے والی سرسراہٹ محسوس ہی نہ کرسکی۔ گردن میں تیز چبھن کا احساس ہوتے ہی شہلا کو یقین ہوگیا کہ اس نے یہ بازی ہار دی ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی، ناامیدی اور شکست کے آنسو بھر آئے۔

''کیوں؟ حیران ہوگئی ناں؟ کیا مجھے اتنا ہی غافل سمجھ رکھا تھا؟ تمہیں کیا لگا تھا کہ تم جیسی شاطر عورت کے لیے میں نے اپنے پاس صرف ایک ہی ہتھیار رکھا ہوگا۔ یہ دہری، تہری چالیں چلنا اور آستین کے خنجر سے وار کرنا میں نے تمہی سے سیکھا ہے۔'' اس نے شہلا کے قریب آتے ہوئے گردن سے خنجر کھینچ کر نکالا اور اسے چت لٹا دیا۔ اس کی گردن سے خون ابل کر قالین میں جذب ہو رہا تھا۔ قاتل کا چہرہ اب شہلا کے بالکل پاس تھا۔ اس کی تجربہ کار نگاہیں محسوس کر چکی تھیں کہ حملہ آور کے چہرے کی سیاہی اور جھریاں کسی ماسک کی بدولت ہیں۔ یہ نقوش، انداز اور لب و لہجہ اس کے لیے ناشناسا نہیں رہے تھے۔ ماضی کے جھروکوں سے ایک چہرہ جھانکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ شہلا نے لہو اگلتی گردن پر ہاتھ رکھا اور خرخراتی آواز میں بولی۔

''مم...... میں...... نن...... نے...... پپ...... پہچان لیا ہے۔ تت...... تمہیں۔''

''ارے واہ! بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔'' اس نے اپنا چوغہ سنبھالتے ہوئے بڑے اطمینان سے شہلا کے قریب جگہ سنبھال لی۔

''تت...تم...بب...بالی...... ہو...ناں!'' اس کے حلق سے یہ الفاظ برآمد ہوتے ہی خنجر کی تیز...... دھار سینے میں پیوست ہوئی اور ایک ہی جھٹکے سے زندگی کی ڈور سے رابطہ منقطع کردیا۔

''ہاں! میں بالی ہوں...... وہی بالی جس کی زندگی تو نے بڑے اہتمام سے اجاڑی تھی۔'' اس کے ہاتھ اب کسی مشین کی طرح چل رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں شہلا کا باتھ گاؤن چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے جسم پر خنجر زنی کرنے کے بعد بالی نے ناقدانہ انداز میں لاش کا جائزہ لیا اور پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''اب بھی کوئی کمی سی لگ رہی ہے۔ کیا کرنا چاہیے اب؟ اس نے پیشانی مسلی اور کسی نئے خیال کی آمد سے بے ساختہ تالی بجا کر کہا۔

''آہاہ! یہ ہوئی ناں بات! پرفیکٹ آئیڈیا۔'' چوغے کی آستینیں چڑھاتے ہوئے اس نے ذہن میں پنپنے والے خیال پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''آج میرے خواب کی حسین ترین تعبیر پانے کا دن ہے، تو بھی کیا یاد کرے گی شہلا رضوی! میں نے تجھے ایسی شاندار اور یادگار موت دی ہے کہ لوگ کبھی بھول ہی نہ سکیں گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے آستینیں اچھی طرح بلند کیں اور اپنے منصوبے پر عمل کا آغاز کردیا۔

اس کے بعد اسے کمرے کو اپنی اصل حالت میں واپس بھی لانا تھا۔ رشتوں، کردار اور فطرت میں نہایت اُلجھی ہوئی شہلا رضوی کو اپنے گھر میں صفائی ستھرائی اور ترتیب سلامت رکھنے کا فوبیا اسے ہرگز نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

اس چھوٹے سے پولیس اسٹیشن کا منظر بالکل روایتی تھا۔

انسپکٹر عامر اپنی دونوں ٹانگیں میز پر پسارے کرسی کی پشت سے کمر لگائے نیم دراز تھا۔ اس چھوٹے شہر میں لوگوں کی سوچ چوری چکاری اور بیکری نما اسٹورز پر لوٹ مار سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ دکاندار بھی اپنی جان بچانے کے لیے بلا چون و چرا...... رقم انہیں تھما دیتے اور عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیش وہاں کم ہی رکھتے۔ یہاں آخری بڑی واردات اکلوتے بینک میں ڈکیتی کی تھی جس میں مزاحمت پر گارڈ کی ہلاکت کے بعد اہلِ علاقہ میں خاصی سنسنی پیدا ہوگئی تھی۔

''آج تو میں بھی بہت تھک گیا ہوں۔ اس چھوٹے سے شہر میں اتنے بڑے جلسے کر کے کیوں ہماری اور اپنی

PakiBooks.Site

جان عذاب میں ڈالنے لگے ہیں یہ لوگ؟'' سب انسپکٹر سعد نے چائے کے کپ اور پیٹیز کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بے تکلفی اور بیزاری سے کہا۔ مختصر عرصے میں دو مختلف سیاسی پارٹیوں کے جلسوں نے انہیں خاصا مصروف رکھا تھا۔

''پبلسٹی کا دور ہے...... کامیابی کی دیوار تعمیر کرتے ہوئے وہ معمولی سا سوراخ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے۔'' عامر نے 'سڑرڑ' کی بھرپور آواز سے چائے کا بڑا سا گھونٹ لیا۔

وہ دونوں کچھ دیر تک یونہی بیٹھے سیاسی موضوعات، سیاستدانوں کی نجی و پیشہ ورانہ زندگی کے 'مسائل' کی بابت گفتگو کرتے ان کے مشہور مکالمے نقالی کے انداز میں دہرا کر ہنستے رہے۔ اس سرگرمی میں خلل اس وقت پڑا جب فون کی گھنٹی نے کرخت آواز میں ان کی سمع خراشی شروع کردی۔

''اوئے سعد! اٹھالے فون! پتا نہیں کون جلتے توے پر بیٹھا ہوا ہے۔'' انسپکٹر عامر بے زاری سے بولا۔

''ہیلو! کیہڑا (کون) اے بھئی!'' سعد نے بھی اس کے مزاج سے شہ پاتے ہوئے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

''میں عرفان خان بات کر رہا ہوں جی!'' ایک سراسیمہ آواز آئی۔

''ہاں بھئی عرفان خان! سنا؟ کیسا ہے تو؟ بیماری سے اٹھ گیا کیا؟'' سعد نے تمسخرانہ انداز میں ہمسایہ ملک کے ایک کینسر سے شفایاب ہونے والے اداکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھونڈے انداز میں کہا۔

''جی؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' دوسری جانب بوکھلاہٹ کا شکار عرفان مزید ہڑبڑاہٹ میں مبتلا ہوگیا۔

''اوئے مامے! سیدھی طرح بتا کہ تیری پوشل پہ کیا بیر آیا ہے جو یوں پولیس اسٹیشن فون کھڑکایا ہے۔ اپنا تعارف تو یوں کروا رہا ہے جیسے ہم نے تلاش رشتہ کا اشتہار دے رکھا تھا۔'' سعد کڑکا۔

''سر جی! یہاں ایک قتل ہوگیا ہے۔ میں میڈم شہلا رضوی کا چوکیدار ہوں جی! انہیں کسی نے بڑی بے رحمی سے مار ڈالا ہے۔''

''شہلا رضوی کا قتل؟؟'' سعد نے چونک کر کہا تو عامر نے اشارے سے فون خود تھام لیا اور اضطراب سے بولا۔

''کون شہلا رضوی؟ وہی جو پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل اور دو مہینے سے 'بیداری' میں کالم رائٹر ہے۔''

''ہاں جی! وہی۔'' عرفان نے مردنی سے جواب دیا۔

''او تیری خیر ہووے! یہ تو بڑی تھرتھلی مچ جانی ہے۔'' وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ ''اچھا! میری گل اب غور سے سن! ہمارے آنے تک یہ خبر کسی اور تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اگر ہم سے پہلے شہلا کے کوئی صحافی چاچے مامے وہاں نظر آئے تو میں نے سیدھی طرح تجھ پہ ہی دفعہ تین سو دو لگا دینی ہے...... سمجھا کہ نہیں؟''

''سمجھ گیا سر جی! میں نے اسی لیے سب سے پہلے تھانے فون کیا ہے۔''

''جیوندا رہ میرا پتر! اب خود بھی موقع 'واردات' پر مت جانا۔''

''او نہیں جی! میری توبہ جو میں دوبارہ اُدھر چلا گیا تو۔'' عرفان کی آواز کانپنے لگی تھی۔ ''آپ ایڈریس لکھ لو جی!''

''اوئے ایڈریس کے گھوڑے! تیری میڈم شہلا کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ ہمیں پتا ہے سب۔'' عامر نے تمسخرانہ کہا اور فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

''موبائل تیار کروالے سعد! یہ لمبا ہی رولا پڑ گیا ہے۔ ذرا بھی دیر کی تو بیداری کے صحافی جان کو آجائیں گے۔''

''اوکے سر!'' سعد نے سیلوٹ جھاڑا۔

☆☆☆

پولیس موبائل شہلا رضوی کی کوٹھی پر رکی تو عرفان باہر گیٹ پر ہی موجود تھا۔ اس کا چہرہ فق تھا۔ عامر نے اقبال کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور دیگر ساتھیوں کی معیت میں اندر بڑھ گیا۔ کمرے کی نشاندہی کے بعد عرفان باہر ہی کھڑا ہوگیا۔

اندر داخل ہوتے ہی ان تینوں کی حالت قابلِ دید تھی۔ بستر پر ریگزین کی پشت سے کمر ٹکائے شہلا کا مردہ وجود پڑا تھا۔ اس کا ادھڑا ہوا چہرہ لہولہان اور نہایت بھیانک دکھائی دے رہا تھا۔ گلابی باتھنگ گاؤن کے چیتھڑے نیلے پھولدار قالین پر جابجا بکھرے تھے۔ اس کے برہنہ وجود پر قاتل نے نہایت اہتمام سے خنجر زنی کی تھی۔

''اوئے اکرام! چادر لا کے ڈال کہیں سے اس کے اوپر۔'' عامر نے اس کے برہنہ بدن سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ بستر پر آرائشی انداز میں اس کے ہاتھوں کی انگلیاں پڑی تھیں۔

''یہ انگریزی فلموں کا شوقین قاتل کہاں سے آگیا بھئی اس شہر میں؟'' اس نے سر کھجایا۔

''سر جی! ادھر بھی دیکھیے ذرا۔'' سعد نے شیشے کی تپائی کی طرف اشارہ کیا جہاں پاؤں کی انگلیاں دو دائروں میں رکھی گئی تھیں۔

''بلے بھئی بلے! خوب فرصت میں واردات کی گئی ہے یہاں تو۔''

''لیکن سر! اس کے چہرے پر یہ 'پچ' کس نے کھود ڈالی ہے؟'' سعد نے اس کی گڑھوں پر مبنی آنکھیں، کٹے ہوئے ہونٹوں کے عقب سے جھانکتے دانتوں کے خوفناک و کریہہ منظر سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ اس کا مزاج یہاں آکر بیزار سا ہوگیا تھا۔

اس کی توجہ اب سنگھار میز کی طرف تھی جہاں لپ اسٹک سے لکھے گئے فقرے میں ایک سطر کا مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

''یہ عورت اس سے بھی بدتر انجام کی مستحق تھی۔''

''قاتل نہایت سفاک تھا سر جی! اس بے چاری کو ڈرانگ کیا ہوا ٹرک بنا دیا ہے اس نے۔'' اکرام جھرجھرایا۔

''ہاں! یہ مثال خوب دی تو نے۔ میں پچھلے دنوں لاہور گیا تھا۔ وہاں ایسے ہی نقش و نگار والا ٹرک نظر آیا تھا۔'' عامر نے سنجیدگی سے کہا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ دونوں ماتحت اہلکاروں نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اپنی ہنسی پر قابو پاکر اس نے آئینے کا بھرپور جائزہ لیا۔ نظریں بے دھیانی میں سنگھار میز کے سامان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً نگاہ سفید رنگ کی گول ڈبیا پر جا ٹھہری۔ یہ کسی مشہور کمپنی کے لینز کی ڈبی تھی جسے یقیناً شہلا اپنی آنکھوں کو مزید قاتل بنانے کے لیے استعمال کرتی ہوگی۔ عامر نے ذہن میں سرسراتے شبہے کی تصدیق کے لیے اسے احتیاط سے کھولا اور بے اختیار اچھل پڑا۔

''یہ لے سعد! آنکھیں تو مل گئیں اس کی۔'' اس نے پانی میں تیرتے ہوئے خون آلود ڈیلے اسے دکھائے اور پھر ایک فوری خیال کے تحت وہاں موجود لپ اسٹکس کھول کر دیکھنی شروع کردیں۔ اس کے اندازے کے عین مطابق دو لپ اسٹکس میں اسٹک کی جگہ شہلا کے ہونٹ موجود تھے۔

''ہائے او ربا! ایسی درندگی تو میں نے آج تک کسی کیس میں نہیں دیکھی۔'' سعد کو اپنی بصارت پر اب بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

ابا جی! میں آپ کی گاڑی کی چابی مانگنے نہیں، آپ کی سیکریٹری سے ذرا گپ شپ کرنے آیا ہوں۔

''لیکن میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔ اتنی سفاکی اور نفرت کے باوجود شہلا کو زیادتی کا نشانہ کیوں نہیں بنایا گیا؟'' عامر کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

''مجھے ایسا لگتا ہے سر کہ اسے صرف لہو و تشدد کے کھیل میں دلچسپی ہوگی۔ اس نے ٹیسٹ میچ جیسی اننگز کھیلنے کے بجائے ٹونٹی ٹونٹی میں سنچری مارنے کی کوشش کی ہے۔'' سعد نے تجزیہ کیا۔ عامر اب کمرے کا دیگر سامان کھنگالنے میں مصروف تھا۔ اسے ایک تپائی پر دو موبائل فون پڑے نظر آئے لیکن دونوں ہی 'مقفل' تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس بھی اتنی مہارت نہیں تھی کہ وہ فون غیر مقفل کر سکتے۔ اگلے دس منٹ میں انہیں یقین ہو چلا تھا کہ قاتل نے یہاں کسی قسم کا کوئی سراغ نہیں چھوڑا۔

''اوئے اکرام! اس چوکیدار سے کہہ کر چائے شائے کا بندوبست کروا۔ میرا تو اس بھاگ دوڑ سے سر ہی گھوم کر رہ گیا ہے اور اسے بیان ریکارڈ کرنے کے لیے بھی بلوا لے۔'' عامر نے بیزاری سے کہا۔

عرفان نے ان افسران کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے بادلِ ناخواستہ سکینہ کو کچن میں بھیج دیا۔ اسٹیشن سے واپسی پر وہ ایک مستند ڈاکٹر سے ملاقات کے بعد 'خوشخبری' لیے لوٹا تھا لیکن یہاں آمد کے ساتھ ہی ایک نئی افتاد نے اس کے حواس باختہ کردیے۔ پولیس اہلکاروں کی بے نیازی اور

غیر ذمے دارانہ رویہ دیکھ کر وہ متواتر کلس رہا تھا۔

''اس گھر میں اور کتنے ملازم ہیں؟'' عامر نے چائے کا کپ تھام کر سگریٹ سلگا لیا۔

''صرف میں ہوں جی! اور ایک ملازمہ آ کر صفائی کر جاتی ہے۔ میڈم کو زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں تھی۔'' عرفان نے سادگی سے جواب دیا۔ اس نے دو سال قبل ہی یہاں ملازمت اختیار کی تھی۔ اس کے ایک چچا کو حج بیت اللہ کی زیارت نصیب ہوئی تو وہ اسے اپنے متبادل کے طور پر بھرتی کروا گیا تھا تاہم دورانِ حج خیموں میں آتشزدگی کے باعث وہ جانبر نہ ہو سکا اور شہلا نے اسے مستقل ملازم کا درجہ دے دیا۔

اگلے پندرہ منٹ عامر اس سے مختلف زاویوں سے سوالات کرتا رہا لیکن شہلا کی انتہائی ذاتی زندگی کے متعلق کوئی معلومات نہ مل سکیں۔ عرفان محض اتنا جانتا تھا کہ اس کا ایک بھائی زین کسی خلیجی ریاست میں قیام پذیر تھا۔

''تیری میڈم نے گھر میں کوئی کیمرا نہیں لگوایا تھا کیا؟'' عامر کو یکدم خیال آیا۔

''گیٹ پر موجود ہے جی کیمرا..... لیکن دو روز پہلے آندھی اور بارش سے جو بجلی کا بریک ڈاؤن ہوا تھا، اس میں علاقے والوں کی کافی چیزیں خراب ہو گئی تھیں۔ میڈم کا فریج اور کیمرا بھی اسی روز سے خراب پڑا ہے۔''

''تیرے جانے سے پہلے کوئی مہمان شہمان تو نہیں آیا تھا؟''

''نہیں ڈپٹی صاحب! میڈم تو شاید خود کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔'' عرفان نے دانستہ طور پر اس کے عہدے میں برتری سے مخاطب کیا۔

''اوئے بالے! اندر کمرے سے مقتولہ کا لیپ ٹاپ بھی اٹھا لا۔ اسے بھی ساتھ لیے چلتے ہیں۔'' عامر نے سگریٹ جوتے تلے مسلا۔ اس قدر خاموش اور اُلجھا ہوا کیس دیکھ کر اس کا سابقہ جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ ان افسران میں سے تھا جن کی تسابلی' آرام پسندی اور غیر پیشہ ورانہ اخلاقیات کے باعث عوام اس محکمے کے متعلق عدم اعتماد اور تنفر کا شکار ہیں۔ شہلا کی لاش کو گاڑی میں منتقل کرنے کے بعد اس نے اقبال کو گیٹ پر متعین رہنے کا حکم دیا اور واپسی کے لیے روانہ ہو گیا۔ عرفان بھی سکون کا سانس لیتے ہوئے سکینہ کے پاس کچن میں چلا آیا۔

''چلے گئے پُلیسے کہ نہیں؟''

''چلے گئے ہیں لیکن ایک داروغہ ہمارے سروں پر بٹھا گئے ہیں۔ ٹی وی پر انگریزی فلمیں لگا کر بیٹھ گیا ہے وہ۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔

''ایک بات تو بتا عارفے! تو نے انہیں میڈم کے ڈرائیور والی بات تو نہیں بتائی؟ مجھے لگتا ہے کہ وہی دشمنی نکال رہا ہے کوئی۔'' سکینہ کو اپنے والد سے سنا ماضی کا ایک واقعہ یاد آیا۔

''نہیں پاغلے! ان کا کیا بھروسا کہ الٹا مجھے ہی اندر کر دیتے کہ اس ڈرائیور کو برآمد کر کے دو۔'' عرفان نے سرگوشی میں بتایا۔ سکینہ کے والد اور اس کے چچا نے انہیں شہلا کے گھر میں ہونے والے اس ہنگامے کے متعلق سرسری طور پر بتا رکھا تھا۔ ''خود انسپکٹر نے بھی ان کی کسی ذاتی دشمنی کے متعلق زیادہ کریدکر پوچھا ہی نہیں۔''

''پوچھتا بھی کیسے؟ میں نے ان کی زبان بندی جو کر دی تھی۔'' وہ معنی خیزی سے بولی۔ ''میں نے چائے اسی پانی سے بنائی تھی جو تو نے مجھے آتے ہی دیا تھا۔''

''تیری ذہانت کا بھی جواب نہیں سکینہ!'' وہ پھڑک اٹھا۔ ''یہ سب بزرگوں کی کرامت ہے۔ تو بس دعا کر کہ وہ یہاں ایک پھیرا اور ڈال دیں۔ ہر بگڑی بن جائے گی۔''

عرفان عقیدت اور عاجزی سے جھکا جا رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر سے ملنے والی خوشخبری کو بھی اسی کی آمد اور دعا کا ثمر تسلیم کیے بیٹھا تھا۔

اس وقت اُسے بھنک بھی نہ تھی کہ بزرگوں کا وہ 'دوسرا پھیرا' اس گھر کے لیے کیا ہولناکی لے کر آنے والا ہے۔

☆☆☆

اگلی صبح بارش کے بعد رُت مزید نکھر گئی تھی۔

بالی کی طبیعت میں سابقہ بیزاری اور اداسی کے برعکس اب قدرے فرحت تھی۔ اس نے ایک طویل عرصے تک اپنے محرمان کو جانی نقصان پہنچانے کی تمنا کی تھی اور اس خواب نے اس کے تمام تر اندیشوں کے برعکس شاندار تعبیر حاصل کی تھی۔ گزشتہ رات اس نے بھرپور اور مطمئن نیند لی تھی اور اب اس کا ذہن اگلے 'قدم' کی بابت منصوبہ بندی میں مشغول تھا۔ انہی تانے بانوں میں مشغول اسے ناشتے کی طلب ہی نہ ہو سکی۔ نتیجتاً شمشاد خود ہی اس کے کمرے میں چلا آیا۔

''کیا بات ہے بالی؟ میں کل سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھے کھانے کا کوئی ہوش ہی نہیں ہے۔'' اس نے آتے ہی ناراضی جتائی۔

''میرا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔'' اس نے دانستہ اسلمندی ظاہر کی۔

''اچھا! میں تو سمجھا کہ ٹی وی پر چلنے والی 'خبر' نے خوشی سے تیری بھوک اُڑا دی ہے۔'' شمشاد نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں! دیکھی تھی میں نے شہلا رضوی کے قتل کی وہ ادھوری خبر..... پُلسیوں نے میڈیا کو اصل واقعے کی بھنک بھی نہیں لگنے دی ورنہ اب تک تو 'پسوڑی' پڑ گئی ہوتی۔'' بالی نے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟ تجھے کیسے علم ہے بھلا؟'' شمشاد اُلجھا۔

''مجھے علم نہیں ہوگا تو کسے ہوگا؟ میرا بائیل چار جنگ ختم ہونے کی وجہ سے بند پڑا ہے ورنہ تو ابھی خود اس مشنٹڈی کی آنکھوں، ہونٹوں اور انگلیوں کے بغیر لاش کا نظارہ کر لیتا۔'' اس نے شمشاد کی سراسیمگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''شہلا رضوی کو میں نے ہی قتل کیا ہے۔''

''تو میرے سمجھانے بجھانے کا تجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا؟''

''نہیں! میں نے تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قسمت نے اگر موقع دیا تو یہ نیک کام میرے ہی ہاتھوں انجام پائے گا۔ اب تو بے فکر ہو کر واپس جا۔ میں ذرا نہا دھو لوں۔''

''اللہ تجھے ہمیشہ خوش رکھے بالی! میں نے تو رب سے بڑی دعائیں مانگی تھیں کہ تو اپنی زندگی میں آگے بڑھ جائے لیکن رب سوہنے کو جانے کیا منظور ہے؟'' وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتا ڈھیلے قدموں سے باہر نکل گیا۔

''میرا تجھ سے بڑا سجن کوئی نہیں شمشاد ے! تو نے ہر موڑ پر میرا بڑا ساتھ دیا ہے لیکن تو اس آگ کی تپش محسوس ہی نہیں کر سکتا جو میرے اندر لگی ہے۔ اپنا درد اپنا ہی ہوتا ہے۔ ہم انسان لاکھ اگلے کا درد اور کرب سمجھنے کے لاکھ دعوے کر لیں لیکن یہ تو بس ایک بھرم ہوتا ہے۔ اپنا درد اپنا ہی ہوتا ہے۔'' شمشاد کی افسردگی دیکھ کر اسے اپنی خوشی ماند پڑتی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے اپنے اگلے قدم کے بارے میں مزید احتیاط اور بہترین منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

جہانگیر پراچہ اپنے دفتر میں طیش اور بیزاری ضبط کیے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے انسپکٹر عامر اپنی آنکھیں مٹکاتا ہوا انتہائی عجیب تاثر دے رہا تھا۔

''جی فرمایئے آفیسر! کیسے آنا ہوا؟''

''میڈم شہلا رضوی کے بارے میں کچھ بات چیت کرنی تھی جی آپ سے! ان کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

''جی ہاں! مجھے میڈیا سے سرسری طور پر علم ہوا تھا۔ اس حادثے کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ شہلا رضوی ایک بہترین دماغ کی مالک خاتون تھیں۔'' اس نے رسمی انداز میں کہا۔

''میں آپ سے کوئی پُرسہ لینے نہیں آیا جی! کچھ سوال جواب کرنے ہیں۔''

''یس شیور! میں قانون پسند شہری ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ مکمل تعاون کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے اپنی ناگواری ضبط کی۔

''میڈم شہلا سے آپ کا افیئر کب سے چل رہا تھا؟'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''واٹ ربش! میرا اُن سے صرف پروفیشنل تعلق تھا۔''

''پروفیشنل تعلق میں لوگ اتنا سج دھج کر ملنے نہیں آیا کرتے۔ وہ آپ کا نمبر 'فیورٹ' کی لسٹ میں رکھتی تھی۔ چھوٹے سے چھوٹا میسج بھی اس نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔'' عامر نے ہوا میں تیر چلایا۔

''میں نے اس عرصے میں شہلا رضوی کو ایک بار بھی ٹیکسٹ نہیں کیا۔'' جہانگیر نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''آپ غالباً کل شائع ہونے والی خبر پر اندازے قائم کیے یہاں چلے آئے ہیں۔ اگر میرے خلاف کوئی بھی ثبوت ملے تو وارنٹ لے کر چلے آیئے گا۔ میں گرفتاری دے دوں گا۔''

''ٹھیک ہے پراچہ صاحب! اب وارنٹ کے ساتھ ہی ملاقات ہو گی۔'' عامر نے کینہ توز نظروں سے اُسے دیکھا۔ جہانگیر نے اس کا ہر باؤنسر ماہرانہ انداز میں کھیل کر عامر کی 'نمک مکا' کے ضمن میں کی جانے والی منصوبہ بندی بالکل ہی تباہ کر دی تھی۔ وہ مایوسی سے دفتر سے باہر نکل آیا۔

''گدھا کہیں کا! غلط بندے سے اُلجھنے چلا آیا تھا۔ جانتا نہیں تھا کہ میں ایک بزنس مین اور این جی او ورکر ہی نہیں بلکہ نفسیات داں بھی ہوں۔'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا اور اپنے سامنے موجود فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ نصف گھنٹے بعد انٹرکام کی گھنٹی نے اس کے ارتکاز میں خلل پیدا کیا۔

''سر! مسز زین رضوی آپ سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔'' سیکریٹری اور ریسپشنسٹ کی آواز ابھری۔

''ٹھیک ہے بھیج دو۔ اور دس منٹ بعد آفیسس کے ساتھ بہترین کافی بھی لے آنا۔'' اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اگلے ہی لمحے کسی ہوئی سیاہ جینز اور سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس زین اندر چلا آیا۔ اس کے چہرے پر سختی اور رنج نے عجیب تاثر پیدا کر رکھا تھا۔

''مجھے تمہاری بہن کی موت پر بے حد افسوس ہے ڈیئر! وہ ایک ذہین اور نڈر عورت تھی۔'' جہانگیر نے علیک سلیک کے بعد تعزیت کا مرحلہ طے کیا۔

''ہم...... موت تو خیر سبھی کو آنی ہے لیکن اس طرح کولڈ بلڈڈ مرڈر نے مجھے بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔'' وہ آزردگی سے گویا ہوا۔

''تم آدھا گھنٹے لیٹ ہوگئے ورنہ ایک نہایت 'ذمے دار' اور 'ایفی شنٹ' افسر سے ملاقات کر لیتے۔'' جہانگیر نے ار،ک،حیان بتانے کے لیے کہا۔

''ڈونٹ ٹیل می! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کا ایک بھی افسران کو الیٹر کی 'اے بی سی' سے بھی واقف نہیں ہوگا۔ میں گھر سے ہو کر ہی آیا ہوں۔ وہاں بھی ایک ایسا ہی 'ماسٹر پیس' موجود تھا۔ میں نے چند ہزار روپے دے کے اس بات پر آسانی سے راضی کر لیا کہ شہلا کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے تک وہ اپنے سینئرز کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا اور خود بھی وہاں سے اپنی شکل گم رکھے گا۔ مجھے ذہنی سکون درکار ہے۔'' وہ تلخی سے ہنسا۔

''تمہارا تجزیہ سو فیصد درست ہے۔ انکوائری آفیسر بالکل ایسا ہی ہے۔ وہ شہلا کا مجھ سے ایک مخصوص تعلق ثابت کرنے کی کوشش میں ہر دفعہ 'نوبال' کروا رہا تھا۔ اگر اس کا ہوم ورک مکمل ہوتا تو اسے یقیناً علم ہوتا کہ میں ایک مہینہ قبل ہی خلیجی ملک سے یہاں آیا ہوں۔'' جہانگیر نے تمسخر اڑایا۔

اسی اثنا میں مناہل اسنیکس اور کافی لیے چلی آئی۔ اس کی دلکشی اور بے مثال خوبصورتی سے زین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کی پیشانی قدرے کشادہ اور آنکھیں قاتل تھیں۔ تراشے ہوئے ہونٹ اور نیلے لباس میں کھلتی ہوئی رنگت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں گہری چمک بیدار ہوگئی۔

''ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ آفس ورکرز کا تمہارا انتخاب ہمیشہ ہی آؤٹ اسٹینڈنگ ہوتا ہے۔ واٹ اے بیوٹی کوئین!''

''یہ بھی ایک آرٹ ہے مائی ڈیئر!'' وہ فخر سے مسکرایا۔ مناہل بھی اپنی تعریف پر پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے ہلکے سے مسکرائی...... اور کافی تھما کر اپنی نشست پر روانہ ہوگئی۔

''تمہارا پراجیکٹ کہاں تک پہنچا ہے؟'' زین نے کافی کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں آنے سے کوئی فائدہ ہوا کہ نہیں؟'' اس لمحہ زین پر وہی بے حسی اور مادہ پرستی غالب آگئی تھی جو اس کی فطرت کا اٹوٹ حصہ تھی۔

''مجھے اپنے پراجیکٹ میں جس قسم کی سنجیدگی اور خلوص درکار تھا، وہ کہیں بھی نہیں مل سکا۔ ابھی تک نان پروفیشنل خواتین سے پالا پڑا ہے۔ انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں یہاں بزنس کرنے نہیں بلکہ کوئی سوئمبر رچانے آیا ہوں اور وہ مجھے اپنے حسن کے جال میں پھنسا کر شادی کے بندھن میں باندھ لیں گی۔ پراجیکٹ سے زیادہ وہ میری ذاتی زندگی میں دلچسپی لینے لگتی ہیں۔'' جہانگیر سخت چڑچڑا ہو رہا تھا۔

''اچھا، تو اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟ واپس جانا چاہتے ہو یا یہیں رہو گے؟'' بوجھل خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد زین نے استفسار کیا۔ اس نے اپنا انداز حتی الامکان سپاٹ ہی رکھا تھا تاہم حقیقت تو یہ تھی کہ جہانگیر کے ان خیالات سے شہلا کے کردار پر پڑتی چوٹ اسے بہت ناگوار گزری تھی۔

''ویل! ابھی میں کسی صوبائی یا پھر وفاقی دارالحکومت میں سیٹ اپ ٹرانسفر کر کے دیکھوں گا۔ اگر وہاں بھی نان پروفیشنل لوگ ملے تو کسی اور ایشیائی ملک میں چلا جاؤں گا۔ انڈیا بھی ایک بہترین آپشن ہے میرے پاس۔'' وہ گفتگو کے ساتھ کافی اور سینڈوچز کے ساتھ بھی مکمل انصاف کر رہا تھا۔ زین خاموشی اور بے دلی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ شہلا کے بارے میں اس کے بالواسطہ خیالات جان کر اس کا دل کھٹا ہو چکا تھا حالانکہ وہ جہانگیر سے پارٹنرشپ کے سلسلے میں ہی ملنے آیا تھا۔ اس کے پراجیکٹ کے ضمن میں کچھ نہ کچھ 'تجربات' اسے بھی بہرحال حاصل تھے۔

''تمہارا فیوچر پلان کیا ہے بائی داوے!'' جہانگیر نے دریافت کیا۔

''ایک بروکر سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ گھر فروخت کر کے واپس چلا جاؤں گا۔'' اس نے بے نیازی سے بتایا اور الوداعی کلمات کے بعد دفتر سے باہر چلا آیا۔ اسے مناہل سے ملنے کی بھی عجلت تھی۔

''ہائے بیوٹی فل! تمہاری اس بیوٹی نے تو مجھے گھائل کر دیا ہے۔'' زین نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ہائے ہینڈسم! گھائل دل کا علاج کرنا مجھے بھی خوب آتا ہے۔'' اس نے بھی بے باکی سے اپنا دوسرا ہاتھ زین کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''آج رات ڈنر کرو گی میرے ساتھ؟ ڈنر...... میوزک...... لانگ ڈرائیو...... اور پھر دنیا سے دور جہاں صرف ہم دونوں ہوں اور میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھا سکوں۔'' زین کا خوابناک لہجہ اسے ایک ہی پل میں سحر زدہ کر گیا۔

''اوکے! شام سات بجے مجھے یہیں سے پک کر لیجیے گا۔'' وہ لمحہ بھر میں ہی اس شکاری کی اسیر ہوگئی تھی۔ زین گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبا کے آنکھوں پر چشمہ چڑھائے اپنی گاڑی میں آبیٹھا جو اس نے آج ہی 'رینٹ اے کار' سے حاصل کی تھی۔ جہانگیر پراچہ کے الفاظ نے اس کے دل کو بہت زیادہ ٹھیس پہنچائی تھی۔ کسی بھی عورت کے بارے میں قلب و روح پر لگے زخم کسی دوسری عورت کے وجود کا سہارا لے کر ہی مٹائے جا سکتے ہیں۔ زین رضوی کو آج کے لیے تو یہ سہارا میسر آگیا تھا۔ اس جیسے شکاری کے لیے اگلے روز کسی شکار کا بندوبست کرنا بھی ہرگز دشوار نہیں تھا۔

☆☆☆

فضا میں شام کا سرمئی رنگ دھیرے دھیرے ملگجے اندھیرے میں تبدیل ہونے لگا تھا۔

شہلا رضوی کے گھر پر طاری پُرہول سناٹا کچھ اور بھی گہرا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ بالی کی بے تاب اور سلگتی نظریں بہت باریک بینی سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے میں آج غیر معمولی کشادگی تھی۔ اس نے کچھ دیر پہلے زین کو کسی شخص کے ساتھ گھر میں آتے اور پھر خوشگوار موڈ میں واپس جاتے دیکھا تھا۔ آج اس کی اداکارانہ صلاحیتوں اور تکنیکی تربیت کا اصل امتحان تھا۔ اپنے 'کیریکٹرز' میں واپس آتے ہوئے بالی نے چہرے پر مخصوص تاثرات طاری کیے اور متوازن قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے گھنٹی بجادی۔

☆☆☆

رہائشی کمرے نما کوارٹر میں بیٹھے سکینہ اور عرفان کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

اُن کی زندگی عجیب تلاطم خیز کیفیت میں گھر گئی تھی۔ شہلا رضوی بلاشبہ زبان کی تلخ اور اپنے چند اصول و ضوابط میں بے حد کٹر تھی لیکن ملازمین کی تنخواہوں اور آسائشات کا بھرپور خیال رکھتی تھی۔ عرفان...... اس مختصر عرصۂ ملازمت میں اسی فیصد تنخواہ گھر بھیجتا تھا۔ کھانے پینے کی طرف سے بھی کوئی پریشانی نہ تھی کیونکہ ملازمہ کا بنایا گیا کھانا شہلا کی رضامندی سے اسے بھی مل جاتا تھا۔ اس کی بدمزاجی اور سخت گیری سے مجروح ہونے والی عزتِ نفس سے قطع نظر عرفان یہاں بے حد مطمئن تھا۔ زندگی میں صرف اولاد کی کمی تھی لیکن اب وہ پوری ہوتی دکھائی دی تو ایک اور آزمائش سر اٹھائے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ ڈاکٹر نے سکینہ کو مزید کسی بھی سفر اور کام کاج سے بالکل منع کر دیا تھا۔ اس پہ مستزاد زین رضوی کی آمد اور گھر فروخت کرنے کا ارادہ ان کے لیے حقیقی پریشانی تھا۔ عرفان معمولی تعلیم یافتہ تھا۔ گاؤں میں وہ زمیندار کا ڈرائیور ہوا کرتا تھا۔ ذرا سی کوشش سے وہ ملازمت اسے اب بھی مل سکتی تھی لیکن بے حد معمولی تنخواہ اور آسائشات سے محروم زندگی گزارنے کا تصور سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ وہ کم از کم بچے کی پیدائش تک یہیں رہنا چاہتا تھا۔

''یہ نامراد واپس آیا ہی کیوں ہے؟'' وہ بلا مبالغہ دسویں بار جھنجلا کر بولا۔

''لاٹ صاحب جاتے ہوئے ایک اور حکم دے کر گیا ہے کہ کمرا اچھی طرح صاف کر کے اسپرے چھڑک دو۔ واپسی پر ایک دوست بھی ساتھ ہوگا۔'' سکینہ نے روم فریشنر کی ادائیگی نہ آنے پر متبادل لفظ اختیار کیا۔ زین نے اس کی کم علمی پر بڑی درشتی سے فریشنر دکھاتے ہوئے جھڑک کر استعمال سمجھایا تھا۔

''تم رہنے دینا۔ میں خود ہی کرلوں گا صفائی۔'' عرفان کو فوری طور پر بیوی کی فکر نے گھیرا۔ اسی کشمکش میں گھرے وہ مستقبل کی بابت منصوبہ بندی کرنے میں مگن تھے کہ گھنٹی کی تیز آواز نے انہیں چونکا دیا۔

☆☆☆

آسمان پر آخری عشرے کا چاند اپنی روشنی پھیلائے بادلوں کے سنگ آنکھ مچولی میں مگن تھا۔

بالی کو عقبی لان میں موجود ایک گھنٹے سے زائد وقت بیت چکا تھا۔ اس نے محتاط نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لیا اور اطمینان سے سر ہلا دیا۔ یہ احتیاط اس کے لیے بہت ضروری تھی۔ کامیابی اب صرف چند قدموں کی دوری پر تھی۔ اس نے لان کے اختتامی کونے سے نظر آتے کوارٹر پر ایک وزدیدہ نظر ڈالی تو دل میں تاسف و طیش آمیز جذبات ابھر آئے۔ پردۂ تصور پر ایک بار پھر شام کو عرفان اور سکینہ

PakiBooks.Site

JBD

نسیم حجازی کے شاہکار تاریخی ناول

جہانگیر بکس 91

آخری معرکہ	550/-
اندھیری رات کے مسافر	475/-
ثقافت کی تلاش	300/-
قیصر وکسریٰ	625/-
اور تلوار ٹوٹ گئی	550/-
گمشدہ قافلے	500/-
داستان مجاہد	300/-
پردیسی درخت	450/-
یوسف بن تاشفین	500/-
معظم علی	475/-
خاک اور خون	550/-
کلیسا اور آگ	450/-
قافلہ حجاز	599/-
محمد بن قاسم	425/-
پورس کے ہاتھی	300/-
انسان اور دیوتا	450/-
پاکستان سے دیارِ حرم تک	300/-
آخری چٹان	450/-
سو سال بعد	225/-
سفید جزیرہ	325/-
شاہین	475/-

سبق آموز کُتب سلسلہ
دورنگی طباعت اور تصویری خاکوں سے مزین

اقوالِ حضرت علی المرتضیٰؓ	165/-
اقوالِ آئمہ کرامؒ	165/-
حکایاتِ گلستانِ سعدیؒ	195/-
اقوالِ شیخ سعدیؒ	140/-
حکایاتِ رومیؒ	180/-
دلچسپ وعجیب حقائق	170/-
حکایاتِ بوستانِ سعدیؒ	199/-
دلچسپ وحیرت انگیز باتیں	150/-
ایمان افروز وسبق آموز سچے واقعات	180/-
بڑے لوگوں کے روشن واقعات	165/-

جہانگیر
اُردو لغت
(جامع ترین)
منفرد طریقے سے تلفظ کے اندراج کے ساتھ اردو زبان کی پہلی لغت

جہانگیر بُک ڈپو
022-2780128
042-37220879
042-35757086
051-5539609
021-32765086

سے ہونے والی ملاقات کے مناظر لہرا گئے۔ وہ دونوں اس کی آمد پر بے حد خوش ہوئے تھے۔ زین کی آمد کے بعد اپنی نئی پریشانی کا ذکر کرتے وہ کسی فوری حل کے لیے اس کے قدموں تلے بچھے جا رہے تھے۔ بالی نے اپنی اداکارانہ صلاحیتوں سے انہیں یقین دلا دیا کہ اگر وہ اس کی 'ہدایات' پر عمل کریں گے تو زین کو گھر فروخت کرنے میں بھی کامیابی نصیب نہیں ہوگی اور وہ بچے کی پیدائش تک اطمینان سے یہاں رہ سکیں گے۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی ضعیف الاعتقادی ایک ہی لمحے میں بالی پر اعتماد کر چکی تھی۔ اس کی دی ہوئی مخصوص پُڑیا زین کے کمرے میں موجود پانی کے جگ میں ملا دی گئی۔ اسے اپنے ارادے میں کمزور کرنے کے لیے بالی کو ایک ایسی جگہ پر خصوصی جاپ کی ضرورت تھی جہاں سے گھر کے مالک کا کمرا نظر آتا ہو۔ عرفان اسے عقبی لان میں لیے چلا آیا۔ یہاں زین اور شہلا کے کمروں کی کھڑکیاں موجود تھیں۔ طے شدہ حکمت عملی کے مطابق بالی نے یہاں 'مراقبہ' اور جاپ کرنا تھا۔

''میرے اس جاپ کے دوران اگر کوئی انسان وہاں پھٹکا تو وظیفہ الٹا اسی پر پڑ جائے گا۔ مؤکلات اس کی یا میری جان بھی لے سکتے ہیں۔'' بالی کے جلالی انداز نے انہیں سراسیمہ کر دیا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ اس طرف کوئی آ ہی نہیں سکتا۔'' عرفان خوفزدہ ہونے کے باوجود پُراعتماد تھا۔

''حق اللہ...... تم دونوں کی تقدیر بڑی روشن ہے...... اللہ نے چاہا تو کل صبح تمہاری زندگی ہی تبدیل ہو جائے گی۔'' بالی نے خود پر مکمل طور پر جذب کی کیفیت طاری کر لی تھی۔ نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا۔ وہ دونوں اس کے بے دام غلام بن چکے تھے۔ بالی نے انہیں ایک پُڑیا مزید تھما دی جس کو پانی میں استعمال کرنے سے ان پر اولاد کے سلسلے میں کسی جادو ٹونے یا نظر بد کے اثرات کا صفایا ہو جاتا۔ اس پُڑیا میں ایک نشہ آور سفوف تھا جو انہیں کئی گھنٹوں کے لیے انٹا غفیل رکھ سکتا تھا۔

زین اپنی ساتھی لڑکی کے ساتھ نصف گھنٹے پہلے ہی آ چکا تھا۔ کھڑکی کے پردوں کی درز سے آتی نہایت مدھم روشنی کمرے میں ان کی موجودگی کا ثبوت تھی۔ بالی نے اپنے لباس میں موجود کٹر سے کھڑکی کا شیشہ ان کی آمد سے پہلے ہی کاٹ لیا تھا۔ اندرونی جانب موجود قفل احتیاط سے کھولتے ہوئے پٹ وا کیا اور بآسانی اندر جست لگا دی۔

کمرے میں نیلے رنگ کے زیرو واٹ کی خوابناک سی روشنی پھیلی تھی۔ دائیں جانب بستر پر زین بھورے بالوں والی ایک حسینہ کے ساتھ موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی بالی کی آنکھوں میں شرارے لپک گئے۔ لڑکی نے اسے کسی عفریت کی طرح برآمد ہوتے دیکھا تو ایک سُریلی سی چیخ مار دی۔ بالی نے ایسی کسی بھی صورتِ حال کے لیے خود کو پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ اس نے اندر کودتے ہی چوغے کی جیب سے ریوالور اور اسپرے کی ننھی سی بوتل نکال لی تھی۔ زین کے بستر سے اٹھنے سے پہلے ہی اس نے دونوں کے چہروں پر اسپرے کی پھوار برسا دی۔ حیرانی' خوف اور خدشات لیے زین اور منال اپنے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو چکے تھے۔

بالی نے سفاکی سے مسکراتے ہوئے چوغہ اتھایا اور کمر کے گرد لپٹی باریک نائلون کی رسی اتار کر اگلے 'مرحلے' کی تیاری کا آغاز کر دیا۔

☆☆☆

زین کے ذہن میں برقی قمقموں کا رقص جاری تھا۔ مسلسل جلتے بجھتے نکتوں کے تعاقب میں لپکتے وہ ہلکان ہو رہا تھا۔ پھر ایک لمحہ اسے اپنا وجود کسی بارش میں شرابور ہوتا محسوس ہوا۔ بارش کا یہ احساس بہت فرحت بخش تھا۔ اس کی پلکوں پر دھرا بوجھ غیر محسوس طریقے سے ہٹنے لگا۔ آنکھیں کھلنے اور حواس قدرے بحال ہونے پر پہلا احساس ہی کسی شکنجے میں جکڑے جانے کا تھا۔ وہ بے اختیار کسمسا کر رہ گیا۔ گردن گھما کر اردگرد صورتِ حال کا جائزہ لیا تو پانی کا خالی جگ ہاتھ میں تھامے ایک عجیب الخلقت وجود کے علاوہ منال پر نظر پڑی جو بندشوں سے آزاد لیکن ہنوز بے ہوش تھی۔ اپنی سنگین حالت کا احساس ہوتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار انگریزی کی مشہورِ زمانہ گالی برآمد ہوئی۔

''اوئے کسی بدنسل فرنگی کی اولاد! اپنی زبان میں بات کر...... وہ زبان جو تجھے سراج دین کی بیوی نے سکھائی تھی۔'' اس کی سماعت میں ایک سفاک آواز پڑی۔

''کک...... کون ہو تم؟'' وہ مقابل کی شرربار نظروں کی تاب نہ لا سکا۔

''یہی سوال تیری حرافہ بہن نے بھی کیا تھا......۔ اس بے چاری کو بالکل آخری لمحات میں جواب ملا تھا۔''

''یو...... تم نے مارا تھا شہلا کو؟'' زین چلا اٹھا۔ بالی نے آگے بڑھ کر طیش کے عالم میں ریوالور کا دستہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ زین کے دانت لہو کے ساتھ اچھل کر باہر

آگرے۔

''اپنی زبان کو لگام دے ورنہ سب سے پہلے یہی کٹ کر باہر آئے گی۔''

''کیا چاہیے تمہیں آخر؟'' وہ لہو ایک جانب تھوک کر بولا۔

''اشرف کہاں ہے؟''

''مم..... مجھے کیا علم؟'' وہ ہڑبڑا گیا۔ اشرف کا نام سامنے آنے سے اس کا خوف مزید بڑھ گیا۔ وہ گہری نظروں سے بالی کے چہرے کی سیاہی میں اصل نقوش تلاشنے کی کوشش کرنے لگا۔

''میرے سامنے جھوٹ بول کر اپنی موت کو آواز نہ دے۔''

''اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اگر میں اس کا ایڈریس بتادوں تو میری زندگی محفوظ رہے گی۔'' زین کے سوال پر بالی نے مسکراتے ہوئے ریوالور سے گولیاں نکالیں اور کھڑکی سے باہر پھینک کر ریوالور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''وہ روشن پور کی حویلی میں ڈرائیور ہے..... اُسے میں نے ہی وہاں ملازمت دلوائی تھی..... حویلی کا چھوٹا چوہدری دوست ہے میرا۔'' زین نے انکشاف کیا۔ ''تم..... کہیں..... بالی تو نہیں؟'' وہ سراسیمگی میں مبتلا ہونے لگا۔

''یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تم لوگ آج تک مجھے بھول نہیں سکے۔'' بالی کے چہرے سے مسکراہٹ یکسر غائب ہوگئی۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے چوغے سے خنجر نکالا اور زین کا نرخرہ ادھیڑ دیا۔ اس کی خرخراہٹ اور تڑپ محسوس کرتے ہی بالی کے تنے ہوئے عضلات اور انگلیوں کی اینٹھن دھیرے دھیرے معمول پر آنے لگی۔ زین کی لاش سے بھی 'یادگار سلوک' کرنے کے بعد اس نے کھا جانے والی نظروں سے مناہل کی طرف دیکھا اور اسپرے کی ایک اور پھوار برسانے کے بعد چہرے پر دو گہرے وطویل 'چیرے' لگا دیے۔

''اب زندگی بھر تو اپنے حسین چہرے سے کسی کا دل اور پہلو نہیں گرما سکے گی۔'' بالی نے نفرت سے مناہل کے منہ پر تھوک دیا۔

اس نے مہارت اور پُرسکون انداز میں کمرے سے اپنی موجودگی کے نشان مٹائے اور کھڑکی سے لان میں کودنے کے بعد کوارٹر پہنچ کر بے ہوش پڑے سکینہ اور عرفان کو چارپائی کی ادوائن سے باندھ دیا۔ ان کی توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا بت پاش پاش کرنے کے لیے اپنے گلے میں موجود منکے وہیں رکھ کر اسپرے کی آخری پھوار ان کے چہروں پر برسائی اور چہرے پر آسودہ مسکراہٹ لیے اپنی منزل کی راہ لی۔ اسے شمشاد کی طرف سے بھی آج بے فکری تھی کیونکہ وہ آج سہ پہر ہی تین روز کے لیے کسی نواحی قصبے میں گیا تھا۔

ایک بھرپور اور سرشار نیند کے تصور نے اس کے قدموں کو مزید مہمیز کر دیا۔

☆☆☆

اگلی صبح انسپکٹر عامر کے لیے بہت سے ہنگاموں کے ساتھ طلوع ہوئی تھی۔

پولیس اسٹیشن آتے ہی اسے علاقے کے سب سے معتبر پرائیویٹ کلینک کی جانب سے اطلاع موصول ہوئی کہ مناہل نامی ایک لڑکی اپنے زخمی چہرے کے ساتھ بغرض علاج وہاں موجود تھی۔ اس روز اسے شہلا رضوی کے موبائل اور لیپ ٹاپ کو کسی 'ماہر' سے غیر متقفل کروانا تھا۔ مطلوبہ شخص نے دوپہر ایک بجے ملاقات کے لیے آنا تھا لہٰذا فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سعد کے ساتھ اس کلینک پہنچ گیا۔

''ہاں بھئی کاکی! ڈاکٹر، وکیل اور پولیس سے جھوٹ بولنا بہت مہنگا ثابت ہوا کرتا ہے۔ مجھے کوئی گولی کروانے کے بجائے سیدھی طرح بتادے کہ تیرے چہرے پر یہ 'چُمیاں' کس نے دی ہیں؟'' وہ بے ہودگی سے اس کے سراپا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''مم... مجھے... کچھ علم نہیں سر! میں تو اپنے ایک فرینڈ کے ساتھ ڈنر سے واپس آئی تھی تو وہیں کھڑکی سے وہ 'عفریت' سامنے آگئی۔'' مناہل نے اپنے ہونٹ کچلے۔

''حلیہ کیسا تھا اُس کا؟'' عامر اس کی حالت اور گھبراہٹ سے سمجھ گیا تھا کہ وہ ڈنر کے بعد کسی کے گھر میں ہی داد عیش دینے میں مصروف تھی۔

''اس نے لمبا سا 'کھلا سبز چوغہ پہن رکھا تھا۔ قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب ہوگا..... بال سفیدی مائل اور جٹاؤں میں تھے۔ چہرے پر سیاہی اور جھریاں۔ ہاتھوں میں گلوز اور گلے میں منکے..... میں بس اتنا ہی دیکھ پائی تھی..... ہوش آیا تو زین کی ڈیڈ باڈی.....'' وہ رونے لگی جبکہ سعد مبینہ قاتل کا حلیہ سنتے ہی چونک گیا تھا۔

''زین کا پورا نام اور ایڈریس بتا؟'' اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''زین رضوی۔ میری اُس سے کل ہی پہلی دفعہ

ملاقات ہوئی تھی۔ وہ گلزیب کالونی میں رہتا ہے..... کوٹھی نمبر مجھے یاد نہیں۔''

''سر! میں جان گیا ہوں کہ یہ قاتل کون ہے اور اس نے کیوں شہلا اور زین کا قتل کیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ 'بیداری' میں آتے ہی شہلا نے پہلا آرٹیکل کس کے خلاف لکھا تھا۔'' سعد پُرجوش ہو چکا تھا۔ عامر کے ذہن میں بھی ایک جھماکا ہوا۔ اس نے مناہل سے بیان لکھوانے کے بعد سعد کو تھانے پہنچ کر ٹیم تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ جائے وقوعہ پر اکرام اور اقبال کو بھیج دیا گیا۔

☆☆☆

بالی کی پُرسکون نیند موبائل کی گھنٹی کی آواز سے کھلی تھی۔

''ہاں شمشاد! یہ صبح صبح تجھے کیا ہوگیا ہے؟ بندہ تھوڑا سانس بھی لے لیتا ہے۔'' اس نے خوابیدہ آواز میں کہا۔

''خدا کا خوف کر بالی! بارہ بجنے والے ہیں اور تجھے ابھی صبح لگ رہی ہے۔'' شمشاد کے انکشاف پر اسے ایک جھٹکا لگا۔

''مجھے واقعی اندازہ نہیں ہوا ٹائم کا۔''

''اچھا! کوئی گل نہیں۔ میں نے تو ویسے ہی فون کرلیا کہ سب معاملات ٹھیک ہیں ناں وہاں؟''

''ہاں! سب کچھ ٹھیک ہے..... تو فکر نہ کر۔ تجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' بالی نے خلوص سے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ گزشتہ رات کامیابی کے خمار میں اسے اپنا لباس تبدیل کرنے کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی پہلا خیال مناہل کی جانب سے کسی رپورٹ درج کروانے کا آیا تھا۔ پولیس اب تک یقیناً زین کی لاش کے علاوہ سکینہ اور عرفان کو بھی زیر حراست حالت میں گرفتار کر چکی ہوگی۔ اس نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے ٹی وی آن کیا اور ایک مقامی چینل لگا لیا۔ پچھلے کچھ عرصہ میں کئی شہروں نے صرف علاقائی خبروں کے لیے چینلز کا اجراء کر رکھا تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق وہاں ایک بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔

''شہلا رضوی کے بعد ان کے بھائی کو بھی اسی درندگی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ پولیس نے قاتل کو گرفتار کرلیا ہے۔'' اینکر کے انکشاف پر بالی کی نیند اور سستی مکمل طور پر غائب ہوگئی۔ چند ہی لمحوں میں ٹی وی اسکرین پر اس کے سامنے انسپکٹر عامر موجود تھا جو نہایت بُردباری اور متانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیلڈ رپورٹر کو اپنی 'کامیابی' کی اطلاع دے رہا تھا۔

''میڈم شہلا رضوی کی حق گوئی نے کچھ عرصہ پہلے ایک 'ڈوبا پیر' کا انکشاف کیا تھا جو منشیات فروشی اور خواتین سے نازیبا حرکات میں بھی ملوث تھا۔ آرٹیکل کے بعد پولیس نے اسے گرفتار کرنا چاہا تھا لیکن اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے اس نے قبل از گرفتاری ضمانت کروالی تھی۔ آج ہم نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے پکڑ لیا ہے۔''

''ہمارے ناظرین جاننا چاہیں گے کہ آپ کو قاتل کا کلیو کیسے ملا؟''

''زین رضوی کی ساتھی نے اس کا اسکیچ بنوایا تھا جس کی تصدیق گھریلو ملازمین نے بھی کر دی ہے۔ وہ دونوں بندھی ہوئی حالت میں ملے تھے۔'' عامر کے انکشاف پر بالی کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ برآمد ہوا۔

''اس کے بال سفیدی مائل جٹاؤں جیسے تھے۔'' عامر کے فقرہ مکمل کرتے ہی بالی نے اپنے سر سے وگ اتار پھینکی جس کے نیچے لمبے گھٹاؤں جیسے بال بڑے سلیقے اور سختی سے باندھے گئے تھے۔

''اس کے چہرے پر جھریاں اور سیاہی تھی۔'' بالی نے اگلا فقرہ سنا تو ایک بلند قہقہہ کے ساتھ گردن کے عقب میں لگا جوڑ توڑا اور مخصوص ساخت کا ماسک اتار کر بستر پر اچھال دیا۔ اس کا بے داغ 'صاف اور شفاف چہرہ چمکتے ہوئے مزید خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔

''زین کو قتل کر دیا گیا لیکن ان کی ساتھی لڑکی اور ملازمین کو قاتل نے چھوڑ دیا۔ یہ بات کچھ ہضم نہیں ہوتی۔'' تیز طرار رپورٹر نے تیکھا سوال کیا تو بالی ستائشی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہم نے ملزم کا ریمانڈ لینے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ باقی ہر پہلو سے تفتیش کرنے کے بعد آپ کو اپڈیٹس دے دیں گے۔ علاقے کے امن و امان کو اب کوئی خطرہ نہیں۔ تھینک یو ویری مچ!'' عامر نے رکھائی سے کہہ کر گفتگو ختم کر دی۔

''تیری بات اب بھی ادھوری سچائی لیے ہوئے ہے۔ علاقے میں قتل تھم تو گئے ہیں لیکن ایک 'واردات' تو اب بھی مجھ پر واجب ہے۔'' بالی کسی گہری سوچ میں غرق ہو کر بستر پر ہی بیٹھ گئی۔ اس کے اندازے کے عین مطابق عرفان اور سکینہ نے بھی مناہل کا بتایا گیا حلیہ ہی دہرایا تھا اور اگر وہ گیٹ اَپ اتفاقی طور پر کسی اے 'ٹی' ہی یا ایک 'وائے' زیڈ سے میچ کر گیا تھا تو وہ اسے اپنی خوش قسمتی اور تائید غیبی ہی

PakBooks.site

گردان سکتی تھی۔ پولیس کی توجہ بھٹک جانے کے بعد اب وہ اپنے اگلے منصوبے میں بالکل تاخیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ آخری شکار اسے کسی بھی قیمت پر اور جلد از جلد کھیلنا تھا۔ زین سے شکار کی 'کمین گاہ' کا علم ہونے کے بعد مزید معلومات حاصل کرنا اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ تقدیر، عزم اور زورِ بازو کے سہارے یہ مہم ایک سے دو روز میں نمٹائی جانی ضروری تھی۔ شمشاد کی واپسی ہو جاتی تو اس سے زین کا قتل کسی طور پوشیدہ نہ رہ پاتا اور وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر اسے اخلاقی دباؤ میں لانے کی بھی ضرور کوشش کرتا۔ اس صورت میں بالی کے لیے اپنے ارادے پر عمل کرنا بہت دشوار ہو جاتا کیونکہ بلاشبہ شمشاد اس دنیا کا دوسرا شخص تھا جس سے اس نے دلی طور پر محبت کی تھی۔

اگلے ایک گھنٹے تک سوچ بچار اور ضروری معلومات حاصل کر لینے کے بعد اس کے ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ تیار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک چھوٹے سے بیگ میں مطلوبہ سامان رکھا اور اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

☆☆☆

بس اپنی مخصوص رفتار سے رینگتی 'روشن پور' کی جانب گامزن تھی۔

بالی اس وقت اپنے اصل حلیے میں تھی۔ اس نے حسبِ سابق اپنا وجود اور چہرہ بڑی سی چادر سے چھپا رکھا تھا۔ بس میں موجود مرد و زن گاہے بگاہے دزدیدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھ لیتے تاہم مقصد محض تجسس کی تسکین تھا۔ اس کا رکھ رکھاؤ اور اعتماد انہیں کسی بھی شک میں مبتلا ہونے ہی نہیں دے سکتا تھا۔ بادی النظر میں وہ اپر مڈل کلاس کی 'ورکنگ وومن' دکھائی دے رہی تھی۔ کھڑکی سے بھاگتے دوڑتے مناظر میں اسے مانوس چہروں کی شبیہہ جھلکتی محسوس ہوتی تو آنکھوں کے گوشے بے اختیار نم ہو جاتے۔

''ان آنسوؤں کو اپنی کمزوری مت بننے دے بالی! انہیں اپنی طاقت بنا۔ یہ موقع کمزور پڑنے کا نہیں ہے۔'' اس نے خود کو یاد دہانی کروائی۔

''دھیے! کیا گل ہے؟ اتنی خاموش اور اداس کیوں ہے؟'' اس کی نشست کے برابر بیٹھی ایک بوڑھی خاتون نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں جی! بس ویسے ہی کبھی کبھی بچھڑے رشتوں کی کسک دل میں طوفان پیدا کر دیتی ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔

''ہاں دھیے! جانے والے تو چلے جاتے ہیں لیکن ان کا خلا کبھی کوئی پورا نہیں کر سکتا۔'' خاتون نے سادگی سے کہا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟ کوئی ساتھ نہیں ہے کیا؟'' وہ وقت گزاری کے لیے طویل گفتگو کرنے پر آمادہ تھی۔

''روشن پور میں اپنی بہن کے گھر جا رہی ہوں۔'' بالی نے اس کے اگلے متوقع سوال کا جواب بھی خود ہی دے دیا۔

''شادی شدہ ہو؟''

''ہاں جی! لیکن ابھی اولاد کوئی نہیں ہے۔'' وہ جانتی تھی کہ اگلا سوال یہی کیا جائے گا۔

''اچھا! اب بھی۔ روشن پور میں پہاڑی والے بابا جی کے پاس جا رہی ہو۔'' خاتون چہکی۔ ''پچھلے سال وہاں حویلی والوں نے بھی چھوٹے پتر کی اولاد کے لیے منت مانی تھی۔ اس کے بعد اللہ نے پوترے کا منہ دکھایا تو اب وہ ایک ماہ کے لیے دیگیں چڑھا رہے ہیں۔ میری نونہہ (بہو) کا میکا ادھر ہی ہے۔'' اس نے تفصیلاً بتایا۔ بالی گہری سانس بھر کے رہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ توہم پرستی کی یہ روایات ان علاقوں میں اپنی جڑیں بہت مضبوط کر چکی ہیں۔ روحانیت کے اعلیٰ درجوں پر فائز کرامات دکھانے والے اپنی جگہ کامل لیکن ان دیہی اور نیم شہری علاقوں میں عقیدت و روایات کا باقاعدہ کاروبار کیا جاتا تھا۔ خاتون مزید بھی جانے کون کون سی کرامات کے قصے سناتی رہی لیکن بالی کا ذہن حویلی میں آج کل بانٹے جانے والے لنگر کے نکتے پر مرکوز ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خاکہ بڑی سرعت سے مکمل ہونے لگا۔ خاتون اس کی عدم توجہی کو مکمل انہماک سمجھتے ہوئے گفتگو کرتی رہی اور پھر اپنی منزل آنے پر اسے ڈھیروں دعائیں دیتی بس سے اتر گئی۔

بالی کے جسم میں شدید تناؤ پیدا ہو چکا تھا۔ روشن پور اب صرف نصف گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ اس کے ذہن میں اشرف کا ہیولا بار بار ابھر رہا تھا۔ اس کا کرخت چہرہ، تاؤ دار مونچھیں، مکار اور خود غرض آنکھیں، لہجے میں مقابل کو حقیر سمجھنے والی فرعونیت یاد آتے ہی بالی کی انگلیوں میں اینٹھن ایک بار پھر بڑھ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے خود کو پُرسکون کرنے لگی۔

☆☆☆

روشن پور کی سفید پتھروں والی اس حویلی میں پہنچتے تک عصر کی اذانیں ہو چکی تھیں۔

حویلی میں چہل پہل اور سرگرمیاں اس کے تصورات کے عین مطابق تھیں۔ فضا میں ہر طرف نمکین، میٹھے چاولوں

اور گوشت کی خوشبو سانسوں تک پہنچی تو اسے یاد آیا کہ پچھلے کئی گھنٹوں سے اس نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔ وہ بھوک، پیاس، خوف اور بقا کے جذبات سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ انتقام کی غیر مرئی لہریں اس کے وجود کو ایک عجیب بے عنوان تقویت فراہم کر رہی تھیں۔ اس وقت کے لیے بالی نے کئی سال انتظار ہی نہیں بلکہ خود کو جسمانی تربیت کی بھٹی میں بھی جھونکے رکھا تھا۔ سیلف ڈیفنس کے علاوہ اس نے کراٹے کی تربیت بھی حاصل کی ہوئی تھی۔ اپنے مجرموں سے انتقام لینے کے لیے اس نے بہت صبر آزما وقت گزارا تھا۔

حویلی کے صحن میں ایک جانب گداگروں اور مساکین کا جمِ غفیر موجود تھا۔ بالی عمارت کی بائیں سمت سے موڑ کاٹ کر نہر کے پاس درختوں کے جھنڈ میں جا پہنچی۔ بیگ سے ایک مخصوص لباس نکال کر پہننے کے بعد اس نے چھوٹے سے آئینے میں چہرے پر 'لیپا پوتی' کی اور بیگ درخت کی گھنی شاخوں میں چھپا دیا۔ اس عمل سے فارغ ہوتے ہی وہ مکمل طور پر اپنے 'کیریکٹر' میں واپس آ چکی تھی۔ متوازن چال چلتی ہوئی جب وہ دوبارہ صحن میں پہنچی تو ملازمین نمکین چاولوں کی دیگ کھول کر شاپرز میں بانٹ رہے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر ملازم نے اسے بھی شاپر تھما دیا۔ بالی برگد کے درخت تلے بیٹھ کر بے نیازی سے چھوٹے لقمے زہر مار کرنے لگی۔ اسے ایک مخصوص چہرے کی دید کا انتظار تھا۔ چالیس منٹ کے اعصاب شکن انتظار کے بعد بالآخر اسے اشرف نظر آ گیا۔ وہ صحن کے مخالف سمت میں واقع پورچ پر گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اس کے جسم پر ڈرائیور کی مخصوص وردی تھی۔ عقبی نشستوں پر بیٹھے دو مرد و زن کے لیے عاجزی سے دروازہ کھولتے وہ کسی اذیت میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے کی کرختگی کو آج کسی تکلیف کے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ یہ منظر بالی کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ اس کی تمام تر حسیات گویا آنکھوں کی پتلیوں میں سمٹ آئی تھیں۔ اشرف ڈھیلے قدموں سے چلتا صحن کی جانب چلا آیا۔ اس کا اٹھنے والا ہر قدم بالی کا تنفس بے ربط کر رہا تھا۔

''کیا ہوا تجھے؟ بوتھے پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟'' ایک ملازم نے...... فکرمندی سے پوچھا۔

''اتنی لمبی ڈرائیو کر کے آ رہا ہوں یار! کمر کا پھوڑا اب ٹیسیں مار رہا ہے۔'' اشرف کی آواز میں نقاہت تھی۔

''پھر جائی کی سنا؟''

''ٹھیک ہے وہ بھی۔'' اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تو جا کے کوارٹر میں آرام کر لے۔ کسی نے پوچھا تو میں کہہ دوں گا کہ پھوڑے کی پٹی کروانے جراح کے پاس گیا ہے بلکہ خود ہی تیری جگہ ڈیوٹی دے دوں گا۔''

''بڑی مہربانی یار ماکھے تیری۔'' اشرف کا یہ لب و لہجہ اور انداز بالی کے لیے حیرت در حیرت تھی۔ وہ صحن کے درختوں سے گزرتا عقبی سمت میں واقع کوارٹرز کی جانب بڑھ گیا۔ بالی نے چاولوں کا شاپر وہیں رکھا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔

''او چھمک چھلو! کدھر اڈاری بھر رہی ہے؟'' ایک کرخت آواز نے اس کے قدم روکے۔

''ویرا! مجھے بڑا ضروری کام ہے۔'' بالی نے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی اٹھاتے ہوئے اشارہ کیا۔

''اوئے! تو ادھر کہاں دفان ہو رہی ہے؟ پیچھے نہر کی طرف چلی جا...... خبردار! جو یہاں اپنی غلاظت پھیلائی تو نے۔'' ملازم نے حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اسے گیٹ سے باہر نکال کر ہی دم لیا۔ بالی جھنجھلاتی ہوئی عقبی جانب چلی آئی جہاں چند درختوں کی شاخیں دیوار کو بھی ڈھانپے ہوئے تھیں۔ اپنی حاصل شدہ تربیت کے باعث درخت پر چڑھنا اس کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ وہ اطمینان سے اوپر چڑھی اور سانس متوازن کرتے ہوئے ملازمین کے رہائشی کمروں کی سمت کود گئی۔ اس کا ہر ایک انداز بہت منظم اور پُرسکون تھا۔ اشرف کا شکار کرنے کے لیے وہ کسی بھی بے احتیاطی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ نہ صرف 'بے رحم' بلکہ 'آزاد' بھی تھا۔

چند لمحوں کی تلاش بسیار کے بعد اسے اشرف کا کمرا نظر آ گیا جس کا ثبوت سامنے ہی دیوار پر لٹکی اس کی تصویر تھی۔ درمیانی عمر کی ایک خوش شکل عورت کے ساتھ کھڑے اشرف کو دیکھ کر بالی کو شدید حیرت ہوئی تھی جو فوری طور پر غصے میں ڈھل گئی۔ اپنے طیش پر قابو پاتے ہوئے اس نے دروازہ مقفل کر دیا اور پیٹی پر رکھے اٹیچی کیس کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ اس کا شکار مخالف سمت میں ایک چوبی آڑ کے پیچھے موجود غالباً کپڑے تبدیل کر رہا تھا۔ چند منٹوں بعد اشرف اس اوٹ سے برآمد ہوا تو دروازے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔ بالی کے لیے یہ نادر موقع تھا۔ اس نے ایک بھرپور اور ماہرانہ کک اشرف کی کمر پر رسید کر کے اسے زمین بوس کر دیا۔ وہ اذیت سے ڈکراتا ہوا لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ بالی کی اس ضرب نے کسی دکھتی مقام کو مزید مضروب کر دیا ہے۔

PakiBooks.site

''بڑا ہی کمزور ہے تو اشرف! ایک ہی ٹانگ لگنے سے زنانیوں کی طرح ہائے ہائے مچادی ہے۔'' اس نے کندھوں اور سر پر مزید دو ضربات لگاتے ہوئے سفاکی سے کہا تو اشرف کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب ہوگئیں۔

''تو...... بالی...... بالی ہی ہے ناں؟''

''ہاں کمینے انسان! تجھے کیا لگا میں مر کھپ گئی تھی۔''
وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی اور لباس تلے چھپا ریوالور نکال کر بڑی مشاقی سے اس کے سامنے لہرانے لگی۔

''تجھے اس حالت میں دیکھ کر میں اندر سے کٹ کر رہ گیا ہوں۔'' وہ اس کے لباس اور میک اَپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھ سے بولا۔

''دکھ...... اور تجھے...... کے بیوقوف بنا رہا ہے......'' بالی نے ایک فحش گالی دی۔

''تو واقعی خواجہ سراؤں کے ساتھ رہتی ہے کیا؟'' وہ بے یقینی سے بولا۔

''ہاں! ایک خواجہ سرا بلکہ بقول تیرے 'خسرے' کو اپنے ہم ذات قبیلے کے سوا اس دنیا میں اور کون قبول کرسکتا ہے بھلا؟ میں بھی تیری حرامزدگی کا نشانہ بن کر اپنے لوگوں' اپنے قبیلے میں پہنچی تھی تو آج تک زندہ اور محفوظ ہوں۔'' وہ زہر خند ہوئی۔ اشرف کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا جبکہ بالی اس کی مضروب کمر اور کنپٹی پر مزید ضربات لگانے کے بعد اسے وقتی طور پر بے ہوش کرچکی تھی۔ اسے کرسی کے ساتھ باندھتے ہوئے بالی کے دل و دماغ کو بالآخر ماضی کے آسیب نے اپنے نکیلے پنجوں میں جکڑ لیا تھا۔

☆☆☆

محبت' چاہت' خلوص' وفا اور توجہ کا کوئی مادّی روپ ہوتو بالی کے لیے وہ 'راشد' کی ذات تھی۔

اونچا لمبا' کڑیل جوان' مضبوط جسم' محنت کش ہاتھ پاؤں' سانولی رنگت اور ٹھہرے ہوئے مزاج کا مالک راشد بالی کا باپ تھا۔ اس کا غم خوار' مونس' بہترین دوست اور رہنما۔ پیشے کے اعتبار سے وہ مزدور تھا اور لوگوں کے گھروں میں قلعی پھیرتا تھا۔ اس کی زندگی کا اولین مقصد بالی کو پڑھا لکھا کر کسی اچھے اور باعزت مقام تک پہنچانا تھا تاکہ وہ اپنی زندگی کی اس سب سے بڑی محرومی کے آسیب میں گرفتار ہی نہ ہوسکے۔

بالی کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ اسے لڑکپن ہی سے گلی محلے میں کھیلنے دینے کے بجائے گھر میں ہی دنیا جہان کے کھلونے اور کتابیں لاکر تھما دیتا تھا۔ پڑھائی لکھائی کے علاوہ وہ اسے سخت جسمانی تربیت کے لیے تحریک دیا کرتا۔ درختوں پر چڑھائی' لاٹھی کا استعمال' دیسی کشتی کے طریقے سکھا کر وہ اسے جفاکشی کی جانب مائل کررہا تھا۔ بالی قدرتی طور پر ہی بہت تابعدار اور قدرے مہم جو بھی ثابت ہوئی تھی اس لیے نہایت دلچسپی سے ان مشاغل میں ہنسی خوشی وقت گزارتی رہی۔ اس علاقے میں لڑکیوں کے لیے ایک ہی اسکول تھا جسے بعد ازاں سرکاری طور پر انٹر کالج کا درجہ بھی مل گیا۔ بالی کو وہ دن بھی مکمل جزئیات کے ساتھ یاد تھا جب چھٹی جماعت میں آتے ہی راشد نے اسے اپنے پاس بٹھا کر زندگی کے کچھ تلخ حقائق کا امرت نوش کروایا تھا۔

''بالی! تو میری بڑی سوہنی اور کرموں والی اولاد ہے۔ تو جانتی ہے ناں کہ میں تجھ سے بہت پیار کرتا ہوں...... اپنی جان سے بھی زیادہ۔'' وہ اس کے چمکیلے' ملائم اور سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

''ہاں ابا! میں جانتی ہوں کہ آپ اس دنیا کے سب سے اچھے ابا ہو۔'' وہ دلار سے اس کی گود میں ہی لیٹ گئی۔

''جب تو پیدا ہوئی تھی ناں! تو میں نے اپنے آپ سے اور رب سے ایک وعدہ کیا تھا کہ اس سوہنی ذات کے دیے اس تحفے کو ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔ میں رسموں اور رواجوں کو توڑ کر اپنی اولاد کو کوئی باعزت نوکری دلواؤں گا۔ میری بالی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی محتاج نہیں بنے گی۔'' راشد کی آواز نم ہونے لگی۔ بالی خاموشی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ اگلے چند منٹ اس کے لیے آگہی کا عذاب لائے تھے۔ راشد نے بہت محتاط اور محبت بھرے الفاظ میں اسے سمجھایا کہ وہ دانستہ طور پر اس کی پیدائش کے بعد آبائی علاقہ چھوڑ آیا تھا۔ اس کی پیدائش اسپتال میں ہوئی تھی اور وہ بہت جوکھم سے اُسے اور رفعت کو وہاں سے نکال پایا تھا۔ وہ کسی پر بھی یہ راز افشا نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ راشد حسین کی اولاد دراصل 'مخنث' ہے۔ اس علاقے میں ایک دوست کی مدد سے وہ ایک نئے سرے سے زندگی شروع کرنے کے قابل ہوا تھا۔ دوست کو خاندانی دشمنی کی فرضی کہانی سنا کر مطمئن کردیا گیا۔ غالباً اللہ پاک کو اس کی خلوص نیت اور عہد ہی اس قدر بھائے تھے کہ وہ نئی جگہ پر بآسانی ایڈجسٹ ہوکر بالی کی شناخت کو بھی راز رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس انکشاف نے بالی کا وجود سن کردیا۔

''میری اچھی دھی! آج تجھے بھی مجھ سے ایک وعدہ

کرنا ہوگا۔'' اسے اپنے چہرے پر پانی کے چند قطرے گرتے محسوس ہوئے تو اندازہ ہوا کہ راشد اپنا ضبط کھو کر رونے لگا ہے۔

''ابا! میں ہر وعدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

''اب تو بڑی کلاسوں میں پڑھے گی۔ اس لیول پر آتے ہی لڑکیاں بڑی تنچری ہوجاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ تجھ سے طرح طرح کے سوال کریں جو تجھے بہت عجیب اور نامانوس لگیں گے۔ تو کسی بھی سوال کا جواب اپنی ماں سے پوچھے بغیر مت دینا۔'' وہ محتاط الفاظ میں بولا۔ ''مجھ سے وعدہ کر کہ اپنا یہ راز کبھی کسی پر ظاہر نہیں کرے گی اور یونہی اعتماد سے زندگی جیتی رہے گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں ابا!'' اس نے عزم سے کہا۔

''اصولی طور پر تو یہ باتیں تیری ماں کو تجھ سے کرنی چاہیے تھیں لیکن وہ بھلی لوک آج تک میرے وہ گناہ معاف نہیں کرپائی جو میں نے کیے ہی نہیں۔'' راشد ایک بار پھر آزردہ ہوا۔ ''میری زندگی کی خواہشیں اب تجھ سے ہی جڑی ہیں۔ میں تیرے لیے پیسہ پیسہ جوڑ رہا ہوں تاکہ بارہویں کلاس کے بعد تجھے کسی اچھی یونیورسٹی سے ڈاکٹر یا وکیل بنوا سکوں۔ ایک بار تجھے کوئی شاندار نوکری مل جائے تو پھر کوئی بھی تیری ذات پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہوگی تو کسی کی پروا بھی نہیں ہوگی۔'' راشد خوابوں کے جگنو اُسے تھماتا رہا۔

وہ رات بالی کے لیے بہت بھاری تھی۔ اپنی اصل شناخت سے آگہی کسی کرب سے کم تو نہ تھی۔ اس کے پردۂ تصور پر اب تک دیکھی گئی شادیوں اور بچوں کی پیدائش پر ناچتے' تالیاں بجاتے خواجہ سرا لہرانے لگے۔ وہ اُن جیسی زندگی گزارنے کے تصور سے ہی کانپ اٹھی تھی۔ خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتے وہ باپ سے کیا گیا عہد نبھانے کا عزم دہرانے لگی۔ اس کے ذہن میں رفعت کے متعلق راشد کے خیالات بھی الجھن پیدا کررہے تھے لیکن اس اُلجھن کا کوئی سرا ملنے کے ہی نہ دیتا۔ ذہین' کم گو اور تابعداری میں اپنی مثال آپ بالی کو اپنی زندگی کے دوسرے اہم ترین ستون 'رفعت' کی بابت یہ جوابات موصول ہوئے تو وہ میٹرک کا امتحان پاس کرچکی تھی۔

رفعت کے ذمے اسے بچپن ہی سے نماز اور قرآن ناظرہ کی تعلیم تھی۔ وہ بلاشبہ بالی سے بے حد محبت کرتی تھی لیکن جانے کیوں ہر وقت اداس اور خاموش رہا کرتی۔ اس کی آنکھوں میں ناراضی اور بیزاری جیسے ثبت ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ ایک ناخواندہ اور روایات پرست عورت تھی۔ راشد سے شادی کے بعد اس نے اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق بہت سے خواب دیکھے تھے لیکن قسمت کی ستم ظریفی تو یہ تھی کہ شوہر کم گو اور محتاط طبیعت کا مالک تھا۔ وہ جذبات کے اظہار میں بھی سلیقے کا قائل تھا۔ اس کے لیے محبت کا عملی اظہار بیوی اور اولاد کے لیے تمام تر آسائشات اور باعزت زندگی فراہم کرنا تھا اور اپنے تئیں وہ اس محبت میں بالکل کامیاب تھا۔ وہ رفعت کے وقت نہ دینے کے گلے شکوؤں کو عورت کی وقتی ناراضی سمجھ کر ٹال دیتا۔ راشد کبھی سمجھ ہی نہ پایا کہ وہ بالی کی جنس کا ذمے دار بھی راشد کو ہی سمجھتی ہے کیونکہ اس کے بزرگوں نے ہمیشہ ایک ہی بات سمجھائی تھی کہ اولاد ہمیشہ مرد کے نصیب جبکہ رزق عورت کے نصیب سے ملا کرتا ہے۔ بالی اگر مخنث تھی تو اس کا ذمے دار اور قصوروار صرف اور صرف راشد تھا۔ صرف یہی جرم کیا کم تھا جو وہ اسے خاندان سے دور بھی لے آیا جہاں سگے رشتے داروں سے تعلق اب صرف خوشی غمی کی حد تک رہ گیا تھا۔ اب اگر وہ دن رات محنت کرکے انہیں آسائشوں بھری زندگی مہیا کرتے ہوئے بالی کے بہترین مستقبل کے لیے پائی پائی جوڑ رہا تھا تو اس میں رفعت کی قسمت کا کمال تھا کیونکہ مرد کو رزق تو ہمیشہ عورت کے نصیب سے ہی ملا کرتا ہے۔ وہ بالی کے لیے اس کی جدوجہد کی قائل بھی تھی اور قدرداں بھی لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں اس سے گلے شکوے کرنے سے گریز نہ کرتی۔

آگہی کے اس نئے عذاب کو جھیلتے اور والد کے خوابوں میں رنگ بھرتے وہ انٹر کے امتحان دینے میں کامیاب ہوگئی۔ اب اسے شدت سے رزلٹ کا انتظار تھا۔ زندگی بہت سہل انداز میں گزر رہی تھی لیکن پھر اس ہموار اور پُرسکون بحر سے اشرف نامی عفریت برآمد ہوئی جس نے دنوں میں سب کچھ ملیامیٹ کردیا۔

☆☆☆

''مجھے یوں باندھنے کا کیوں اتنا کشٹ کررہی ہے بالی؟ میں اپنی اس بیماری کے ہاتھوں کچھ بھی کرنے کے قابل ہی کہاں رہا ہوں؟'' اشرف نے ہانپتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ چارپائی کی ادوائن سے ماہرانہ انداز میں اس کی مشکیں کس چکی تھی اور اس کے ہوش میں آنے سے قبل بیرونی حالات کا جائزہ لے کر کمرے میں لوٹی تھی۔ اسے انتقامی روش میں اس قدر جنونی ہوتے دیکھنا اشرف کے لیے بہت اذیت ناک تھا۔ پھولوں' کتابوں' خوابوں اور عزم کی

PakiBooks.site

دنیا میں رہنے والی اس معصوم فطرت بالی... کی ایسی حالت کا اصل ذمّے دار وہی تو تھا۔

اشرف 'شہلا رضوی' کا ذاتی ڈرائیور تھا۔ شہلا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور طرح دار عورت تھی۔ اس کے والدین ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوچکے تھے اور ان کے بعد کوٹھی اور اسکول کی ذمّے داری اسی نے سنبھالی تھی۔ زین اس کا اکلوتا بھائی تھا جسے پہلے والدین اور پھر بہن کے لاڈ پیار نے بری طرح بگاڑ دیا تھا۔ ان دونوں کی عمر میں تیرہ سال کا فرق تھا۔ شہلا کی فطرت میں خودنمائی بہت زیادہ تھی۔ وہ لباس اور انداز میں نہایت بے باک تھی۔ اسے مردوں کو لبھا کر ان کی تڑپ دیکھنے کی 'لت' تھی۔ گھریلو ملازمین اکثر اس کی بابت پیٹھ پیچھے ہرزہ سرائی کرتے۔ اشرف کی معلومات ان سبھی سے زیادہ اَپ گریڈ تھیں۔ وہ شہلا کے ساتھ مختلف پارٹیز میں جایا کرتا تھا جہاں اسی کی طرح دوسرے ڈرائیور حضرات اپنے مالکان سے دوسرے افراد کے متعلق سنی باتیں چٹخارے لے کر بیان کیا کرتے۔ وہیں اسے علم ہوا کہ شہلا ستائش پانے کے لیے اخلاقی حدود تجاوز کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ اس کی بدولت کئی 'کپلز' میں ناچاقی پیدا ہوچکی ہے۔ اس سوسائٹی میں شہلا کو اس عادت اور شادی نہ کرکے ہمیشہ 'خودمختار' رہنے کی سوچ کے باعث 'سائیکو' تصور کیا جاتا ہے۔ اسکول میں بھی اس کا رویّہ بہت سخت تھا۔ کسی بھی غلطی پر معافی کا تصور ہی اس کی لغت میں ناپید تھا۔ ستم ظریفی تو یہ تھی کہ دوسروں کی کوتاہی پر چٹان کی طرح سخت بن جانے والی شہلا اپنے بھائی کے لیے بالکل موم بن جاتی تھی۔ وہ اس کی علتوں سے کافی حد تک آگاہ تھی لیکن دانستہ چشم پوشی اختیار کرکے اسے زندگی سے بھرپور لطف اندوز ہونے کا حق دینا اپنی محبت کا ثبوت سمجھتی تھی۔ اس کی سخت طبیعت اپنے مالی فوائد کی وجہ سے برداشت کرتے ہوئے اشرف ایک ہموار زندگی گزار رہا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ چار سال قبل شہلا نے گرمیوں کی چھٹیوں میں رنگ و روغن کا کام کروانے کا فیصلہ کیا۔ اپنی نفسیاتی بجی کی بدولت اس نے یہ سارا کام ایک ہی شخص کے سپرد کردیا۔ وہ اکثر یونہی 'کنجوسی' پر مائل ہوجایا کرتی تھی۔ راشد حسین نامی وہ شخص بہت محنتی اور پُرخلوص تھا۔ شہلا ان دنوں ماہِ تعطیلات کی فیسیں جمع کرنے کے لیے باقاعدگی سے اسکول جارہی تھی اور یہی وہ دن تھے جب اشرف اور راشد کی واقفیت میں اضافہ ہوا۔ وہ کئی مزدوروں کا کام اکیلے ہی کرلیا کرتا تھا۔

''یار راشد! اپنی مدد کے لیے کسی بیٹے کو ساتھ لے آیا کر۔ یا کوئی ہیلپر رکھ لے...... اس طرح تو بیمار ہوجائے گا۔'' اشرف نے ایک روز اسے مشورہ دیا۔

''نہیں ہوتا یار! بیٹا میرا کوئی ہے نہیں۔ اور ہیلپر کو جو دیہاڑی دینی ہے، اسے میں اپنی بیٹی کے لیے جمع کرلوں گا۔'' وہ سادگی سے بولا۔ اس کی باتوں سے اشرف نے اندازہ لگایا کہ وہ بیٹی کے لیے رقم جمع کرنے کی غرض سے ہی اپنی ذات پر بہت سے بوجھ اٹھائے پھرتا تھا۔ غالباً اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ جنون بالآخر بہت خطرناک ثابت ہوا۔ راشد نے اندرونی کمروں میں روغن کردیا تھا اور اب اسے ان دو کمروں پر رنگ کرنا تھا جنہیں بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر گراؤنڈ میں ہی کچھ زمین نکال کر تعمیر کروایا گیا تھا۔ ان دنوں سورج سوا نیزے پر ہوتا تھا۔ گراؤنڈ میں کھڑے ہوکر بیرونی دیواروں کو رنگنے کے دوران گرمی اور لُو سے بے حال راشد کو زوردار چکر آیا اور وہ لڑکھڑا کر سیڑھی سے نیچے جاگرا جہاں ایک اینٹ سر کی عقبی جانب لگنے سے وہ دوبارہ ہوش میں نہ آسکا اور اندرونی جریانِ خون سے لمحوں میں ہی موت کی انگلی تھامے اپنی اصل منزل کی جانب پرواز کرگیا۔ اشرف کو اس محنتی انسان کی جواں مرگی کا بے حد افسوس ہوا۔

شہلا رضوی نے حسبِ توقع اپنے کام میں تاخیر پر بہت ناگواری کا مظاہرہ کیا اور ناک بھوں چڑھاتے ہوئے اس کی لاش گھر پہنچانے کا حکم جاری کردیا۔ اشرف کے لیے اس کی یہ بے حسی غیر معمولی بات ہرگز نہ تھی۔ وہ روزِ اول سے ہی ان دونوں بہن بھائیوں کی ایسی بے حسی کے عظیم الشان مظاہرے دیکھتا آیا تھا۔ راشد کی لاش اگلے دو گھنٹے وہیں دھوپ میں پڑی رہی۔ شہلا کے حکم کے مطابق اشرف پہلے اسے گھر چھوڑ کر آیا اور پھر کسی ٹیکسی میں واپس آکر راشد کا بے جان وجود کرائے کے اس مکان میں لے گیا جس کا ایڈریس اس نے باتوں باتوں میں سرسری طور پر اشرف کو بتایا تھا۔ دو خواتین کے اکلوتے دنیاوی سہارے کو مردہ حالت میں ان کے سامنے پہنچانا اور پھر ان کی غیر ہوتی حالت دیکھنا کسی بھی انسان کو بنیادوں تک ہلا دیتا ہے۔ اشرف کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ راشد کی بیوہ تو اس کے سامنے ہی بے ہوش ہوگئی تھی۔ وہ اسے سنبھالنے کے لیے بے اختیار آگے بڑھا تو اس کے گداز لمس اور وجود کی حرارت نے نفس کو ایک لمحہ میں ہی بھڑکا دیا۔

''امی! پلیز سنبھالیے خود کو۔'' ایک شائستہ پُراعتماد لیکن قدرے بھاری آواز ابھری۔ وہ چادر میں لپٹی ایک پُرکشش لڑکی تھی جس کی آواز کا بھاری پن مشہور بھارتی اداکارہ کی طرح بہت بھدا معلوم ہوتا تھا۔ بالی کی ناگواری اور غصہ اشرف سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ خجالت اور توہین محسوس کرتے ہوئے نفرت و غصے سے اسے دیکھتا تدفین کے مراحل میں مصروف ہوگیا۔

راشد کی تدفین کے بعد وہ اس کی بیوہ کے تصور میں بری طرح اُلجھ چکا تھا۔ اشرف کی عمر رفعت ہی کی طرح اڑتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ خاندانی قرضوں میں مبتلا ہونے کے باعث تاحال غیر شادی شدہ تھا اور اس وقت تجرد کی زندگی سے خاصا بیزار تھا۔ اسے شدت سے کسی عورت کی تمنا تھی۔ اگلے تین روز میں وہ اپنے نفس کے ہاتھوں بے بس ہوچکا تھا۔ وہ تعزیت اور احوال پُرسی کے لیے وہاں جانے کے لیے تیار تھا لیکن قسمت نے اس کے لیے ایک اور راہ ہموار کردی۔ شہلا نے راشد کے کیے گئے کام کے واجبات اس کے اہلِ خانہ کو بھجوانے تھے جنہیں اشرف نے خود پہنچانے کی ذمّے داری لے لی۔ اس روز بارش نے موسم خاصا سہانا کردیا تھا۔ اپنے مزاج کی ترنگ پر قابو پاتا وہ راشد کے گھر پہنچا تو اس کے جذبات ایک بار پھر مچل اٹھے۔ رفعت کی باتوں سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ شوہر کی وفات کے بعد بالی اور اپنے معاشی مستقبل کے لیے خاصی پریشان ہے۔ بالی مختلف اسکولوں میں کسی چھوٹی موٹی نوکری کی تلاش میں گئی ہوئی تھی۔

''آپ کا یہ محلہ بھی مجھے بہت عجیب لگا ہے۔'' اس نے مکاری سے اپنا مدعا بیان کرنا شروع کیا۔ ''جنازہ اور تدفین کے دوران میں نے کئی مردوں کو آپ دونوں کے متعلق بے ہودہ باتیں کرتے سنا ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ آپ کسی رشتے دار کے گھر چلی جائیں یا کسی کو یہاں بلوالیں۔''

''کوئی نہیں آئے گا۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ چچازاد یا ماموں زاد پرائی اولاد کی ذمّے داری کب تک اٹھائیں گے۔ راشد کے بھائی پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ اپنے خاندانی مکان سے ہمیں کوئی حصہ نہیں دیں گے۔ ان کی بیویاں ہمیں ساتھ رکھنے کے لیے بالکل راضی نہیں ہیں۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔ ''بالی کو نوکری مل جائے تو شاید کچھ بہتر ہوجائے۔''

''انٹر پاس کو پندرہ سو یا دو ہزار سے زیادہ کیا تنخواہ مل جائے گی؟'' اس نے خلوص جتایا۔ ''میں نے میڈم سے لڑ جھگڑ کر راشد کے یہ پیسے نکلوائے ہیں۔ آپ فی الحال ان سے کام چلائیں۔ میں کوئی نہ کوئی بہتر بندوبست کروادوں گا۔ بالی بیٹی کو میری طرف سے بہت پیار اور دعائیں دیجیے گا۔ اللہ پاک اس کے نصیب اچھے کرے۔'' وہ مکاری سے بولا۔ اشرف نے عورتوں کی مخصوص نفسیات کے مطابق رفعت کی دکھتی رگ دبا کر اسے متاثر کرلیا تھا۔ قسمت بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ انہی دنوں شہلا کی ملازمہ اس کے رویّے اور زین کی بدنظری سے تنگ آکر نوکری چھوڑ گئی۔ اشرف نے کہہ سن کر رفعت کو وہاں رکھوانے کے لیے راضی کرلیا۔ کل وقتی ملازمہ کوڑیوں کے دام ملنے سے شہلا کا دردِ سر کم ہوسکتا تھا سو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ رفعت اشرف کے احسانوں تلے دبتی جارہی تھی۔ وہ اس سے بھرپور خوش اخلاقی سے پیش آتی۔

اس کے بعد اشرف نے دوسرے مرحلے کی طرف پیش قدمی کا آغاز کردیا۔ وہ اس کی خوبصورتی کو پہلے ڈھکے چھپے اور پھر واضح لفظوں میں سراہنے لگا۔ اس جیسے گھاگ شکاری نے رفعت سے گاہے بگاہے ہونے والی گفتگو سے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ ایک تشنہ عورت تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو جوان اولاد کے احساس سے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہ کرتی لیکن رفعت نے زندگی کے اٹھارہ سال ایک ایسے شخص کے

دوست نہ باس...... کوئی نہیں آرہا، بس اچھا کھانے کا موڈ تھا...... میں نے بہانہ بنادیا۔

PakiBooks.Site

ساتھ گزارے تھے جو جذبات کے اظہار میں بالکل کورا تھا۔ اس پہ مستزاد وہ پیسے کمانے کی مشین بن گیا تھا۔ رفعت کو شوہر سے بہت سے شکوے تھے۔ وہ بالی کے لیے اس کی محبت اور جدوجہد کی بھرپور قدردان تھی لیکن اپنے نفس کا کیا کرتی جو مدح وستائش اور گرمجوشی کی تمنا میں اکثر اس پر کوڑے برساتا تھا۔ وہ مامتا کے سامنے ایک 'عورت' کے جذبات سے کبھی نجات حاصل نہ کرسکی۔ وہ بھی بالی کو ایک بہترین مستقبل دینا چاہتی تھی لیکن اس بات سے لاعلم تھی کہ اس کے وجود میں چھپی سرکش اور تشنہ عورت اپنی فطری کمزوری سے مغلوب ہوکر اولاد کے لیے بربادی کی سرنگ کھود رہی ہے۔

☆☆☆

اشرف کی حالت اس وقت نہایت خستہ ہوچکی تھی۔

ماہرانہ انداز میں باندھی گئی ان بندشوں نے اس کی کمر میں ناقابلِ برداشت اذیت پیدا کررکھی تھی۔ بالی اس کی تکلیف اور کرب واضح طور پر محسوس کررہی تھی لیکن وہ اس شخص پر ذرا بھی رحم نہیں کھانا چاہتی تھی۔ وہ اس سے پہلی ہی نظر میں نفرت کرنے لگی تھی۔ ماں کی نوکری پر بھی اس نے خاصا واویلا مچایا تھا لیکن رفعت پر جانے کیوں اشرف پر اعتماد کا بھوت سوار ہوچکا تھا۔ شہلا کے دیے گئے کوارٹر میں بھی اس کے بہانے بہانے سے لگائے چکروں پر... وہ خاصی متنفر ہوچکی تھی۔ ایک روز اس نے ماں سے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی۔

''مجھے اس شخص کا یہاں آنا بالکل پسند نہیں۔ آپ اسے منع کیوں نہیں کرتیں؟''

''وہ ہماری مدد کررہا ہے اور میں اتنی بداخلاق نہیں کہ اسے منع کرکے احسان فراموشی کروں۔''

''آج وہ احسان کررہا ہے۔ اگر کل کلاں کو ہم سے ان احسانوں کا بدلہ طلب کرے گا تو کیا کرپائیں گی؟'' بالی نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''وہ ایک اچھا انسان ہے اور ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔'' رفعت نے عقیدت سے جواب دیا۔

''آپ گہرائی میں کیوں نہیں سوچتیں امی؟ ہم اچھا خاصا اپنے گھر میں رہ رہے تھے۔ مجھے محلے کی کئی باجیوں نے اپنے بچوں کی ٹیوشن دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مالک مکان کی بیوی بھی اپنی بیٹیوں کو پڑھانے کے عوض کرائے کی مد میں فیس کٹوا کر وہ بوجھ بھی کم کرنے کو تیار تھی لیکن آپ کو جانے کیوں اس عمر میں یہاں ملازمہ بننے کی سوجھی؟ چند سال کی تو بات تھی پھر میری تعلیم مکمل ہوجاتی تو سب کچھ سیٹ ہوجاتا۔'' بالی نے کئی دفعہ کی کہی ہوئی باتیں پھر سے دہرائیں۔ وہ اس محلے سے منتقلی کے لیے ہرگز راضی نہیں تھی۔

''مجھے تیری یہ کتابی باتیں بالکل سمجھ نہیں آتیں۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہاں کئی مردوں کی ہم پر بُری نظر تھی۔'' رفعت چڑ گئی۔

''ایسا کچھ نہیں تھا امی! وہ سب ہماری بہت عزت کرتے تھے۔''

''مرد کو بھیڑیا بنتے دیر نہیں لگتی بالی!''

''جی ہاں! لیکن یہ کلیہ اشرف پر کیوں نہیں لاگو کرتیں آپ؟'' اس نے ماں کو سمجھانا چاہا لیکن نتیجہ الٹ ہی برآمد ہوا۔ رفعت نے اس بات کو اپنے کردار پر بہتان قرار دے دیا۔ بالی اپنی نظروں میں ہی شرمسار ہوکر رہ گئی۔

وہ اب سنجیدگی سے بینک میں رکھوائے گئے ڈیڑھ لاکھ روپے کسی طرح نکلوا کر اپنے سابقہ محلے میں دوبارہ منتقلی پر ماں کو راضی کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنے لگی۔ اس کے مستقبل کے لیے محفوظ رکھی گئی اس رقم کا بہترین مصرف اور وقت یہی تھا۔

اشرف کی آمد رفت سے عاجز اور اس کے انداز و اطوار پر نظر رکھتی بالی کو بالکل اندازہ نہ ہوسکا کہ وہ ایک اور گدھ کی نظروں میں آچکی ہے۔ ایک ایسا گدھ جو خباثت اور کمینگی میں اپنی مثال آپ تھا۔ بے حسی اتنی کہ والدین کی وفات کی خبر پر بھی اپنی بائیک ریس نمٹا کر ہی گھر آیا تھا اور بہن کی ناجائز حمایت کے بعد ایک زہریلا ناگ بن چکا تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا کہ وہ پانچ ستمبر کا دن تھا۔ اُس روز بالی نے کھانسی اور بخار میں مبتلا رفعت کو دس بجے ڈاکٹر کے جانے کے بعد دوبارہ کبھی نہ دیکھا۔ یہی وہ دن تھا جس کی پُرحبس دوپہر میں اس کی زندگی نے اپنی مہاریں موڑ کر بربادی اور انسانی گراوٹ کے مظاہرے دکھانے کے بعد بالآخر شمشاد سے ملوا دیا جہاں وہ سرتوڑ کوشش کے بعد بھی ماں کا سراغ پانے میں کامیاب نہ ہوسکی تھی۔

''میری ماں کہاں ہے کمینے؟ میں نے تو یہی سوچ کر خود کو دلاسا دے لیا تھا کہ وہ مامتا پر تجھے ترجیح دے کر گھر بسا چکی ہے۔'' اس کے زہریلے انداز پر وہ نظریں چرا کر رہ گیا۔

☆☆☆

اشرف اپنی حکمتِ عملی میں مکمل طور پر کامیاب ہوچکا تھا۔

رفعت اس کی 'محبت' اور 'خلوص' پر پوری طرح ایمان لاچکی تھی۔ رہائشی کوارٹرز کے اختتام پر ایک اسٹور نما کمرا تھا جہاں کاٹھ کباڑ بھرا رہتا تھا۔ اشرف نے اس کمرے کی حالت سنوار رکھی تھی۔ وہ چند ایک بار پہلے بھی گھریلو ملازماؤں کی رضامندی سے یہاں نفس کی تسکین کے لیے آجایا کرتا تھا۔ رفعت بھی اس کے ساتھ وہاں کئی بار راتوں سے چرائے گئے لمحے گزار چکی تھی۔ اس موقع پر وہ بالی سے کوئی نہ کوئی بلاوے کا بہانہ کردیا کرتی۔ اشرف اب اپنے منصوبے کے تیسرے مرحلے کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ اسے علم تھا کہ راشد نے بیٹی کے لیے خاصی بھاری رقم جمع کررکھی ہے۔ وہ رفعت کو مجبور کرکے از خود اس رقم کا تذکرہ سننا چاہتا تھا۔ وہ ایک محتاط شکاری تھا جو کسی بھی غلطی سے بنا بنایا کھیل خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نہایت جذباتیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رفعت کو شادی کی پیشکش کردی۔

''ہم کب تک یوں چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے رفو؟ مجھے رات کے ان اندھیروں میں یوں وقت گزارتے ہوئے خود سے شرم آتی ہے۔''

''تو سچ ہی کہہ رہا ہے اشو! مجھے بھی بالی سے جھوٹ بولتے بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ شہلا میڈم کو پتا لگ گیا تو وہ پاگل عورت نہ جانے کیا ہنگامہ کھڑا کردے۔ مجھے شک ہے کہ وہ ہمارے بارے میں مشکوک ہوچکی ہے۔ پچھلی دفعہ جب میں یہاں سے نکلی تو چھوٹا مالک زین میرے رستے میں آکے بڑی گندی بکواس کررہا تھا۔ مجھے لگتا ہے وہ بالی پر نظر جمائے بیٹھا ہے۔'' رفعت کے لہجے میں بہت سے اندیشے تھے۔

''تو ہم دونوں شادی کرلیتے ہیں۔ ہر مسئلہ حل ہوجائے گا۔''

''میری جوان اولاد ہے اشو! دنیا والے کیا کہیں گے؟'' وہ حسبِ توقع خوفزدہ ہوکر روایتی منطق دینے لگی۔

''تم عورتوں کا بھی جواب نہیں ویسے! محبت کرنے پہ آؤ تو بالکل شیرنی کی طرح بے خوف ہوجاتی ہو لیکن کوئی بڑا قدم اٹھانے کا وقت آئے تو اولاد اور دنیا کا خوف سر پہ سوار کرلیتی ہو۔ ارے! بھاڑ میں جائے دنیا۔ بالی کی شادی کے بعد اکیلی کیسے رہو گی؟ بہتر ہے کہ ابھی اپنے متعلق بھی کوئی فیصلہ کرلو۔ میں خود اس کے لیے بہترین لڑکا تلاش کروں گا۔ زین واقعی بڑی 'اوتری' شے ہے۔ اس نے جانے اب تک کتنی لڑکیوں کی زندگی برباد کی ہے۔ مجھ سے یہاں کیا چھپا ہوا ہے بھلا؟ اور ہاں! اگر تم مجھ سے شادی نہیں کرسکتیں تو ہمیں اپنا تعلق ختم کرلینا چاہیے۔ میں نے تمہیں سچے دل سے چاہا ہے لیکن اپنی محبت سے یوں رات کے اندھیروں میں ملنا' دن کے اجالوں میں اجنبی بن جانا میری غیرت کو گوارا نہیں۔'' اشرف نے اسے بیک وقت لالچ' احساسِ شرمندگی اور خوف میں مبتلا کردیا۔ اس کے خلوص پر رفعت بالکل ہی ڈھے گئی اور وقت کے اس کمزور لمحے میں اسے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی راز سونپ دیا۔ وہ اس انکشاف پر حقیقی معنوں میں ہکا بکا رہ گیا۔ اسے اب سمجھ آرہا تھا کہ بالی کی آواز میں بھاری پن اور اس کے ہمہ وقت بڑی سی چادر میں لپٹے رہنے کی کیا وجوہات ہیں۔ دل میں نفرت و ناگواری تو پہلے سے ہی موجود تھی۔ اب وہ اس کے لیے حقارت بھی محسوس کرنے لگا لیکن رفعت کے سامنے اداکاری کا عظیم مظاہرہ کرنا ضروری تھا۔

''کاش! تم نے اس سلسلے میں مجھ پر پہلے اعتبار کیا ہوتا۔ بالی کا علاج بھی کروایا جاسکتا ہے۔''

''وہ کیسے بھلا؟'' سادہ لوح رفعت حیرانی سے بولی۔

''میرے گاؤں میں ایک بہت 'پہنچا ہوا' شخص ہے۔ وہ اپنی جڑی بوٹیوں اور جھاڑ پھونک سے ایسے انسانوں کو ان کی من پسند جنس عطا کردیتا ہے۔ اللہ پاک نے اسے بڑا 'مرتبہ' عطا کررکھا ہے۔ بڑی دور دور سے لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔ اس کا علم بڑا ہی پکا ہے۔'' اس نے بڑے اعتماد سے ایک کہانی تراشی۔

''تو ہم چلتے ہیں پھر اُن کے پاس۔'' وہ خوشی سے نہال ہوگئی۔ اپنی کم علمی' پسماندہ پس منظر اور سادہ لوحی میں وہ انتہائی حد تک ضعیف الاعتقاد تھی۔

''مجھے بس ایک ہفتے کی مہلت دے۔ میں وہاں آنے جانے اور ان کے 'لنگر' میں حصہ ڈالنے کے لیے تھوڑے پیسے اکٹھے کرلوں پھر تجھے لے چلوں گا۔ بالی کو حقیقت بتائے بغیر گاؤں چلنے کے لیے راضی کرنا ورنہ وہ جانے کے لیے تیار نہیں ہوگی۔'' اشرف کو اس کی جوابی ناگواری و نفرت کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ کہانی سن کر رفعت خود ہی پیسوں کے متعلق بتادے گی۔ اشرف کے طے شدہ منصوبوں میں اس سے شادی کرنا تو کہیں بھی شامل نہ تھا۔ اسے رفعت سے اپنے مقاصد پورے کرنے کے بعد رقم لے کر کہیں غائب ہوجانا تھا۔

''پیسوں کی فکر مت کر..... پیسے میرے پاس موجود

PakSociety.com

ہیں۔ راشد نے بینک میں میرے نام سے ہی جمع کروا رکھے ہیں۔''

''اوہ! کیا واقعی؟ تو ہم پہلے بینک سے پیسے نکلواتے ہیں اور پھر اس جمعرات گاؤں چلے چلتے ہیں۔ لیکن ایک بات میں تجھے بتا دوں! یہ پیسے میں تجھ سے ادھار لے رہا ہوں۔ میرے بہنوئی نے مجھ سے قرضہ لے رکھا ہے۔ وہ جیسے ہی واپس کرے گا میں تیرا ادھار چکا دوں گا۔ تم دونوں اب میری ذمے داری ہو۔ تمہاری ہر ضرورت پوری کرنا میری غیرت کا معاملہ ہے۔'' شکاری نے جال کو مزید کستے ہوئے کہا۔ رفعت خوشی سے اس دلدل میں دھنستی چلی جا رہی تھی۔ بالی کا 'علاج' مکمل ہوتے ہی وہ اشرف سے شادی کر کے اپنے ضمیر کی خلش سے آزاد ہو جاتی۔ وہ اشرف کے حقیقی منصوبوں سے بالکل انجان تھی جسے زین نے آج صبح ہی بالی کو اس کے حوالے کرنے کی 'پیشگی' ادائیگی کر دی تھی۔

☆☆☆

زین رضوی شراب و شباب کا بے حد رسیا تھا۔

اس کی زندگی میں ہلا گلا اور دوستوں کے ساتھ پارٹیز میں اخلاقی حدود سے تجاوز کرنے کے سوا کوئی اور سرگرمی نہ تھی۔ وہ درونِ پردہ اپنی بہن کے 'معاملات' سے بھی آگاہ تھا لیکن اس سوسائٹی کے وضع کردہ اصول و ضوابط کے مطابق وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی زندگی میں کوئی دخل نہیں دیتے تھے۔ اشرف زین کا معتمدِ خاص تھا اور اس کے لیے شراب کے ساتھ کئی بار شباب بھی فراہم کر چکا تھا۔ اس نے بخوشی بالی کو اس کے دوستوں کی دعوت کا سامان بنانے کے لیے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں لیکن اب رفعت سے بالی کی جنس کا علم ہونے سے اُلجھن میں گرفتار ہو گیا۔

''باس! آپ اس بالی کا خیال دل سے نکال دیں۔ میں آپ کے لیے کوئی اور بندوبست کر دیتا ہوں۔ آج کل ایک اسٹیج ایکٹریس کے بڑے چرچے ہیں۔ آپ حکم کریں تو اسے یہاں لانے کا بندوبست کر دوں؟'' اگلی صبح اشرف نے زین سے بات کی۔

''کیوں سالے! پہلے تو کبھی تو نے کوئی سودا کینسل نہیں کیا۔ پیسے کم لگ رہے ہیں تو بتا دے۔ تھوڑی ہڈی اور ڈال دیتا ہوں تجھے۔'' زین حسبِ توقع بھڑک گیا۔

''نہیں باس! ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔''

''اچھا! تو پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی ماں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے تو بیٹی پر بھی نظر رکھ کر بیٹھا ہے۔ ایک بات کان کھول کر سن لے! مجھے ہر حال میں وہ پیس اپنے لیے چاہیے۔ اس دن اپنی ماں کے ساتھ اندر صفائی کر کے آئی ہوئی تھی۔ اُلو کی پٹھی! مجھے ایٹی ٹیوڈ دکھا رہی تھی۔ میری لائن کے جواب میں منہ بنانے کی سزا تو میں اسے دے کر رہوں گا۔'' زین اس وقت بھی نشے میں دھت تھا۔

''وہ ایٹی ٹیوڈ دکھا کے اپنا بھرم رکھ رہی تھی باس! وہ آپ کا ٹیسٹ ہے ہی نہیں...... خسرا ہے وہ۔ اس کی ماں نے رات کو ہی بتایا ہے مجھے۔'' اشرف کے انکشاف پر زین کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ درحقیقت اس نے اپنے دونوں دوستوں کے ساتھ ایک ویب سائٹ بنا رکھی تھی جہاں وہ لڑکیوں کے علاوہ خوبصورت و پُرکشش لڑکوں کے ساتھ ہونے والے جنسی زیادتی کے واقعات کی ویڈیوز شیئر کیا کرتے تھے۔ اتفاق ہی ایسا تھا کہ وہ ایک نئے ایڈونچر اور ویب سائٹ پر اخلاق باختہ لوگوں کی 'ٹریفک' بڑھانے کے لیے کسی مخنث کی تلاش میں تھے۔ بالی کی صورت میں انہیں ایک گوہرِ مقصود ملتا نظر آیا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔

''کل اس کی ماں کو لے کر کسی کونے کھدرے میں مصروف ہو جانا۔ میں، جاسم اور شیراز اُسے کوارٹر سے اٹھا کر اپنے کسی ٹھکانے پر لے جائیں گے۔'' زین نے بے ہودگی سے کہا۔ ''اپنا باقی مال بعد میں مجھ سے لے لینا۔''

''آپ فکر نہ کریں باس! میں اُس کی ماں کو لے کر اپنے خاندان سے ملوانے کے بہانے کل گاؤں چلا جاؤں گا۔ آپ بس کسی فوتگی کا بہانہ کر کے میڈم سے مجھے دو دن کی چھٹی دلوا دیں۔'' اس نے جھوٹ تراشتے ہوئے خوشامد کی۔ وہ زین سے اکثر و بیشتر اس طرح کے تعاون لے لیا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ ان کی فکر نہ کرو تم...... وہ مجھے کبھی انکار نہیں کریں گی......'' وہ بے نیازی سے کہتا اپنے فون کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

اگلی صبح طے شدہ منصوبے کے مطابق رفعت کھانسی اور بخار کی دوائی کا بہانہ کر کے ڈاکٹر کے لیے روانہ ہو گئی۔ اشرف نے اسے کلینک سے بینک لے جانا تھا۔ پیسے نکلوانے کا عمل نہایت آسانی سے طے ہو گیا۔ رفعت کچھ اُلجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ کہیں مرحوم شوہر کی یہ آخری نشانی مجھے سونپتے ہوئے دل تو بے ایمان نہیں ہو رہا۔'' اس کی مکمل

PakiBooks.Site

خاموشی پر وہ مشکوک ہونے لگا تھا۔ شہلا کی گاڑی اسکول میں ہی چھوڑنے کے بعد وہ رکشے میں اس کے پاس آیا تھا اور فی الوقت وہ دونوں کسی سواری کی تلاش میں پیدل ہی چل رہے تھے۔

''نہیں! میرا جینا مرنا تو اب صرف بالی اور تیرے لیے ہے۔ میں تو بس بالی کے متعلق سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں۔'' وہ بے حد مضطرب تھی۔

''کہیں تو نے اس سے کوئی بات تو نہیں کر دی۔'' اشرف ٹھٹکا۔

''نہیں! بس سرسری طور پر کہا تھا کہ ہم کسی پیر فقیر سے اس کا علاج کروا کے دیکھتے ہیں۔ اللہ کی قسم! تیرا نام تو میں نے بالکل بھی نہیں لیا۔''

''جواب میں اس نے چار باتیں سنا دی ہوں گی تجھے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''ہاں! وہ ایسی باتوں پر یقین ہی نہیں رکھتی۔ کہتی ہے یہ سب انسانی ایمان کی کمزوری ہے۔ اس کی جنس ایک خدائی فیصلہ ہے جسے تبدیل کروانے کی سوچ بھی شرک جیسا گناہ ہے۔'' رفعت نے خوفزدہ انداز میں کہا۔ وہ تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے باعث بے حد کمزور قوتِ فیصلہ کی مالک تھی۔ تعلیم یافتہ بیٹی کا اعتماد اس کے لیے اکثر ذہنی دباؤ کا باعث بھی بن جایا کرتا تھا۔

اشرف کو اس پر جی بھر کر غصہ آیا۔ یہ عورت اب اس کے لیے بے مصرف ہو چکی تھی۔ نفس اور دولت کی ہوس مکمل ہوتے ہی وہ اس سے چھٹکارا پانے کے طریقے بھی سوچ چکا تھا۔ وہ رفعت کو رکشے میں لیے ایک پبلک پارک چلا آیا۔

''پارک کیوں جا رہا ہے؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ تیرے ساتھ تھوڑا وقت گزاروں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر جذبے سے بولا۔

''بالی میرا انتظار کر رہی ہو گی...... میں اسے کلینک پر جانے کا کہہ کر آئی ہوں۔ وہ پریشان ہو جائے گی۔''

''وہ کوئی چھوٹی بچی نہیں ہے جو فیڈر کے لیے رونے لگے گی۔ اگر تیرا دل نہیں چاہ رہا تو واپس چلتے ہیں۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ اس کی یہ ناراضی اور روکھا رویہ رفعت کو ہمیشہ بوکھلا دیتا تھا۔ اپنے نفس کے ہاتھوں مغلوب ہو کر وہ اشرف کے سامنے بے بس ہو چکی تھی۔ اس وقت بھی اس نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔

''اب واپس چلتے ہیں اشو! بالی گھر میں اکیلی ہو گی۔ مجھے زین کی نظروں سے بڑا خوف محسوس ہوتا ہے۔'' دو گھنٹے بعد اس نے بے چینی سے کہا۔ ''میرا دل بھی بُری طرح گھبرا رہا ہے۔''

اشرف کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔ بالی یقیناً زین کے قبضے میں موجود تھی اور رفعت کا دل قدرتی طور پر اس کے لیے 'سگنلز' کیچ کر رہا تھا۔ اس کے آخری منصوبے پر عمل کرنے کا وقت آ چکا تھا۔ پارک میں اس وقت موسم کے حبس اور گرمی کی وجہ سے ہُو کا عالم تھا۔ اشرف نے چاروں سمت کا جائزہ لیا اور سنگی بینچ پر اپنی بائیں سمت بیٹھی رفعت کی گردن دبوچ لی۔ اگلے چند منٹوں میں وہ اپنی پھڑپھڑاہٹ اور بچاؤ کی جنونی کوشش کے باوجود زندگی کی بازی ہار گئی۔ اشرف اس کی لاش کو گھسیٹتا درختوں کے عقب میں لے گیا اور ایک اینٹ سے اس کا چہرہ بھیانک بنا دینے کے بعد کپڑے، چادر اور بالیاں اتار کر اسے بالکل 'بے شناخت' بنا دیا۔

اس کا ہر منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اشرف کے ان انکشافات پر بالی کا وجود ساکت اور سانسیں تھم سی گئی تھیں۔

اسے گزشتہ چار سال میں رفعت سے بے پناہ شکوے تھے لیکن اس کی موت کا تو کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ بالی کو ہمیشہ یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ اشرف سے شادی کر کے اپنے نئے خاندان میں مصروف ہو گئی ہو گی۔ ایک بے جنس بیٹی کو چھوڑ کر اپنی زندگی ازسرِنو شروع کرنے کے فیصلے پر وہ اسے شمشاد کے سمجھانے پر معاف کر چکی تھی۔ اسے گمان تھا کہ کلینک سے واپسی کے بعد رفعت نے اسے ضرور تلاش کیا ہو گا لیکن اشرف نے اسے کوئی نہ کوئی عذر تراش دیا ہو گا۔ وہ ماں کا اس کی طرف جھکاؤ بھی محسوس کر چکی تھی۔ اس کے دل میں صرف یہی خلش تھی کہ زندگی میں ایک بار ماں سے مل کر اس کے نئے شوہر کی حقیقت دکھا دے۔ رفعت کے ساتھ ہونے والے ظلم اور قتل کا سن کر وہ بے قابو ہو گئی اور ریوالور کے بٹ سے اسے شدید مضروب کر دیا۔ وہ اس لمحہ اپنی اذیت اور کرب بھول چکی تھی۔ پانچ ستمبر کی اس صبح سوا دس بجے کوارٹر میں زین کی آمد اور اسے بے ہوش کر کے کسی چھوٹے سے مکان میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس کے ساتھ درندگی کا مظاہرہ کے دوران زین انہیں اشرف کے

ساتھ اس کی ماں کے 'انفیز' اور 'اسٹور' میں ہونے والی ملاقاتوں پر چست فقرے کس کر سناتا رہا۔ نشے میں دھت زین نے ہی انکشاف کیا کہ اشرف نے ہی بالی کے مخنث ہونے کا انکشاف کیا تھا اور اب وہ اس کی ماں کو اپنے خاندان سے ملوانے کے بعد شادی کر لے گا۔ بالی کی گمشدگی پر کوئی نہ کوئی جھوٹ تراش کر وہ ان سے مکمل تعاون کرنے پر بھاری رقم وصول کر چکا ہے۔

زین کے یہ انکشافات بالی کے لیے تیزاب کے چھینٹوں سے کم نہیں تھے۔ اس روز بالی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہی اس کی زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ وہ بے ہوشی اور ہوش کے ہنڈولے میں جھولتی جانے کتنے دن وہاں ان کی ویڈیوز کا حصہ بنتی رہی اور پھر ایک روز اسے قفس سے رہائی نصیب ہوگئی۔

اس دن شیراز نامی وہ لڑکا نشے میں دھت ہی اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر بالی کے لیے کسی 'شوقین مزاج' سے ایڈوانس بکنگ لے لی تھی اور اب اسے ایک نئے قفس میں لے جانا چاہتا تھا۔ بالی کے لیے اس وقت مرنے مارنے والی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔ اس نے عالمِ جنون میں شیراز کو بالوں سے گھسیٹ کر بیڈ کی پائینتی سے دے مارا۔ پے در پے ضربات کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا تو اس کی پتلون کی جیب سے چابیاں نکالنے کے بعد برق رفتاری سے اس مکان سے باہر نکل آئی۔ وہ برہنہ پا سڑکوں پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں جب وہ بالکل ہانپ گئی تو تو سامنے نظر آتے ایک پارک میں جا بیٹھی۔ اس کے وجود میں طیش کی بلند و بالا لہریں مچل رہی تھیں۔ ایک درخت تلے بیٹھ کر اس نے اپنے دماغ کو پُرسکون کیا اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق میڈیکل کروانے کے بعد پولیس میں رپورٹ درج کروانے کا فیصلہ کر لیا۔

اسپتال والوں نے حسبِ توقع پولیس کو مطلع کیا تو ان کی آمد کے بعد اس نے اپنے بیان میں زین، شیراز، جاسم اور اشرف کو نامزد کر دیا۔ اسے امید تھی کہ قانون کے لمبے ہاتھ اس کی دادرسی ضرور کریں گے لیکن قسمت نے اسے یہاں بھی دغا دے دیا۔ اگلی صبح شہلا رضوی اس کی عیادت کے لیے چلی آئی تھی۔ زین بھی اس کے ساتھ ہی موجود تھا اور سر جھکائے شرمندہ نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہونے والے اس حادثے پر بہت دکھی ہوں ڈیئر! زین بھی تم سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہے۔ اس سے غلطی ہوگئی بس۔'' شہلا نے بھرپور اپنائیت سے کہا۔

''آئی ایم سوری بالی!'' زین سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اس مقدمے کو طول دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں تمہیں زندگی گزارنے کے لیے منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔'' شہلا نے ایک اور داؤ پھینکا۔

''ٹھیک ہے! لیکن میری ایک شرط ہے کہ تمہیں بھی اس کے دوست اسی طرح پامال کر کے ویڈیوز بنا لیں۔'' بالی نے پھنکار کر کہا۔

''شٹ اَپ یو بچ!'' شہلا چلائی۔

''او کم آن! اسے اتنی انگلش کہاں آتی ہوگی؟'' زین نے انگریزی میں ہی بہن کو مخاطب کیا۔

''شٹ اَپ زین! تمہاری نادانیوں نے میرے لیے پہلے ہی بہت وبال کھڑا کر دیا ہے۔ اس کا میڈیکل ہو چکا ہے۔ بات پولیس ریکارڈ پر ہے۔ میں پولیس کو بھی منہ مانگا معاوضہ دے چکی ہوں لیکن اس کا راضی نامہ بہت ضروری ہے۔'' شہلا نے بھی جوابی طور پر انگلش کا سہارا لیا۔ اس لمحہ بالی کے لیے خود پر ضبط کرنا بہت مشکل تھا۔ یہی وہ پل تھا جب اس کی اداکارانہ صلاحیتوں کا پہلا مظاہرہ ہوا تھا۔

''کسی کو پیسے دے کر اسے قتل کروانا کون سا مشکل کام ہے؟'' زین ناگواری سے بولا۔

''میں یقیناً یہی کروں گی سوئٹ ہارٹ! لیکن میرے وکیل نے بالکل درست مشورہ دیا ہے کہ اس کا راضی نامہ ریکارڈ پر ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر کوئی سر پھرا افسر قتل کے بعد ہمارے احتساب پر تل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' وہ تحمل سے اسے سمجھانے لگی۔

''یہ کیا گٹ مٹ لگا رکھی ہے تم لوگوں نے؟'' وہ دانستہ چڑ کر بولی۔

''دیکھو بالی! مقدمات میں تمہارے لیے مزید خواری ہے۔ ٹھنڈے دماغ سے میری آفر پر غور کرو۔''

''ٹھیک ہے! مجھے تھوڑا وقت دو میڈم۔ میں تمہیں رقم بتا دوں گی۔'' اس نے لجا کر کہا۔

''آل رائٹ! میں شام کو ملتی ہوں پھر تمہیں۔'' شہلا بڑی محبت سے اس کا ہاتھ دبا کر چل دی۔

بالی کو اس وقت شدت سے راشد کی یاد آ رہی تھی۔ اسے اپنی بقا کے لیے کوئی رستہ... دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ قانون بھی طاقتور کا بے دام غلام ثابت ہوا تھا۔ وہ پھوٹ

کر روتی ہوئی دعائیں کرتی رہی۔ قدرت کو بھی اس پر رحم آ گیا تھا اسی لیے جولی اس کے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر چلی آئی۔

''تم جتنی جلد ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ میری بچی!'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''میرا ٹھکانا اس وقت قبر کے سوا کہیں بھی نہیں۔''

''ایسا مت کہو۔ میڈیا کو تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے کی خبر مل گئی ہے اور اب وہ کسی بھی لمحے اس کمرے میں چلے آئیں گے۔ اگر تم یہاں سے نہ نکلیں تو اگلے ایک گھنٹے میں سارا شہر تمہارا چہرہ شناس ہو جائے گا۔ تمہاری زندگی عذاب بن کر رہ جائے گی۔ میں تمہیں ایک شخص کا پتا دیتی ہوں۔ وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا۔'' جولی نامی اس عورت نے شفقت سے کہا۔

''میری مدد کرنے کے بعد وہ جوابی طور پر مجھ سے کیا طلب کرے گا؟'' بالی نہایت تلخ ہو چکی تھی۔

''کچھ بھی نہیں..... کیونکہ وہ بھی تمہاری ہی ہم ذات ہے۔ میری طرح تمہیں بھی ضرور پناہ دے گا۔'' جولی کی بات پر وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

اگلے پانچ منٹ بے حد سنسنی خیز تھے۔ جولی نے اسے شمشاد کا پتا بتایا اور ایک اسٹور نما بغلی کمرے سے گزار کر باہر بھیج دیا۔ شمشاد نے بہت محبت اور تکریم سے اس کا استقبال کیا۔ اس پر بیتنے والی افتاد کے بارے میں جان کر وہ بھی رو دیا۔ شاید اس کے نہاں زخم بھی رسنے لگے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ بالی کے لیے راشد کا ہی دوسرا روپ ثابت ہوا اور اسے زندگی کی طرف واپس لانے کی کوشش کرتا رہا۔ شمشاد ایک میک اپ آرٹسٹ تھا اور کافی عرصہ سے کسی نجی چینل کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس نے بالی کو کسی بھی مشقت میں پڑے بغیر اپنی پڑھائی دوبارہ جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ اپنے تعلقات بروئے کار لا کر اس نے متبادل ڈاکیومنٹس بنوا کر بالی کے لیے مزید سہولت پیدا کر دی۔

شمشاد کے گھر میں رہتے وہ راشد کے خوابوں کی تکمیل کی طرف گامزن تھی۔ اس عرصہ میں وہ ایک پل کے لیے بھی اپنے مجرموں کو فراموش نہیں کر سکی تھی۔ اس نے اپنے دل میں آتشِ انتقام بھی کبھی سرد نہ ہونے دی اور لڑائی بھڑائی کی تربیت حاصل کر کے خود کو سراپا موت بنا لیا۔ پھر ایک روز وہ لمحہ بھی چلا آیا جب اسے علم ہوا کہ شہلا رضوی کسی ساتھی کی مدد سے خواجہ سراؤں اور طوائفوں کے لیے این جی او کا خصوصی پراجیکٹ شروع کر رہی ہے۔ اس کے وجود کا آتش فشاں ایک دھماکے سے پھٹ گیا جس کا لاوا شہلا اور زین کو نابود کرتا اشرف تک چلا آیا تھا۔

☆☆☆

''تیرے چہرے پر یہ مظلومیت سجتی نہیں ویسے!'' بالی نے اس کھیل کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''میں تیرا اور رفعت کا گناہ گار ہوں بالی!'' وہ اذیت سے بمشکل سانس لے پا رہا تھا۔

''شہلا نے زین کو باہر کیوں بھجوایا تھا؟'' اسے عرصے سے اپنے ذہن میں کلبلاتے سوال کا جواب درکار تھا۔

''میں جس روز زین سے اپنے باقی پیسے لینے آیا، تو اسپتال سے فرار ہو چکی تھی۔ میں نے میڈیکل کروانے کی بات سنی تو زین کو تمہارے تعلیم یافتہ ہونے کے بارے میں بتا دیا۔ وہ اس بات پر بہت خوفزدہ ہو گئے۔''

''ہاں! خوفزدہ ہونا ہی تھا۔ میرے سامنے بیٹھ کر میرے ہی قتل کا پلان جو بنا رہے تھے۔''

''شہلا اس وقت اپنے 'جوبن' پر آ چکی تھی۔ اس نے لان میں ہی مجھے چار چوٹ پہنچائی کہ اس کے 'معصوم' بھائی کو اس دبال میں پھنسانے میں صرف میرا ہی قصور تھا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ تم کسی نہ کسی طریقے سے انتقام ضرور لو گی۔ زین کو باہر بھجوا کر وہ اسے تم سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ میں نے رفعت سے لیے ان پیسوں کی مدد سے اپنے خاندان پر چڑھا قرضہ اتارا اور نئی نوکری کے لیے زین کے ترلے منتیں کر کے یہاں حویلی میں ڈرائیور لگ گیا۔'' وہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتا خاموش ہو گیا۔

اسی لمحہ اشرف کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

''میری بیوی کا فون ہے..... مجھے اس سے بات کر لینے دے..... تجھے راشد کا واسطہ۔'' وہ تڑپ اٹھا۔

''ٹھیک ہے..... کر لے آخری بار بیوی سے بات۔ کیا یاد کرے گا!'' بالی نے معنی خیزی سے کہا اور کال ریسیو کر کے اسپیکر بھی آن کر دیا۔

''ہیلو اشرف! میں حاجرہ بول رہی ہوں۔'' آنسوؤں میں ڈوبی ایک آواز ابھری۔

''ہاں ماسی! سب خیریت تو ہے ناں؟'' وہ بے تابی سے بولا۔

Pakistanibooks Site

''نہیں! اس بار بھی تیرے گھر مخنث ہی پیدا ہوا ہے۔'' حاجرہ نے روتے ہوئے کہا تو اشرف پر سکتہ طاری ہوگیا۔ بالی ایک ہی پل میں قدرت کے انصاف کی قائل ہوگئی۔ اس ذاتِ اقدس نے کس خوبصورتی سے اس کے مجرم کو مکافاتِ عمل دکھایا تھا۔ چند لمحے اسی سکوت میں بیت گئے۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور دروازے کی طرف چل دی۔

''کہاں جارہی ہے؟ تجھے رب کا واسطہ! مجھے اس زندگی سے چھٹکارا دلوادے۔ ماردے مجھے...... تو اپنا کام ادھورا چھوڑ کر کیوں جارہی ہے؟'' وہ ہسٹریا میں مبتلا ہوگیا تھا۔

''مرے ہوئے کو میں کیا ماروں؟ میں آج سے تیری طویل زندگی کی دعا کروں گی تاکہ یتیم کا مال کھانے اور مظلوموں کی زندگی برباد کرنے کی سزا عملی طور پر بھگتتا رہے۔'' وہ متانت سے بولی۔

''تجھے تیرے ماں پیو کا واسطہ ہے...... میری موت آسان کردے۔''

''موت ضرور آسان ہوسکتی ہے بشرطیکہ تو اپنی اولاد کے لیے راشد حسین جیسا باپ بن جائے...... میں یہ دعا بھی ضرور کروں گی کہ تیری بیوی کی زندگی میں کوئی اشرف زین یا شہلا نہ آئیں۔'' وہ دروازہ غیر مقفل کرکے باہر اندھیرے کا حصہ بن گئی۔

☆☆☆

بالی کالا کوٹ پہنے اپنے دفتر میں بیٹھی تھی۔

اس کے سامنے ایک عورت زاروقطار روتے ہوئے اپنے شوہر سے طلاق کی خواہش بیان کررہی تھی۔ اس کی باتیں سن کر بالی کو بے حد تاسف محسوس ہورہا تھا۔

''کیا تمہارا شوہر شراب پیتا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''بالکل نہیں!'' عورت نے سسکیوں میں کہا۔

''دوسری عورتوں کے چکر میں رہتا ہے؟'' بالی کے سوال پر اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلادیا۔

''تمہیں مارتا پیٹتا ہے یا کوئی گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے؟''

''نہیں جی! وہ بس مجھے وقت نہیں دیتا۔ نوکری سے تھکا ہارا آکر سوجاتا ہے۔ کبھی کہیں باہر لے کر نہیں جاتا۔ میری سہیلیوں کے شوہر ان کا اتنا خیال رکھتے ہیں لیکن میری تو قسمت ہی خراب ہے۔''

''دیکھو بی بی! اگر تم صرف اسی وجہ سے شوہر سے طلاق چاہتی ہو تو تم سے بڑا احمق کوئی نہ ہوگا۔ مرد جس سے محبت کرتا ہے' اسے اور اپنی اولاد کو آسائشات زندگی دینا ہی اس کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ کیا تم یہ چاہتی وہ سب کام دھندا چھوڑ کر تمہارے پلو سے بندھا مرد کی محبت کو گجروں' ہار بندوں اور سیر سپاٹوں سے ناپ اپنی اولاد کے لیے دوزخ خرید لو گی؟''

''میں ایجوکیٹڈ ہوں...... جاب بھی کرسکتی ہوں'' عورت نے ذرا کمزور پڑتے ہوئے کہا۔

''بالکل کرسکتی ہو! لیکن اولاد کے لیے باپ تو نہیں بن سکتی ناں! اور اگر کوئی سوتیلا باپ لانا چاہو گی تو اس صورت میں نوے فیصد امکان یہی ہے کہ اپنے آپ کو اور بچوں کو ایک اور آزار میں مبتلا کرلوگی۔ اس سوسائٹی میں بہت کم مرد ایسے ہوں گے جو بیوی کے پہلے شوہر کی اولاد کو سر آنکھوں پر بٹھا سکیں۔'' بالی نے دوٹوک کہا۔ اس نے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد پریکٹس شروع کردی تھی۔ راشد کا خواب پورا کرتے وہ کسی بھی عورت یا مرد کو شرعی جواز کے بغیر طلاق اور علیحدگی سے منع رہنے کے ہی قائل کرتی تھی۔ اس کا خلوص نیت زبان کی تاثیر میں ڈھل گیا تھا جس کی بدولت لوگ اس پر اعتماد کرتے تھے۔ اس کے سامنے بیٹھی عورت کا چہرہ بھی بتارہا تھا کہ وہ اس کی باتوں سے قائل ہوگئی ہے۔

PakiBooks.Site

اس کے روانہ ہوتے ہی بالی نے اپنا بیگ سمیٹا اور نواحی علاقہ میں واقع ایک کمرے پر مبنی ذاتی 'کاؤنسلنگ سنٹر' جانے کے لیے تیار ہوگئی جہاں وہ نچلے طبقے کی غیر تعلیم یافتہ خواتین اور اپنے ہم قبیلہ افراد کو دو مختلف اوقات میں باعزت' باشعور زندگی گزارنے کے لیے تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتی تھی۔ آج اس نے ان سب کو زندگی کا سب سے اہم درس سکھانا تھا کہ بلاشبہ اللہ کے نیک اور روحانیت پر فائز بندے بھی اس دنیا میں موجود ہیں لیکن وہ کبھی کسی کو شرک اور غیر شرعی کام کرنے پر آمادہ نہیں کرتے۔ توہمات اور ضعیف الاعتقادی میں کسی بھی شخص پر بلاتحقیق آنکھیں بند کرکے یقین کرلینا زندگیوں میں عذاب الٰہی برپا کیا کرتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے سامنے جھکنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

بالی نے راشد سے کیا گیا اپنا عہد نبھادیا تھا اور اب چراغ در چراغ جلائے رکھنے کا یہ سلسلہ تادمِ آخر جاری رکھنا تھا۔

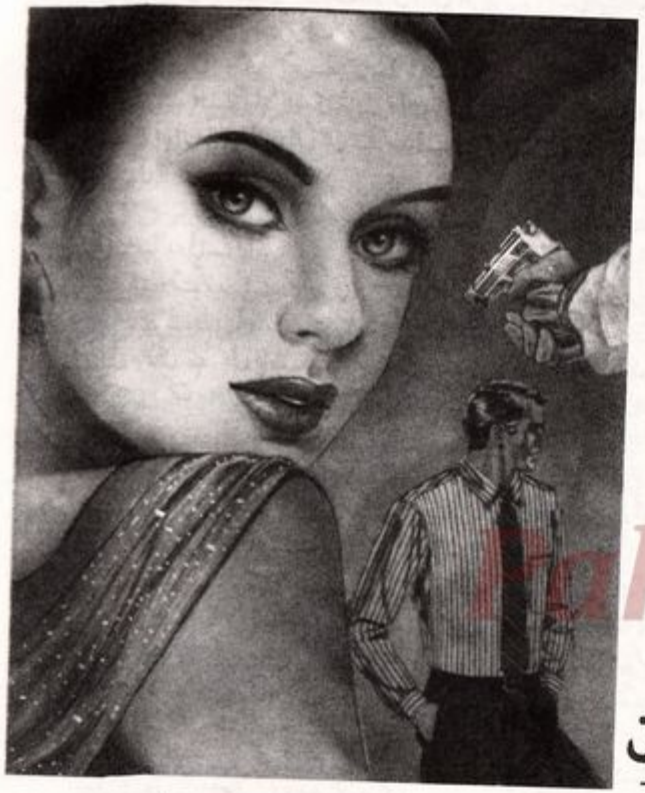

بلائے جان

محمد فاروق انجم

محبت خوب صورت جذبے کا نام ہے... لیکن کچھ لوگ محبت سے عداوت کا رشتہ جوڑ لیتے ہیں... ایک ایسے ہی جوڑے کی کہانی... جہاں سب کچھ من چاہا تھا... پُرآسائش زندگی... پُرسکون شب و روز... اور پیار کرنے والا شوہر... مگر اس زیست میں اچانک ہی ایسی ہلچل ہوئی... جس نے سب کچھ بکھیر کے رکھ دیا... انسانی فطرت اور رویّوں کی عکاس تیز رفتار کہانی...

خوف و دہشت کا فریبی جال جو لحہ بہ لحہ الجھتا جارہا تھا

اُس کی محبت بھری نگاہیں روبی کے خوبصورت اور پرکشش چہرے پر مرکوز تھیں اور روبی اس بات سے بے خبر چائے کے کپ میں آہستہ آہستہ چینی گھولنے کے لیے چمچ گھما رہی تھی۔ جونہی اس نے چائے کے کپ سے چمچ نکال کر ایک طرف رکھا اور کپ اُٹھا کر مبشر کی طرف بڑھایا تو وہ اُسے اپنی طرف اس انہماک سے دیکھتے ہوئے چونک اُٹھی۔

''کیا بات ہے ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' روبی نے چہرے پر دلکش مسکراہٹ سجاتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ قدرت مجھ پر کتنی مہربان ہے کہ تم جیسی خوبصورت بیوی ملی ہے۔'' مبشر کے لہجے میں محبت تھی۔

اس کی بات سن کر روبی کی مسکراہٹ اور بھی واضح ہو گئی۔ ''آج کل آپ میری بہت تعریف کر رہے ہیں؟''

''صرف آج کل.....؟'' مبشر نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔ ''ہماری شادی کو آج باون دن ہو گئے ہیں۔ ان باون دنوں میں میں نے کب آپ کی تعریف نہیں کی؟''

''میرا مطلب ہے کہ آج کل کچھ زیادہ ہی تعریف ہونے لگی ہے۔'' روبی نے کہا۔

''جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے، تم اور بھی خوبصورت ہوتی جا رہی ہو اور میرے دل پر تمہاری محبت پہلے سے بھی زیادہ گہری ہوتی جا رہی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ تم سامنے بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں۔ بالکل چپ چاپ اور ٹکٹکی باندھے.....''

روبی کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کے موتیوں جیسے دانت واضح ہو گئے۔ وہ اس طرح سے ہنستی ہوئی اور بھی اچھی لگنے لگی تھی۔ مبشر کی نگاہیں بدستور اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''اگر اسی طرح دیکھتے رہیں گے تو آفس سے دیر ہو جائے گی۔ بہتر ہے کہ ناشتا کریں اور آفس جائیں۔''

''تم مجھے گھر سے بھیجنا چاہتی ہو؟'' مبشر مسکرایا۔

''تو کیا آپ آفس جانا نہیں چاہتے؟'' روبی کی پیار بھری نگاہیں اس کے چہرے پر گھومنے لگیں۔

''آفس تو جانا ہے۔'' مبشر نے ڈھیلے لہجے میں کہا۔

''تو پھر فوراً اٹھیں اور آفس کی راہ لیں۔'' روبی نے کہا۔

''دل چاہ رہا ہے کہ آج آفس سے چھٹی کر لوں لیکن کر نہیں سکتا۔ پہلے ہی شادی پر چھٹیاں زیادہ ہو گئی ہیں۔'' مبشر کے لہجے میں تاسف تھا۔

''ہماری شادی کو تقریباً دو ماہ ہونے والے ہیں۔ اب آپ کو میری تعریفوں کے پل باندھنے کے بجائے اپنے کام پر توجہ دینی چاہیے۔'' روبی نے ایک سلائس اُٹھایا۔

''کام اپنی جگہ اور تمہاری تعریف اپنی جگہ۔ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ جب تک تم میرے سامنے ہو، تمہاری تعریف ہو گی اور جب آفس میں ہوتا ہوں تو.....''

''تو.....؟''

''تو بھی تم ہی یاد آتی رہتی ہو۔ پتا نہیں تم نے کیا جادو کر دیا ہے۔''

''اچھا، کیا واقعی؟'' روبی نے شرارت سے پوچھا۔

''میں تم سے بالکل بھی جھوٹ نہیں بول رہا۔'' مبشر کے لہجے میں سچائی تھی۔

''سوچ لیں آپ کی کالج لائف اور پھر ہوسٹل میں رہنا جس جگہ جاب ہے وہاں بھی لڑکیاں کام کرتی ہیں.....'' روبی نے محبت سے سرشار نگاہوں سے مبشر کی طرف دیکھا۔

''بالکل بھی نہیں..... بالکل بھی نہیں۔ میں نے کبھی کسی کو محبت بھری نظر سے نہیں دیکھا۔ بس میرا فیصلہ تھا کہ محبت سے دیکھوں گا تو صرف اپنی بیوی کو دیکھوں گا۔'' مبشر بولا۔

روبی نے مبشر کی طرف دیکھا اور مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ ''وقت دیکھیں کیا ہو گیا ہے۔'' ایک بار پھر روبی نے اس کی توجہ وقت کی طرف مبذول کرائی۔

''یہ وقت تھم کیوں نہیں جاتا.....'' ایک بار پھر مبشر نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''وقت تھم گیا تو سب کچھ رک جائے گا۔ ہم دونوں کی محبت بھی، چاہت بھی اور زندگی بھی۔'' روبی نے فلسفہ بگھارا۔

''میرے لیے تو زندگی تب رکے گی جب تم میری طرف مسکرا کر دیکھنا چھوڑ دو گی۔''

روبی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر آفس بیگ اُٹھایا اور اس کے سامنے میز پر رکھ دیا اور بولی۔ ''وقت دیکھیں کیا ہو گیا ہے..... یہ باتیں ہم آپ کے آفس سے واپس آنے پر بھی کر سکتے ہیں۔''

مبشر نے یکدم اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تو وہ مضطرب ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی چائے پی، سلیقے سے تیار ہوا..... ٹائی باندھی اور ایک نظر روبی کو دیکھا، بیگ اُٹھایا اور خدا حافظ کہتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

مبشر کی کار اس گلی سے نکل کر ابھی کچھ ہی آگے بڑھی تھی کہ اس کے موبائل فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اسکرین پر روبی کا نام تھا۔ اس نے مسکرا کر فون کان سے لگایا اور بڑے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''ہیلو.....''

دوسری طرف سے روبی کی آواز نہیں آئی۔ کچھ لمحوں کے بعد اچانک ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے روبی کچھ بولنے کی کوشش کر رہی ہو اور کسی نے اس کا گلا دبایا ہوا ہو اور اس کے گلے سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی ہوں۔

''ہیلو..... روبی.....'' مبشر پریشان ہو گیا۔ دوسری طرف سے روبی کی گھٹی گھٹی آوازیں اور بھی واضح ہو گئیں۔

مبشر نے فوراً کار کا اسٹیئرنگ گھمایا اور پوری رفتار سے اپنے گھر تک لے گیا۔ اس نے موبائل فون بند نہیں کیا تھا۔ روبی کی گھٹی گھٹی آوازیں ابھی بھی آ رہی تھیں۔ اس آواز میں روبی نے بمشکل اس کا نام بھی لیا تھا۔

مبشر کار سے باہر نکلا پھر اس نے گیٹ میں چابی لگا کر گیٹ کھولا اور بھاگتا ہوا اندر گیا۔ موبائل فون سے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ وہ تیزی سے لاؤنج میں گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے شدت سے پکارا۔

''روبی..... روبی.....!''

کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ وہ تیزی سے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تو وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس کے حواس باختہ چہرے کے سامنے روبی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے چہرے پر کوئی کریم لگا رہی تھی۔ یکدم دروازہ کھلنے سے روبی نے پلٹ کر خوفزدہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھا..... اب دونوں ایک دوسرے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

مبشر نے اپنی نگاہیں کمرے میں گھمائیں لیکن روبی کی نظریں مبشر پر مرکوز تھیں اور حیرت اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔

''کیا ہوا.....؟'' روبی نے پوچھا۔

''تمہیں کیا ہوا تھا؟'' مبشر نے حیران کن انداز میں پوچھا۔ وہ مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مجھے کیا ہوا.....؟'' روبی کی حیرت دو چند ہو گئی۔ ''تم اچانک کیوں آ گئے؟''

''ابھی تم نے مجھے فون کیا تھا اور کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے تمہارا گلا کسی نے دبوچا ہوا ہے اور تم سے بات کرنی مشکل ہو رہی ہے۔'' مبشر نے بتایا۔

''میں نے فون کیا تھا؟ مجھ سے بات نہیں ہو رہی تھی؟ کس نے میرا گلا دبوچا تھا؟'' روبی کی حیران کن آواز میں سوال ابھرے۔

''یہ دیکھو.....'' مبشر نے اپنا فون اس کی طرف بڑھایا۔ اسکرین پر روبی کے موبائل فون کا نمبر پوری ہسٹری کے ساتھ سامنے تھا۔ روبی نے اپنا نمبر دیکھتے ہوئے اور بھی حیرت کا اظہار کیا اور دائیں بائیں متلاشی نگاہوں سے دیکھا۔

''میرا فون کہاں ہے.....؟'' پھر وہ ٹی وی لاؤنج کی طرف گئی۔ اس کے عقب میں مبشر بھی تھا۔ روبی کا موبائل فون صوفے پر پڑا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون اُٹھا کر دیکھا اور مبشر کی طرف اپنا موبائل فون بڑھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو..... میں نے اپنے نمبر سے تمہیں کوئی کال نہیں کی ہے.....''

مبشر نے جلدی سے اُس کے ہاتھ سے فون لے کر دیکھا۔ جس وقت مبشر کو روبی کی کال موصول ہوئی تھی اس وقت روبی کے موبائل فون سے اسے کال ہی نہیں کی گئی تھی۔ اچھی طرح دیکھنے کے بعد مبشر نے ششدر لہجے میں کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے..... میرے موبائل فون پر کال کا وقت اور تمہارا نمبر موجود ہے.....''

''میرے لیے خود یہ حیرت کی بات ہے۔'' روبی کا لہجہ دھیما ہو گیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ پریشانی سے مبشر کا چہرہ لٹک گیا تھا۔

اچانک مبشر کا فون بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے ہڑبڑا کر جیب سے موبائل فون نکالا اور اسکرین پر نظر ڈالی تو اس کے کولیگ کا فون تھا۔

''کہاں رہ گئے ہو..... باس میٹنگ کے لیے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

بس آ رہا ہوں۔ ٹائر پنکچر ہو گیا تھا.....'' مبشر کو برمحل بہانہ سوجھ گیا۔ اور اس نے موبائل فون بند کر کے تذبذب کے عالم میں روبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم فکر نہیں کرو۔ اپنا خیال رکھنا۔ مجھے جلدی ہے۔ ہم شام کو بات کریں گے۔''

مبشر نے روبی کو جاتے ہوئے بھی کئی بار حوصلہ دیا اور چلا گیا جبکہ روبی سہمتے ہوئے چہرے کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئی۔

☆☆☆

آفس میں کام کے دوران بھی مبشر مضطرب اور بے چین رہا۔ میٹنگ میں بھی اس کا دھیان اسی طرف رہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ روبی کے موبائل فون سے کال نہیں آئی جبکہ اس کے نمبر سے کال موصول بھی ہوئی اور ایسا بھی لگا کہ جیسے کوئی روبی کا گلا دبا رہا ہے اور وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

مبشر اور روبی کی شادی کو کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ دونوں کی ارینج میرج تھی۔ شادی سے ایک ماہ پہلے ہی مبشر کو کمپنی نے ہیڈ آفس میں بلا لیا تھا۔ مبشر ایک قابل نوجوان تھا اور کمپنی اس پر بھروسا کرتی تھی۔ جیسے ہی مبشر کی شادی ہوئی کمپنی

PakBooks.Site

نے ان کو رہنے کے لیے ایک گھر دے دیا۔ وہ گھر اس سے قبل کمپنی کے سیلز منیجر کے پاس تھا جو تین ماہ قبل نوکری چھوڑ کر چلا گیا تھا اور تین ماہ گھر خالی رہنے کے بعد مبشر اور روبی نے رہائش اختیار کی تھی۔

مبشر حساس طبیعت کا مالک تھا۔ اس نے کبھی کسی لڑکی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ اس نے یہ طے کر رکھا تھا کہ جو لڑکی اس کی بیوی بن کر آئے گی وہ اسی سے محبت کرے گا اور اسی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزارے گا۔ جب روبی اس کی بیوی بن کر اس کی زندگی میں آئی تو اس نے اپنی ساری محبت اس پر نچھاور کر دی۔ روبی کا عالم بھی کم نہیں تھا۔ کچھ ہی عرصے میں دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے تھے۔

اب اچانک اس فون کال نے مبشر کو الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ مبشر کی حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے کوئی بھی غیر متوقع بات اس کے دل و دماغ سے جلدی نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سارا دن آفس میں کام کرنے کے باوجود وہ اسی الجھن کا شکار رہا۔ اور اس دوران اس نے متعدد بار اپنا موبائل فون بھی چیک کیا تھا۔ پریشانی کے عالم میں اس نے آفس میں تمام دن گزارا تھا۔

☆☆☆

شام کو مبشر گھر پہنچا تو اس نے سب سے پہلا سوال روبی سے یہی کیا۔ ''خیریت رہی ہے ناں..... کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا.....''

''کیسا مسئلہ.....؟ سب ٹھیک رہا آپ سناؤ۔'' روبی نے بے پروائی سے کہا۔

''میں سارا دن الجھن کا شکار رہا اور اسی بارے میں سوچتا رہا۔'' مبشر بولا۔

''مجھے معلوم تھا کہ آپ اسی بارے میں سوچتے رہیں گے حالانکہ آپ کو وہ بات اپنے دل و دماغ سے نکال دینی چاہیے تھی۔'' روبی نے اطمینان سے کہا۔

''ایسی باتیں میرے دل و دماغ سے بہت مشکل سے نکلتی ہیں۔'' مبشر نے کہا۔ ''میرے ساتھ بچپن سے ہی ایسا معاملہ رہا ہے۔''

''جی آپ نے بتایا تھا کہ آپ بہت حساس اور کچھ وہمی بھی ہیں۔'' روبی مسکرائی۔ ''آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔''

مبشر اُٹھ کر بیڈ روم کی طرف اور روبی کچن میں چلی گئی۔ جب مبشر کمرے سے نکلا تو روبی کھانا لگا چکی تھی۔ دونوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا اور روبی..... اس دوران باتیں کرتی رہی اور اس کا موضوع اپنی شادی سے پہلے کالج کے دنوں کی باتیں تھیں۔ وہ یہ باتیں اس لیے کر رہی تھی تاکہ مبشر کا ذہن اس اُلجھن سے نکل سکے اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی۔ مبشر صبح کا واقعہ بھول کر اس کی باتوں سے محظوظ ہونے لگا۔

کھانا کھانے کے بعد دونوں چھت پر چلے گئے اور کچھ دیر چہل قدمی کے بعد اپنے بیڈ روم میں بند ہو گئے۔

بیڈ روم میں کلاک رات کے ڈھائی بجا رہا تھا۔ پورے گھر میں سکوت کا عالم تھا۔ بیڈ روم میں کلاک کی گھومتی ہوئی سوئی کی آواز سکوت کو توڑ رہی تھی اور اس خاموشی میں عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔

مبشر اور روبی بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ اچانک مبشر کو ایسا لگا جیسے اس کے پیر کو کسی نے پکڑ کر ہلایا ہے۔ وہ یکدم اُٹھ بیٹھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر اس کی نظر روبی پر چلی گئی جو بے خبر سو رہی تھی۔

مبشر پھر لیٹ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی دس منٹ ہوئے تھے کہ اچانک کسی چیز کے گرنے اور ٹوٹنے کی آواز آئی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ دیر مبشر اسی حالت میں بیٹھا رہا اور مزید سننے کی کوشش کرتا رہا۔ جب بالکل خاموشی ہو گئی تو اس نے گردن گھما کر روبی کی طرف دیکھا تو وہ بُری طرح سے چونک گیا۔ کیونکہ روبی بستر پر نہیں تھی۔

''روبی باہر ہے۔ اس سے کوئی چیز گر کر ٹوٹی ہے؟'' مبشر نے ایک لمحے میں سوچا اور اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ٹی وی لاؤنج میں اندھیرا تھا۔ اس نے لائٹ جلائی تو اس کی نظر عین اس جگہ پر گئی جہاں فرش پر گلدان گرا ہوا تھا اور اس کی کرچیاں آس پاس بکھری ہوئی تھیں۔

مبشر نے حیرت زدہ نگاہیں کچن کی طرف گھمائیں۔ کچن کا دروازہ بند تھا۔

مبشر کچن کی طرف چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو اندر اندھیرا تھا۔ اس نے لائٹ جلائی کچن میں کوئی نہیں تھا۔ مبشر نے لائٹ بند کی، کچن سے باہر نکل کر ٹوٹے ہوئے گلدان کے پاس... آ گیا اور اس کی کرچیوں کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ یہ کیسے ٹوٹا ہے۔

اس کے لیے حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ روبی کمرے میں نہیں ہے تو باہر بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔

مبشر دوبارہ بیڈ روم میں گیا تو وہ چونک گیا کیونکہ روبی بیڈ پر کمبل اوڑھے بے خبر سو رہی تھی۔

''روبی باتھ روم میں تھی کیا.....؟ اور وہ گلدان کیسے ٹوٹا.....؟'' مبشر نے سوچا اور پھر اس نے روبی کو جگا دیا۔

''کیا ہوا.....؟'' گہری نیند سے اُٹھ کر روبی نے خمار آلود لہجے میں پوچھا۔ اس کی متحیر نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

''تم اُٹھ کر باہر گئی تھیں؟'' مبشر نے سوال کیا۔

''باہر کہاں؟'' روبی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شاید نیند کا خمار تھا جو اس کے دماغ پر غالب تھا۔

''کچن یا لاؤنج میں؟'' مبشر نے وضاحت کی۔

''نہیں میں تو سوئی ہوئی تھی، کیوں کیا ہوا؟'' روبی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''تھوڑی دیر پہلے تم بیڈ پر نہیں تھیں اور باہر اچانک مجھے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ میں سمجھا شاید تم سے کوئی چیز ٹوٹی ہے۔ باہر دیکھا تو گلدان ٹوٹا پڑا تھا اور تم بھی مجھے دکھائی نہیں دیں۔ اندر آیا تو تم بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں۔'' مبشر کے لہجے میں حیرت تھی۔

''لیکن میں تو سوئی ہوئی تھی، اُٹھ کر باتھ روم تک بھی نہیں گئی۔'' روبی کہتی ہوئی اُٹھی اور باہر کی طرف لپکی۔ اس کے پیچھے مبشر بھی تھا۔

''وہ دیکھو گلدان ٹوٹا ہوا ہے.....'' باہر نکلتے ہی مبشر نے اس طرف اشارہ کیا جہاں گلدان ٹوٹا ہوا تھا لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ فرش پر ٹوٹے ہوئے گلدان کی کوئی کرچی نہیں تھی اور وہ گلدان بالکل صحیح سلامت اپنی جگہ سجا تھا۔

''گلدان تو سلامت ہے۔'' روبی نے بھی دیکھ کر کہا۔

''لیکن ابھی میں نے خود دیکھا تھا کہ یہ ٹوٹا ہوا ہے۔'' مبشر حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا گلدان کے پاس چلا گیا۔

روبی نے قریب جا کے گلدان اُٹھایا اور اسے اچھی طرح سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اس نے فرش کو بھی غور سے دیکھا اور مبشر سے مخاطب ہوئی۔

''مبشر تم کو کیا ہو گیا ہے۔ گلدان بھی نہیں ٹوٹا اور میں بھی بیڈ سے نہیں اُٹھی..... کیا یہ سب تم نے نیند میں تو نہیں دیکھا؟'' روبی نے اس کی طرف دیکھا۔

''میں نیند میں نہیں تھا۔ میں نے خود دیکھا تھا کہ گلدان ٹوٹا ہوا زمین پر پڑا ہے۔ مجھے اس کے گرنے کی آواز بھی آئی تھی اور تم بیڈ پر بھی نہیں تھیں۔ میں نے خود اس گلدان کی کرچیاں دیکھی تھیں۔'' مبشر نے اپنی بات پر زور دیا۔

''اگر میں بیڈ پر نہیں تھی اور لاؤنج میں تھی، یا پھر کچن میں گئی تھی تو جب میں واپس بیڈ روم میں جا رہی تھی تو یہیں سے مجھے گزر کر جانا تھا۔ تم مجھے یہاں دکھائی دیتے تو میں تم سے پوچھتی اگر میں تم کو واپس کمرے میں جاتی ہوئی دکھائی دیتی تو تم مجھے اسی وقت روک سکتے تھے۔ جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ میں بیڈ روم میں تھی اور گہری نیند سو رہی تھی۔ گلدان اپنی جگہ پر موجود ہے۔''

مبشر کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اُلجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ مضطربانہ انداز میں بار بار اپنے بالوں میں اُنگلیاں پھیر کر سر کھجانے لگ جاتا۔ روبی اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ جب مبشر کچھ نہ بولا تو روبی نے پوچھا۔

''تم ٹھیک ہو ناں مبشر.....؟''

''روبی..... اس گھر میں کچھ گڑبڑ ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟''

''اس گھر میں ہمارے ساتھ کوئی ایسی مخلوق بھی رہ رہی ہے جو ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔'' مبشر نے اپنا وہم ظاہر کیا۔

''تمہارا مطلب ہے جن بھوت..... آسیب.....؟'' روبی نے حیرانی کا اظہار کیا۔

''ہاں.....'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا تم ایسی مخلوق پر یقین کرتے ہو؟'' روبی نے پوچھا۔

''دیکھو اس بات سے انکار نہیں ہے کہ جن بھوت کا وجود ہے۔'' مبشر بولا۔

''مانتی ہوں کہ ان کا وجود ہے لیکن جب میں تمہارے آفس جانے کے بعد اکیلی گھر میں ہوتی ہوں تو مجھے وہ مخلوق دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوتا جیسا تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ مجھے کوئی ڈر اور خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں پُرسکون گھر کا کام کرتی ہوں۔ ٹی وی دیکھتی ہوں، کھانا بناتی ہوں اور بے خوف ہو کے دوپہر کو سو جاتی ہوں۔'' روبی نے کہا۔

روبی کی بات سن کر مبشر سوچنے لگا۔ ''لیکن جو کچھ ہوا ہے وہ میں نے دیکھا ہے۔''

''مجھے لگتا ہے کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے تم بہت تھک جاتے ہو اور بہت زیادہ گہری نیند میں یہ سب دیکھ کر حقیقت سمجھنے لگتے ہو۔''

''چلو مان لو یہ سب میں نے نیند میں دیکھا تھا۔ میرے موبائل فون پر جو تمہارے فون سے کال آئی تھی وہ تو دن کے

PakiBookStore

اُجالے میں اور جاگتے ہوئے اٹینڈ کی تھی۔'' مبشر تیزی سے بولا۔ اس کے لہجے میں عجیب سا اضطراب تھا اور چہرے سے بھی بے چینی نمایاں تھی۔ روبی مسلسل مبشر کی اس کیفیت کا جائزہ لے رہی تھی۔

''اور یہ بھی حقیقت اپنی جگہ ہے کہ میرے موبائل فون سے اس وقت کال نہیں ہوئی تھی اور میں گھر میں بالکل ٹھیک موجود تھی۔''

مبشر نے طویل سانس خارج کی اور جھنجلا کر بولا۔ ''پھر تو میری بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ اس گھر میں آسیب ہے۔''

''ایک تو تم کسی بھی بات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہو، جو تم سوچ رہے ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ کال کیسے آئی تھی، اس کا حل بھی نکل آئے گا۔'' روبی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں بچپن سے ہی ایسا ہوں۔ کوئی بھی پریشانی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی اور میں اُلجھن کا شکار ہو جاتا ہوں۔'' مبشر نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''تم مجھے اپنے بارے میں سب بتا چکے ہو۔ بار بار یہ باتیں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' روبی نے مبشر کو ایک طرف ہٹایا اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم پانی پیو..... اور بالکل نارمل ہو جاؤ..... یہ سوچو کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔''

''میرے لیے یہ سوچنا بہت مشکل ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ..... جو کچھ ہوا ہے وہ میرے دل و دماغ پر نقش ہو چکا ہے۔''

''تم کوشش کرو اور اطمینان سے سو جاؤ۔''

''مجھے بالکل بھی نیند نہیں آئے گی۔''

''ارے تم لیٹو تو..... نیند آ ہی جائے گی۔'' روبی نے حوصلہ دیا تو مبشر نے دو گھونٹ پانی پی کر گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ روبی نے گلاس ایک طرف رکھا اور مبشر کو پکڑ کر بیڈ پر لٹا دیا۔ وہ خود اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا سر آہستہ آہستہ دبانے لگی۔

جبکہ مبشر کے دماغ میں وہ سب واقعات بڑی تیزی سے گھوم رہے تھے۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ جو کچھ ہوا اس نے خود دیکھا تھا اور جو کچھ اس کے برعکس دکھائی دیا، وہ اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

ابھی بمشکل پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ رات کی اس خاموشی میں ایک دھماکا ہوا جیسے غبارہ پھٹ گیا ہو۔ مبشر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کے پاس روبی بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھی وہ بھی چونک گئی اور متوحش نگاہوں سے مبشر کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا.....؟''

''یہ دھماکے کی آواز کیسی ہے؟''

''دھماکے کی آواز.....؟ کہاں آئی ہے؟'' روبی نے ایک بار پھر اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''کیا تم نے نہیں سنی۔ ابھی تو آواز آئی ہے۔ جیسے کوئی چیز پھٹ گئی ہو۔ باہر کوئی ہے۔'' مبشر کے چہرے پر خوف کے سائے اور بھی گہرے ہو گئے۔ اس کی بات سن کر روبی کا چہرہ بھی تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔

''مجھے کوئی آواز نہیں آئی.....'' روبی نے سرگوشی کی لیکن اس کی نگاہیں کمرے کے دروازے پر مرکوز تھیں۔ وہ بھی مبشر کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

''باہر کوئی ہے۔'' مبشر کی آواز میں خوف مترشح تھا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' روبی نے ہمت کی۔

''مت جاؤ..... بیٹھی رہو۔'' مبشر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دروازے کی طرف ایسے دیکھتا رہا جیسے اس کی دانست میں ابھی دروازہ کھلے گا اور یکدم کوئی اندر آ جائے گا۔ روبی کبھی مبشر کی طرف اور کبھی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فطری بات تھی کہ روبی پر بھی خوف غالب ہو رہا تھا۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ دیوار پر لگے کلاک کی گھومتی ہوئی سوئی کی آواز عجیب سی لگ رہی تھی اور مبشر کی سانسیں منتشر تھیں۔

کچھ وقت اور گزرا تو روبی نے کہا۔ ''میں دیکھتی ہوں کہ باہر کون ہے۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' مبشر بھی کہہ کر اس کے ساتھ ہی بیڈ سے نیچے اترا اور دونوں دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ عورت ہونے کے باوجود روبی اس سے آگے تھی اور ہمت سے کام لے رہی تھی۔ مبشر بچپن سے ہی کچھ ڈرپوک اور کم ہمت تھا۔ شادی سے پہلے بھی وہ اگر اکیلا کمرے میں سویا ہوتا تھا تو اچانک رات کے کسی پہر آنکھ کھل جانے کے بعد ڈر سا جاتا تھا اور اسے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے اس کے آس پاس کوئی چل پھر رہا ہے۔ وہ خوفزدہ ہو کر گرمیوں میں بھی چادر لپیٹ لیتا تھا۔ جب کمپنی نے اسے اس شہر میں بلا کر رہنے کے لیے ایک کمرا دیا تھا تو اس کمرے میں اکیلے رات گزارنا اس کے لیے سوہان روح ہوتا تھا۔

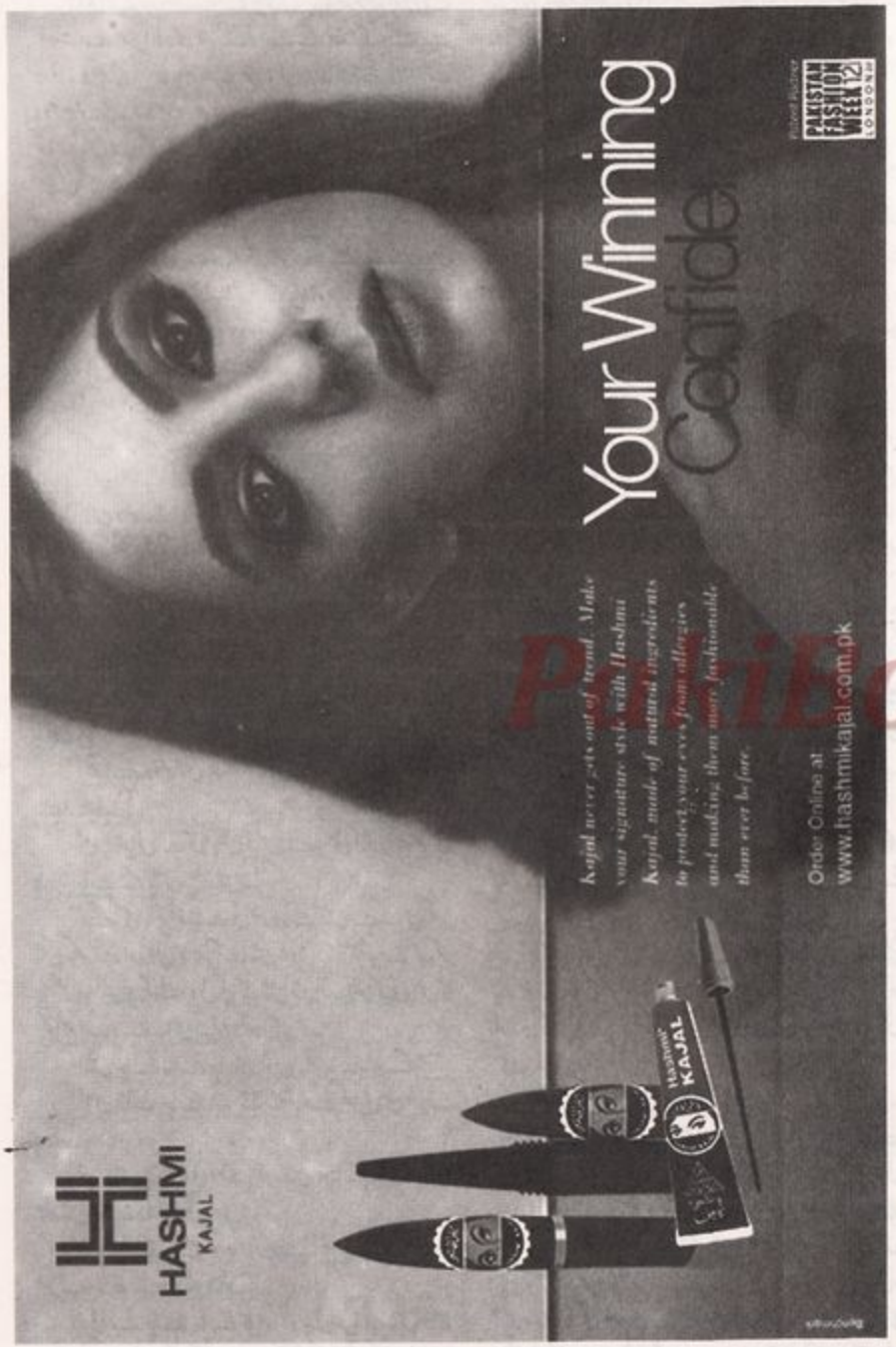

PakiBooks.com

روبی نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے آہستہ سے گھمایا اور لمحہ بھر کے توقف کے بعد ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے لاؤنج کی لائٹ روشن کردی۔ اندھیرا ختم ہوتے ہی سب کچھ ان کے سامنے تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر انہوں نے سارا گھر دیکھ لیا، کہیں بھی کچھ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز دکھائی دی جس کی وجہ سے دھماکا پیدا ہوا تھا۔

''کوئی بھی نہیں ہے۔'' اچھی طرح دیکھنے کے بعد روبی کا خوف معدوم ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود مبشر کے چہرے سے خوف دور نہیں ہوا تھا، وہ ابھی بھی متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے پیچھے کوئی کھڑا ہے۔

''اب تسلی ہوگئی؟'' روبی نے کہا۔

''اس دھماکے کی آواز میں نے خود سنی تھی۔''

''اس دھماکے کی آواز بھی تم کو ہی سنائی دی ہے۔ یقین کرو مجھے بالکل بھی کوئی آواز نہیں آئی۔''

''یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟'' مبشر نے ہراساں لہجے میں پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے۔ تم شدید وہم میں مبتلا ہو اور خواہ مخواہ خوف کو اپنے اوپر مسلط کرلیا ہے۔'' روبی نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''تم اسے وہم کہتی ہو؟'' مبشر نے اُلجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم کل آفس سے چھٹی کرلو اور ہم کسی ماہرِ نفسیات کے پاس چلتے ہیں۔''

''مجھے کسی ماہرِ نفسیات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس گھر میں کچھ ہے اور ان کا ٹارگٹ میں ہوں۔'' مبشر نے کہہ کر دائیں بائیں دیکھا۔ روبی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کا کیا جواب دے۔ اس نے موضوع بدلا۔

''میں چائے بنانے جارہی ہوں۔ تم چائے پیو گے؟''

''اس وقت چائے.....؟'' مبشر نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''چائے پینے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ تم بیڈروم میں چلو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

مبشر نے ایک لمحے سوچا اور بولا۔ ''تم چائے رہنے دو، میرے ساتھ بیڈروم میں چلو۔''

روبی نے چائے بنانے کا ارادہ بدل دیا اور اس کے ساتھ بیڈروم میں چلی آئی۔ وہ جانتی تھی کہ مبشر اکیلا بیڈروم میں نہیں جائے گا۔ باقی کی..... رات روبی نے غنودگی میں اور مبشر نے جاگتے ہوئے گزار دی تھی۔ جیسے ہی دن کا اجالا پھیلنے لگا مبشر کو گہری نیند نے گھیر لیا اور وہ ہر خوف سے آزاد ہوکر سو گیا۔

☆☆☆

مبشر کی آنکھ کھلی تو دن کے نو بج چکے تھے۔ پہلے تو مبشر اطمینان سے لیٹا رہا پھر یکدم اسے ایک جھٹکا سا لگا اور اچانک آفس کا خیال آیا تو اس نے فوراً اُٹھ کر گھڑی میں وقت دیکھا۔

''مجھے روبی نے جگایا ہی نہیں۔ نو بجے تو مجھے آفس پہنچنا ہوتا ہے۔'' وہ سرعت سے اُٹھا اور ابھی باتھ روم کی طرف جا ہی رہا تھا کہ روبی خوشگوار انداز میں اندر آئی اور بولی۔

''میں نے آپ کے آفس میں آپ کے کولیگ کامران بھائی کو فون کردیا تھا۔ اور انہیں بتادیا تھا کہ وہ لیٹ آئیں گے۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔''

اس کی بات سن کر مبشر پرسکون ہوکر بیٹھ گیا۔ ''رات بھر نیند نہیں آئی اور جب نیند آئی تو اتنی گہری کہ آنکھ نہیں کھلی۔''

''تمہیں اچھی اور گہری نیند کی ضرورت ہے۔'' روبی مسکرائی۔

''تم ڈاکٹر مت بنو اور جلدی سے ناشتا تیار کرو۔ مجھے جلدی آفس کے لیے نکلنا ہے۔ بہتر ہوتا کہ تم کامران کو فون کرنے کے بجائے مجھے وقت پر جگا دیتیں۔'' مبشر کو ایک بار پھر آفس کا کام یاد آیا اور وہ کھڑا ہوگیا۔

''مجھے بہتر یہی لگا تھا کہ تم سوئے رہو تاکہ تمہیں اچھی نیند مل سکے اس لیے میں نے تم کو نہیں جگایا تھا۔'' روبی نے کہا۔

''لیکن اب میں اُٹھ چکا ہوں اور دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا ہوں تم جلدی سے ناشتا تیار کرو۔'' مبشر کہہ کر الماری کی طرف بڑھا اور روبی مسکراتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

مبشر جلدی سے تیار ہوکر آگیا تھا۔ اس نے ناشتا کیا۔ روبی اس کے ساتھ کھانے پکانے کی باتیں کرتی رہی۔ اسے آج مارکیٹ جاکر کیا خریدنا ہے، اس بارے میں بھی بتاتی رہی۔ روبی کی کوشش تھی کہ رات رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ نہ ہو ورنہ مبشر پھر پریشان ہوجائے گا۔ وہ اپنی کوشش میں بظاہر کامیاب رہی تھی۔ روبی کی باتیں، آفس جانے کی جلدی نے اس موضوع پر بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا ورنہ مبشر اندر سے پریشان تھا اور اس کی

سوچوں کا محور رات رونما ہونے والا واقعہ ہی تھا جو اس نے روبی پر عیاں نہیں ہونے دیا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر مبشر آفس کے لیے نکل گیا۔

کامران نے باس کو بتادیا تھا کہ مبشر کچھ دیر سے آئے گا۔ جب مبشر آفس پہنچا تو اس کا باس کسی کام سے جاچکا تھا۔

''کیا ہوا تھا طبیعت کو کہ لیٹ ہوگئے؟'' کامران کی آنکھوں میں شرارت تھی اور مسکراہٹ میں شوخی۔

''کچھ نہیں یار ایسے ہی تمہاری بھابی نے فون کردیا دراصل میری آنکھ دیر سے کھلی تھی۔'' مبشر نے بتایا۔

کامران اس کا بے تکلف دوست تھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ اور بھی واضح ہوگئی۔ ''جب رات سونے کے لیے ہے تو تم رات کو سوئے کیوں نہیں..... کیا کرتے رہے؟''

''بکواس بند کرو.....'' مبشر نے آنکھیں دکھائیں تو کامران کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''اچھے بچوں کی طرح عشا کی نماز کے فوراً بعد سو جایا کرو۔'' کامران نے نصیحت کی۔

مبشر کے دماغ میں رات ہونے والے واقعات گردش کرنے لگے۔ اس نے پوچھا۔ ''ایک بات بتاؤ۔ جس گھر میں، میں رہتا ہوں۔ مجھ سے پہلے جو اس گھر میں رہتے تھے انہوں نے کچھ بتایا تھا کہ اس گھر میں کیا ہے؟''

مبشر کی بات سن کر کامران اس کا چہرہ تکنے لگا۔ دراصل مبشر اپنی بات کو ٹھیک طریقے سے کہہ نہیں پایا تھا۔ مبشر کو بھی فوراً احساس ہوگیا تھا اس لیے اس نے بات گھمائی۔

''تم جن بھوت اور آسیب پر کتنا یقین رکھتے ہو؟''

''میں تمہاری ہر بات پر یقین کرتا ہوں۔'' کامران کہہ کر زور سے ہنسا کہ اس کے قہقہے کی آواز پر اردگرد کام کرتا ہوا عملہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔''

''کیا سنجیدہ ہو؟''

''یہ کہ جس گھر میں میں رہتا ہوں۔ اس گھر میں آسیب ہے۔'' مبشر نے بتایا۔ اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس گھر میں آسیب ہے؟'' کامران بھی اس کی بات سن کر سنجیدہ ہوگیا۔

مبشر نے اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے سارے واقعات سنانا شروع کردیے۔ کامران غور سے سنتا رہا۔ جب مبشر چپ ہوا تو کامران نے کہا۔

''یہ سب کچھ تمہارے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ بھابی کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ اگر آسیب ہے تو وہ صرف تم کو تنگ کررہا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' مبشر بولا۔

''ہمارے خاندان میں ایک بزرگ ہیں جو آسیب، جن بھوت قابو کر لیتے ہیں۔ کہو تو ان سے بات کروں؟'' کامران نے سوالیہ نگاہوں سے مبشر کی طرف دیکھا۔

''دراصل بچپن سے ہی خوف میرے اندر رہا ہے۔ مجھے تنہائی میں ہمیشہ ڈر محسوس ہوتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا تھا بلکہ اب بھی لگتا ہے کہ جیسے کوئی میرے ساتھ چل رہا ہو۔'' مبشر بے چینی سے اپنے ہاتھ ملنے لگا۔

''میں سمجھ گیا۔ تم پر بچپن سے ہی آسیب کا اثر ہے۔'' کامران نے جلدی سے کہا تو اس کی بات سن کر مبشر کچھ اور بھی پریشان ہوگیا۔ ''جو علامتیں تم بتا رہے ہو، اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ تم بچپن سے ہی آسیب کے زیرِ سایہ ہو اور اب وہ صرف تم کو تنگ کررہا ہے۔''

''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' مبشر نے پوچھا۔

''تم فوراً ہمارے خاندانی باباجی سے ملو۔ اس کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' کامران نے بلا تامل جواب دیا۔

''کب ملوں اُن سے؟''

''ابھی چھٹی کے بعد چلتے ہیں۔'' کامران نے کہا تو مبشر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ روبی کے مشورے کے بغیر قدم نہیں اُٹھانا چاہتا تھا، چنانچہ وہ بولا۔

''میں تمہیں شام کو فون کروں گا۔ پھر اُن کے پاس جانے کا پروگرام بناتے ہیں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' کامران نے کندھے اچکا دیے۔

☆☆☆

رات کا کھانا کھاتے ہوئے جب مبشر نے کامران کے بتائے ہوئے باباجی کے پاس جانے کا بتایا تو روبی نے غور سے مبشر کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

''مبشر..... تم پڑھے لکھے ہوکر کیسی باتیں کررہے ہو؟ آج کل کے یہ بابے کیسا ڈھونگ رچا کر سادہ لوح لوگوں سے پیسے بٹور رہے ہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''وہ ان کے خاندانی باباجی ہیں۔''

''کیا خاندانی بابے ڈھونگی نہیں ہوسکتے؟ ویسے تمہارا دل مانتا ہے تو تم چلے جاؤ۔'' روبی نے جیسے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

''میں تم سے مشورہ کررہا تھا کہ ہمیں جانا چاہیے یا نہیں۔

PakBooks.Site

تم نہیں چاہتیں تو ہم نہیں جاتے۔'' مبشر نے روبی کا موڈ دیکھا تو جلدی سے کہا۔

''اس گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں آج بھی سارا دن اکیلی رہی ہوں۔ مجھے کسی طرح کا کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔ مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو غیر معمولی ہو۔ جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہم کسی اچھے سے ماہرِ نفسیات کے پاس جائیں۔'' روبی نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''اگر تم یہ چاہتی ہو تو ہم کسی ماہرِ نفسیات کے پاس چلے جاتے ہیں۔'' ایک لمحے میں مبشر نے روبی کی بات سے اتفاق کرلیا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد روبی اپنے کمرے میں گئی اور گاڑی کی چابی ہاتھ میں گھماتے ہوئے بولی۔

''چلو ڈرائیو پر چلتے ہیں۔ تمہارا ذہن فریش ہوجائے گا۔''

مبشر پہلے ہی گھر میں گھٹن سی محسوس کر رہا تھا۔ جب روبی بیڈروم میں گئی تھی تو وہ اپنے اردگرد اپنے نگاہیں گھما رہا تھا جیسے اس کے آس پاس کوئی چیز ہو۔ جونہی روبی کمرے سے باہر نکلی تھی تو مبشر یکدم ایسے ہوگیا جیسے وہ جس جگہ بیٹھا ہے وہاں وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے کوئی خوف درپیش نہیں ہے۔ وہ دراصل روبی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے ورنہ وہ پھر اسے سمجھانے بیٹھ جاتی۔

''ہاں چلو.....'' مبشر کھڑا ہوگیا۔

گاڑی کے پاس پہنچ کر روبی نے کار کی چابی مبشر کی طرف بڑھادی۔ مبشر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس کے شعور میں خوف بس چکا تھا اور وہ اندر سے کمزور ہو چکا تھا لیکن وہ روبی کے سامنے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ بالکل توانا اور بے خوف ہے۔

''کہاں جانا ہے؟'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر مبشر نے پوچھا۔

روبی نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر بولی۔ ''پہلے ہم آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔ اس کے بعد کسی بھی سڑک پر دور تک چلیں گے اور واپس آجائیں گے۔''

مبشر نے کار آگے بڑھادی۔ روبی نے اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کردیں۔ اس دوران وہ جگہ آگئی جہاں سے وہ آئس کریم کھاتے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی پسند کی آئس کریم منگوائی اور کار میں بیٹھ کر ہی آئس کریم کھانے لگے۔ روبی نے کھانے کے دوران بھی کوئی نہ کوئی موضوع چھیڑے ہی رکھا تھا۔

آئس کریم ختم کرنے کے بعد روبی کے کہنے پر مبشر نے کار کا رخ سفاری پارک کی طرف موڑ لیا۔ سفاری پارک شہر سے کچھ دور تھا اور ابھی وہ زیرِ تعمیر تھا۔ اس کے باوجود لوگ اس طرف اسے دیکھنے کے لیے نکل جاتے تھے۔ ان کی کار اسی جانب دوڑنے لگی۔

''کاش کہ.... بارش ہوجائے۔'' اچانک روبی نے خواہش کا اظہار کیا۔

مبشر نے ونڈ اسکرین سے آسمان پر..... چمکتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ دور تک بادلوں کا نام و نشان نہیں ہے اور تم بارش مانگ رہی ہو؟''

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ بارش ہو۔'' وہ بولی۔

''اگر اس طرح خواہش کرنے سے سارے کام ہونے لگیں تو پھر کسی کی خواہش دل میں نہ رہے۔''

روبی کے چہرے پر متانت آگئی۔ ''واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جو خواہش دل میں رہ جاتی ہے پھر اسے پورا کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔''

''تمہاری کوئی خواہش دل میں ہے جو پوری نہیں ہوئی؟'' مبشر نے پوچھا۔

روبی نے مبشر کی طرف دیکھا اور کچھ توقف کے بعد جواب ..... دیا۔ ''ایک خواہش ہے۔''

''وہ کونسی؟'' کار ڈرائیو کرتے ہوئے مبشر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس وقت وہ سفاری پارک کی سڑک پر جا رہے تھے۔ اس سڑک کے دائیں بائیں درخت ایستادہ تھے اور سڑک پر دور تک اندھیرے کا راج تھا۔ کار کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی۔

''مبشر ایک منٹ کے لیے میری طرف دیکھو۔'' روبی نے خواہش ظاہر کی۔

''تمہاری طرف دیکھوں گا تو کار کیسے چلاؤں گا۔'' مبشر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کار کی رفتار زیادہ نہیں ہے اور پھر سڑک بالکل ویران ہے۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔'' روبی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

مبشر نے مسکرا کر روبی کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور ٹھیک اسی وقت ایک دھماکا سا ہوگیا۔

مبشر اور روبی نے ایک ساتھ گھبرا کر سامنے کی طرف

دیکھا اور اس دوران غیر ارادی طور پر مبشر کے پیر کا دباؤ بریک پر بڑھ گیا تھا کیونکہ کوئی چیز ان کی کار سے ٹکرائی تھی۔

کار سڑک پر ترچھی کھڑی ہوگئی تھی۔ دور تک کوئی بھی نہیں تھا۔ دونوں متوحش نگاہوں سے سامنے دیکھ رہے تھے اور یہ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی کار سے کیا چیز ٹکرائی ہے۔

''سامنے تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' روبی کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

مبشر کے چہرے پر خوف کچھ زیادہ تھا۔ اس نے دور تک اپنی کار کی روشن ہیڈ لائٹس میں دیکھا اور پھر دائیں بائیں گردن گھمائی۔ ان کے آس پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

''شاید کوئی جانور تھا جو ہماری کار سے ٹکرایا ہے۔'' مبشر کی گھبرائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ اس کی سانس تیز ہو رہی تھی۔

اسی اثنا میں روبی نے گردن گھما کر اپنے عقب میں دیکھا اور اس کی چیخ نکل گئی۔

''کیا ہوا.....؟'' مبشر نے جلدی سے خوفزدہ ہوکر پوچھا۔

''پیچھے دیکھو..... وہ سڑک پر۔'' روبی کی سانس پھول چکی تھی۔

مبشر نے جلدی سے عقب کی طرف گردن گھمائی تو اس کے دل کی دھڑکن منتشر ہوگئی۔ آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور سانس کی بے ترتیبی دوچند ہوگئی۔

ان کی کار سے کچھ فاصلے پر سڑک پر اوندھے منہ کوئی آدمی پڑا تھا۔ یقیناً وہی ان کی کار سے ٹکرایا تھا۔

''یہ تو کوئی آدمی ہے۔'' مبشر سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

''یہی ہماری کار سے ٹکرایا ہوگا۔ تم دیکھو کہ یہ زندہ ہے؟'' روبی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

باہر نکل کر دیکھنے کی بات سن کر مبشر کی سانس اور بھی تیز ہوگئی اور دل کی دھڑکن ایسی ہوگئی جیسے ابھی اس کا دل سینے سے باہر نکل آئے گا۔

''مم..... میں دیکھوں.....'' مبشر گھبرایا۔

''ہاں ایک نظر دیکھو تو سہی کہ وہ زندہ ہے کہ مر گیا ہے..... بلکہ ہم دونوں دیکھتے ہیں۔'' روبی نے کہہ کر کار کا دروازہ کھولا اور قدم باہر رکھا۔

مبشر کار سے نکل کر اس شخص تک جانے کے لیے تذبذب کا شکار تھا لیکن جب روبی کار سے باہر نکل گئی تو اسے بھی مجبوراً کار سے باہر نکلنا پڑا۔ ویران سڑک پر اس وقت وہ دونوں کھڑے تھے۔ وہ شخص ابھی تک اسی طرح ساکت پڑا تھا اور مبشر کا خوف اور ڈر سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس کی جان حلق میں آگئی تھی اور اس کے لیے ایک قدم اُٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔

روبی سڑک پر پڑے شخص کی طرف بڑھی۔ اس کے پیچھے مبشر بھی چل رہا تھا۔ روبی اس شخص کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے ایک نظر اپنے عقب میں مبشر کی طرف دیکھا۔ مبشر نے تیز قدم اُٹھائے اور اس کے پاس پہنچ گیا۔

روبی ہچکچاتے ہوئے جھکی اور اس شخص کو جیکٹ سے پکڑ کر سیدھا کیا تو وہ تقریباً مبشر کا ہم عمر تھا اور خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کے چہرے کا دائیں جانب کا حصہ خون آلود ہوگیا تھا۔ روبی نے اپنا ہاتھ اس کی ناک کے پاس لے جاکر اس کی سانس چیک کی اور بولی۔

''میرا خیال ہے کہ یہ مر چکا ہے۔''

یہ سن کر مبشر کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور فوراً روبی کا ہاتھ پکڑ کر اسے تقریباً کھینچتا ہوا کار کی طرف بڑھا اور بولا۔ ''جلدی کار میں بیٹھو.....''

''کیا ہم بھاگ رہے ہیں؟''

''اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ جلدی بیٹھو۔'' مبشر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

روبی بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ زندہ ہو..... کیا ہم اس کی مدد نہیں کرسکتے؟''

''اس سے پہلے کہ کوئی ہمیں دیکھے، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' مبشر نے تیزی سے کار گھمائی اور اس نوجوان کو سڑک پر پڑا چھوڑ کر وہاں سے نکل گئے۔

مبشر کی کار کی رفتار غیر معمولی تھی اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ دل کی دھڑکن بدستور منتشر تھی اور روبی کو خوف تھا کہ اس حالت میں مبشر کہیں کار پر گرفت کھو نہ دے اور کار بے قابو ہوکر کسی حادثے کا شکار ہوجائے۔ مبشر کار کو برق رفتاری سے بھگاتا ہوا اپنے گھر تک لے آیا۔

کار کھڑی کرنے کے بعد دونوں باہر نکلے اور مبشر نے گیٹ کو مقفل کردیا۔ مبشر نے کار کا اچھی طرح سے جائزہ لیا اور کپڑا لے کر کار کی جس جگہ سے وہ شخص ٹکرایا تھا، وہاں سے اس نے رگڑ رگڑ کر صاف کیا اور اچھی طرح سے تسلی کرنے کے بعد گھر کے اندر چلا گیا۔

مبشر نے منہ ہاتھ دھوکر آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور

PakiBooks Site

چہرے کو مسلسل دیکھنے لگا۔ وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار آرہا تھا۔ اچانک جانے کس طرف سے نکل کر وہ شخص اس کی کار سے ٹکرا گیا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔ اب پتا نہیں وہ زندہ تھا کہ مر گیا تھا۔ اگر وہ مر گیا تو......؟ یہ سوچ کر ہی اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ وہ باتھ روم سے باہر آیا ہی تھا کہ وہ سامنے کھڑی روبی کو دیکھ کر ڈر گیا۔

''کیا ہوا؟''

''تمہیں دیکھ کر ڈر گیا تھا۔'' مبشر نے کہا۔

''جو ہوا اسے اپنے ذہن سے نکال کر بالکل فریش ہوجاؤ۔'' روبی نے اس کے قریب آکر تسلی دی۔

''مجھ سے ایسا نہیں ہوسکتا۔ میرے دل و دماغ پر اس شخص کا خون آلود چہرہ چھایا ہوا ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھے کچھ ہوجائے گا۔'' مبشر کی آواز میں گھبراہٹ تھی اور سانس بھی پھول رہی تھی۔

''کیا ہوجائے گا؟'' روبی نے پوچھا۔

''مجھے پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ وہ میری کار سے ٹکرا کر مرا ہے۔'' مبشر اور بھی خوفزدہ ہوگیا۔

''ہمیں وہاں کسی نے نہیں دیکھا۔'' روبی بولی۔

''ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارا خیال ہو اور ہمیں کوئی دیکھ رہا ہو۔'' مبشر نے متوحش نگاہوں سے روبی کی طرف دیکھا۔

''تم بہت وہم کرتے ہو۔ بھول جاؤ اسے۔'' روبی نے زور دیا۔ ''تم لیٹ جاؤ میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''نہیں تم میرے پاس بیٹھ جاؤ۔'' مبشر نے فوراً روبی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ روبی نے ہمدردی سے مبشر کی طرف دیکھا اور بولی۔

''مبشر تم بالکل چھوٹے بچے کی طرح ڈرتے ہو۔''

''میں تمہیں بتا چکا تھا کہ میں جلدی ڈر جاتا ہوں۔ خوف میرے اندر ہے جس سے میں آج تک چھٹکارا نہیں پاسکا۔'' مبشر نے کہا۔

''میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ تم اپنے اندر سے خوف نکال دو۔ میں تمہارے لیے دودھ لے کر آتی ہوں۔'' روبی نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور کمرے سے باہر چلی گئی جبکہ مبشر بیڈ پر ایسے براجمان تھا جیسے کوئی دس سال کا بچہ ہو۔ وہ بار بار دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو وہ آپس میں لاشعوری انداز میں ایسے مل رہا تھا جیسے ابھی کچھ ہوجائے گا۔

دس منٹ کے بعد روبی دودھ کا گلاس لے کر آگئی۔ مبشر نے چند گھونٹ لے کر گلاس ایک طرف رکھ دیا۔

''روبی...... اگر وہ شخص مر گیا... تو میں اس کا قاتل ہوا ناں......؟''

''تم ایسا کیوں سوچتے ہو، وہ زندہ بھی تو ہوسکتا ہے۔'' روبی نے کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔''

''وہ میرا خیال تھا۔''

''مجھ سے غلطی ہوگئی۔'' اس نے تاسف سے کہا۔

''کیا غلطی ہوگئی؟''

''ہمیں چاہیے تھا کہ ہم اسے اٹھا کر اسپتال لے جاتے۔'' مبشر نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''پھر شاید ہم بالکل ہی پھنس جاتے۔ وہاں ہمیں بتانا پڑتا کہ یہ شخص ہماری کار سے ٹکرا گیا تھا۔ اگر وہ اسپتال میں ہماری موجودگی میں مر جاتا تو سوچو پھر کیا ہوتا۔'' روبی نے دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔

''ہم یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ ہم جارہے تھے، اسے کوئی ٹکر مار کر چلا گیا اور ہم انسانی ہمدردی کے تحت اسے اٹھا کر لے آئے ہیں۔''

''تب بھی پولیس ہم سے اتنے سوال کرتی کہ ہم اُلجھ جاتے اور پھنس جاتے۔'' روبی بولی۔ ''اس لیے جو کچھ بھی ہوا، وہ ٹھیک ہی ہوا ہے۔ تم اطمینان سے سوجاؤ۔ ان باتوں کو اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''اس کی شکل میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کا چہرہ شاید میں کبھی نہ بھول سکوں۔'' مبشر کی آنکھوں میں خوف عیاں تھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور دل کی دھڑکن بھی غیر معمولی تھی۔

''اب تم اتنا مت سوچو اور سونے کی کوشش کرو۔'' روبی نے اُٹھ کر کمرے کی لائٹ بند کردی اور کمرے میں زیرو پاور کا بلب روشن ہوگیا۔ مبشر کمبل لے کر لیٹ گیا۔ وہ بُری طرح سے ڈرا ہوا تھا اور گھبراہٹ بھی کم نہ ہورہی تھی۔ وہ کمبل میں کسی بچے کی طرح دبک کر لیٹا ہوا تھا۔

مبشر نے ایک بار بھی سونے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی اس نے اپنی آنکھیں بند کی تھیں۔ اس کا دل مسلسل دھڑک رہا تھا اور بار بار اس شخص کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ پورے جسم میں بے چینی دوڑ رہی تھی۔ وہ کروٹیں بدلنا چاہتا تھا لیکن ساکت ایک ہی رخ پر لیٹا رہا۔

مبشر کا خوف دوچند ہوتا جارہا تھا اور دل کی دھڑکن اور بھی تیز ہوگئی تھی۔ سوچوں کا انبار اسے گھیرے ہوئے تھا۔

☆☆☆

مبشر نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور سامنے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے پنکھا لٹک رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر کھولیں تو وہ اب یہ جان سکتا تھا کہ وہ پنکھا چھت پر لٹک رہا تھا۔ وہ بیڈ پر سیدھا لیٹا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے وہ پنکھا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں گھما کر دائیں اور بائیں دیکھا۔ سامنے نظر ڈالی تو کمرے کا اکلوتا دروازہ دکھائی دیا جو بند تھا۔

مبشر کا دماغ شاید سوچنے سمجھنے سے عاری ہوگیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، پھر ایک دم اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں، جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ خون آلود نوجوان اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے بھی مار دے گا...... کہیں اس نے اسے بھی تو نہیں مار دیا......؟

اس سوچ نے مبشر کے جسم میں جیسے بجلی بھر دی ہو۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا تھا کہ دروازہ کھلا اور روبی نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا شاپر تھا جس میں کچھ دوائیں نظر آرہی تھیں۔ اس نے اندر آتے ہی مبشر کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''تم ہوش میں آگئے......؟''

''میں بے ہوش تھا کیا؟''

''ہاں۔'' روبی نے وہ شاپر ایک طرف رکھا اور مبشر کو کندھوں سے پکڑ کر لٹانا چاہا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''ہم اسپتال میں ہے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم بے ہوش ہوگئے تھے۔''

''میں کیسے بے ہوش ہوگیا تھا؟''

''پتا نہیں، اچانک تم میرے اوپر گرے تھے اور میں نے اُٹھ کر تمہیں ہلایا تو تم ہوش میں نہیں آرہے تھے۔ میں نے جلدی سے ایمبولینس منگوائی اور تمہیں اسپتال لے آئی۔'' روبی نے بتایا۔

اچانک پھر سے مبشر کو یاد آیا کہ کمرے میں وہ خون آلود چہرے والا نوجوان آیا تھا...... اسے دیکھ کر وہ اتنا خوفزدہ ہوگیا تھا کہ شاید وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' مبشر نے پوچھا۔

''وہ کہتے ہیں بہت زیادہ ذہنی دباؤ کی وجہ سے تم بے ہوش ہوئے ہو۔'' روبی نے بتایا۔ ''شاید آفس میں کام

اچانک اسے لگا جیسے کمرے کا دروازہ کسی نے آہستہ سے کھولا ہے۔ دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ مبشر کا رخ دروازے کی دوسری جانب تھا اور اس نے خود دیکھا تھا کہ روبی نے دروازے کے ہینڈل کو مقفل کیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے مبشر کی آنکھیں اور بھی کھل گئیں اور کان اس جانب متوجہ ہوگئے۔ پھر یکدم مبشر کا دل زور سے دھڑکا کیونکہ دروازہ بند ہونے کی آواز بھی اس نے واضح سنی تھی۔

اپنے منتشر دل کی دھڑکن کے درمیان وہ کچھ اور سننے کی ہر ممکن سعی کرتا رہا۔ پھر جیسے اس کی جان نکل گئی ہو کسی نے اس کے پیر پر ہاتھ رکھا تھا اور ہلکا سا ہلایا تھا۔ مبشر نے وہ سب بہت واضح محسوس کیا تھا لیکن وہ اسی طرح ساکت لیٹا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد پھر اس کے پیر پر ہاتھ رکھا گیا اور اس کے پیر کو ہلایا۔

مبشر نے یکدم دیکھنے کا فیصلہ کیا کہ اس کے پیروں کی جانب کون کھڑا ہے۔ دوسرے ہی لمحے مبشر نے ایک جھٹکے سے اپنا رخ سیدھا کیا اور اُٹھتے ہوئے اپنے پیروں کی جانب دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اس کے سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا جو اس کی کار سے ٹکرایا تھا۔ اس کا چہرہ ایک طرف سے خون آلود تھا، بالکل اسی طرح جس طرح سے اس نے اسے تب دیکھا تھا جب روبی نے اس کا چہرہ سیدھا کیا تھا۔

جس طرح سے مبشر کے حلق سے چیخ نکلی تھی، اس سے اس کے ساتھ ایک ہی بیڈ پر لیٹی ہوئی روبی کو فوراً جاگ کر اس کی طرف متوجہ ہوجانا چاہیے تھا لیکن روبی دوسری طرف کروٹ لیے لیٹی رہی۔

مبشر کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ مسلسل اپنے سامنے کھڑے اس نوجوان کو دیکھے جارہا تھا۔

''تم نے مجھے مار دیا......'' اس کی آواز میں خمار اور عجیب سا خوف تھا۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا......''

''میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا......'' مبشر کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''اب میں ساری زندگی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں بھی مار دوں گا......'' اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ غراہٹ آمیز آواز میں بولا تو مبشر کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ اس کا دل اور سانس کی رفتار اتنی تھی کہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر یکدم سے وہ ایک طرف گر گیا۔ کمرے میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

PakiBooks.Site

زیادہ ہے۔ میں نے ان کو اصل بات نہیں بتائی کہ تم کس بات سے خوفزدہ ہو اور کیوں بے ہوش ہوئے تھے۔''

''تم جانتی ہو کہ رات کیا ہوا تھا؟'' مبشر نے کہا تو روبی اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ ''وہ نوجوان جو ہماری کار کے ساتھ ٹکرایا تھا، وہ ہمارے بیڈروم میں آیا تھا۔''

مبشر کی بات سن کر روبی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے غور سے مبشر کی طرف دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ روبی کو مبشر کی اس بات میں سچائی نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ پھر بولا۔

''وہ بالکل اسی طرح تھا۔ زخمی حالت میں۔ اس کا چہرہ خون آلود تھا اور اس نے کہا کہ وہ مجھے بھی مار دے گا۔ اسے دیکھ کر میری چیخ نکل گئی تھی.....''

''پھر مجھے چیخ سنائی کیوں نہیں دی تھی؟'' روبی نے پوچھا۔

مبشر اس کا سوال سن کر خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ جواب تلاش کررہا ہو۔

''میری چیخ بلند تھی اور اس وقت بالکل خاموشی تھی۔ تم کو فوراً جاگ جانا چاہیے تھا۔'' مبشر نے خفگی کے انداز میں کہا۔

''میں اس لیے نہیں جاگی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ خواب میں ہوا تھا۔'' روبی نے متانت سے کہا۔

''نہیں وہ خواب نہیں تھا، وہ حقیقت تھی۔ میں اس وقت جاگ رہا تھا۔ میں نے خود دیکھا تھا کہ وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ خون آلود.....'' مبشر نے اپنی بات پر زور دیا۔ اسے روبی کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

''بعض دفعہ خواب میں نظر آنے والا واقعہ حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم آرام کرو۔ اور سب کچھ اپنے دماغ سے نکال دو۔'' روبی نے اسے مشورہ دیا۔ ''رات کو ہمارے بیڈروم میں کوئی نہیں تھا۔ جب تم مجھ پر گرے تھے اور میری آنکھ کھلی تھی تو اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔''

''تم میری بات کا یقین کرو کہ وہ ہمارے کمرے میں آیا تھا۔ میں نے اسے خود دیکھا تھا۔''

''ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ آرام کرو۔ میں نے تمہارے آفس فون کردیا ہے اور تین دن کی چھٹی لے لی ہے۔'' روبی نے کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور نرس اندر آگئی۔ وہ مبشر کا بلڈ پریشر چیک کرنے لگی۔ پھر اس نے بخار چیک کیا۔ شیٹ پر لکھا اور ایک انجکشن بازو میں لگانے کے بعد وہ جانے لگی اور جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا روبی نے اسے مخاطب کیا۔

''مبشر کی حالت اب ٹھیک ہے؟''

''جی، بہتر ہے۔''

''کیا ہم ابھی اسپتال میں ہی رہیں گے؟'' روبی نے پوچھا۔ اسی وقت باہر ایک وہیل چیئر رکی اور اس پر بیٹھے ہوئے نوجوان کو دیکھ کر مبشر کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں کیونکہ اس وہیل چیئر پر وہی زخمی نوجوان اس طرح سے بیٹھا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

نرس نے جواب دیا۔ ''ایک گھنٹے تک ڈاکٹر صاحب آئیں گے، آپ ان سے پوچھ لیں۔'' نرس جواب دے کر جیسے ہی باہر جانے لگی وہ وہیل چیئر بھی آگے بڑھ گئی۔

''روبی..... وہ اس وہیل چیئر پر بیٹھا تھا.....'' نرس کے جاتے ہی مبشر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور تیز لہجے میں چلّایا۔

''کون وہیل چیئر پر بیٹھا تھا؟'' روبی نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا۔

''وہی خون آلود چہرے والا نوجوان جو ہماری کار سے ٹکرایا تھا۔ ابھی نرس نے دروازہ کھولا تھا تو اس کی وہیل چیئر رکی تھی اور ابھی آگے گئی ہے، تم دیکھو۔'' مبشر نے جلدی سے کہا۔ ایک بار پھر خوف نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ کچھ دیر قبل بہتر نظر آنے والا مبشر پھر سے خوف میں مبتلا ہوگیا تھا۔

روبی نے اسی وقت دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ مبشر بیڈ پر بیٹھا لمبی لمبی سانسیں لیتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد روبی واپس آئی تو اس نے کہا۔

''میں آگے تک دیکھ آئی ہوں۔ مجھے وہیل چیئر پر وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔''

''میں نے ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔''

''تم کو ہر جگہ وہی نظر آرہا ہے مبشر، تم نے اسے اپنے اعصاب پر اتنا سوار کرلیا ہے کہ اس کے خوف اور ڈر میں مبتلا ہوگئے ہو۔'' روبی بولی۔

''میری بات کا یقین کرو وہ ہمارے بیڈروم میں بھی آیا تھا اور اس وقت وہ وہیل چیئر پر بھی بیٹھا تھا۔ بالکل اسی حالت میں جس حالت میں ہم اسے سڑک پر چھوڑ کر آئے تھے۔'' مبشر مضطرب تھا۔

''تم یہ یقین کیوں نہیں کرلیتے کہ ہم رات ڈرائیو پر گئے ہی نہیں تھے، ہماری کار سے کوئی ٹکرایا نہیں تھا۔ کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔'' روبی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ یقین کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔'' مبشر کچھ دیر توقف کے بعد جھنجلا کر بولا۔

''اپنے آپ کو سنبھالو مبشر..... تم ایک بہادر نوجوان ہو۔ بچے نہیں ہو کہ اس طرح ڈرنے لگو۔''

مبشر مضطرب انداز میں دائیں بائیں دیکھتا رہا۔ اس کی حالت عجیب ہورہی تھی۔ وہ بولا۔ ''میں کوشش کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو سنبھال سکوں..... ڈاکٹر صاحب آئیں تو ان سے گھر جانے کی بات کرنا۔ مجھے یہاں گھبراہٹ ہورہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ابھی تم ایک دو دن اسپتال میں رہو تو بہتر ہے۔'' روبی نے اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا۔

''میرے لیے یہاں رہنا مشکل ہے، اس لیے بہتر ہے کہ مجھے تم گھر لے جاؤ۔'' مبشر بولا۔

''بہرحال دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کیا کہتے ہیں۔'' روبی نے کہہ کر پیار سے مبشر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے گھبرائے اور خوفزدہ چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مبشر کو گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ مبشر کا دل کانپ رہا تھا اور وہ خوف میں مبتلا تھا لیکن اس نے ڈاکٹر کے سامنے پوری کوشش کی تھی کہ وہ نارمل نظر آئے اور ڈاکٹر اسے گھر جانے کی اجازت دے دے۔

اسپتال کا بل ادا کرنے کے بعد جب دونوں خارجی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے تو مبشر غیر ارادی طور پر دائیں بائیں دیکھتے ہوئے جارہا تھا۔ بالخصوص جب اسے کوئی وہیل چیئر پر بیٹھا دکھائی دیتا تو وہ اسے غور سے دیکھتا۔ وہ چلتے ہوئے بار بار اپنے عقب میں بھی دیکھ رہا تھا۔ اس کے برابر میں چلتی ہوئی روبی اسے بار بار ٹوک رہی تھی کہ وہ اپنی توجہ دائیں بائیں کرنے کے بجائے ایک جگہ مرکوز رکھے لیکن مبشر اس کی بات کو مسلسل نظر انداز کررہا تھا، یا پھر وہ ایسا کرنے میں ناکام ہورہا تھا۔

وہ گاڑی تک پہنچے اور روبی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ابھی اس نے کار اسٹارٹ ہی کی تھی کہ اچانک جس طرف مبشر بیٹھا تھا اس طرف ایک فقیر آگیا۔ فقیر نے آتے ہی دروازے کے شیشے پر اپنا پنجہ ایسے مارا کہ مبشر نے فوراً ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا۔

فقیر نے میلے اور پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کی بے ترتیب داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور پیلے دانت جھانک رہے تھے۔

''کچھ دو..... بہت بھوک لگی ہے۔''

مبشر اس کی طرف متوحش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ روبی نے مبشر کی طرف پچاس کا نوٹ بڑھا کر کہا۔ ''یہ دے دو اسے۔''

مبشر نے نوٹ پکڑ کر اپنے دروازے کا شیشہ نیچے کیا اور پچاس کا نوٹ اسے دینے کے لیے جیسے ہی اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا فقیر نے یکدم سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مبشر خوف سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگا، فقیر جلدی سے بولا۔

''وہ تمہارے پیچھے ہے.....'' فقیر کہہ کر جلدی سے ایک طرف چلا گیا۔ مبشر نے سرعت سے شیشہ اوپر چڑھایا۔ روبی بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مبشر کی حالت پھر خراب ہوگئی۔ خوف نے ایک بار پھر اس کے پورے جسم میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

''سنا تم نے فقیر کیا کہہ کر گیا ہے۔''

''بکواس کر کے گیا ہے۔ تمہارے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔ ایسے فقیر ڈھونگ کرتے ہیں تاکہ دوسرے کے دل میں وہم ڈال سکیں اور وہ اس کے پیچھے آکر پوچھیں کہ اس کی بات کا کیا مطلب تھا اور ڈرامے باز فقیر بتانے کے چکر میں پیسے بٹور سکیں۔''

''اسے کیسے پتا چلا کہ کوئی میرے پیچھے ہے؟'' مبشر نے اس بات کو پکڑ لیا تھا۔

''یہ لوگ ہوا میں تیر چھوڑنے کے ماہر ہوتے ہیں۔'' روبی بولی۔

''وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میرے پیچھے کوئی ہے۔ کوئی ایسی طاقت جو صرف مجھے دکھائی دیتی ہے۔ ہماری کار سے وہی طاقت ٹکرائی تھی۔ ہم نے اسے خون آلود دیکھا اور وہاں سے بھاگ آئے۔ اگر وہ کوئی انسان ہوتا تو ہمارے بیڈروم میں اس حالت میں نہ آتا۔ مجھے اسپتال میں وہیل چیئر پر بیٹھا دکھائی نہ دیتا۔ کوئی ہے میرے پیچھے.....'' مبشر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائے جارہا تھا۔

''کوئی بھی نہیں ہے، سب تمہارا وہم ہے۔'' روبی نے کہہ کر کار آگے بڑھا دی۔

''روبی تم ان باتوں کو مانتی نہیں ہو۔'' مبشر کو غصہ آگیا اور وہ تیز لہجے میں بولا۔ روبی نے اس کا بدلا ہوا لہجہ دیکھا تو فوراً اپنی توجہ اس سے ہٹا کر سامنے مرکوز کردی۔ مبشر اسی انداز میں پھر بولا۔ ''جب وہ طاقت مجھے ختم کردے گی تم کو یقین آئے گا۔''

PakiBooks.Site

''تو تم اب کیا چاہتے ہو؟''

''میں اس اذیت سے نجات چاہتا ہوں۔ میرا سکون ختم ہو گیا ہے۔ ہر وقت میرا دل دھڑکتا رہتا ہے اور خوف بے حال رکھتا ہے۔'' مبشر کا لہجہ اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ اکتاہٹ، اُلجھن اور غصہ بڑھ رہا تھا۔

''تم کہتے ہو کہ مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب میں وہی کروں گی جو تم کہو گے۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔'' روبی کو بھی اس کی باتوں سے اکتاہٹ سی ہونے لگی تھی۔

''مجھے کسی کے پاس لے جاؤ جو میرا علاج کر سکے۔'' مبشر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''میری نظر میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ تم مجھے بتا دو میں گاڑی اس طرف لے جاتی ہوں۔''

مبشر سوچنے لگا اور پھر اس نے اپنا موبائل فون تلاش کرنے کے لیے اپنی جیبوں پر ہاتھ مارا۔ ''میرا موبائل فون کہاں ہے؟''

''وہ میں گھر ہی چھوڑ آئی تھی۔''

''مجھے کامران کو کال کرنی تھی۔''

''میرا موبائل فون لے لو۔''

''مجھے اس کا نمبر زبانی یاد نہیں ہے۔''

''پھر گھر چلتے ہیں۔ اطمینان سے کامران بھائی کو کال کرنا اور جہاں کہو گے، میں لے چلوں گی۔'' روبی کہہ کر خاموشی سے کار چلانے لگی۔ پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد مبشر نے روبی کی طرف پیار بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''روبی تم کو میری بات اچھی نہیں لگی کیا.....؟ میرا لہجہ بگڑ گیا تھا۔ مجھے غصہ آ گیا تھا اپنی اس صورتِ حال سے.....''

''تم کو میرا احساس نہیں ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ اس اذیت میں شامل ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہاری تکلیف سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا؟'' روبی کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''سوری..... میں ذہنی کوفت کا شکار ہو گیا ہوں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ خوف مجھے دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ میرے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ وہ زخمی شخص مجھے ختم کر دے گا۔ موت ہم دونوں کو الگ کر دے گی۔'' مبشر نے آخری جملہ کہہ کر کرب سے روبی کا ہاتھ پکڑ لیا اور روبی بھی اس کی بات سن کر تڑپ اُٹھی، اس نے محبت بھری نگاہوں کو اس کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

''تم ایسا کیوں سوچتے ہو؟ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ تمہاری ان باتوں سے میں بھی کمزور ہو جاؤں گی۔'' روبی نے یہ کہہ کر کار روک دی کیونکہ ان کا گھر آ گیا تھا۔ مبشر نے اس کا ہاتھ دبایا اور کہا۔

''میں کوشش کروں گا کہ اپنے آپ کو مضبوط رکھوں۔''

روبی نے اپنے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ سجائی.... اور باہر نکل کر پہلے گیٹ کھولا اور پھر گاڑی اندر لے گئی۔ کار سے اتر کر اس نے گیٹ بند کر دیا۔

دونوں اندر گئے تو روبی نے کہا۔ ''میں کھانا تیار کرلوں۔ تم چاہو تو ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ جاؤ ورنہ بہتر ہے کہ بیڈ روم میں جا کر آرام کرو۔''

مبشر تذبذب میں سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے۔ ٹی وی دیکھنے کو اس کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اکیلا بیڈ روم میں جا کر لیٹنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس کی حالت.... دیکھ کر روبی نے کہا۔

''تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم کچھ دیر آرام کرو۔ میں بیڈ روم میں چکر لگاتی رہوں گی۔''

''میں بھی لیٹنا چاہتا ہوں۔''

''کوشش کرنا کہ تم کچھ دیر کے لیے سو جاؤ۔''

''کوشش کروں گا۔''

مبشر نے بیڈ روم کی طرف قدم بڑھا دیے۔ روبی کچن میں چلی گئی۔ مبشر نے بیڈ روم کا دروازہ کھولنے سے قبل اپنے اندر بسیرا کیے ہوئے خوف کو دور کرنے کی کوشش کی اور پھر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ دروازہ بند کر کے جیسے ہی اس نے کمرے کی لائٹ جلائی اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ سامنے کرسی پر وہی نوجوان براجمان تھا۔ اس نے وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ چہرے کے ایک طرف خون جم چکا تھا اور شرٹ پر بھی خون تھا۔ وہ اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مبشر کا جسم کانپنے لگا۔ وہ جلدی سے دروازے کی طرف گھوما اور دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل گھمایا۔ لیکن دروازہ جیسے کسی نے مقفل کر دیا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے کے لیے کچھ زور آزمائی کی لیکن دروازہ مقفل تھا۔ اس کے عقب سے اس شخص کی آواز آئی جو خمار آلود اور کچھ بھاری تھی۔

''دروازہ نہیں کھلے گا.....''

''روبی..... روبی..... دروازہ کھولو.....'' مبشر چلّایا۔

وہ پھر بولا۔ ''شور مت کرو ورنہ تمہاری زبان کھینچ کر

نکال دوں گا۔''

یہ سنتے ہی مبشر نے اپنا رخ اس شخص کی طرف کر لیا۔ مبشر دروازے کے ساتھ لگا ہوا تھا اور خوف سے اس کا جسم کانپ بھی رہا تھا پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

اس شخص نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے اس ویران سڑک پر چھوڑ آئے تھے۔ میں تمہارے پیچھے تمہارے گھر تک پہنچ گیا۔ اب تم بھی زندہ نہیں بچو گے۔''

''روبی..... روبی..... دروازہ کھولو.....'' مبشر ایک بار پھر گھوم کر دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے چلّانے لگا۔

''تمہاری آواز کمرے سے باہر نہیں جا رہی..... چلّانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''خدا کے واسطے تم میرا پیچھا چھوڑ دو.....'' مبشر کی سانس پری طرح سے پھول چکی تھی۔

وہ شخص اپنی جگہ سے اُٹھا اور دھیرے دھیرے مبشر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ چلتے ہوئے اپنی دائیں ٹانگ کو ایسے کھینچ کر چل رہا تھا جیسے وہ ٹانگ بے جان ہو گئی ہو۔ اس شخص کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر مبشر اور بھی زیادہ خوفزدہ ہو گیا۔ وہ دروازے پر مکّے برساتے ہوئے چلّایا۔

''دروازہ کھولو روبی.....''

''تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہیں جا رہی..... چپ ہو جاؤ اور دیکھو کہ میں اب تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں.....''

''میرے ساتھ کچھ مت کرو..... مجھے چھوڑ دو.....''

انتہائی زیادہ خوف کے عالم میں دروازے پر مکّے برساتے ہوئے مبشر کہہ رہا تھا لیکن وہ شخص مسلسل اس کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل اس کے قریب آ گیا اور اس نے اپنا ہاتھ اس کے گلے کی طرف بڑھایا۔ مبشر کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کا جسم بے جان ہونے لگا۔ جس قوت سے وہ دروازے پر مکے برسا رہا تھا، اب ان میں بھی جان نہیں رہی تھی اور پھر اس کا جسم دروازے کے ساتھ گھسٹتا ہوا فرش پر جا لگا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆☆☆

مبشر کو لگا جیسے کوئی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈال رہا ہو۔ اس نے اپنے جسم کو حرکت دی اور چہرہ دائیں بائیں کیا اور پھر کوشش کی کہ وہ آنکھیں کھول سکے لیکن ایسا لگتا تھا جیسے پلکیں اتنی بھاری ہو گئی ہوں کہ انہیں اُٹھانا مشکل ہو، پھر بھی اس نے کوشش کی اور آنکھیں کھول دیں۔ اسے کچھ دھندلا سا دکھائی دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے چند ثانیے پُرسکون رہنے کی کوشش کی اور پھر اپنی آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا اور اپنی پتلیاں گھمائیں تو روبی اس پر جھکی ہوئی تھی۔

روبی کے ہاتھ میں پانی کا جگ تھا اور وہ اس کے چہرے پر چھینٹے مار رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے دیکھا کہ مبشر کو ہوش آ گیا ہے تو اس نے سکون کی سانس لی اور بولی۔

''شکر ہے تم کو ہوش آ گیا۔''

مبشر نے دائیں بائیں کا جائزہ لینا شروع کیا اور پھر اسے سب یاد آ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے لاک ہو گیا تھا اور وہی شخص اس کمرے میں تھا جو اُن کی کار سے ٹکرا گیا تھا۔ وہ اسے مار دینا چاہتا تھا۔ سب یاد آتے ہی مبشر جو کہ فرش پر ہی لیٹا ہوا تھا۔ یکدم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں ایسے دیکھا جیسے وہ خون آلود شخص اس وقت بھی کمرے میں موجود ہو، یا پھر مبشر یہ یقین کر لینا چاہتا ہو کہ وہ زندہ ہے۔

''کیا ہوا مبشر.....؟'' روبی نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

''وہ کہاں گیا؟'' مبشر ابھی بھی متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

''کون.....؟ تم کس کی بات کر رہے ہو؟'' روبی نے اس پر حیرت کی نظر ڈالی۔

''وہی شخص جو ہماری کار سے ٹکرایا تھا۔ وہ اسی حالت میں اس کمرے میں موجود تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے اسے زخمی چھوڑا تھا۔ وہ مجھے مار دینا چاہتا تھا..... کمرے کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ میں بہت چلّایا..... تمہارا بار بار نام لیا تھا..... میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ دروازہ کھولو لیکن نہ دروازہ کھل رہا تھا اور نہ ہی تم آئی تھیں.....''

''میں کچن میں مصروف تھی اور مجھے تمہاری کوئی آواز نہیں آئی تھی۔'' روبی کی حیرت دوچند ہو گئی تھی۔

''میں نے تم کو بہت آوازیں دی تھیں۔'' مبشر نے بے یقینی کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے تمہاری کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی اور پھر جب میں تمہیں دیکھنے کے لیے آئی تو دروازہ تو کھلا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تم فرش پر لیٹے ہوئے ہو۔ تم کو ہلایا لیکن تم بے ہوش تھے۔ میں نے تمہارے چہرے پر پانی ڈالا تو تم کو

PakiBooks.Site

ہوش آیا۔'' روبی نے بتایا۔

مبشر اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا اور خوفزدہ تھا۔ اس کی متوحش نگاہیں ابھی تک دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔

''وہ اسی گھر میں ہے۔ وہ مجھے مار دینا چاہتا ہے۔''

''اس گھر میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' روبی نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''وہ تم کو نظر نہیں آتا لیکن مجھے دکھائی بھی دیتا ہے اور مجھ سے باتیں بھی کرتا ہے۔''

''یہ تمہارا وہم ہے۔''

''یہ میرا وہم نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل میرے سامنے ایسے کھڑا ہوتا ہے جیسے تم اس وقت میرے سامنے کھڑی ہو۔'' مبشر نے اپنی بات پر زور دیا۔

''چلو میں تم کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔'' روبی اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھی۔

''کس ڈاکٹر کے پاس؟'' مبشر نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کیں۔

''کسی ماہر نفسیات کے پاس چلتے ہیں۔'' روبی نے کہا۔

''مجھے کوئی نفسیاتی بیماری نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں لیکن وہ قوتیں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی ہیں، وہ میرے ارد گرد ہیں۔ وہ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں اور وہ شخص جو ہماری کار سے ٹکرایا تھا وہ مر چکا ہے اور اس کی روح مجھے بھی مار دینا چاہتی ہے۔''

''جو مر جائے اس کی روح زمین پر رہ کر کسی دوسرے کی جان نہیں لے سکتی۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا بھوت ہو۔ مجھے کچھ نہیں معلوم بس یہ پتا ہے کہ وہ مجھے مار دینا چاہتا ہے۔ وہ میرے پیچھے ہے۔ وہ مجھے مار دے گا۔'' مبشر کسی چھوٹے بچے کی طرح ڈرنے لگا تھا۔ ''ہمیں یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ گھر آسیب زدہ ہے۔''

''اس گھر میں کچھ نہیں ہے۔ میں سارا دن اکیلی رہتی ہوں۔'' روبی نے ایک بار پھر اس کی بات کی نفی کی۔ ''مجھے بھی شک بھی نہیں پڑا کہ اس گھر میں کوئی ہے۔''

''وہ سب میرے پیچھے پڑے ہیں اس لیے تم کو وہ کچھ نہیں کہتے۔ وہ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ وہ مجھے مار دیں گے۔''

''تمہیں کوئی نہیں مارے گا۔'' روبی کا لہجہ کچھ تیز ہو گیا۔ ''یہاں سے چلو..... کہیں اور چلتے ہیں۔''

''ایسا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اگر وہ واقعی تمہارے پیچھے ہیں تو وہ اس جگہ بھی آ جائیں گے جہاں ہم جائیں گے۔'' روبی کی اس بات نے مبشر کو دم بخود کر دیا اور اس کے جسم میں سراسیمگی پھیل گئی۔ یکدم سے کمرے میں خاموشی چھا گئی اور مبشر کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔

روبی نے مبشر کا ہاتھ پکڑا اور اسے بیڈ تک لے آئی اور اسے بیڈ پر بٹھانے کے بعد اپنا موبائل فون نکالا اور ایک نمبر ملانے کے بعد کان سے لگا لیا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے کسی ڈاکٹر سے کوئی بات کی جو مبشر توجہ سے نہیں سن سکا تھا کیونکہ وہ خوف میں مبتلا کسی دس سال کے بچے کی طرح بیڈ پر بیٹھا تھا۔ فون کرتے ہوئے روبی اس کی طرف پریشانی سے دیکھ بھی رہی تھی۔

☆☆☆

روبی جیسے تیسے مبشر کو ڈاکٹر سے وقت لے کر اس کے پاس لے... گئی ورنہ مبشر بچوں کی طرح نہ جانے کی ضد کر رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور سہما ہوا تھا۔ روبی نے ڈاکٹر صاحب کو جو تفصیل بتائی تھی، اس میں اس حادثے کا ذکر بالکل بھی نہیں تھا۔ روبی نے اختصار سے یہ بتایا تھا کہ مبشر کو اچانک گھر میں خوف آنے لگا ہے اور انہیں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اس گھر میں ہے اور انہیں پریشان کر رہا ہے۔

ڈاکٹر رضوان شہر کا بہترین ماہر نفسیات ڈاکٹر تھا۔ اس نے مبشر کا معائنہ کیا اور چند ادویات دینے کے بعد کہا۔ ''ان کے ذہن میں شروع سے ہی خوف بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بچپن میں انہیں ایسی چیزوں کا نام لے کر ڈرایا جاتا رہا ہو گا جو ہم کو دکھائی نہیں دیتیں۔ وہ باتیں اور خوف عمر کے ساتھ ساتھ دب ضرور گیا تھا لیکن ان کے دماغ سے ختم نہیں ہوا تھا۔ اب اچانک جو واقعات آپ نے بتائے ہیں، وہ خوف ایک بھاری پتھر بن کر ان کے دماغ کو اپنے حصار میں لے کر مبشر صاحب کو کمزور کر رہا ہے اور ہر روز ہونے والا ایسا واقعہ انہیں اور بھی کمزور کر رہا ہے۔''

''تو یہ محض ان کا خوف ہے، حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے؟'' روبی نے پوچھا۔

''ان کو جو کچھ دکھائی دیتا ہے، وہ ان کے دماغ کی اپنی اختراع ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ خوف ان کے دماغ میں بسیرا کر چکا ہے اور اس خوف کی لپیٹ میں مبشر صاحب اپنی زندگی کو اذیت ناک بنائے ہوئے ہیں۔''

روبی نے اپنے پاس بیٹھے مبشر کی طرف دیکھا جس کی گردن بائیں کندھے کی طرف جھکی ہوئی تھی اور وہ ایسے

برا جمان تھا جیسے کوئی حواس باختہ شخص بیٹھا ہو۔ روبی کو اپنے شوہر کی اس حالت پر تاسف ہونے لگا۔

ڈاکٹر صاحب نے کچھ ادویات لکھ کر پرچہ روبی کی طرف بڑھا دیا اور انہیں ہدایت کے مطابق استعمال کرنے کی تاکید کی۔ روبی نے مبشر کو اُٹھایا اور ڈاکٹر صاحب کے کمرے سے باہر لے آئی۔ ماہر نفسیات ڈاکٹر نے مبشر کی جو فائل بنائی تھی، وہ فائل روبی نے احتیاط سے اپنے بڑے سے ہینڈ بیگ میں رکھ لی تھی۔

ڈرا سہما مبشر گاڑی میں بیٹھ کر گھر تک پہنچا تو وہ پورے گھر کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی ایسی جگہ پر آ گیا ہو جو اس کے لیے اجنبی ہو۔ روبی نے اسے صوفے پر بٹھایا اور جیسے ہی وہ جانے لگی تو مبشر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟''

''میں کچن میں کچھ تیار کر رہی تھی جب میں اندر آئی اور تمہیں فرش پر بے ہوش دیکھا تو تمہیں ہوش میں لاتے لاتے یہ دیکھنا بھول گئی کہ میں نے چولہے پر کچھ رکھا ہے، بعد میں دیکھا تو وہ جل چکا تھا۔''

''تم میرے پاس بیٹھ جاؤ۔''

''میں کچھ تیار کر لوں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''ڈاکٹر صاحب نے خوراک پر خاص طور پر توجہ دینے پر زور دیا ہے۔'' روبی بولی۔

''میں اب کچھ نہیں کھاؤں گا۔ بس تم میرے پاس رہو اور اُٹھ کر کہیں مت جاؤ۔'' مبشر بضد تھا۔

''اچھا مجھے تو بھوک لگ رہی ہے ناں۔ میں تمہارے پاس بیٹھ جاتی ہوں۔ کیا میں چھوٹا پیزا آرڈر کر دوں؟'' روبی نے اس کی طرف دیکھا۔

''تم پیزا آرڈر کر دو لیکن میرے پاس ہی بیٹھی رہنا۔'' مبشر کسی بچے کی طرح ڈر رہا تھا اور اس کی نگاہیں مسلسل دائیں بائیں گھوم رہی تھیں، اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

روبی نے موبائل فون پر پیزا آرڈر کیا اور مبشر کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ اس پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''مبشر تم اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ تم اس وقت مجھے کسی چھوٹے بچے کی طرح خوفزدہ دکھائی دے رہے ہو۔ میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس گھر میں ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ تم اس خوف کو نکال دو جو تمہارے دل و دماغ پر بسیرا کیے ہوئے ہے۔''

''یہ خوف نہیں ہے۔ حقیقت ہے جس کا میں سامنا کر رہا ہوں۔'' مبشر نے مضطرب سے انداز میں دائیں بائیں دیکھا۔

''پلیز تم ان باتوں کو چھوڑ دو اور سنو صبح جلدی اُٹھنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہدایت کی ہے کہ تم باقاعدگی سے سیر کے لیے جاؤ گے۔ ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست ابھی میل کر دو۔'' روبی نے کہا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''چلو کوئی بات نہیں' میں کامران بھائی کو فون کر دوں گی۔ اچھا تم کچھ دیر کے لیے بیٹھو میں کچن کو صاف کر دوں۔ کھانا جل جانے کی وجہ سے وہاں جلنے کی بُو پھیلی ہوئی ہے۔'' روبی بولی۔

روبی نے نرمی سے اپنا ہاتھ مبشر کے ہاتھ سے الگ کیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مبشر چاہتا تو نہیں تھا کہ وہ اُٹھ کر جائے لیکن بادلِ ناخواستہ اس نے روبی کو جانے دیا۔

روبی نے کچن کا دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ سامنے ہی کام کر رہی تھی اور مبشر کی نگاہیں بار بار روبی کی طرف چلی جاتی تھیں۔ اگر روبی کچن میں کام نہ کر رہی ہوتی اور برتنوں کے رکھنے کی آوازیں نہ آ رہی ہوتیں تو وہ گھر گہرے سناٹے کے حصار میں ہوتا۔

اچانک دروازے کی گھنٹی نے مبشر کو ڈرا دیا اور وہ چونک گیا۔ اس کی سانس اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ روبی جلدی سے کچن سے باہر نکلی تو اس کے دونوں ہاتھ برتن دھوتے ہوئے صابن کے جھاگ اور جلے ہوئے برتن کی کالک سے آلودہ تھے۔

''مبشر دیکھنا میرا خیال ہے کہ پیزا والا آیا ہو گا..... میرا پرس میز پر رکھا ہے اس میں سے پیسے نکال کر پیزا لے لو.....''

مبشر نے ایک نظر روبی کے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور پھر کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے پرس میں سے ہزار کا نوٹ نکالا اور دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے پیزا لیے ایک نوجوان کھڑا تھا۔ اس نے پیزا مبشر کے ہاتھ میں دینے کے بعد پیسے لیے اور بل دینے کے بعد جیسے ہی جانے لگا تو وہ مڑا اور مبشر کی طرف دیکھا۔ اس وقت مبشر تقریباً آدھا دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس نوجوان نے عجیب لہجے میں کہا۔

''آپ اچھے ڈرائیور نہیں ہیں.....''

مبشر جو اپنے ہی دھیان میں دروازہ بند کر رہا تھا، اس کی بات سن کر یکدم چونکا اور اس نے اپنا سر اُٹھا کر سامنے

PakBooks.site

دیکھا لیکن وہ نوجوان سامنے نہیں تھا۔ مبشر نے متوحش نگاہوں سے دائیں اور پھر بائیں دیکھا تو وہ نوجوان اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ چکا تھا۔

مبشر نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے جاتا ہوا دیکھا اور پھر جلدی سے دروازہ بند کر کے لاؤنج میں آیا تو اس کی سانس پھول چکی تھی۔ اسے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ اس نے پیزا میز پر رکھا تھا یا صوفے پر..... وہ سیدھا کچن کی طرف چلا گیا۔ کچن میں روبی نہیں تھی۔ وہ اُلٹے پیر بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ اندر اندھیرا تھا۔ اندھیرے کو دیکھتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا اور جونہی وہ گھوما اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی کیونکہ اپنے ہاتھ کپڑے سے صاف کرتی ہوئی روبی کچن سے باہر نکل رہی تھی۔

''پیزا لے لیا.....'' روبی نے پوچھا۔

''تم ابھی کچن میں نہیں تھیں۔'' اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے مبشر نے جلدی سے کہا۔

''میں کچن میں ہی تو تھی۔ تم ابھی کچن میں آئے اور یکدم سے مڑ گئے تھے۔'' روبی نے بتایا۔

''لیکن تم مجھے کچن میں دکھائی نہیں دی تھیں۔'' مبشر کے لیے اب یہ بات بھی پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔

''میں سینک کے پاس کھڑی ہاتھ دھو رہی تھی۔ اچانک تم کچن کے دروازے تک آئے اور یکدم سے واپس ہو گئے۔ میں سمجھی کہ تم مجھے دیکھنے آئے ہو۔''

مبشر تذبذب میں مبتلا ہو گیا کہ جب وہ کچن میں گیا تھا تو وہاں اسے روبی بالکل بھی دکھائی نہیں دی تھی۔ سینک کے پاس کوئی نہیں کھڑا تھا۔ کیا وہ دیکھ نہیں سکا تھا؟

''پیزا کہاں ہے؟'' روبی نے پوچھا تو مبشر چونکا۔

''وہ..... اُدھر.....'' مبشر نے اشارہ کیا۔

روبی اس طرف چلی گئی۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے میز اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد مبشر سے دریافت کیا۔

''کہاں رکھا ہے پیزا.....؟''

''یہاں رکھا تھا.....'' مبشر نے پہلے میز کی طرف اشارہ کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے صوفے کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں گھوم گئیں۔ وہ شش و پنج میں مبتلا سوچ رہا تھا کہ اس نے پیزا کہاں رکھا تھا۔

روبی کچن میں چلی گئی۔ وہاں بھی پیزا نہیں تھا۔ اس نے واپس آ کر پوچھا۔ ''جس نے بیل دی تھی، وہ پیزا بوائے ہی تھا؟''

ایک بار پھر مبشر اُلجھ گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے خود پیزا لیا تھا اور اسے پیسے بھی دیے تھے اور جاتے ہوئے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اچھا ڈرائیور نہیں ہے.....

سب یاد آتے ہی اُلجھے اور خوف زدہ انداز میں مبشر نے کہا۔ ''میں نے خود پیزا لیا تھا..... تمہارے پرس سے ایک ہزار کا نوٹ لے کر اسے بل بھی دیا تھا۔''

روبی نے اپنا پرس کھول کر اندر جھانکا اور ہاتھ ڈال کر ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کر مبشر کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

''میرے پرس میں یہ دو ہزار روپے تھے جو جوں کے توں موجود ہیں۔ تم نے پیزا لیا ہی نہیں ہے اور نہ آنے والا پیزا بوائے تھا۔''

''پھر وہ کون تھا جس نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ میں اچھا ڈرائیور نہیں ہوں۔'' مبشر حواس باختہ ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ روبی اس کی بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی جواب دیتی، اچانک پھر بیل ہوئی۔ بیل کی آواز نے مبشر کو پھر ڈرا دیا تھا۔ روبی دروازے کی طرف چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پیزا تھا۔

''پیزا بوائے تو اب آیا ہے.....''

روبی کے ہاتھ میں پیزا دیکھ کر اور پہلے آنے والے نوجوان کی بات یاد کر کے مبشر کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہونا شروع ہو گئیں اور اسے لگا کہ جیسے وہ ابھی گر جائے گا۔

☆☆☆

رات کے جانے کس پہر مبشر کی آنکھ لگی تھی اور پھر ایسی گہری نیند نے اسے اپنی آغوش میں لیا تھا کہ وہ اردگرد سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

ابھی دن کا اُجالا پھیلا نہیں تھا جب مبشر کو روبی نے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ مبشر آنکھیں ملتا ہوا، نیند کے شدید خمار میں اُٹھ بیٹھا اور پھر سوالیہ نگاہوں سے روبی کی طرف دیکھنے لگا جو اپنے گلے میں دوپٹا لٹکائے کھڑی تھی۔

''کیا ہوا.....؟'' مبشر نے پوچھا۔

''اُٹھو ہم باہر سیر کے لیے جا رہے ہیں۔'' روبی نے کہا۔

''اس وقت.....؟'' مبشر کی نظریں گھڑی کی طرف چلی گئیں۔ اور اس کا دل چاہا کہ وہ بیڈ پر ایک طرف گر جائے اور پھر سے سو جائے۔

''ڈاکٹر صاحب نے سختی سے کہا ہے کہ تم صبح کی سیر کے لیے باہر جاؤ گے اور یہ تمہاری صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔'' روبی بولی۔

''کل سے چلیں گے مجھے شدید نیند آ رہی ہے۔'' مبشر بیزاری سے بولا۔

''بالکل بھی نہیں جلدی سے اُٹھو اور چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں تم کو بیمار نہیں دیکھ سکتی۔ تمہاری صحت کے لیے میں بھی اپنی نیند چھوڑ رہی ہوں۔'' روبی کا لہجہ نرم لیکن تحکمانہ تھا۔

مبشر کو مجبوراً اُٹھنا پڑا اور تھوڑی دیر بعد وہ جانے کے لیے تیار تھا۔ دونوں جیسے ہی کمرے سے باہر نکلے کوئی سایہ تھا جو تیزی سے ایک کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف گیا، مبشر کو فوراً محسوس ہوا کہ اس کے عقب میں کسی چیز نے حرکت کی ہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکا بھی لیکن روبی نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور اس کی چال کچھ تیز تھی۔ اس وجہ سے مبشر کو رکنے اور دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا اور دونوں لاؤنج سے باہر نکل گئے۔

پارک ان کے گھر سے قریب ہی تھا۔ دونوں پیدل ہی پارک تک پہنچے اور دونوں نرم گھاس پر چہل قدمی کرنے لگے۔ صبح کے وقت پارک میں رفتہ رفتہ رش بڑھ رہا تھا۔ پارک تک آنے میں مبشر کے چہرے پر جو بیزاری تھی، وہ خوشگوار فضا میں آتے ہی معدوم ہو گئی اور مبشر کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے سر کا بوجھ ہلکا ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے دماغ میں سوچوں اور خوف کا جو انبار تھا وہ رفتہ رفتہ کم ہونے لگا ہے۔ مبشر اور روبی آدھا گھنٹا تک پارک میں گھومتے رہے۔

مبشر چلتے ہوئے روبی کے ساتھ باتیں بھی کر رہا تھا اور اس کا چہرہ کھلنے لگا تھا۔ روبی اس تغیر پر خوش تھی کہ اچانک ایک نسوانی آواز دونوں کی سماعت میں پڑی۔ کسی نے مبشر کا نام لیا تھا۔ دونوں کے چلتے قدم رک گئے اور دونوں نے بیک وقت گھوم کر آواز کی سمت دیکھا۔

ان سے کچھ فاصلے پر روبی کی ہم عمر لڑکی کھڑی تھی۔ وہ خوبصورت تھی اور اس نے ٹراوزر کے ساتھ لمبی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ اس کی آنکھوں پر فریم لیس عینک براجمان تھی۔ چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ مبشر نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

''ارے..... فائزہ تم..... یہاں.....؟''

روبی دونوں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ لڑکی جس کا نام مبشر نے فائزہ لیا تھا، وہ آگے بڑھی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''جب میں نے اچانک تم کو دیکھا تو مجھے لگا کہ یہ مبشر ہی ہے۔ لیکن پھر میں رک گئی اور خوب اچھی طرح سے غور کرنے لگی کہ کہیں مبشر کے دھوکے میں کسی اور کو نہ روک لوں..... شکر ہے کہ تم مبشر ہی ہو۔''

''ان سے ملو یہ میری بیوی روبی ہے اور یہ فائزہ ہے ہم دونوں یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔'' مبشر نے دونوں کا تعارف کرایا۔

''مجھے آپ سے مل کر..... خوشی ہوئی۔ میں دراصل یہاں اکیلی ہی رہتی ہوں۔ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر میں نے ڈراما پروڈکشن جوائن کر لی تھی۔ اس وقت میں ملک کے بڑے ڈائریکٹر نثار ہاشمی کے ساتھ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہوں۔ جس ہاسٹل میں، میں رہتی ہوں اس کی مالکن بہت بدزبان ہے میں تو اس سے تنگ آ چکی ہوں۔ اور چاہتی ہوں کہ ابھی اس کی جگہ چھوڑ کر چلی جاؤں.....''

''فائزہ تم اب بھی بہت بولتی ہو..... بالکل بھی نہیں بدلی ہو۔'' جیسے ہی مبشر کو موقع ملا اس نے فوراً اس کی بات کاٹی۔

''اب کہاں بولتی ہوں۔ سیٹ پر گھنٹوں چپ رہنا پڑتا ہے.....'' فائزہ کے لہجے میں تاسف تھا۔

''آپ یہاں روزانہ آتی ہیں؟'' روبی نے پوچھا۔

''میں روزانہ آتی ہوں۔ لیکن آپ دونوں آج پہلی بار آئے ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے میں نے آپ کو یہاں نہیں دیکھا؟'' فائزہ نے جواب دیا۔

''ہم آج پہلی بار آئے ہیں..... چلو آج تم ہمارے ساتھ ناشتا کرو۔ قریب ہی میرا گھر ہے۔'' مبشر نے پیشکش کی۔

''گھر قریب ہی ہے.....؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا میں اس جگہ دس ماہ سے ہوں۔'' فائزہ کو جیسے تاسف ہونے لگا۔

''آؤ چلتے ہیں۔'' مبشر نے کہا اور تینوں گھر کی طرف چل دیے۔ روبی کے چہرے کے تاثرات میں تغیر تھا جیسے اسے فائزہ کا اچانک ملنا اچھا نہیں لگا ہو۔

تینوں گھر پہنچ گئے تھے۔ روبی آتے ہی کچن میں چلی گئی تھی اور وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے۔ فائزہ اپنے بارے میں بتاتی رہی اور پھر اس نے کہا۔

''کل رات اچانک ہمارے ڈرامے کے ہیرو صاحب گر کر زخمی ہو گئے اور وہ اسپتال پہنچ گئے۔ ساری شوٹنگ ان پر تھی۔ ڈائریکٹر صاحب نے دیکھا کہ ہیرو صاحب تین دن اسپتال میں رہیں گے وہ اپنی بیمار والدہ کی تیمارداری کے لیے چلے گئے۔ اس لیے تین دن بیکار رہوں گی..... اپنی ہاسٹل مالکن کی بک بک سنوں گی.....''

WWW.PAKSOCIETY.COM

اچانک مبشر نے پیشکش کردی۔ ''تم چاہو تو اوپر کمرے میں آجاؤ.....''

''اوپر کمرا خالی ہے؟'' فائزہ یکدم پُرجوش انداز میں بولی۔

''اوپر کا پورا پورشن خالی ہے۔ مزے سے رہ سکتی ہو۔'' مبشر کا خیال تھا کہ فائزہ کے گھر میں آنے سے اوپر کا ویران۔ پورشن بھی آباد ہوجائے گا۔

''تم نے یہ بات کہہ کر تو میری ٹینشن ہی ختم کردی ہے۔ کیا میں ابھی آسکتی ہوں؟'' فائزہ فوراً تیار ہوگئی۔

''بالکل آسکتی ہو۔'' مبشر بولا۔

''سامان لے آؤں۔'' فائزہ پُرجوش ہوگئی۔

''پہلے ناشتا تو کرلو۔'' مبشر ہنسا۔ اس دوران روبی ناشتا میز پر سجا چکی تھی۔ وہ ان کی باتیں بھی سن رہی تھی۔ اس طرح سے اچانک فائزہ کو گھر میں رہنے کی پیشکش نے روبی کو پریشان سا کردیا تھا۔ فی الحال اس نے کوئی اظہار نہیں کیا۔

ناشتے کے بعد فائزہ اپنا سامان لینے چلی گئی تو روبی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''فائزہ کو اپنے گھر میں رکھنا کیا مناسب ہے؟''

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ غریب ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ بہت باہمت ہے۔ اس مقام تک وہ اپنی محنت سے پہنچی ہے۔ وہ دن رات شوٹنگ میں مصروف رہنے والی لڑکی ہے۔ یہاں تو وہ چند گھنٹوں کے لیے آیا کرے گی۔'' مبشر نے کہا۔

''تم نے اس کو یہاں رہنے کی پیشکش کر کے جلدی نہیں کردی۔'' روبی بولی۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ ہم دونوں کو اکیلے رہنے کی عادت ہے۔ فائزہ کے آنے سے ہماری نجی زندگی متاثر نہیں ہوگی؟''

''کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے باتونی ہونے کی وجہ سے شاید میرا دھیان اس خوف سے نکل آئے اور میں پھر سے نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤں۔'' مبشر نے کہا اور پھر پوچھا۔ ''کیا تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

''میں نے ایسے ہی بات کی تھی۔''

''اس کی باتوں کی وجہ سے تمہارا دل بھی لگ جائے گا۔ اور مجھے یقین ہے تم دونوں میں اچھی دوستی ہوجائے گی۔ اس وقت مجھے جو اس گھر میں ویرانی اور خاموشی دکھائی دے رہی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔''

مبشر کی بات سن کر روبی آہستہ سے مسکرائی اور اُٹھ کر جانے لگی تو مبشر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''کہیں تم کچھ اور تو نہیں سوچ رہی ہو؟''

''کچھ اور سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میرا مطلب ہے کہ تم کچھ اُلٹا سیدھا سوچنے لگی ہو۔ یاد رکھو روبی میں تمہارے سوا کسی اور کے بارے میں سوچنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔'' مبشر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''ویسے بھی ہم یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے تھے اور اچھے دوست تھے۔''

''میں جانتی ہوں لیکن میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں نے تو بس ایسے ہی بات کی تھی۔'' روبی مسکرائی۔

''اگر ایسے ہی بات کی تھی تو پھر ٹھیک ہے۔'' مبشر نے کہا اور دونوں نے مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا اور روبی کچن میں چلی گئی۔

ایک گھنٹے کے بعد فائزہ اپنا مختصر سا سامان جو دو سوٹ کیس پر مشتمل تھا، لے کر آگئی۔

روبی اسے خود اوپر کمرے تک چھوڑنے گئی تھی۔ اوپر کے پورشن میں دو بیڈ روم ایک چھوٹا کچن اور بڑا سا اسٹور تھا۔ اور گراؤنڈ فلور کی طرح اوپر بھی ٹی وی لاؤنج تھا۔

جو کمرا فائزہ کو ملا تھا، وہ کشادہ اور ہوادار تھا۔ سامنے کی طرف کھڑکی کھلتی تھی اور کھڑکی کے ساتھ ہی چھوٹی سی بالکونی تھی۔

فائزہ نے ممنون نگاہوں سے روبی کی طرف دیکھا۔

''آپ کا بہت شکریہ۔''

''کس بات کا شکریہ؟'' روبی بولی۔

''آپ لوگوں نے مجھے رہنے کو جگہ دی اور اس بدزبان عورت سے میری جان چھڑادی۔''

''کوئی بات نہیں۔ مبشر نے یہی سوچتے ہوئے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک تمہیں کوئی مناسب جگہ نہیں ملتی تم تب تک یہاں آرام سے رہ سکو گی۔ مبشر کا خیال ہے کہ تم جلدی کوئی اچھی جگہ تلاش کرہی لوگی۔'' بیڈ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے روبی نے اپنی بات کہہ دی۔

''اس عورت سے چھٹکارا مل گیا ہے اب میں سکون سے کوئی اچھی سی جگہ تلاش کرلوں گی۔''

''کچھ کھانا پینا ہے تو مجھے بتادو، میں اوپر لے آتی ہوں۔''

''آپ کیوں تکلف کریں گی، میں نیچے آتی ہوں۔ یہاں بند کمرے میں رہ کر مرنا ہے کیا۔ ویسے بھی میں زیادہ دیر چپ رہنے والی لڑکی نہیں ہوں۔'' فائزہ کہہ کر نیچے

جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھی اور روبی اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

☆☆☆

اس گھر میں فائزہ کے آنے کا ایک فائدہ ہوا کہ وہ دونوں اپنی یونیورسٹی کی یادیں تازہ کرتے رہے اور کئی واقعات پر ہنستے رہے جس سے مبشر صحت مند دکھائی دینے لگا۔ اس بات پر روبی کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اس کا شوہر خوف کے حصار سے باہر نکل آیا ہے لیکن اس کے برعکس وہ کچھ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جگہ بیٹھ کر وہ مبشر سے باتیں کیا کرتی تھی اب اس کرسی پر فائزہ براجمان تھی اور وہ ایک ویٹر کی حیثیت سے بھی چائے اور کافی بنا کر ان کو پیش کررہی تھی۔

ان کی باتوں میں وہ کبھی کبھی ہوں، ہاں کا لقمہ بھی لگا دیا کرتی تھی لیکن اس نے ان کی باتوں میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔

رات کا ڈیڑھ بج گیا تھا جب مبشر نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ''اب مجھے نیند آرہی ہے اس لیے باقی باتیں کل ہوں گی۔''

''کل تم آفس چلے جاؤ گے؟'' فائزہ نے پوچھا۔

''میں نے آفس سے ایک ہفتے کی چھٹیاں لی ہیں۔ اس لیے میں گھر پر ہی ہوں۔'' مبشر نے بتایا۔

''چھٹیاں کیوں لی ہیں؟'' فائزہ نے اگلا سوال کردیا۔

''ان کی چھٹیاں جمع تھیں اس لیے میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ کام سے نکل کر کچھ دن چھٹیاں لے لیں۔ ہم ایک ساتھ وقت گزارنا چاہتے تھے۔'' اس بار روبی بول پڑی۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔ بہت زیادہ کام بندے کو تھکا دیتا ہے۔ چھٹیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔'' فائزہ نے اس کی بات کی تائید کی۔

''آجاؤ میں تم کو اوپر کمرے تک چھوڑ آؤں۔'' روبی مسکرائی۔

''آپ آرام کریں، میں چلی جاتی ہوں۔'' فائزہ کھڑی ہوگئی۔ شب بخیر کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی روبی نے طویل سانس لی اور بولی۔

''بہت بولتی ہے.....'' اس کی بات سن کر مبشر ہنسنے لگا۔

☆☆☆

فائزہ کمرے سے باہر نکلی تو ٹی وی لاؤنج میں زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔ رات کو سوتے وقت مبشر اور روبی فالتو بتیاں بجھا دیتے تھے اس لیے گھر تقریباً اندھیرے میں تھا۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی اور آہستہ آہستہ گنگناتی ہوئی اپنے کمرے میں جانے کے لیے اس نے جیسے ہی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے گھما کر اندر دھکیلا، دروازہ شاید مقفل تھا اس لیے کھلا نہیں۔ فائزہ نے دو، چار بار کوشش کی لیکن دروازہ بند ہی رہا۔

فائزہ کو اچھی طرح سے یاد تھا کہ جب وہ کمرے سے باہر نکلی تھی تو اس نے کمرا لاک نہیں کیا تھا، پھر دروازہ کیسے لاک ہوگیا۔

''کہیں روبی نے تو لاک نہیں کردیا تھا؟'' فائزہ نے سوچا۔

یہ سوچتے ہی وہ واپس جانے کے لیے پلٹی تاکہ روبی کے پاس جاکر کمرے کے دروازے کی چابی لا سکے اچانک اسے ہلکی سی آواز آئی جیسے کسی نے ہینڈل نیچے کر کے چھوڑ دیا ہو۔ فائزہ اسی وقت گھومی اس نے دیکھا کہ دروازہ کچھ کھلا ہوا ہے۔

کچھ دیر تو فائزہ دروازے کو دیکھتی رہی اور پھر اسے خیال آیا کہ شاید اس دروازے کا لاک ٹھیک نہیں ہے۔

وہ اطمینان سے اندر چلی گئی۔ اس نے لائٹ جلائی اور کمرے کا جائزہ لیا۔

وہ باتھ روم میں گئی اور منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو کمرے کی لائٹ بند تھی۔ ایک لمحے .....تو وہ خود بھی اس تذبذب میں پڑ گئی کہ لائٹ اسی نے بند کی تھی.....؟ پھر اس نے بٹن دبایا اور کمرا روشن ہوگیا۔

فائزہ ایسی باتوں پر زیادہ سوچ بچار نہیں کیا کرتی تھی۔ اس لیے اس نے ان باتوں پر سوچنے کے بجائے اپنا لباس تبدیل کیا اور لائٹ بند کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

اس وقت اس کے کمرے میں زیرو پاور کا بلب روشن تھا جس کی ہلکی روشنی اندھیرے کو ختم کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ فائزہ نے ابھی آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ اسے لگا جیسے اس کے کمرے کا دروازہ آہستہ آہستہ کوئی کھول رہا ہے۔ فائزہ اپنا وہم جان کر لیٹی رہی اور اس نے آنکھیں بند ہی رکھیں۔

وہ بدستور محسوس کررہی تھی کہ کوئی اس کا دروازہ کھول رہا ہے۔ فائزہ نے کروٹ بدلی اور ایک سرہانہ اپنے کانوں اور آنکھوں پر رکھا اور کسی چیز کی پروا کیے بغیر سونے کی کوشش کرنے لگی اور وہ جلدی ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

فائزہ نے صبح نو بجے کا آلارم لگایا تھا۔ جونہی آلارم بجا اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کچھ دیر بستر پر پڑے رہنے کے

PakBooks.Site

بعد اپنی آنکھیں پوری طرح سے کھول دیں۔

جونہی فائزہ اُٹھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سامنے الماری کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور فائزہ نے جو اپنا سامان اندر رکھا تھا وہ زمین پر بکھرا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے کمرے کے پورے فرش پر دکھائی دے رہے تھے۔ فائزہ کے دماغ میں جو پہلا خیال آیا، وہ یہ تھا کہ اس گھر میں چوری ہوگئی ہے اور یہ کام چور کا ہے۔

فائزہ یکدم سے بستر سے اُٹھی اور نیچے جانے کے لیے دروازے کی طرف بھاگی۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تو وہ ٹھٹک کر رک گئی سامنے روبی کھڑی تھی۔

''میں تم کو ہی جگانے آئی تھی۔ مجھے بتادو کہ تم کتنی دیر میں نیچے آرہی ہو تاکہ میں تمہارا ناشتا تیار کردوں۔'' روبی اسے دیکھتی ہی بولی۔

''ایک منٹ اندر آئیں۔'' فائزہ نے کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ اور اپنے بکھرے ہوئے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ روبی نے سارے کمرے میں نظر دوڑائی اور فائزہ نے پوچھا۔

''کیا اس گھر میں رات کو چور آئے تھے؟''

''نہیں اس گھر میں کوئی چور نہیں آیا۔'' روبی نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر میرا سامان کیسے بکھرا ہے۔ جب میں سو رہی تھی تو میرے کمرے میں کون آیا تھا؟'' فائزہ کی تشویش دوچند ہو گئی۔

''میں تم کو بتاتی ہوں۔ لیکن تم اس کا ذکر مبشر کے ساتھ مت کرنا کیونکہ اس کی حالت پہلے ہی خراب ہے۔ دراصل اس گھر میں آسیب کا بسیرا ہے۔'' روبی کے انکشاف نے فائزہ کو ششدر کردیا تھا۔

''آسیب.....؟؟'' فائزہ کا چہرہ حیرت اور وحشت میں ڈوب گیا۔

''ہاں..... مبشر کو انہوں نے اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے اور مبشر بہت خوفزدہ رہتا ہے۔ اس کی حالت اچانک خراب ہوجاتی ہے۔ اس گھر میں موجود آسیب، مبشر کو مختلف طریقوں سے تنگ کرتے ہیں۔ ہم بہت پریشان ہیں۔'' روبی نے بتایا۔

''تو کیا یہ سب ان کا کیا ہوا ہے؟ رات جب میں کمرے میں آئی تھی تو کمرے کا دروازہ بھی نہیں کھل رہا تھا۔ پھر اچانک دروازہ خود ہی کھل گیا۔ مجھے ایسا بھی محسوس ہوتا رہا تھا کہ جیسے کمرے میں کوئی ہے اور میں نے پروا نہیں کی تھی۔'' حقیقت کے منکشف ہونے پر فائزہ اب خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''ہم بہت پریشان ہیں۔ مبشر کی حالت اچانک خراب ہوجاتی ہے۔'' روبی پریشان ہوکر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ اچانک مبشر کی چیخ سنائی دی اور روبی ہڑبڑا کر اُٹھی اور باہر بھاگی، اس کے پیچھے فائزہ بھی تھی۔

دونوں بھاگتے ہوئے نیچے آئیں اور روبی سیدھی بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں اندر گئیں، وہ ٹھٹک کر اسی جگہ رک گئیں اور دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

مبشر باتھ روم کے دروازے کے پاس کھڑا ہانپ رہا تھا۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ بیڈ پر بہت سا تازہ خون پڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی کسی نے تازہ مرغی بیڈ پر زبح کی ہو اور خون بہادیا ہو۔

فائزہ کے لیے یہ سب بہت حیران کن تھا۔ وہ ایک ایک چیز دیکھ رہی تھی۔ مبشر کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ روبی نے آگے بڑھ کر مبشر کو پکڑا اور اسے کمرے سے باہر لا کر دوسرے کمرے میں لے گئی۔

روبی بھاگ کر کچن سے پانی کا گلاس لے کر آئی اور اس نے گلاس مبشر کی طرف بڑھادیا۔ مبشر نے پانی کے دو گھونٹ لیے اور گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور رنگ ابھی تک زرد تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''مبشر تم ٹھیک ہو؟'' روبی بولی۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ میرا دل پھٹ جائے گا۔'' مبشر سے سانس لینا اور بولنا دوبھر ہو رہا تھا۔

''تم نارمل ہونے کی کوشش کرو۔ کچھ نہیں ہوا ہے، سب ٹھیک ہے۔'' روبی نے تسلی دی۔

''سب ٹھیک نہیں ہے۔ تم دیکھ چکی ہو کہ میرے بیڈ پر تازہ خون ہے۔ جب میں باتھ روم میں گیا اور جیسے ہی باہر نکلا..... بیڈ پر خون تھا.....'' مبشر کی حالت خراب ہوتی جارہی تھی۔

''ہم ابھی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' روبی جلدی سے اُٹھی۔

''یہ معاملہ ڈاکٹر کا نہیں ہے۔'' مبشر نے اسے روکا۔

''فی الحال ابھی ہم ڈاکٹر کے پاس چلیں گے پھر کسی عامل کو بھی بلالیں گے۔'' روبی باہر گئی اور ٹی وی کے پاس سے اپنا موبائل فون اُٹھایا اور ابھی وہ ایک نمبر تلاش کررہی تھی کہ اس کا دھیان اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا۔ وہ بیڈ روم میں گئی تو فائزہ ایک طرف کھڑی تھی۔

''فائزہ تم ایک منٹ کے لیے مبشر کے پاس بیٹھو، میں ڈاکٹر کو فون کررہی ہوں۔''

فائزہ کمرے سے نکل کر مبشر کے پاس چلی گئی۔ مبشر کی حالت بدستور خراب تھی۔ خوف سے وہ بے حال ہورہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد روبی کمرے میں آئی اور آتے ہی بولی۔

''ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہیں۔ ابھی چلو۔''

''میں ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گا۔'' مبشر نے انکار کیا۔

''ضد مت کرو۔ اُٹھو.....'' روبی نے زبردستی مبشر کو اُٹھایا اور باہر کی طرف لے جانے لگی تو فائزہ نے کہا۔

''میں تب تک بیڈ کی چادر دھو دیتی ہوں۔''

''فائزہ تم رہنے دو یہ سب بعد میں کرلیں گے ابھی تم ہمارے ساتھ چلو۔'' روبی نے پلٹ کر اس سے کہا اور فائزہ بھی ان کے ساتھ چل پڑی۔

تینوں کار میں ڈاکٹر کے پاس پہنچے۔ چیک اپ کے بعد کچھ ادویات لے کر وہ واپس گھر آگئے۔ تب تک مبشر کی حالت کچھ بہتر ہوگئی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اب تم وہ سب اپنے ذہن سے نکال دو جو تم نے دیکھا تھا۔'' مبشر کو تسلی دینے کے بعد روبی نے فائزہ سے کہا کہ وہ مبشر کے پاس بیٹھے تب تک وہ بیڈ روم کی چادر وغیرہ دھودے۔ جیسے ہی روبی بیڈ روم کی طرف جانے لگی فائزہ بھی اس کے پیچھے آگئی اور اسے مخاطب کر کے آہستہ سے بولی۔

''میں بیڈ روم دیکھ چکی ہوں۔ چادر بالکل صاف ہے اور کہیں کوئی خون کا نشان نہیں ہے۔''

''تم کب بیڈ روم میں گئی تھیں؟'' روبی نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے آتے ہی بیڈ روم میں جھانک کر دیکھا تھا۔'' فائزہ نے بتایا۔

روبی اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر وہ جیسے ہی بیڈ روم میں گئی وہاں بالکل صفائی تھی۔ وہی چادر دھلی ہوئی اور خشک تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کمرے میں ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا ہی نہیں تھا۔

وہ واپس مبشر کے پاس چلی گئی، مبشر کے پاس فائزہ بیٹھی تھی اور مبشر کی حالت میں کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ البتہ اسے کچھ غنودگی ہورہی تھی شاید ڈاکٹر کی دی ہوئی دوا کا اثر تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مبشر مکمل نیند میں چلا گیا اور وہ دونوں اُٹھ کر باہر آگئیں۔

روبی اپنے کمرے میں، جبکہ فائزہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔ اس کے بعد گھر میں مکمل خاموشی کا راج ہو گیا۔

مبشر کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ روبی اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' روبی نے پوچھا۔

''ہاں بہتر ہوں۔'' مبشر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ نیند آنے سے اس کا خوف زائل ہو چکا تھا اور اس کے سر پر جو بھاری بوجھ سا تھا، وہ بھی کم ہوا تھا۔

رات کا کھانا تینوں نے ایک ساتھ کھایا اور پھر کچھ چہل قدمی کے بعد مبشر نے دوا کھائی اور پھر ایک بار پھر غنودگی چھانے لگی اور وہ سوگیا۔ اس کے بعد روبی اور فائزہ کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

☆☆☆

خوب صورت

ایک محفل میں ایک نہایت خوب صورت عورت نے اونچی آواز میں کہا۔ ''مرد لباس کے معاملے میں بڑے بے پروا واقع ہوئے ہیں اب دیکھیے نا، اس محفل کے سب سے خوب صورت آدمی نے ٹائی ٹھیک سے نہیں باندھی ہوئی۔''

یہ سنتے ہی بیک وقت دو درجن آدمیوں نے اپنی ٹائیوں کو درست کرنا شروع کردیا۔

تسلسل

مشہور انگریزی مصنف چارلس لیمب کسی زمانے میں انڈیا ہاؤس میں ملازم تھے، یہ ملازمت ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اس لیے وہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اور پابندی وقت کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ یہ بات ان کے افسر کو معلوم ہوئی تو ایک دن اس نے ان سے کہا۔ ''میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسلسل دفتر دیر سے آرہے ہیں۔''

''جی ہاں، جناب۔'' چارلس نے اس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس کے بدلے میں جلدی دفتر سے چلا جاتا ہوں۔''

فیاض الرحمن قادری

PakBooks.site

دوسرا دن بڑا خوشگوار تھا۔

گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بارش کی آمد آمد تھی۔ ناشتا سے فارغ ہو کر روبی نے کہا کہ اس سے پہلے کہ بارش شروع ہو، وہ مارکیٹ سے کھانے پکانے کا سامان لے آئے۔ مارکیٹ ان کے گھر سے بیس، منٹ کی مسافت پر تھی۔

''فائزہ تم میرے ساتھ چلو گی؟'' اچانک روبی نے جاتے ہوئے فائزہ سے پوچھا۔

''میں نہیں جاسکتی۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔'' فائزہ نے انکار کر دیا اور روبی دانت پیس کر باہر نکل گئی۔ اسے فائزہ کا اس گھر میں وجود برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

روبی کا دل چاہا کہ وہ مارکیٹ جانے کے بجائے واپس گھر چلی جائے۔ آسمان پر بادل اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔ اسی تذبذب میں وہ مارکیٹ چلی گئی اور جلدی جلدی خریداری کرنے لگی۔ اس دوران میں بارش شروع ہو گئی اور روبی کو محفوظ جگہ پر رکنا پڑا۔

تقریباً آدھا گھنٹا تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔ جیسے ہی بارش میں کمی آئی، روبی نے گھر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ سڑک پر جا بجا پانی کھڑا تھا۔ ابھی وہ آدھے راستے تک ہی پہنچی تھی کہ بارش پھر ہونے لگی۔ اس بار روبی کہیں نہیں رکی بلکہ بارش میں بھیگتی ہوئی اپنے گھر کے دروازے تک جا پہنچی۔ اس نے گیٹ کے قفل میں چابی گھمائی اور جونہی اس نے اندر قدم رکھا، وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

گیراج میں مبشر کی کار موجود نہیں تھی۔ روبی جلدی سے اندر آ گئی۔ ٹی وی لاؤنج میں آتے ہی اس نے آواز دی۔

''مبشر..... مبشر..... فائزہ..... کہاں ہو.....؟''

جواب میں نہ تو کوئی آواز آئی اور نہ ہی کسی کمرے سے کوئی باہر نکلا۔ روبی نے مبشر کا موبائل نمبر ملایا۔ جیسے ہی بیل گئی اس کی آواز اسی گھر سے آنے لگی۔ روبی نے آواز کی سمت دیکھا تو مبشر کا موبائل فون ایک طرف پڑا تھا۔ روبی نے جھنجلا کر فون بند کر دیا۔ فائزہ کا موبائل نمبر اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ مضطرب انداز میں ٹہلنے لگی اور سوچنے لگی کہ اس کا مطلب ہے کہ دونوں کہیں گئے ہیں۔

کچھ دیر اسی طرح غصے میں ٹہلنے کے بعد روبی اوپر چلی گئی۔

روبی کے اوپر جاتے ہی گھر میں سناٹا چھا گیا۔ بارش تھم گئی تھی اور بادل چھٹتے دکھائی دینے لگے تھے۔ اچانک مبشر کی کار گیٹ کے پاس آ کر رکی۔ فائزہ نے باہر نکل کر گیٹ کھولا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کار اندر لے گئی۔ دونوں باہر نکلے اور فائزہ نے گیٹ بند کر دیا۔ جونہی وہ لاؤنج میں پہنچے سامنے سپاٹ اور غصیلے چہرے کے ساتھ روبی کھڑی تھی۔ روبی نے ان کی کار اوپر سے ہی دیکھ لی تھی اس لیے وہ فوراً نیچے آ گئی تھی۔

''کہاں چلے گئے تھے تم دونوں؟'' روبی کے لہجے میں تغیر تھا۔

''موسم اچھا تھا تو میں نے مبشر سے کہا کہ آؤ لونگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔ اتفاق سے ہم دونوں کو بارش کا موسم اچھا لگتا ہے۔ میں نے سوچا کہ ہم باہر جائیں گے تو مبشر کی طبیعت اور بھی اچھی ہو جائے گی۔'' فائزہ نے جواب دیا۔

''میری اجازت کے بغیر تم مبشر کو باہر لے کر کیوں گئی تھیں؟'' روبی نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے فائزہ سے پوچھا۔

''آپ گھر پر تھیں نہیں اور غیر موجودگی میں باہر جانے کا پروگرام بن گیا اور ہم چلے گئے۔'' فائزہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اس بارش میں مبشر کا باہر نکلنا ٹھیک نہیں تھا۔'' روبی کو اور بھی غصہ آ گیا۔

''روبی کیا ہو گیا ہے۔ تم کس طرح سے بات کر رہی ہو۔ میں فائزہ کے ساتھ باہر گیا ہوں تو مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔'' مبشر نے کہا۔

''اور کیا..... سارے راستے میرے ساتھ باتیں کرتے رہے اور ہم پرانی یادوں کو یاد کر کے خوش ہوتے رہے۔''

''تم دونوں کی پرانی یادوں نے ہی شاید ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔'' روبی کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

''روبی تم غصے میں کیا کہہ رہی ہو؟'' مبشر نے جلدی سے کہا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ دیکھو فائزہ بارش رک چکی ہے۔ اپنا سامان اُٹھاؤ اور میرے گھر سے چلی جاؤ۔'' روبی نے دوٹوک انداز میں حکم دیا کہ اس کی بات سن کر فائزہ نے مبشر کی طرف دیکھا۔

''روبی اس وقت تم غصے میں ہو، اس لیے اپنے کمرے میں جاؤ۔'' مبشر نے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں بات کی۔

''میں نے کہہ دیا کہ فائزہ اب اس گھر میں نہیں رہے گی۔'' روبی کا چہرہ غصے سے سرخ تھا اور لہجہ بھی درشت تھا۔

''فائزہ فی الحال کہیں نہیں جائے گی۔ تم جو سمجھ رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ہمارا پروگرام بن گیا۔ مجھے بھی

گھبراہٹ سی ہو رہی تھی اور ہم چلے گئے۔'' مبشر نے بھی صاف الفاظ میں وضاحت کی۔

''تم نے تو مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ جانے سے پہلے تم مجھے ایک فون کر سکتے تھے۔'' روبی کا غصہ کم نہیں ہوا اور نہ ہی لہجے میں نرمی آئی۔

''دراصل میں اپنا موبائل فون ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔'' مبشر نے کہا۔

''موبائل فون لے جانا بھول گئے تھے کہ جان بوجھ کر گھر میں ہی چھوڑ دیا تھا کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔'' روبی کا طنز مبشر کو اچھا نہیں لگا۔

''پلیز روبی ایسی باتیں مت کرو۔ یہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتی ہیں۔'' مبشر نے تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

''اور تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ تم ایک غیر لڑکی کے ساتھ سیر سپاٹے پر نکل جاؤ۔'' روبی بلا تامل بولی۔

''آپ کو تکلیف ہوئی، میں اس کی معافی مانگتی ہوں۔ آئندہ میں ایسا نہیں کروں گی۔'' فائزہ نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑے اور اوپر کمرے میں چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد مبشر نے روبی کے پاس جا کر کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تمہیں اچھا نہیں لگا کہ ہم دونوں اچانک باہر چلے گئے۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا بس اچانک ہو گیا اور اس گھر میں مجھے اتنی گھبراہٹ ہونے لگی تھی کہ میں بھی اس کے ساتھ باہر جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔''

''کچھ بھی ہے مبشر اب فائزہ یہاں نہیں رہے گی۔'' روبی اپنے فیصلے پر قائم تھی۔

''وہ ویسے بھی دو دن کے بعد جا رہی ہے۔ اس نے اپنے کسی کولیگ سے بات کر لی ہے۔ دو دن کے بعد وہ چلی جائے گی۔'' مبشر نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ مجھے دو دن اور اسے برداشت کرنا پڑے گا۔'' روبی کے ماتھے کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔

''بس دو دن برداشت کر لو۔ وہ چلی جائے گی۔'' مبشر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بادلِ ناخواستہ روبی کو اثبات میں سر ہلانا ہی پڑا۔

☆☆☆

فائزہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ اچانک اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے لیے اُٹھنا مشکل ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھولنا چاہیں لیکن وہ ایسا بھی نہ کر سکی اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا رہا۔ فائزہ کے چہرے پر کسی چیز کا دباؤ تھا۔ فائزہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے پر پڑی چیز کو ہٹانے کی کوشش کی۔ کسی نے اس کے چہرے پر تکیہ رکھا ہوا تھا اور مسلسل دباؤ سے اس کی سانس رک رہی تھی۔

فائزہ کے لیے اپنے چہرے سے تکیہ ہٹانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی سانس رک رہی تھی اور وہ موت کے قریب ہو رہی تھی کہ اچانک اس نے اپنی ساری طاقت اور ہمت مجتمع کی اور پوری قوت سے اپنے جسم کو جھٹکا دیا یکدم ہی سے اس کے چہرے پر پڑا دباؤ ہٹ گیا اور وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی..... رفتہ رفتہ اس کی سانس بحال ہونے لگی اور اس دوران اس کے کمرے میں مختلف آوازیں آتی رہیں۔

☆☆☆

صبح کا اجالا پھیل رہا تھا۔ روبی نے لحاف ایک طرف ہٹایا اور بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ابھی وہ باتھ روم کی طرف جانے کے لیے بڑھی ہی تھی کہ اس کی نظر بستر پر پڑی۔ مبشر بستر پر موجود نہیں تھا۔ روبی کی نگاہیں باتھ روم کے دروازے پر چلی گئیں۔ وہ کچھ دیر کھڑی دروازے کو تکتی رہی اور پھر باتھ روم کے دروازے کے پاس جا کر کچھ سننے کی کوشش کی اور پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ باتھ روم میں کوئی نہیں تھا۔

روبی کمرے سے باہر نکلی۔ لاؤنج میں ابھی اندھیرا تھا۔ روبی کے پیروں میں چپل نہیں تھی، وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنے لگی جونہی وہ اوپر کے حصے میں پہنچی اس کے قدم اسی جگہ رک گئے۔

لاؤنج روشن تھا اور کچھ کپڑے فرش پر پڑے تھے۔ روبی نے ان کپڑوں کو تحیر نگاہوں سے دیکھا اور چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔ روبی نے ان کپڑوں کو اُٹھا کر دیکھا اور اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ تیزی سے اُٹھی اور دوسرے کمرے کی طرف جانے کے لیے بڑھی ہی تھی کہ فائزہ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور روبی نے رک کر فوراً فائزہ کی طرف دیکھا۔ فائزہ کی نگاہیں بھی روبی پر جمی ہوئی تھیں۔ فائزہ کی سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے کو تک رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے فائزہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتی ہو لیکن اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

''مبشر کہاں ہے.....؟'' روبی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''یہاں نہیں ہے.....'' فائزہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اور پھر ان کپڑوں کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ''یہ کپڑے میں نے کمرے سے نکالے ہیں.....''

''تم نے.....'' یہ سنتے ہی روبی اس کی طرف ایسے

بڑھی جیسے وہ اسے جان سے مار ڈالے گی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ روبی نے سفاک انداز میں فائزہ کا گلا پکڑ لیا اور اسے دھکیلتی ہوئی کمرے میں لے گئی اور اسے بیڈ پر پھینک دیا۔ اب فائزہ نیچے اور روبی اس کے اوپر تھی۔ روبی نے فائزہ کا گلا دبایا ہوا تھا اور رفتہ رفتہ اس کی گرفت مضبوط ہوتی جارہی تھی۔ فائزہ کے لیے سانس لینا مشکل ہورہا تھا۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر نکل رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کررہی تھی۔ روبی دانت پیس کر بولی۔

''تم زندہ ہو...... تمہیں تو رات کو مرجانا چاہیے تھے...... تم زندہ کیسے بچ گئیں......''

فائزہ کے لیے سانس لینا مشکل ہورہا تھا۔ وہ مسلسل مزاحمت کررہی تھی۔ ایک بار پھر اس نے اپنی قوت کو ایک جگہ جمع کیا اور اپنے جسم کو جھٹکا دیا۔ اس بار بھی وہ کامیاب ہوگئی اور روبی نیچے گرگئی۔ گلے پر گرفت چھوٹ گئی تھی۔ فائزہ اپنی سانس بحال کرتی ہوئی ہلکا ہلکا کھانس رہی تھی۔ لیکن روبی پر جنون سوار تھا وہ پھر اٹھی اور اس نے پوری قوت سے فائزہ کے منہ پر تھپڑ رسید کردیا۔

''بتاؤ تم نے کیا کیا ہے......''

تھپڑ اس قوت سے پڑا تھا کہ فائزہ کا ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔

''بتاؤ تم نے کیا دیکھا ہے......'' روبی نے پوچھتے ہوئے اپنا ہاتھ بلند کیا اور اس سے پہلے کہ وہ ایک تھپڑ اور رسید کرتی اچانک عقب سے مبشر آیا۔ اس کے ہاتھ میں روبی کا موبائل فون تھا۔ اس نے دروازے میں ہی کھڑے ہوکر بجھے ہوئے لہجے کہا۔

''روبی...... تمہارے موبائل فون پر مسلسل میسج آرہے ہیں...... پلیز ان کو پڑھ لو......''

اچانک مبشر کو دیکھ کر روبی دم بخود سی اسے دیکھنے لگی۔ اس کی ششدر نگاہوں میں عجیب سی بے چینی تھی۔ مبشر اس کے سامنے کھڑا تھا لیکن اس کی نگاہیں فائزہ پر تھیں۔

روبی نے موبائل فون لے لیا اور میسج پڑھنے لگی۔ اس کے موبائل فون پر آئے میسجز پہلے کوئی پڑھ چکا تھا۔ جیسے جیسے روبی میسج پڑھ رہی تھی، اس کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ اس دوران مبشر نے اپنی جیب سے رومال نکال کر فائزہ کی طرف بڑھایا اور فائزہ اس رومال سے اپنے پھٹے ہوئے ہونٹ سے خون صاف کرنے لگی۔

میسج پڑھنے کے بعد روبی نے مبشر کی طرف دیکھا اور اس کی طرف ایک قدم بڑھا کر بولی۔ ''مبشر......''

مبشر نے فوراً اسے اسی جگہ رکنے کا اشارہ کیا اور روبی کے قدم اسی جگہ جم گئے۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا بلکہ میرے تصور میں ایسی بات کا وجود ہی نہیں تھا کہ تم...... تم وہ نہیں ہو جو مجھے دکھائی دیتی ہو۔''

''مجھے کچھ کہنے کا موقع دو مبشر...... یہ لڑکی......'' روبی نے بولنا چاہا۔

مبشر نے اسے خاموش کرادیا۔ ''اب تم صرف میری بات سنو گی۔ میری تم سے شادی ہوئی اور میں نے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ ایک ایک بات میں نے تم کو بتادی۔ یہ بھی کہ مجھے تنہائی میں خوف آتا ہے۔ میں بچپن سے ہی ڈرپوک ہوں اور مجھے جن بھوت سے ڈر لگتا ہے......'' وہ رکا اور پھر بولا۔ ''یہ تو شکر ہے کہ فائزہ آگئی ورنہ......''

روبی نے ایک میسج کیا اور بہت جلدی اسے اس کا جواب بھی مل گیا۔ پھر اس نے موبائل فون ایک طرف رکھ دیا۔ جو بے چینی اور اضطراب اس کے چہرے پر تھا، وہ یکدم معدوم ہوگیا۔ اب اسے کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے بولی۔

''اب سب کچھ پتا چل ہی گیا ہے تو مجھے بھی کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس گھر میں کوئی آسیب نہیں ہے۔ کرسٹل کا گلدان توڑنے والا اور اس کی جگہ نیا رکھنے والا ایک انسان تھا۔ میں نے ہی اپنے فون سے کال کی تھی کہ جیسے مجھے کوئی مارنے کی کوشش کررہا ہو اور پھر میں نے وہ کال ڈیلیٹ کردی تھی۔ لونگ ڈرائیو کے دوران تمہاری کار سے ٹکرانے والا بھی وہی آدمی تھا اور وہ آدمی اسی گھر میں رہ کر اسی زخمی حالت کے میک اَپ میں تم کو ڈرانے آجاتا تھا۔ جب بیڈ روم میں وہ ہوتا تھا تو باہر سے میں دروازہ لاک کردیا کرتی تھی۔ تم چلاتے تھے اور میں آواز سننے کے باوجود تمہارے پاس نہیں آتی تھی۔ وہی تم کو اسپتال میں وہیل چیئر پر بیٹھا نظر آتا تھا۔ میرے کہنے پر فقیر نے تم سے یہ کہا تھا کہ تمہارے پیچھے کوئی ہے اور میرے کہنے پر پیزا والا آیا تھا تم نے اس سے پیزا لے لیا تھا اور اس گھر میں موجود میرا ایک آدمی وہ پیزا اٹھا کر لے جاتا تھا جو کچھ بھی تمہارے ساتھ ہوتا تھا، وہ ہم سب مل کر کرتے تھے۔ تاکہ تم خوف میں مبتلا ہوکر دہشت سے مرجاؤ۔'' روبی کا لہجہ سفاک ہوگیا۔ مبشر اور فائزہ اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں خاموشی ہوگئی تھی وہ پھر بولی۔

1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

پھلبہری

تمام جلدی بیماریوں کا مؤثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

ایوارڈز ہولڈر اجمل زیدی ماہر برص کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

ASIAN EXCELLENCE PERFORMANCE AWAR

AWARD OF BEST ACHIEVEMENT

AWARD PILLAR OF LEUCODERMA

اسلام آباد

9-اپریل تا 30 مئی
9-اگست تا 30 ستمبر
9-دسمبر تا 30 جنوری

مستقل پتہ

مکان نمبر 62، سٹریٹ نمبر 20، سیکٹر G-8/1
سرینا چوک (شلیمی چوک)، اسلام آباد
فون (051)32331725
موبائل 0300-8566188

پشاور

کیم فروری تا 11 فروری
کیم جون تا 11 جون
کیم اکتوبر تا 11-اکتوبر

قیام

ہوٹل امین
جی ٹی روڈ نزد ہشتنگری چوک پشاور شہر
موبائل 0300-8566188

لاہور

14-فروری تا 27 فروری
14-جون تا 27 جون
14-اکتوبر تا 27-اکتوبر

قیام

گلف سینٹر
آفس نمبر 16
فیروز پور روڈ مزنگ چونگی
نزد الائیڈ بینک لاہور
موبائل نمبر 0300-8566188

کراچی

13-مارچ تا 27 مارچ
13-جولائی تا 27 جولائی
13-نومبر تا 27 نومبر

قیام

فورچون سینٹر
آفس 706، 7 فلور شاہراہ فیصل
نرسری اسٹاپ بینک
الفلاح اور ایم سی بی
موبائل 0300-8566188

ملتان

28 مارچ تا 6-اپریل
28 جولائی تا 6-اگست
28 نومبر تا 7 دسمبر

قیام

ہوٹل سلور سینڈ
ریلوے روڈ، نزد چوک عزیز ہوٹل ملتان
فون (061) 4518061-62
4582803 (0300-8566188)

''جب میں تم کو سیر کے لیے لے کر گئی تو میرا منصوبہ کچھ اور تھا مگر درمیان میں فائزہ آگئی اور میرا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ تازہ خون بیڈ پر گرایا، ہم تم کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ہماری غیر موجودگی میں وہ چادر دھوئی گئی۔ استری سے اسے خشک کر کے پھر بچھا دیا، لیکن اتنے خوفزدہ اور دہشت زدہ ہونے کے باوجود تم نہیں مرے۔''

وہ پھر چپ ہو گئی۔ دونوں مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ روبی زہریلے انداز میں مسکرائی۔

''فائزہ کو رات ہی مار دینے کا منصوبہ تھا لیکن نہ جانے یہ کیسے بچ گئی اور وہ کپڑے اس نے ڈھونڈ کر باہر نکال دیے جو زخمی حالت میں نعیم پہن کر تمہارے سامنے آتا تھا جو تمہاری کار سے ٹکرایا تھا۔''

روبی پھر چپ ہو گئی۔ جب وہ نہ بولی تو مبشر نے زبان کھولی۔ ''اب آگے میں بتاؤں.....'' روبی اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ مبشر بولا۔

''تم نے مجھے اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ میں ہارٹ اٹیک سے شاید مر ہی جاتا لیکن شکر ہے کہ فائزہ مل گئی اور اس کی شروع سے ہی عادت ہے کہ یہ چیزوں کو بڑا الٹ پلٹ کر دیکھتی ہے۔ خواہ مخواہ تلاشی لیتی رہتی ہے۔ اسی عادت کی وجہ سے اس نے آتے ہی اوپر کا سارا پورشن چھان مارا اور پھر بارش والے دن ہم باہر ڈرائیو پر گئے تو اس نے مجھے بہت کچھ بتا دیا۔''

''کیا بتا دیا.....؟'' روبی نے جلدی سے پوچھا۔

''یہ کہ اس نے اوپر کمرے میں رنگ دیکھا ہے جو یہ لوگ خون کے طور پر اپنے ڈراموں میں استعمال کرتے ہیں۔ خون آلود کپڑے دیکھے اور دوسرا سامان بھی تھا..... پھر میں نے بھی وہ چیزیں دیکھیں اور ہم اس کھوج میں لگ گئے کہ اس کے پیچھے حقیقت کیا ہے۔ رات کو میں جاگ رہا تھا کہ تمہارے فون پر ایک میسج آیا۔ ٹون بند تھی لیکن موبائل فون کی روشنی نے اس جانب توجہ مبذول کرا دی۔'' مبشر چپ ہوا تو روبی متحیر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ پھر بولا۔ ''میں نے پہلی بار تمہارا موبائل فون چیک کیا تو میسج آیا تھا کہ 'میں گھر سے جا چکا ہوں اکبر اس لڑکی کو ختم کرنے کے لیے اوپر ہے۔ میسج پڑھ کر میں اسی وقت اوپر گیا تو وہ لڑکا تکیے سے فائزہ کا چہرہ دبا رہا تھا۔ میں نے اسے قابو کر لیا اور باندھ دیا۔''

اس بات نے روبی کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ ایک بار پھر اس کا چہرہ مضطرب ہو گیا۔

مبشر پھر بولا۔ ''ہم دونوں نے اسی سے سب کچھ پوچھ لیا۔ تمہارے فون پر کسی نعیم نام کے لڑکے کا دوبارہ میسج آیا اسی نے پہلے بھی میسج کر کے تمہیں آگاہ کیا تھا کہ اکبر اس لڑکی کو آج مار دے گا۔ اس بار اس نے لکھا کہ اکبر سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے تم اس سے پوچھو کہ کام ہو گیا ہے۔ پھر میں نے تمہارے فون سے میسج کیا کہ کام ہو گیا ہے، تم ابھی آجاؤ۔''

''تم نے یہ میسج کیا تھا؟'' روبی فوراً بولی۔

''ہاں یہ میسج کیا تھا اور ڈیلیٹ بھی کر دیا تھا۔'' مبشر بولا۔ ''مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ اکبر اور نعیم اسی گھر میں بھوت بن کر رہ رہے تھے اور مجھے خوفزدہ کر کے ہارٹ اٹیک کرانے کی کوشش میں تھے تاکہ تم لوگوں پر میرے قتل کا الزام نہ آئے اور یہ ظاہر ہو کہ میں خوف میں مبتلا ہو کر مرا ہوں۔ ماہر نفسیات ڈاکٹر کی فائل بھی تو تم سنبھال کر رکھ رہی تھیں تاکہ بوقتِ ضرورت تمہارے کام آسکے۔''

''نعیم آیا تھا.....؟'' روبی نے فوراً اگلا سوال کیا۔

مبشر اٹھ کر روبی کے پاس گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''اس گھر کے ہر دروازے کی دوسری چابی تم نے اسے دی تھی۔ وہ منہ اندھیرے آیا اور میں نے اسے پکڑ کر باندھ دیا۔ بے وفا اور بے شرم عورت تمہاری شادی مجھ سے ہوئی اور تم اپنے عاشق نعیم کو پھر سے پانے کے لیے میرے ساتھ آسیب کا ڈراما رچاتی رہیں کیونکہ میں نے تم کو بتایا تھا کہ میں تنہائی سے خوف کھاتا ہوں اور تم دونوں نے مجھے اسی خوف میں مبتلا کر کے مار دینا چاہا۔ تاکہ تم دونوں شادی کر سکو۔''

''ہاں ہم نے اسی لیے یہ سب کچھ کیا تھا۔'' وہ چیخی۔

''تو پھر اب اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں پولیس بلا چکا ہوں اور وہ دونوں اس کی گرفت میں ہیں۔''

''وہ پولیس کی تحویل میں ہے؟ میں نے اسے بلایا تھا کہ تم ابھی آجاؤ تاکہ ہم تم دونوں کا خاتمہ کر دیں اور اسی نے جواب دیا تھا کہ وہ پانچ منٹ میں پہنچ رہا ہے۔'' روبی حیران کن انداز میں بولی۔

''مجھے تمہاری بے وفائی اور فریب پر بہت دکھ ہوا ہے۔ لیکن اتنا یاد رکھو کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔'' مبشر نے کہہ کر اپنے موبائل فون سے ایک کال کی اور نیچے براجمان پولیس اوپر آگئی۔ روبی کا رنگ فق ہو چکا تھا اور وہ ناچار پولیس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

www.PakiBooks.site